وہ کتابیں اپنے آباء کی

علمی تحقیقات کے مصادر سے استفادہ اور جمع آوری کیلئے دنیا کے اسفار

تالیف

محمد اقبال مجددی

پروگریسو بکس

اس کتاب میں عربستان ، مصر،
ترکی انگلستان ، ایران ، افغانستان ، پاکستان اور
ہندوستان کے طویل اسفار کی داستان بہت ہی
دلچسپ انداز میں تحریر کی گئی ہے، اسفار کا مقصد
علوم شرقیہ میں علمی تحقیقات اور تصانیف و تالیف
کے لیے مصادر کی جمع آوری تھا۔

ان اسفار کے دوران مخطوطات
کی عکسی نقول بہت ہی دشواریوں سے حاصل کی
گئی تھیں۔

جو اہل علم کے افادہء عام کی غرض
سے پنجاب یونیورسٹی، لاہور کی مرکزی لائبریری
میں بطور عطیہ جمع کروادی گئی ہیں، سفر میں دنیا
کے کتب خانوں میں مطالعہ کی گئی کتب اور
مخطوطات پر وضاحتی حواشی نے اس کتاب کو
بذات خود ایک کتابِ حوالہ بنادیا ہے۔

وہ کتابیں اپنے آباء کی

علمی تحقیقات کے مصادر سے استفادہ اور جمع آوری کیلئے دنیا کے اسفار



تالیف

محمد اقبال مجددی

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ
اُردو بازار ○ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

کتاب	:	وہ کتابیں اپنے آباء کی
مولف	:	**محمد اقبال مجددی**
طابع	:	آر۔آر۔ پرنٹرز
ناشر	:	چوہدری غلام رسول میاں جواد رسول، میاں شہزاد رسول
طبع اوّل	:	۲۰۱۹ء
قیمت	:	روپے

انتساب

اپنی تربیت گاہ، میاں شمس الدین مرحوم (ف ۱۱ر جنوری ۱۹۶۸ء)
تاجر کتب نادرہ، چوک انارکلی، لاہور
کی دکان کے علمی ماحول کے نام
جہاں میرا ذوقِ تحقیق پروان چڑھا

مخلص
محمد اقبال مجددی

بروز جمعہ
۱۴ر دسمبر ۲۰۱۸ء

فہرست

عرضِ ناشر

میں پروفیسر محمد اقبال مجددی کو اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ اسلامیہ کالج، ریلوے روڈ، لاہور میں سالِ اول کے طالب علم تھے اور ہمارے پاس بڑی بڑی کتابیں خریدنے کے لئے آیا کرتے تھے' ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے سارے تعلیمی مدارج طے کر لئے اور فضیلت کے مقام پر فائز ہو گئے، یعنی ان کا انتخاب لکچرر کے طور پر ہو گیا جو ان کے مزاج کے عین مطابق تھا۔

ہم حیران ہوتے تھے کہ یہ نوجوان لڑکا وہ کتابیں لیتا ہے جو کبھی کوئی بوڑھا عالم بھی لینے نہیں آتا، انہیں لڑکپن سے ہی کتابوں سے الفت تھی، جو وقت کے ساتھ ساتھ عشق میں تبدیل ہو گئی، وہ علمی تحقیقات کے لئے سارے پاکستان کے علمی مراکز میں تو جایا ہی کرتے تھے، اب وہ اپنے مواد کی جمع آوری کے لئے غیر ملکی سفر بھی کرنے لگے، تو ہر سفر میں ان کے ہاتھ بہت سے جواہر آبدار لگے، جو ایک مخلص محقق کا خاصہ ہے، جن کا ذکر انہوں نے بڑے دلنشین انداز میں اپنے سفر ناموں کے اس مجموعہ میں کیا ہے۔

مجددی صاحب نے اپنے ان اسفار کی روداد کے آغاز میں اپنی زندگی کے وہ احوال بھی لکھے ہیں جو ان کی بتدریج ذہنی وفکری نشوونما کا سبب بنے' انہوں نے میرے ہی ایما پر اپنے ہر سفر نامہ پر حواشی بھی لکھے ہیں تاکہ اس کتاب کے پڑھنے والوں کو کتابوں کے بارے میں تمام تر معلومات ان میں سے بآسانی مل سکیں۔

دعا ہے کہ رب کریم انہیں صحت وسلامتی کے ساتھ مزید علمی و تحقیقی کتابیں مرتب کرنے کی توفیق دے' آمین۔

۸ر دسمبر ۲۰۱۸ء

مخلص

چوہدری غلام رسول

(مالک، پروگریسو بکس، لاہور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

اپنے مختلف اسفار کے دوران تحریر کی گئیں یہ یاداشتیں بس یونہی لکھ لی گئی تھیں، انہیں شائع کرنے کا کوئی ارادہ ہی نہیں تھا' کیوں کہ دیگر علمی مصروفیات نے ان پر نظر ثانی کی مہلت ہی نہیں دی' کبھی ریل کے سفر میں' کبھی بسوں کے اسفار میں اور اکثر ہوائی جہازوں میں سفر کرتے ہوئے یہ یاداشتیں لکھی گئی تھیں، کئی مقامات پر تو عبارتیں غیر مربوط ہی رہ گئی ہیں اور زبان و بیان میں بھی اسقام پائے جاتے ہیں۔

اب پیرانہ سالی میں ان پر تجدید نظر کی قوت کہاں رہی ہے؟ لیکن مرنے کے بعد ان کو تلف ہونے سے بچانے کے لئے انہیں اس امید پر اُسی طرح شائع کیا جا رہا ہے کہ نسل نو ان سے عبرت پذیر ہونے کے ساتھ انہیں از سرنو مرتب بھی کرلے گی' البتہ ان پر مختصر سے حواشی بھی لکھ دیئے گئے ہیں کہ طلبہ کو ان میں سے کچھ نہ کچھ تو مل جائے۔

اس کتاب کا نام علامہ اقبال کے اس مشہور شعر ؎

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

سے ماخوذ ہے' لیکن میرا دل تو یورپ کے کتب خانوں میں انہیں محفوظ اور مرتب صورت میں دیکھ کر ''سی پارہ'' ہونے کی بجائے ''باغ باغ'' ہو گیا تھا اور میں سوچتا تھا کہ کاش ہمارا جو ''قومی اور ملی ورثہ'' جس کی ہم حفاظت نہیں کر سکے' وہ یہ بھی لے جاتے تو اچھا ہوتا کہ کم از کم وہاں محفوظ تو ہے اور ہم ان کی نقول بآسانی حاصل کر سکتے ہیں' یہاں تو اس سرمایہ کی ہر طرف تباہی اور بربادی کے آثار ہی نظر آتے ہیں' رب کریم ہمارے ملک پر رحم فرمائے' آمین۔

196-بی بلاک، سبزہ زار، لاہور

ناچیز

محمد اقبال مجددی

یکم دسمبر ۲۰۱۸ء

مقدمہ

شعور کا سفر

آخر شعور کی وہ آنکھیں جن کے پوری طرح کھلنے کا انتظار تھا، وا ہونا شروع ہوئیں، سکول و کالج کے مابین کے تعلیمی سفر کے دوران ہی کئی صاحبِ علم و دانش سے مراسلت کے سلسلہ کا آغاز کر دیا، [1] دارالمصنفین (شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ) اور ندوۃ المصنفین (دہلی) کی مطبوعات اور رسائل پڑھنے لگا، جن سے شعور میں پختگی کی راہیں قدرے ہموار ہونے لگیں، بعد میں ان اداروں کے رسائل ''معارف'' اور ''برہان'' منگوانے لگا اور ابھی دسویں جماعت کا امتحان دے کر نتیجہ کے انتظار میں تھا کہ فراغت کے دنوں میں پہلا مقالہ لکھا ''تذکرہ تحفۃ الواصلین اور اس کے مولف شیخ احمد زنجانی''، والد مرحوم کو سنایا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ دارالمصنفین بھیج دو کہ ان کے رسالہ معارف میں شائع ہو جائے، میں نے ایسا ہی کیا اور وہ مضمون وہاں سے ہی شائع ہو گیا، [2] یقین کیجئے میں اس وقت ایک معمولی طالب علم تھا، دارالمصنفین کے رسالہ میں میرا مضمون شائع ہونا واقعی ایک عجوبہ تھا مجھ جیسے نوعمر کے تو خوشی سے پاؤں ہی زمین پر نہیں لگتے تھے۔

اب فطری طور پر اس قسم کے طالب علم کو ذہنی نشوونما کے لئے ایک خاص ماحول درکار تھا، کاش ایسا ہوتا، میں ایک غریب گھرانے کا بچہ تھا، کسی اعلیٰ درجے کے کالج میں داخلہ کیسے لے سکتا تھا؟ لے دے کر اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور میں سال اول میں داخلہ لے لیا، یہ انجمن حمایتِ اسلام کا پرائیویٹ کالج تھا، انجمن نے فیس کی لالچ میں اتنے طلبہ داخل کر لئے کہ کمروں میں جگہ نہ رہی اور کالج کی گراؤنڈ میں ٹینٹوں میں کلاسیں لگنے لگیں، استاد کے لیکچر کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، وہاں طلبہ کی علمی قابلیتوں کو کہاں سے جلا ملتی؟

خدا خدا کر کے دو سال پورے ہوئے تو اسلامیہ کالج سول لائنز، لاہور میں بی اے میں داخلہ لینے سے پہلے اس کی لائبریری دیکھنے گیا تو بہت خوش ہوا کیونکہ یہ لائبریری اس سے کئی گنا بڑی تھی اور علامہ اقبال کا ذخیرۂ کتب بھی یہیں پر تھا، لیکن یہ کالج بھی مذکورہ لالچی انجمن کا ہی تھا، طلبہ کی تعداد خاصی زیادہ تھی، بڑی

۱۔ یہ مراسلت (رسالہ) صحیفہ، لاہور کے دو شماروں (۲۲۶۔۲۲۷، ۲۲۸۔۲۲۹) میں شائع ہو چکی ہے۔

۲۔ مشمولہ معارف نومبر ۱۹۶۷ء

مشکل سے دو سال گزارے، اتنے میں اسلامیہ کالج، ریلوے روڈ (مذکور) میں بی اے کی کلاسیں شروع ہو گئیں، جہاں طلبہ کی تعداد اس لئے کم تھی کہ داخلہ کے امیدواروں کو یہاں ڈگری کلاسوں کے اجراء کا علم ہی نہیں تھا، میں تیز تیز سائیکل چلاتا ہوا روزانہ کئی کلاسیں وہاں پڑھتا تھا اور پھر اسی طرح واپس اپنے کالج آجاتا تھا، بڑی سخت کوشی کا زمانہ تھا۔

اس کے باوجود ذوقِ مطالعہ بیٹھنے نہیں دیتا تھا، ان دونوں کالجوں کے درمیان پنجاب یونیورسٹی، لاہور کی لائبریری واقع تھی، جو پاکستان کا سب سے بڑا کتابخانہ تھا، میں اس میں آٹھویں جماعت کا متعلم تھا کہ کبھی کبھار جایا کرتا تھا، اب تو روزانہ جانے لگا، اس نوعمری میں میری توجہ کا مرکز اس لائبریری کے نادر مخطوطات ہوتے تھے، میں اس کی فہرست مخطوطات جو غیر مطبوعہ رجسٹر میں تھی کئی بار دیکھی تھی، اس میں اپنے وطن مولود قصور کے ایک مولف عبداللہ خویشگی قصوری (حدود ۱۰۴۳۔۱۱۲۶ھ) کی کتابیں دیکھیں تو بہت خوش ہوا، ان میں ان کی سب سے ضخیم کتاب "معارج الولایت" (ذخیرۂ آذر، شمارہ H-25) بھی تھی، جو صوفیہ کا ایک تذکرہ ہے، میں نے اس کے کئی حصے پڑھ ڈالے تو ارادہ کرلیا کہ میں خویشگی کے احوال وآثار پر ایک کتاب لکھوں گا، یہ ۱۹۷۰ء کا زمانہ تھا اور میں مذکورہ کالج میں سال سوم کا طالب علم تھا، وقت بچا بچا کر یہ مخطوطات دیکھا کرتا تھا، آخر قصور جا کر اس کی دیگر کتابوں کی تلاش شروع کی تو کئی اور کتابیں مخطوطات کی صورت میں ملیں، جس سے میرا کام نصابی مصروفیات کے باعث سست روی سے آگے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ اسی سال یہ کتاب مکمل ہوگئی، لیکن ایسی کتاب نظر ثانی کی محتاج تھی، جس کے لئے نصابی مصروفیات کے باعث میرے پاس وقت نہیں تھا۔

اس سے پہلے میری دو چھوٹی کتابیں یعنی "تذکرہ علمائے ساہووالہ" (سیالکوٹ) کا ایک نادر تذکرہ (اکتوبر ۱۹۷۱ء) اور احوال وآثار سید شرافت نوشاہی (نومبر ۱۹۷۱ء) کو شائع ہو گئی تھیں، اب دن رات نصاب کی بجائے یہی فکر کھائے جارہی تھی کہ احوال وآثار خویشگی پر کسی طرح نظر ثانی ہو کر شائع ہو جائے، اس دوران میں بی اے کر کے پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے شعبۂ تاریخ میں ایم اے سال اول میں داخلہ لے چکا تھا کہ یہ کتاب بھی طبع ہوگئی، لڑکپن کا زمانہ تھا، میں نے قصداً اسے جوانی کا دور نہیں لکھا کیوں کہ مجھے علمی

تحقیقات اور بے کار نصابی مصروفیات نے جوانی کا احساس ہونے ہی نہیں دیا، بہر حال اس عمر میں خودنمائی کا دبا دبا سا شعور ضرور تھا، کتاب احوال خویشگی کی تقریب رونمائی کا سر میں سودا سما گیا تو رائٹرز گلڈ، لاہور میں یہ تقریب کروادی اور بے وقوفی سے اپنے شعبۂ تاریخ کے استادوں کو اس کتاب پر اظہارِ خیال کے لئے بلا لیا، ان میں سے کوئی استاد بھی کسی کتاب کا مصنف نہیں تھا، بجز پروفیسر محمد اسلم کے، جن کی صرف ایک کتاب ''دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر'' چھپی ہوئی تھی، وہ ہر وقت اپنی اعلیٰ علمی استعداد کے زعم میں سرشار رہتے تھے اور انگلستان میں نو سال تک پی ایچ ڈی کی ناکام کوششوں نے ان کا مزاج ہی ایسا بنا دیا تھا کہ وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، وہ اپنے ایک طالب علم کی اس کتاب کی اشاعت پر حسد سے جل اُٹھے اور اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا: کہ ''میرے نزدیک اس موضوع پر کام کر کے وقت ضائع کیا گیا ہے۔'' بعد میں جب استاد محترم کے اپنے مقالات میں خویشگی کی کتابوں کے حوالے دیکھے تو کوئی تعجب نہ ہوا، باقی استاد تو بیچارے اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کے قابل نہیں تھے، ہاں! پروفیسر اسلم کے بعد ڈاکٹر محمد ایوب قادری (استاد اردو کالج، کراچی) نے پروفیسر صاحب کے مذکورہ سنہری قول کی عمدہ الفاظ میں تردید کر دی، جسے پروفیسر صاحب نے دیانت اور امانت علمی کو بالا طاق رکھتے ہوئے رائٹرز گلڈ کے رسالہ کتاب میں اپنی تقریر تو رہنے دی اور ایوب قادری کا ناقدانہ بیان حذف کروا دیا۔

یہ سب تکلیف دہ واقعات شعور میں غبارِ خاطر کی طرح پیوست ہو چکے ہیں جن کی چنگاریاں اب ستر سال کی عمر میں بھی کبھی کبھار سلگنے لگتی ہیں۔

یہ سب کچھ ملک وملت کی بدنامی کا باعث تو ہے لیکن میں نے صرف اس لئے بیان کر دیا ہے کہ مجھ جیسے طالب علم کو علمی ترقی اور شعور کی پختگی کے لئے جس قسم کے علمی ماحول کی ضرورت ہوتی ہے، اُس کا نہایت فقدان تھا۔

میں نے یورپ کی ترقی اور وہاں کے علمی ماحول کے قصے کتابوں میں پڑھے تھے، پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ میں طالب علمی کے دوران مجھے ایک بہت بڑے ماہر لسانیات ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کا اپنے جرمن استاد پروفیسر انو لتمان (Enno Littmann) کی وفات (۴ مئی ۱۹۵۸ء) پر تعزیتی مقالہ[1]

۱۔ صدیقی، عبدالستار: انو لتمان، مقالہ مشمولہ مجلّہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، ج ۱، ش ۱، ص ۲۰۳-۲۱۶

علی گڑھ سے مل گیا، جسے میں نے بار بار پڑھا اور بلا مبالغہ ہزار بار رویا کہ کاش مجھے بھی ایسے استاد ملتے، پروفیسر صدیقی کولتمان کے استاد پروفیسر نولدیکے کی خدمت میں بھی حاضری نصیب ہوئی اور ان کے درس شاہنامہ میں بھی شریک رہتے......

ایم اے کے آخری سال میں طالب علم ایک تحقیقی مقالہ بھی لکھتے ہیں، میری دلی تمنا تھی کہ اس شعبہ کے سب سے بڑے دانشور اور اپنے کمرہ کو ''بیت الحکمۃ'' کا درجہ دینے والے استاد پروفیسر محمد اسلم کی نگرانی میسر آجائے، مجھے معلوم تھا کہ وہ میرا مقالہ اپنے پاس رکھنا پسند نہیں فرمائیں گے، اس کے باوجود میں ان کا اندازِ انکار سننے کے لئے ان کے ''بیت الحکمۃ'' پر حاضر ہوا اور اپنی اس خواہش کا اظہار کیا، جس کے جواب میں اپنا الٹا ہاتھ گھماتے ہوئے فرمایا کہ ''نہیں نہیں تم نہیں لکھ سکتے'' اتنے میں ان کی ایک دلہن کی طرح بجی ہوئی معشوقہ (طالبہ) ان کے کمرے میں تشریف لائیں تو انہوں نے فرمایا کہ تم نے ابھی تک مقالہ کی درخواست کیوں نہیں دی؟ اور پھر اپنی ایک اور خوبرو محبوبہ [۲] (طالبہ) کا نام لے کر فرمایا کہ اس کو بھی بلاؤ اور کہو کہ ہم تمہارے مقالات اتنے بڑے بڑے بنا دیں گے (ہاتھوں کے اشارہ سے) ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ مجھے جلانے کے لئے کیا جا رہا تھا، میں بھلا کہاں ٹلنے والا تھا، میں نے اپنی درخواست کا پھر اعادہ کیا تو اب حضرت استاد نے اپنے دونوں مبارک ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ''نہیں میں تمہارا مقالہ اپنے ساتھ نہیں رکھوں گا۔''

میں بغیر کسی احتجاج کے ان کے خود ساختہ ''بیت الحکمۃ'' سے ایسا باہر نکلا کہ پھر کبھی نہ گیا، ہاں اس سے چند دن پہلے کا ایک بہت ہی ''خوشگوار'' واقعہ سناتا چلوں کہ انہی حضرت استاد نے اپنے ایک مقالہ میں ''مآثر عالمگیری'' (فارسی) کا حوالہ دے کر کچھ نتیجہ اخذ کیا تو میں مذکورہ کتاب لائبریری سے مستعار لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حضرت آپ نے اس کتاب سے جو نتیجہ اخذ فرمایا ہے اس کی مجھے سمجھ نہیں آئی، آپ سمجھا دیجئے، جس پر حضرت نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھتے ہوئے فرمایا کہ بیس منٹ کے بعد میری کلاس ہے، میں اس کی تیاری کر رہا ہوں، مجھ سے یہ نہ فرمایا کہ تم پھر آنا، میں ''بیت الحکمۃ'' سے باہر

۱۔ ہم نے ان طالبات کے نام قصداً نہیں لکھے کیوں کہ آج اُن کے نام و نشان علمی دنیا سے مٹ چکے ہیں۔

نکل آیا، دروازہ ابھی بند نہیں ہوا تھا کہ حضرت استاد کی اول الذکر طالبہ (معشوقہ) کمرہ میں داخل ہوئی، اس نے سلام عرض کیا تو فرمایا کہ ''میں صبح سے تیرے ہی انتظار میں بیٹھا ہوں۔''

مجھے بہت طیش آیا لیکن میرے پاس ''ضبط'' کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا، جس کے میرے دل ودماغ پر بہت گہرے اثرات ہوئے کہ میرے سلام کے جواب میں استاد نے کیا کہا اور اپنی محبوبہ کے سلام کا کیا جواب دیا؟ اس کے بعد میں نے عہد کر لیا کہ میں ایسے استاد گرامی کو کبھی سلام مسنون عرض نہیں کروں گا، چنانچہ میں نے ان کو پھر کبھی سلام نہ کیا۔

موصوف اپنے ''بیت الحکمۃ'' میں انگڑائی لیتے ہوئے طالبوں سے کہا کرتے تھے کہ میں دیکھتا ہوں کہ محمد اقبال مجددی میرے پرچے میں پاس کیسے ہوتا ہے؟

میں نے اپنا مقالہ شعبۂ تاریخ کے صدر ڈاکٹر یار محمد خان کے ساتھ رکھوا لیا، وہ اگرچہ تیز مزاج اور بلڈ پریشر کے مریض تھے، لیکن دل کے اچھے تھے، خدا خدا کر کے ایم اے بھی کر لیا اور نتیجہ نکلا تو درجہ اول میں کامیاب ہو گیا۔

آغازِ ملازمت

اب ایک اور بڑا پیچیدہ مسئلہ درپیش تھا کہ ایم اے تو کر ہی لیا ہے، اب نوکری کیسے ملے؟

اتنے میں پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے شعبۂ تاریخ میں لیکچرر کی آسامیاں نکلیں، بدقسمتی سے صدر شعبہ بھی یہی استاد بنے کیوں کہ ڈاکٹر یار محمد خان طویل رخصت لے کر ملک سے باہر چلے گئے تھے، خیر میں نے بھی درخواست دے دی، کل تین آسامیاں تھیں، ان میں سے ایک تو پروفیسر محمد اسلم کی محبوبہ کے لئے مخصوص تھی، جو میٹرک سے بی اے تک تھرڈ ڈویژن میں پاس ہوتی آئی تھی لیکن اسلم صاحب کی عنایتِ خاص سے ایم اے میں گولڈ میڈلسٹ کہلائیں، ایک صاحب یونیورسٹی کی یونین کے عہدہ دار تھے، بھلا وائس چانسلر اور پروفیسر اسلم اُسے کیسے بھرتی نہ کرتے، انٹرویو کے وقت ان کے پاس کوئی علمی سرمایہ نہیں تھا، جب کہ میں ایم اے کرنے سے پہلے تین کتابوں کا مصنف اور معارف و برہان کا مقالہ نگار بھی تھا، میرے اس وقت تک کئی مقالات پنجاب یونیورسٹی کے اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں شائع ہو چکے تھے، پھر بھی صرف

مجھے ہی ناکام قرار دیا گیا۔

پروفیسر محمد اسلم نے ان حضرات کا انتخاب سوچ سمجھ کر کیا تھا کہ ایسے لوگوں کو لیکچرر منتخب کریں جن کے اندر ساری عمر علم کی رمک تک پیدا نہ ہونے پائے اور شعبۂ تاریخ میں اگر کبھی کسی مولف یا مصنف کا نام لیا جائے تو وہ صرف محمد اسلم ہی کا ہو، وہ اپنی اس نیک نیتی میں اتنے کامیاب ہوئے کہ آج تک ان کی منتخبہ و محبوبہ اپنے استاد کے علمی مقام و مرتبہ کو اہل علم سے متعارف نہیں کرواسکیں۔[1]

اس کے بعد پنجاب پبلک سروس کمیشن نے تاریخ کے لکچرر کی کچھ آسامیاں مشتہر کیں تو میں نے بھی درخواست دے دی، یہاں بھی علم تاریخ کے ماہر استاد کی حیثیت سے انہی کو بلایا گیا کیوں کہ وہی شعبۂ تاریخ کے عارضی صدر تھے، دوسرے ماہر ڈاکٹر سید رضی واسطی (استاد تاریخ گورنمنٹ کالج، لاہور) کو بلایا گیا، جب میری باری آئی تو پروفیسر محمد اسلم نے واسطی صاحب کے کان میں کچھ کہہ کر اپنے ساتھ ملا لیا، پھر دونوں نے اس طرح انٹرویو لیا جیسے کوئی قصاب جانور ذبح کرتا ہے، گفتگو کے دوران میرے منہ سے ''گاندھی'' نکلا تو پروفیسر اسلم نے پوچھا کہ بتایئے ان کا اصل نام کیا تھا؟ میں نے معذرت کی کہ مجھے ان کا اصل نام نہیں آتا، جس پر انہوں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا تو میں نے پوچھا کہ اس میں ہنسنے والی کون سی بات ہے؟ جس کے جواب میں مجھ سے کہا گیا کہ لوتم تو تاریخ کے لکچرر کے امیدوار بن کر آئے تھے، تمہیں تو گاندھی کا اصل نام تک معلوم نہیں ہے، جس کے جواب میں نے نے عرض کیا کہ تاریخ میں بہت سے ایسے اصحاب ہیں کہ جن کا صرف لقب ہی مشہور ہو جاتا ہے، اصل نام یاد کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، میں نے فوراً کہا کہ یہاں پروفیسر محمد اسلم بیٹھے ہیں جو تاریخ اسلام کے ماہر استاد ہونے کے دعویدار ہیں، یہ بتائیں کہ ایک بزرگ صحابی کا عرف ''ابو ہریرہ'' ہے، ان کا اصل نام کیا تھا؟ وہ خاموش ہو گئے تو میں نے فوراً دوسرا نام لیا کہ امہات المومنین میں ایک لقب ''ام المساکین'' ہے، اسلم صاحب بتائیں کہ ان کا اصل نام کیا تھا؟ اسلم صاحب کچھ نہ بتا سکے، تو میرا یہ جرأت مندانہ بیان سن کر کمیشن کے باقی ممبران سمجھ گئے کہ ان کی آپس میں کچھ رنجش ہے۔

۱۔ ہاں! میاں محمد مختار حق مرحوم نے ان کی علمی خدمات پر ایک مقالہ (رسالہ) مخزن، لاہور میں شائع کروایا تھا۔

بہر حال اس انٹرویو کا نتیجہ نکلا تو رب کریم کے فضل و کرم سے میرا انتخاب ہو گیا، میرے استادوں نے میری حوصلہ شکنی تو معمولی بات ہے، انہوں نے مجھے اور میرے علمی کاموں پر مٹی ڈالنے کی بھرپور کوشش کی، ان کے وہ شاگرد جن کو انہوں نے مجھ پر ترجیح دی تھی، وہ کسی ایک کتاب کے مولف بھی نہ بن سکے اور میری تقریباً پچاس تالیفات و مرتبات شائع ہو کر علوم مشرقیہ کی دنیا میں اپنا مقام حاصل کر چکی ہیں، واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے۔

پاکستان کا تعلیمی و علمی ماحول

ملازمت کے لئے میری پہلی تقرری عارضی طور پر گورنمنٹ شاہ حسین کالج، لاہور میں ہو گئی تھی، پھر کمیشن سے انتخاب کے بعد مجھے وہیں مستقل کر دیا گیا، اس کالج کی عمارت کرایہ پر تھی اور کمرے بہت کم تھے، کلاسیں باہر گراؤنڈ میں ہوتی تھیں، میں نے پبلک سروس کمیشن میں جو کچھ میرے ساتھ ہوا تھا وہ آکر گورنمنٹ شاہ حسین کالج کے پرنسپل پروفیسر منظور احمد کو بتایا اور یہ بھی کہا کہ جس ماہر استاد کو وہاں بلایا گیا تھا وہ اپنے حصے کے نمبروں کی جگہ صفر دے گئے تھے، کیوں کہ انہوں نے مخدومی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم سے جا کر کہہ دیا تھا کہ اقبال مجددی سے کہیے کہ وہ پڑھا کرے ورنہ رہتے رہتے رہ جائے گا، پرنسپل دہریئے (کیمونسٹ) تھے لیکن انہیں معلوم تھا کہ میں ایم اے کرنے سے پہلے تین مطبوعہ کتابوں کا مولف اور معارف، برہان اور دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی، لاہور) کا مقالہ نگار ہوں، میرے سوا کسی امیدوار کے ہاتھ میں کوئی تحقیقی مواد نہیں تھا، انہیں یہ سن کر بہت رنج ہوا، رکشہ منگوایا مجھے ساتھ لے کر کمیشن کے دفتر پہنچے، وہاں جا کر بڑے پُر زور الفاظ میں میری حمایت اور مدعوین کی جانبداری کے بارے میں سخت لہجہ میں گفتگو کی، جس پر عملہ کا ایک ملازم اُٹھا اس نے ایک فائل نکال کر بتایا کہ نہیں آپ کے امیدوار کی تقرری ہو چکی ہے، مطمئن رہیے۔

میں نے ۳۶ سال لاہور کے مختلف کالجوں شاہ حسین کالج، ایم اے او کالج، اسلامیہ کالج، لاہور کینٹ اور آخر میں اسلامیہ کالج سول لائنز میں تدریسی خدمات انجام دیں، ان کالجوں کے پرنسپل تہذیب و شائستگی سے عاری، سٹاف ممبران تعلیم و تعلم سے بے زار تھے، میں نے تقرری کے چند ماہ بعد ہی کالجوں کے ماحول سے

دلبرداشتہ ہوکر پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر کو ایک درخواست لکھی کہ ڈگریاں یافتہ اساتذہ علم سے بے بہرہ ہیں میرا بھی انہیں میں شمار ہے، مجھ سے میری ایم اے کی سند واپس لے لی جائے، لیکن مجھے کبھی کوئی جواب نہ آیا۔

مجھے خوب یاد ہے کہ تقرری کے بعد میری پہلی کلاس کا وقت جوں جوں قریب آرہا تھا، میرے دل کی دھڑکن تیز ہورہی تھی اور بے چینی میں اضافہ بھی ہوگیا تھا، میں گون پہن کر کلاس میں جانے لگا تو مجھے غم سے چکر آگیا، ایک استاد میری حالت زار دیکھ کر مجھے پرنسپل کے کمرہ میں لے گئے، یہ وہی پرنسپل تھے جن کا اوپر کی سطور میں ذکر ہو چکا ہے، انہوں نے میری پریشانی کی مجھ سے وجہ پوچھی تو میں نے کہا کہ جناب مجھے ایم اے کا امتحان دیئے ہوئے تقریباً ایک سال ہوگیا ہے، اس دوران میرے مضمون سے متعلق دنیا میں کتنا لٹریچر شائع ہوگیا ہے، میں اس سے واقف نہیں ہوں، میں خوف زدہ ہوں کہ اگر کلاس میں کسی طالب علم نے کوئی ایسا سوال کردیا جس کا مجھ سے جواب نہ بن پایا تو میں کیا کروں گا؟ پرنسپل حقیقت پسند آدمی تھے، انہوں نے فوراً سارے سٹاف کو جمع کیا اور کہا کہ میری عمر ۵۵ سال ہے، میں نے آج تک کوئی ایسا استاد نہیں دیکھا جسے اپنے مطالعہ کے کمزور اور تازہ ترین معلومات سے محرومی کا احساس ہو، آپ اس نوجوان پروفیسر سے سیکھا کریں، میری قدرے حوصلہ افزائی ہوئی اور میں کلاس میں چلا گیا، مجھے معلوم نہیں تھا کہ پرنسپل حضرات پہلا لکچر چھپ کر سنا بھی کرتے ہیں، انہوں نے میرا یہ لکچر بھی سنا اور پھر ایک روز سٹاف میٹنگ میں کہا کہ میں نے پہلی بار کسی نوجوان استاد کا بغیر تیاری کے اتنا عمدہ لکچر سنا ہے۔

یہ تھا ہمارے تعلیمی اور تدریسی اداروں کا ماحول، کیا اس میں تحقیق کے کسی طالب علم کی فکری ترقی یا نشو ونما ہوسکتی تھی؟

۱۹۸۶ء میں انگلستان کے سفر کے دوران میں علوم اسلامی وعربی کے مشہور محقق ڈاکٹر پروفیسر فواد سزگین [۱] سے ملنے کے لئے جرمنی کی فرینک فورٹ یونیورسٹی گیا، اس کے بعد وہ لندن آئے تو میں ان دنوں وہیں تھا، جہاں ان کا ایک لکچر بھی ہوا تھا، میں ان کا بیان سننے کے لئے لکچر ہال پہنچا کچھ دیر کے بعد

۱۔ ڈاکٹر فواد سزگین (۱۹۲۴۔۲۰۱۸ء) کے علمی کارناموں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:
ظلی، اشتیاق احمد: پروفیسر فواد سزگین (کی وفات) معارف، اعظم گڑھ، ستمبر ۲۰۱۸ء (وبہ بعد)

پروفیسر سزگین بھی آگئے، میں عام طور پر علمی سفر کے دوران کسی سے ملاقات کے لئے کم ہی جایا کرتا ہوں لیکن ان سے ملنے کے لئے پہنچ گیا، لکچر شروع ہوا، اول سے آخر تک میں ہمہ تن گوش سنتا رہا، چونکہ ہمارے ملک میں اس قسم کے پروگرام اور لکچرز کا کوئی تصور ہی نہیں تھا اور کبھی ہمارے استادوں کی زبان سے ان کے تبحر علمی کی کوئی بات سنی ہی نہیں تھی اس لئے میرے استعجاب کی بڑی وجہ یہی ہمارا ماحول تھا جس میں میں اپنی زندگی برباد کر چکا تھا۔

میں نے لکچر کے میزبان سے پروگرام کے ختم ہونے پر آدھا گھنٹہ بات چیت کی، انہوں نے مجھے زبانی بھی بتایا اور کچھ لٹریچر بھی دیا، جسے پڑھ کر میں بہت ہی حیران و پریشان ہوا، خود پروفیسر سیزگن کے حالات زندگی بہت ہی عجیب وغریب حد تک حیرت انگیز تھے، وہ ترک تھے، ایک بہت بڑے مستشرق ڈاکٹر رٹر[1] استنبول میں عربی مخطوطات کے مطالعہ کے لئے آیا کرتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے مسلمانوں کے عقلی علوم پر استنبول میں ہی لکچر دیا اور بتایا کہ یورپین سکالروں نے قصداً مسلمانوں کے سائنسی وعقلی علوم سے لاتعلقی کا پروپیگنڈا کر رکھا ہے، مسلمان اس میدان میں ہر لحاظ سے یورپ پر فوقیت رکھتے ہیں، انہوں نے فلکیات، جغرافیہ، ستاروں اور سورج وچاند کے متعلق جو تحقیقات کی ہیں، یورپین کو ان کا پہلے سے علم ہی نہیں تھا، زمین کی معدنیات پر ان کی تحقیقات و تجربات سے ہی یورپ کو آگہی ہوئی، رٹر کا یہ لکچر سن کر سزگین، جو گھر سے انجینئر بننے کے لئے نکلے تھے، اپنا ارادہ بدل کر مسلمانوں کے عقلی علوم کی تحقیق کرنے کے میدان میں اترنے کا فیصلہ کرلیا، رٹر بہت مشکل پسند قسم کے سخت مزاج محقق تھے، لیکن سزگین نے ان کی

---

[1] ریٹر (Hellmut Ritter) ۱۸۹۲ـ۱۹۷۱ء عربی زبان وادب کے نامور محقق تھے، فارسی میں بھی بڑا دخل تھا، بہت سی کتابوں کے متون ایڈٹ کئے جن میں سے امام صلاح الدین صفدی کی سب سے ضخیم کتاب ''الوافی بالوفیات'' کے متن کی تصحیح وتعلیق کا آغاز کیا، اس کی پہلی جلد ان کے اہتمام سے شائع ہوئی تو ان کا انتقال ہوگیا، باقی ۳۰ مجلدات ان کی وفات کے بعد مستشرقین کے ایک بورڈ نے مرتب کیں اور اب مکمل شائع ہو چکی ہے، میں نے بہت ہی ذوق کے ساتھ جوں جوں اس کی جلدیں چھپتی رہیں، منگواتا رہا، اس طرح یہ مکمل صورت میں آج میرے ذخیرہ کی زینت ہے، ریٹر کے احوال وآثار کے لئے ملاحظہ ہو:

(i) نجیب العقیقی: المستشرقون ۲/۶۰ـ۲۶۲ ء

(ii) بدوی، عبدالرحمٰن: دائرۃ المعارف مستشرقان ترجمہ صالح طباطبائی، قم ۱۳۷۷ ش

شاگردی ہر قیمت پر اختیار کرنے کا عزم کرلیا، انہوں نے بتایا کہ بروکلمان کی تاریخ ادبیات عربی میں اتنے خلا ہیں کہ ان کو پُر کرنے کے لئے ان کی مرتبہ کتاب کا ذیل لکھنا لازم ہے۔

سزگین نے بروکلمان کا ذیل لکھنے کا ایسا عزم کیا کہ جب عملی طور پر اس میدان میں قدم رکھا تو کہا کہ میرا کام بروکلمان کا ذیل نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہوگا، جس کی جرمنی میں بہت مخالفت کی گئی، لیکن رٹر کی رہنمائی میں جب کام کا آغاز کیا شدید مشکلات کے باوجود وہ اس کی پہلی جلد مرتب کرنے میں کامیاب ہو گئے جب یہ جلد طبع ہو کر آئی تو اہل یورپ پر حیرت کے بادل چھا گئے کہ سزگین کا یہ کام تو بروکلمان پر فوقیت رکھتا ہے۔

میں سزگین کی بزرگ شخصیت اور ان کے علمی کام سے بہت متاثر ہوا، میں نے ان کی بخاری کے مآخذ پر کتاب بھی خریدی، میں ایم اے او کالج، لاہور میں تھا کہ کالج کی لائبریری کے لئے سزگین کی ''تاریخ ادبیات عربی'' ۹ جلدیں (بزبان جرمنی) اور بروکلمان کی تاریخ ادب عربی (جرمنی) کے سیٹ خریدے، چونکہ یہ دونوں بنیادی کتابیں جرمنی زبان میں تھیں کالج کے شعبۂ علوم اسلامیہ کے استادوں نے میری خوب مخالفت کی اور مجھے لائبریری کے سٹاف سے خارج کر دیا گیا، تنخواہ بہت تھوڑی ہوتی تھی ورنہ میں کالج کی لائبریری کی بجائے اپنے ذاتی ذخیرہ کے لئے خرید لیتا۔

یہ وہ ماحول تھا جس میں میں نے پرورش پائی، سکول، کالج اور یونیورسٹیاں صرف ڈگریوں کے کاغذات دے سکتی تھیں، علم نام کی کوئی چیز ان میں نہیں تھی اور نہ ہے۔

البتہ چند بزرگوں نے میرے ذوقِ تحقیق کو پروان چڑھانے میں میری حوصلہ افزائی کی، ان میں مولوی شمس الدین (تاجر کتب نادرہ) مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی (مولف شریف التواریخ ۱۵ مجلدات)، حکیم محمد موسیٰ امرتسری اور ڈاکٹر محمد ایوب قادری کے نام احترام سے لینے کے قابل ہیں، جن کی خدمت میں کبھی باقاعدہ تحصیل نہیں کی صرف ان کی مبارک صحبت ہی رہنمائی کا ذریعہ بنی رہی۔

میں نے لڑکپن سے ہی استادوں کی بجائے کتابوں کو اپنا رہنما بنالیا، سالِ اول (انٹرمیڈیٹ) میں پڑھتا تھا کہ چودھری غلام رسول صاحب (موجودہ مالک پروگریسو بکس، لاہور) جو اس وقت کتابوں کی

ایک دکان پر ملازم تھے، کے پاس گیا کہ مجھے پروفیسر خلیق احمد نظامی کی کتاب ''حیاتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی'' خریدنی ہے، یہ کتاب ندوۃ المصنفین، دہلی کی ۱۹۵۳ء کی چھپی ہوئی تھی اور اس پر ہندوستانی قیمت چھ رہے طبع شدہ تھی، میرے پاس صرف پانچ روپے جمع ہو سکے تھے، میں نے بتایا کہ میں سال اول کا ایک طالب ہوں، میرے پاس تو صرف پانچ روپے ہیں، انہیں مجھ پر رحم آیا اور وہ کتاب مجھے پانچ روپے میں ہی دے دی، جس سے میں پہلی بار پروفیسر نظامی کی بزرگ شخصیت سے واقف ہوا، پروفیسر موصوف کا مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے شعبۂ تاریخ کے سب سے نامور استادوں میں شمار ہوتا تھا، کتاب پڑھ کر دل چاہا کہ ان کے ساتھ مراسلت کروں لیکن ان کی علمی تحقیقات سے متاثر ہونے کی بجائے سہم سا گیا، ان کی دیگر کتابیں تلاش کیں تو ''تاریخ مشائخ چشت'' بھی مل گئی، کتاب ''سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات'' نے تو بہت ہی خوشگوار اثرات مرتب کئے ہیں، لیکچرر منتخب ہو کر کالج میں لگ چکا تھا کہ طالب علمی کے زمانہ میں مفتی غلام سرور لاہوری کی کتاب ''حدیقۃ الاولیاء'' پر حواشی ایک ماہ میں ہی لکھ ڈالے، یہ کتاب ملازمت کے بعد ۱۹۷۶ء کو پہلی بار لاہور سے شائع ہوئی، میں نے نظامی صاحب کو نہیں بھیجی، انہوں نے خود ہی کہیں دیکھی تو مجھے کالج کے پتے پر ایک خط لکھا اور اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا، میں جواں سال تھا، اتنے بڑے محقق و مؤرخ کا خط پا کر بہت خوش ہوا، میں ان کی کتابیں پڑھ پڑھ کر خود علمی تحقیقات میں ان کا اتباع کر رہا تھا کہ اس مکتوب نے گویا استاد کی شکل میں میرا ہاتھ تھام لیا۔

ان کے علاوہ پاکستانی اور دیگر محققین میں سے:

(۱) پروفیسر حافظ محمود شیرانی (اورینٹل کالج، لاہور ف ۱۹۴۶ء)

(۲) پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع (سابق پرنسپل اورینٹل کالج، لاہور ف ۱۹۶۳ء)

(۳) ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیرس)

(۴) ڈاکٹر نذیر احمد (سابق استاد شعبۂ فارسی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

(۵) وی بارٹولڈ (روسی مستشرق)

(۶) وی مینورسکی (روسی مستشرق)

(۷) پروفیسر عبدالحی حبیبی (استاد کابل یونیورسٹی، افغانستان)

(۸) پروفیسر خلیق احمد نظامی (علی گڑھ)

(۹) علامہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی (ایران)

(۱۰) مولانا امتیاز علی خان عرشی (لائبریرین رضا لائبریری، رام پور، ہندوستان)

(۱۱) پروفیسر ڈاکٹر فواد سزگین (Dr. Fuat Sezgin) (اصلاً ترک، استاد گوئٹے یونیورسٹی، فرینکفرٹ، جرمنی)

ان مولفین و محققین میں سے مجھے صرف ڈاکٹر حمیداللہ، ڈاکٹر نذیر احمد، عبدالحی حبیبی اور پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب کے ساتھ صرف ایک ایک مرتبہ رسمی سی ملاقات نصیب ہوئی ہے، ان کی خدمت میں تحصیل کے مواقع نہیں مل سکے۔

اب ان حضرات کی نگارشات ہی میری رہنمائی کا وسیلہ ہیں، ۱۹۸۱ء کو میری ایک کتاب ''حسنات الحرمین'' (مکتبہ سراجیہ، موسیٰ زئی، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان) سے شائع ہوئی تو اس کا انتساب اپنے نادیدہ استاد پروفیسر حافظ محمود شیرانی مرحوم کے نام معنون کرتے ہوئے لکھا:

> ''پروفیسر حافظ محمود شیرانی مرحوم کے نام جن کی تحقیقی کاوشوں سے متاثر ہو کر
> مرتب کتاب ہذا نے اس ''گلشن ہمیشہ بہار'' میں قدم رکھا''

اب میرے لئے علمی تحقیقات کے یہ کٹھن راستے دشوار گذار نہیں رہے تھے بلکہ یہ واقعی گلشن ہمیشہ بہار ہی بن گئے تھے، مجھے ہر طرف ان کے پرخلوص تحقیقی شہ پارے نظر آنے لگے اور میں ان آبدار موتیوں کو اپنے دامن میں سمیٹنے لگا، حافظ شیرانی صاحب نے اپنے کسی مقالہ میں لکھا تھا کہ فلاں پہلو میرے مضمون کا تشنۂ تحقیق ہے، کبھی موقع ملا تو اس کی تکمیل کی جائے گی، میں دل ہی دل میں کہتا تھا کہ اتنے بڑے محقق سے یہ مسئلہ کماحقہ حل نہیں ہو سکا، اسے بڑا ہو کر میں حل کروں گا، ایک اور مقام پر اپنی ایک غلطی کی خود نشاندہی کرتے ہوئے اس سے رجوع کیا تھا جو نا تجربہ کاری اور کم علمی کے باعث مجھے بڑا عجیب لگا تھا، پھر جب اس میدان میں اترا تو نہ صرف اُس جملہ بلکہ اس قسم کا اعتراف کرنے والے کی عظمت کا

اندازہ ہوا، یہ اسی اتباع کا نتیجہ ہے کہ میں نے بھی اپنی معمولی اور بے حیثیت تحقیقات کے دوران اپنی فحش غلطیوں سے رجوع کیا ہے۔

میں جہاں کہیں شیرانی صاحب کا کوئی مقالہ دیکھتا تو اُسے نقل کر لیتا تھا، کیوں کہ میرے لڑکپن میں لاہور میں فوٹو سٹیٹ کا سسٹم نہیں تھا، پھر فوٹو سٹیٹ بنوانے لگا کہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے شیرانی صاحب کے لائق پوتے ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی بن اختر شیرانی نے حافظ شیرانی کے مقالات مرتب شکل میں دس ضخیم مجلدات میں شائع کروادیئے جو آج تک حرزِ جان ہیں، ڈاکٹر شیرانی صاحب سے ان کا شجرۂ نسب ان کے ہاتھ سے بنوایا اور حافظ صاحب سے عقیدت کی بنا پر ان کے گھر کا نقشہ بھی بنوالیا، جو ڈاکٹر شیرانی کے پی ایچ ڈی مقالہ ''حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی وادبی خدمات'' (دو جلد مطبوعہ، لاہور) کے ساتھ جلد کروا کر اپنے ذخیرہ کی زینت بنا دیا ہے۔ (شمارہ ۲۱۰۴)

یہ حضرات بہت ہی وضع دار تھے، میری اصل تربیت گاہ (یونیورسٹی) مولوی شمس الدین مرحوم (ف ۱۹۶۸ء) تاجر کتب نادرہ کی دکان زیرِ مسلم مسجد، لاہور تھی، جہاں بڑے بڑے صاحب علم حضرات آ کر بیٹھا اور تبادلہ خیالات کیا کرتے تھے، وہاں ڈاکٹر عبداللہ چغتائی بھی تشریف لایا کرتے تھے، ایک مرتبہ وہاں انہوں نے بتایا کہ حافظ شیرانی نے اپنا کوئی مقالہ اورینٹل کالج میگزین میں اشاعت کے لئے بھیجا، اس کے مدیر علوم شرقیہ کے ماہر ترین اساتذہ میں سے تھے، یعنی ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، اس مقالہ میں شیرانی صاحب نے کسی مخطوطہ میں سے ایک لفظ قینچی لکھا، ڈاکٹر شفیع نے مخطوطہ دیکھے بغیر اس کے سیاق وسباق پر غور کرتے ہوئے اسے قبیحی (ق ب ی ح ی) پڑھا، حافظ شیرانی نے مخطوطہ دوبارہ دیکھا تو شفیع صاحب کی قرأت و اصلاح درست معلوم ہوئی تو شیرانی صاحب ڈاکٹر شفیع کا شکریہ کہنے کے لئے ان کے گھر (۲۴ ؍مین روڈ، لاہور) گئے تھے۔

حافظ شیرانی کے بعد ڈاکٹر مولوی محمد شفیع (سابق پرنسپل اورینٹل کالج، لاہور) کی علمیت کا شہرہ تھا لیکن وہ میرے شعور کی آنکھیں کھلنے سے پہلے ہی ۱۹۶۳ء کو فوت ہو گئے تھے، ان کے مقالات اور مرتبہ متون بہت ہی ذوق وشوق سے خریدے اور پڑھے، ان کے کتب خانہ کی فہرست بھی شائع ہوئی، تو حاصل کر لی، ڈاکٹر

سید عبداللہ نے ، جو اُن کے شاگرد خاص تھے، ان کی خدمت میں ''ارمغانِ علمی'' کے نام سے تحقیقی مقالات کا مجموعہ مرتب کر کے شائع کیا تھا، وہ بھی پڑھا، تو جہاں ان کی عظمت کا نقش دل و دماغ پر راسخ ہوا وہیں اس بات سے صدمہ بھی کہ مجھے ایسے استاد کی صحبت میسر کیوں نہ آئی؟ ان کی تقریروں کا ایک مجموعہ (مقالات دینی و علمی) کے نام سے دو جلدوں میں طبع ہوا تھا، اس میں ایک تقریر کا عنوان تھا ''میرے استاد'' اس میں انہوں نے اپنے برطانوی اور پاکستانی استادوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنے کیمرج یونیورسٹی کے استاد براؤن (۱۸۶۲ـ۱۹۲۶ء) کا جس طرح عقیدت کے ساتھ تذکرہ کیا وہ دل و دماغ پر نقش ہوتا گیا، شفیع صاحب کا یہ مضمون میں نے سال اول کے متعلم ہونے کے دوران پڑھا تھا اور بار بار پڑھ کر دل ہی دل میں کہتا تھا کہ کیا ایسے استاد کبھی پاکستان میں بھی ہوں گے؟ جب میں خود استاد بنا تو سب سے پہلے یہ مقالہ دوبارہ پڑھا تو اپنی حیثیت اتنی بے وقعت محسوس ہوئی کہ لکچر شپ کا عہدہ چھوڑنے کا ارادہ کرلیا، والد مرحوم سے اس کا ذکر کیا تو مسکراتے ہوئے کہا کہ بیٹا زندہ رہنے کے لئے کوئی کام تو کرنا ہی ہوگا، تم اگر شفیع کے اساتذہ جیسے نہیں بن سکے تو بھی سعی مسلسل سے ایک دن ایسے بن سکتے ہو، ہم غریب خاندان کے افراد ہیں، بھلا ترک ملازمت کے بعد کیسے گذر اوقات کرسکیں گے؟

پھر میں جب ۱۹۸۶ء کو انگلستان کے علمی سفر پر گیا تو کیمرج جا کر پروفیسر براؤن کا ذخیرۂ علمیہ دیکھنے کے بعد ان کا کلاس روم دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو مجھے ان کے کمرہ میں لے جایا گیا جہاں میں حسرت کے ساتھ ان در و دیوار کو دیکھتا رہا اور طلبہ کی کرسیوں پر بھی نظر دوڑاتا رہا تھا کہ ان پر ہمارے ملک کے نامور محقق ڈاکٹر محمد شفیع کہاں بیٹھتے ہوں گے؟ ایران کے محمد بن عبدالوہاب قزوینی کی کرسی کون سی ہوگی؟ اور اورینٹل کالج، لاہور کے پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال کہاں بیٹھ کر تحصیل کرتے رہے ہوں گے؟ میں دل میں یہ سوالات لئے نم آلود آنکھوں کے ساتھ واپس لندن آگیا۔

ڈاکٹر شفیع نے اپنے ایک پاکستانی استاد مولانا اصغر علی روحی کا بھی ذکر کیا ہے کہ انہوں نے ان سے عربی کی ایک کتاب پڑھانے کی درخواست کی تو انہوں نے وقت کی کمی کے باعث معذرت کرلی، پھر شفیع صاحب کی مکرر استدعا اور ان کے عزم کو دیکھتے ہوئے کہا کہ یوں کریں کہ میں بھاٹی دروازہ میں رہتا ہوں،

وہاں سے روزانہ پیدل ہی پڑھانے کے لئے گورنمنٹ کالج جاتا ہوں، تم یہ کتاب راستہ میں پڑھ لیا کرو، میں نے شکریہ ادا کیا اور اس طرح راستہ میں چلتے ہوئے ان کی خدمت میں یہ کتاب پڑھی، میں بیسیوں مرتبہ وہاں سے گذرا ہوں، آج محلہ اصغر علی روحی بھی وہاں ہے اور روحی مسجد بھی ہے، مجھے اس تنگ بازار میں سے پیدل گذرنا مشکل لگتا ہے اور وہاں تجارتی دکانیں بھی بکثرت ہیں، معلوم نہیں کہ مولانا روحی ڈاکٹر شفیع کو کیسے پڑھاتے ہوں گے؟

ہم تو پنجاب یونیورسٹی کے خوبصورت کمروں میں بیٹھ کر کچھ حاصل نہ کر سکے، ڈاکٹر شفیع نے اتنے پرشور بازار میں کیسے پڑھا؟ یہ سب عزم بالجزم کی کرامت ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (مقیم پیرس) کی علمی و تحقیقی کتابیں لڑکپن سے ہی بہت پسند تھیں، ان کے مضامین معارف، اعظم گڑھ میں شائع ہوتے رہتے تھے، اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں بھی ان کے بیش بہا مقالات شامل ہیں، میں ان کے طریقۂ تحقیق اور استدلال سے بہت متاثر تھا، ایک مرتبہ میری ملازمت کے زمانہ میں ڈاکٹر صاحب سیرت کانفرنس میں شمولیت کے لئے اسلام آباد تشریف لائے تو میں صرف انہیں دیکھنے کے لئے لاہور سے اسلام آباد گیا، ان سے ہوٹل میں مصافحہ کیا، صرف چند منٹ بات کی تو ایسا لگا کہ ساری دنیا کی خوشیاں مجھے مل گئی ہیں، بین الاقوامی شہرت کا مالک یہ مسلمان علوم اسلامیہ کا بحرِ بیکراں تھا، اس قدر سادہ لباس، کھدر کے کپڑے پہنے ہوئے اور جوتا سنتِ کے مطابق لکڑی (کھڑاؤں) کا تھا، سر پر سادہ سی ٹوپی اوڑھ رکھی تھی!

میں سمجھتا تھا کہ پیرس میں رہنے والا یہ اتنا بڑا محقق کوئی سوٹڈ بوٹڈ اور نہایت خوش لباس ہوگا وہ تو خلوص اور سیرت طیبہ کے نمونہ نظر آئے، ان کی فرانسیسی زبان میں کتابیں بھی جہاں جس قیمت پر ملیں لے لیں۔

مجھے خوب یاد ہے ۱۹۷۰ء کی بات ہے میں اسلامیہ کالج سول لائنز، لاہور میں بی اے کا طالب علم تھا کہ میں نے کالج کی لٹریری سوسائٹی میں آزاد بلگرامی کے احوال و آثار پر اپنا ایک مقالہ پڑھا، اس مجلس میں ہمارے صدر شعبۂ تاریخ میاں شمس الدین مرحوم بھی تھے جو لندن یونیورسٹی سے تاریخ میں بی اے آنرز کر کے آئے تھے، انگریزی خوب بولتے تھے، انہوں نے مقالہ سن کر کہا کہ اس طالب علم کو وی مینور سکی کے پاس

لندن بھیج دیا جائے جہاں یہ جوان علمی تحقیقات کا فن سیکھ سکے، ادبی مجلس کے بعد ہمارے ہاں عام طور پر چائے بھی پلائی جاتی ہے، اتفاق سے پروفیسر میاں صاحب بھی میرے قریب والی میز پر بیٹھ گئے، میں نے عرض کیا جناب اب تو ۱۹۷۰ء ہے، پروفیسر مینورسکی تو ۱۹۶۶ء میں انتقال کر گئے تھے، میری معلومات پر انہیں تعجب تو ہوا ہی تھا، میں نے فوراً کہا کہ ہاں اگر مجھے ڈاکٹر حمید اللہ کے پاس پیرس بھیج دیا جائے تو میں ان کے قدموں میں بیٹھ کر تحقیق کا فن سیکھنے کا خواہش مند ہوں، وہ ہنسے، قریب ہی بیٹھے ہوئے ایک پروفیسر نے جواب دیا کہ پیرس تو بہت دور ہے، ہمارے ملک کی پنجاب یونیورسٹی کسی کو ملتان تک جانے کا کرایہ نہ دے، پھر یہ تو ایک بہت ہی لالچی انجمن حمایتِ اسلام کا کالج ہے۔

ڈاکٹر نذیر احمد مرحوم کے مقالات بہت ہی توجہ اور شوق سے پڑھتا تھا، ابتداء میں معارف، اعظم گڑھ میں ان کے مقالات دیکھے تو بہت ہی خوش ہوا، ان کے نتائج تحقیق میں گہرائی اور گیرائی نے بہت متاثر کیا، ۱۹۸۹ء کے سفر ہندوستان کے دوران، علی گڑھ صرف ان کی چندروزہ صحبت سے علمی حظ اٹھانے کے لئے سفر کیا تھا کہ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب ان دنوں علیل ہیں اور علاج کی غرض سے جرمنی گئے ہوئے ہیں، اس سے پہلے ڈاکٹر صاحب حافظ محمود شیرانی کے صدسالہ یوم پیدائش کی تقریب میں شرکت کے لئے لاہور تشریف لائے تو میں زیادہ سے زیادہ وقت ان کے ساتھ رہتا تھا، فقط یہی دوروزہ صحبت ان کی خدمت میں رہی، باقی ان کی مرتبات اور مقالات میں طریقِ تحقیق واستدلال کا تتبع کرتا رہا۔

دو روسی مستشرقین بارٹولڈ (W. Barthold) اور مینورسکی (V. Minorsky) (۱۸۷۷۔۱۹۶۶ء) کے تحقیقی مقالات ومرتبات نے بہت متاثر کیا، یہ تو معلوم تھا ہی کہ روسی دہریہ ہوتے ہیں لیکن مجھے ان کے مذہب سے کوئی سروکار نہیں تھا، میں تو بس ان کے طریق کار کا متبع تھا۔

بارٹولڈ کی ترکستان کی تاریخ پر روسی زبان میں کتاب اور پھر گب میموریل سے اس کا انگریزی ترجمہ چھپا تو پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے اشو کروا کر پڑھا، اتنے میں ایک ایرانی کریم کشاورز نے ترکستان نامہ کے نام سے روسی سے فارسی میں حواشی کے ساتھ ترجمہ شائع کر دیا، بہت ہی ذوق وشوق کے ساتھ منگوایا اور اسے پڑھنا شروع کر دیا، اس کا مقدمہ کیا تھا؟ پوری ایک کتاب تھی جس میں انہوں نے اپنے مآخذ پر بے

لاگ تبصرہ کیا تھا، کتب تاریخ کا ایسا ناقدانہ محاکمہ پہلے نہیں پڑھا تھا، بار بار مطالعہ کیا پھر بھی سیر نہ ہوا، میرا ذخیرہ عطیہ کے طور پر پنجاب یونیورسٹی منتقل ہونے لگا تو اس کے انگریزی اور فارسی تراجم رکھ لئے کہ ایک بار پھر پڑھ کر دوں گا۔

اتنے میں اُسی مترجم نے بارٹولڈ کے روسی مقالات کا انتخاب کر کے فارسی میں ترجمہ کیا اور ''گزیدۂ مقالاتِ تحقیقی'' کے نام سے ایران سے شائع کر دیا تو بہت ہی خوشی ہوئی، ایک ایک مقالہ کامل توجہ سے پڑھا اور کامل علمی لطف اٹھایا، یہ ترجمہ اب تک میرے مطالعہ کی میز پر رہتا ہے۔

دوسرے روسی محقق مینورسکی تھے، جن کا نام تحقیقی مقالات میں پڑھا تھا لیکن ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا، سال اول کا طالب علم تھا کہ ایک روز انارکلی بازار، لاہور کے پرانی کتابوں کے تاجروں کے ہاں ایک کتاب ''یادنامۂ ایرانی مینورسکی'' مرتبہ مجتبیٰ مینوی اور ایرج افشار، مطبوعہ تہران ۱۹۶۹ء ملی تو بہت خوش ہوا، کئی دن تک نصابی کتابوں کا مطالعہ چھوڑ کر اسے پڑھتا رہا، اس میں مینورسکی کی زندگی اور ان کے علمی آثار سے آگہی ہوئی، پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ انہوں نے چوتھی صدی ہجری کی جغرافیہ کی ایک کتاب ''حدود العالم'' شائع کی تھی، اس کا دنیا میں صرف ایک ہی قلمی نسخہ ہے، جسے مینورسکی نے ایک مفصل مقدمہ کے ساتھ لینن گراڈ سے ۱۹۱۳ء کو عکسی صورت میں شائع کر دیا تھا۔

اب ہر وقت کتاب ''حدود العالم'' کے اس مطبوعہ ایڈیشن کی تلاش میں رہتا تھا، ایک روز پیپلز پبلشنگ ہاؤس، لاہور سے معلوم ہوا کہ اس پر جو مفصل مقدمہ ہے وہ روسی زبان میں ہے اور قلمی نسخہ کا عکس بھی اس میں شامل ہے، وہ کچھ عرصہ پہلے ان کی دکان پر موجود تھا جو ان سے کوئی غیر ملکی خرید کر لے گیا تھا، مجھے اس کے بک جانے اور پھر اس کے بیش بہا مقدمہ کے روسی زبان میں ہونے پر افسوس ہوا کہ میں تو یہ زبان جانتا بھی نہیں ہوں۔

۱۹۷۶ء کو پہلی مرتبہ علمی تحقیقات کی غرض سے ایران و افغانستان کا سفر کیا تو کابل پہنچ کر معلوم ہوا کہ پروفیسر میر حسین شاہ نے اس کے مقدمہ کا روسی سے فارسی میں ترجمہ کر کے اس کے متن کا عکس اُسی طرح ساتھ لگا دیا ہے، یہ ایڈیشن بہت ذوق سے خریدا اور اپنے کابل سے پشاور تک کے بس کے سفر میں مطالعہ کر

کے خوش ہوتا رہا، مقدمہ بہت عمدہ اور مفصل تھا، اس کے مولف کا نام معلوم نہیں ہوسکا تھا، ایران کے قیام کے دوران پتہ چلا کہ ایک ایرانی مخطوطہ شناس منوچہر ستودہ نے اس مخطوطہ کو اپنی قرأت کے ساتھ کمپوز کروا کر شائع کردیا ہے، یہ بھی خرید لیا۔

۱۹۹۲ء کے ایران کے دوسرے سفر کے دوران مجھے مینورسکی کے مقالات کا مجموعہ ''بیست مقالۂ مینورسکی'' بھی مل گیا جو پہلے سفر ایران کے دوران تلاش کے باوجود نہیں مل سکا تھا، اس میں فرانسیسی، انگریزی اور فارسی زبانوں میں مینورسکی کے ایسے مقالات ہیں جو ایرانی علوم وفنون اور جغرافیہ سے متعلق ہیں، ہر مقالہ اپنی جگہ بہت ہی کامل علمی معلومات کا حامل ہے، پاکستان پہنچ کر اس کا مطالعہ شروع کیا تو بہت ہی متاثر ہوا، میں اس میں شامل مقالات بس ذوق سے پڑھ سکتا تھا لیکن اس درجہ اور نوعیت کا کوئی مقالہ آج تک نہیں لکھ سکا۔

اس سفر ایران کے دوران مینورسکی کی بیش بہا روسی کتابوں کے فارسی تراجم بھی دستیاب ہو گئے، جس سے میں ان کے علمی تبحر سے آگاہ ہوا۔

۱۹۶۳ء کو پروفیسر مینورسکی کو کیمبرج یونیورسٹی نے ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری دی تھی (بیست مقالہ مینورسکی ص xxvi) آج دنیا میں یہ ڈگری حاصل کرنا بہت ارزاں اور آسان ہوگیا ہے کہ مینورسکی کے اتنے گرانبہا علمی کاموں کے سامنے ہیچ نظر آتی ہے۔

افغانستان کے قیام کے دوران (۱۹۷۶ء) کو وہاں کے سب سے معروف مؤرخ عبدالحی حبیبی سے ان کے گھر کابل یونیورسٹی کی کالونی میں ملاقات کے لئے گیا اور ان کے ساتھ تقریباً دو گھنٹے اُردو میں بات چیت ہوتی رہی، ان کے مرتب کئے ہوئے فارسی کے متون ''طبقات الصوفیہ'' (خواجہ انصاری ہروی)، طبقاتِ ناصری، فضائل بلخ اور زین الاخبار وغیرہ تو پہلے سے موجود تھیں، جن کے کئی ابواب وتعلیقات میں پڑھ چکا تھا۔

اُن سے سلسلۂ نقشبندیہ کے بارے میں سوال ہوا تو اس باب میں ان کو زیادہ معلومات نہیں تھیں صرف ایک رسالۂ قدسیہ (ملفوظات حضرت شاہ نقشبند) جامع خواجہ محمد پارسا بخاری کا ایک قلمی نسخہ دکھایا اور بتایا کہ

یہ تو عربی میں ہے، جو رسالہ مروج و مطبوع ہے وہ فارسی میں ہے، انہوں نے کہا کہ حضرت مجدد الف ثانی نے اس میں سے ایک اقتباس اپنے ایک مکتوب میں دیا ہے، جو اس کے مصدقہ ہونے کی دلیل ہے۔

میں نے اس کے آغاز کی عبارت نوٹ کر لی، گھر آ کر مکتوبات میں تلاش کرنے کی سعی کی لیکن کامیابی نہ ہوئی، ایک اور مخطوطہ ان کے پاس ''جوہرِ ملفوظات'' (حاجی دوست محمد قندھاری) جامع معز الدین کو ہی بھی تھا، جسے وہ ایڈٹ کرنا چاہتے تھے لیکن ان کو اس کے کسی دوسرے نسخہ کے وجود کا علم نہیں تھا، جب میں نے بتایا کہ حاجی صاحب کا مرقد اور ان کی خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی، پاکستان میں ہے اور اس کے قلمی نسخے وہاں پائے جاتے ہیں اور میں ان کی عکسی نقول ان کو بھیج سکتا ہوں تو اس پر پیشگی شکریہ کہا، لیکن ۱۹۷۶ء کے بعد افغانستان کے حالات کچھ ایسے خراب ہوئے کہ اس قسم کے کسی فرد کا وہاں رہنا ممکن نہ رہا، آقای حبیبی کے ذخیرۂ علمیہ کا کیا بنا؟ اس کا بھی اب تک کوئی علم نہیں ہے، کابل یونیورسٹی کے مخطوطات میں نے خود کوئٹہ کے بازار کتابفروشی میں افغانوں کے ہاں فروخت ہوتے ہوئے دیکھے، ان میں سے ''خلاصۃ المعارف'' پر میری تحریر اور دستخط بھی تھے۔''

پوہاند حبیبی تصحیح متن اور تعلیقات نگاری کے فن سے خوب واقف تھے، ان کے پایہ کا کوئی محقق یا مورخ افغانستان میں آج تک پیدا نہیں ہو سکا۔

ڈاکٹر فواد سزگین سے میں فرینکفرٹ (جرمنی) میں ۱۹۸۶ء کو ملا تھا، پھر لندن میں بھی ان کا ایک شاندار لیکچر سننے کا اتفاق ہوا، دسمبر ۲۰۱۷ء کو اپنے استنبول کے قیام کے دوران معلوم ہوا کہ وہ ان دنوں یہیں پر ہیں لیکن بہت معمر اور علیل ہیں (عمر تقریباً ۹۴ سال ہے) وہ کسی سے ملنے کے قابل نہیں رہے تو میں چپ سادھ کر واپس پاکستان چلا آیا۔

پروفیسر سزگین کے استاد عربی زبان و ادب کے ایک بڑے نامور محقق ریٹر تھے، جن کا استنبول میں انہوں نے لیکچر سنا تو اتنے متاثر ہوئے کہ خود کو مسلمانوں کی عربی خدمات سے روشناس کروانے کے لئے وقف کر دیا، ریٹر نے اپنے لیکچر میں بتایا کہ مستشرقین نے قصداً اس حقیقت کو پوشیدہ رکھا کہ مسلمان علماء علوم عقلیہ سے ناواقف تھے، وہ تو صرف قال فلاں بن فلاں سے آگے نہیں بڑھ سکے تھے، جب کہ ریٹر نے بتایا

کہ مسلمانوں نے سائنسی علوم اور آلات اس وقت ایجاد کر لئے تھے جب کہ یورپ میں سائنس کا نام لینا جرم تھا، ریٹر بروکلمان کے شاگرد تھے، جنہوں نے عربی ادبیات کی ایک مثالی فہرست جرمنی زبان میں مرتب کر کے شائع کی تھی، ریٹر اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ دنیا میں عربی مخطوطات کے سب سے بڑے ذخائر ترکی میں پائے جاتے ہیں اور بروکلمان ان سے ناواقف تھے، انہوں نے سزگین کو مشورہ دیا کہ وہ ان کی کتابیات کا ایک ذیل مرتب کریں، چنانچہ حکومت جرمنی نے اس مقصد کے لئے فنڈز بھی دے دیئے جب سزگین نے کام شروع کیا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ بروکلمان کی کتاب میں اتنے خلا ہیں کہ ان کو پُر کرنے سے بہتر ہے کہ میں نئے سرے سے یہی کام شروع کروں، جس پر جرمن مستشرقین نے ان کی مخالفت کی تو انہوں نے اس کی پروا کئے بغیر اپنا کام جاری رکھا، جب اس کی پہلی جلد طبع ہو کر آئی تو اہل یورپ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

یہ درست ہے کہ وہ غیر مسلم ہونے کے باوجود حقائق کا اعتراف کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے تھے، کیمبرج ہسٹری آف اسلام کے نئے ایڈیشن میں اس کے مقالہ نگاروں نے اعتراف کیا ہے کہ فلاں سنہ تک ہم نے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہماری کم علمی تھی، حقائق اس سے مختلف ہیں۔

یہ سب کچھ پڑھ کر میں زار زار روتا تھا کہ کاش مجھ جیسے طالب علم کو ایسا علمی ماحول ملتا تو میری زندگی بھی بہت روشن اور ایسی درخشاں ہوتی جیسے پروفیسر فواد سزگین کی تھی، مجھے تو مٹانے اور میری معمولی نگارشات پر مٹی ڈالنے کی میرے اپنے استادوں نے متعدد مرتبہ کوششیں کیں، میں تو اپنے ماحول اور حالات میں ان کے پاؤں کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا تھا اور ایسا ہی ہوا، ہمارے ملک کے استادوں کو ان کی نیت کے مطابق صلہ ملا، آج ہمارے ملک کی یونیوسٹیاں ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں اس طرح بانٹ رہی ہیں جیسے کوئی خیرات ہوتی ہے اور ان کی سندات کے حامل استاد آج بھکاریوں کی طرح علمی اعتبار سے تہی دامن ہیں۔

یہاں ایک دلچسپ واقعہ یاد آ گیا ہے کہ آج سے ۴۰۔۴۵ سال پہلے کی بات ہے کہ مخدومی حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے ایک دوست ہیں پروفیسر ڈاکٹر قریشی احمد حسین احمد قلعداری (استاد زمیندار کالج، گجرات، پنجاب) جنہیں علمی دروغ گوئی کی عادت ہے، ایک مرتبہ انہوں نے ان کے ایک مشترکہ قادیانی دوست

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی کا نام لے کر ڈاکٹر وحید قریشی (استاد اردو اورینٹل کالج، لاہور) سے جا کر کہا کہ شیخ پانی پتی کہتے ہیں کہ ڈاکٹر وحید جاہل ہے، ڈاکٹر صاحب کو یہ سن کر غصہ آگیا اور کہا کہ پانی پتی تو میرا دوست ہے، میں اس سے ضرور باز پرس کروں گا۔ جس پر قریشی احمد حسین پریشان ہو گئے کہ اب کیا بنے گا؟ وہ کالج سے حکیم صاحب کے پاس واپس آئے اور سارا واقعہ سنایا، حکیم صاحب نے ان کی پریشانی سمجھ لی اور کہا کہ ڈاکٹر صاحب! آپ بے فکر ہو کر گجرات چلے جائیں، میں اس معاملہ کو سنبھال لوں گا، حکیم صاحب نے اپنے ملازم کو پانی پتی کے گھر بھیج کر بلایا، وہ آئے تو کہا کہ آپ کو تو معلوم ہے کہ قریشی احمد حسین کو دروغ گوئی کی عادت ہے، اس نے جھوٹ بولتے ہوئے ڈاکٹر وحید سے جا کر کہا ہے کہ پانی پتی تمہیں جاہل کہتا ہے، آپ میرا ایک کام کریں اور ڈاکٹر وحید کے پاس جا کر میرا پیغام دے دیں کہ آپ کو شیخ پانی پتی نہیں بلکہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری جاہل کہتا ہے، اگر تم واقعی کچھ جانتے ہو تو میرے پاس آؤ اور مجھ سے علمی تبادلۂ خیال کرو، انہوں نے جا کر یہ بات ڈاکٹر وحید سے کہہ دی، وہ یہ بات سن کر مسکرائے اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

آپ دیکھئے! کہ ڈاکٹر وحید پی ایچ ڈی اور ڈی لٹ کی ڈگریوں کے حامل تھے اور حکیم صاحب کے پاس نہ تو کسی مدرسہ کی سند تھی اور نہ ہی کسی یونیورسٹی کے فارغ التحصیل تھے، انہوں نے محض اپنے ذوقِ سلیم سے ذاتی طور پر کتابوں کا مطالعہ کیا تھا اور ان کی رائے اتنی صائب اور وقیع ہوتی تھی کہ یونیورسٹی کے استاد ان سے تبادلۂ خیال کرنے آتے رہتے تھے، جب کہ یونیورسٹی کے پروفیسروں کو مطالعہ کی عادت ہی نہیں تھی۔

اسی طرح مدتوں مستشرقین مسلمان علماء کی عقلی علوم سے لاتعلقی کے واقعات تراش کر اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے رہے کہ مسلمانوں کا سائنسی علوم میں کوئی حصہ نہیں ہے، آخر یہ حقیقت خود انہی کے گروہ کے ایک سرگرم رکن پروفیسر ریٹر نے آشکار کر دی کہ عقلی اور سائنسی علوم کے موجد بھی مسلمان ہی ہیں، اہل یورپ نے اس باب میں جو کچھ کیا ہے وہ مسلمانوں کے ہی خوشہ چین ہیں، واقعی علمی حقائق کو نہ چھپایا جا سکتا ہے، نہ دبایا اور نہ ہی مٹایا جا سکتا ہے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی کے ساتھ تعلقات کا پہلے ہی ذکر کیا جا چکا ہے اور میرے انگلستان کے سفر نامہ

(۱۹۸۶ء) میں بھی اس کی کچھ تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

میں نے بھی مدرسوں اور یونیورسٹیوں کے استادوں کے غیر علمی رویہ کی وجہ سے ان سے رہنمائی لینے کی بجائے کتابوں کو اپنا رہنما بنایا، ان میں سے بعض کتب تو بالاستیعاب اس لئے پڑھیں کہ اُن کے طریقۂ تحقیق کا اتباع کرسکوں۔

ابتدا میں مستشرقینِ یورپ کی تالیفات اور مرتبات سے بہت متاثر ہوتا تھا لیکن ۱۹۸۶ء کو جب دو ہفتوں کے لئے قاہرہ میں قیام کے دوران علماءِ مصر کی کتابیں دیکھیں اور وہاں ایک پاکستان فاضل علامہ عبدالعزیز میمن کی شائع شدہ کتابیں ملیں تو بہت خوش ہوا، علامہ میمن سے میں سکول کے زمانہ سے ہی واقف تھا، وہ مولوی شمس الدین مرحوم کی دکان پر آ کر بیٹھا کرتے تھے اور میں ان کی علمی باتیں سن سن کر یاد رکھتا اور گھر جا کر ڈائری میں لکھ لیا کرتا تھا۔

شمس الدین تاجر کتب نادرہ کی دکان

میاں شمس الدین تاجر کتب نادرہ کی دکان انارکلی کے چوک میں مسلم مسجد کے نیچے تھی، میرے والد میاں نور محمد مرحوم مجھے لاہور کی کتابوں کی سب سے بڑی دکان فیروز سنز (شاہراہ قائداعظم) پر لے کر جایا کرتے تھے، یہ پرائمری سے ہائی سکول میں داخلہ کے بعد کی بات ہے، اس وقت اس دکان پر بچوں کے ادب پر بھی کتابیں ہوتی تھیں، مجھے وہ حصے دکھائے جاتے تھے جہاں اس درجہ کی کتابیں بڑے قرینے سے سجا کر رکھی جاتی تھیں، میں وہ رنگین اور مصور کتابیں دیکھ کر خوش ہوتا تھا، بعض کتابیں خریدنے کی ضد بھی کرتا تھا، میرے والد ایک غریب آدمی تھے، زیادہ قیمت کی کتابیں لے کر نہیں دے سکتے تھے، تاہم کتابوں اور کتاب بینی کا ذوق وہیں سے شروع ہوا، پھر جب میں بڑا ہوا تو سائیکل چلانے لگا، یہاں تک کہ میں ایک روز خود فیروز سنز پر پہنچ گیا، والد محترم کو بتایا تو ناراض ہوئے، فرمایا کہ اتنی دور اکیلے آئندہ نہ جانا۔

اسلامیہ ہائی سکول مصری شاہ میں آٹھویں جماعت کا متعلم تھا کہ کسی مضمون میں درجہ اول میں کامیاب ہوا تو انعام کے طور پر ایک کتاب ''ہمارا پاکستان'' کے نام سے ملی، اس پر لکھنے والے کے نام کی بجائے درج تھا ''لکھنے والے ۳۷ بچے'' میں نے کتاب گھر آکر پڑھی، والد مرحوم کو دکھائی تو خوش ہوئے اور کہا کہ جب وقت ملے یہ کتاب پڑھا کرو، ایک روز میں نے ان سے کہا کہ ابو! اگر یہ ۳۷ بچے پاکستان کے بارے میں لکھ سکتے ہیں تو میں کیوں نہیں لکھ سکتا؟ فرمانے لگے تم کامل توجہ سے اس نوعیت کی کتابوں کا مطالعہ جاری رکھو تم ان سے بہتر لکھنے لگو گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

میں سکول کے زمانے سے ہی کتاب بینی کا شوقین ہو گیا تھا، اور بزم ادب کے پروگرام میں پہلے تو مضامین لکھ کر پڑھنے لگا اور پھر جلد ہی بغیر تیاری کے تقریر کرنا شروع کر دی، پھر اس میں اتنی مشق ہو گئی کہ سکول کے سالانہ پروگراموں میں استاد حاضرین سے پوچھتے تھے کہ یہ نوجوان بغیر تیاری کے تقریر کر سکتا ہے، تقریر کا عنوان آپ بتایئے، سامعین میں کوئی عنوان بتاتا تو میں فوراً ہی اس موضوع پر تقریر کرنے لگتا،

سکول کے ہیڈ ماسٹر طاہر قریشی صاحب سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے، اُردو بولتے تھے اور خوب تقریر کرتے تھے، ان کو دیکھ کر میں بھی ایسی ہی طرز اپنانے کی کوشش کرتا رہا۔

کتابوں کی تلاش میں اکیلا ہی اردو بازار تک سائیکل پر جانے لگا، میں اس عمر میں بھی بہت ہی سنجیدہ لٹریچر پڑھتا تھا، علم تاریخ سے اس نوعمری میں بھی ایسی ہی دلچسپی تھی جتنی بعد میں ہوئی، میں کتابوں کے حصول کے لئے کتابوں کی دکانوں پر جاتا تو دکاندار کہتے تھے کہ یہ کتاب تو مولوی شمس الدین کی دکان پر ملے گی، ان کی دکان بھی انارکلی، لاہور کے چوک میں مسلم مسجد کے نیچے تھی، میں سمجھتا تھا کہ وہ کسی مسجد کے مولوی ہوں گے اور فارغ اوقات میں کتابوں کا کاروبار کرتے ہوں گے، لیکن جب ان کے پاس زیادہ جانا آنا شروع ہوا تو پتہ چلا کہ وہ روایتی مولوی نہیں ہیں بلکہ بس یونہی ذرا سی داڑھی رکھ لی ہے اور لوگ انہیں مولوی صاحب کہنے لگ گئے ہیں۔

اس دوران مولوی شمس الدین مرحوم سے معلوم ہوا کہ علامہ اقبال نے لاہور میں علوم شرقیہ کی تحقیقات کے لئے ایک ادارہ معارف اسلامیہ بنایا تھا، جس کے جلسے ہوتے رہتے تھے، ان میں علامہ اقبال سے لے کر ہندوستان کے اکابر محققین آ کر اپنے بہت ہی قیمتی مقالات پڑھ کر سناتے تھے۔

انہوں نے بتایا کہ ان جلسوں کی رودادیں تین جلدوں میں شائع ہوئی تھیں، میں نے پوچھا جناب یہ کتابیں کہاں سے ملیں گی؟ مولوی صاحب کو پہلے تو کچھ تامل ہوا، پھر اُٹھے اور اپنی ذاتی الماری میں سے وہ تین جلدیں نکال کر دکھائیں کہ یہ شیخ مبارک علی کی دکان اندرون لوہاری دروازہ سے مل جاتی ہیں، میں سیدھا وہاں پہنچا، میرے پاس یہ سیٹ خریدنے کے لئے رقم نہیں تھی، ایک ماہ میں پندرہ روپے کی رقم جمع کی اور یہ جلدیں جا کر خرید لیں، اس کی دوسری جلد میں ایک بزرگ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی کا ایک مقالہ: ''مسلمانان سلف اور جمع و مطالعۂ کتب کا شوق'' میرے لئے توجہ کا مرکز بنا رہا، جو بعد میں میرے ذوق کتاب بینی اور جمع کتب کا محرک بنا، میں اس وقت ہائی سکول کا ایک طالب علم تھا۔

میں ابھی آٹھویں جماعت میں ہی تھا کہ مجھے اپنے مطالعہ کے دوران علامہ شبلی نعمانی کی کتابیں اچھی لگنے لگیں، ان کی کتابوں مین سے ''شعر العجم'' کی بہت تعریف کی جاتی تھی، میں نے ادھر اُدھر سے اس

کتاب کے متعلق پوچھا کہ کہاں سے ملے گی؟ دکانداروں نے پھر مولوی صاحب کا نام لیا تو میں ان کے پاس گیا اور سادگی سے پوچھا کہ مولوی صاحب! کیا ''شعرالعجم'' مل جائے گی؟ فرمایا: ہاں! مل جائے گی، وہ تو دارالمصنفین، کی مطبوعہ کتاب ہے، میں نے پہلی بار اس ادارہ کا نام سنا تو پوچھا کہ یہ دکان کہاں پر ہے؟ مسکرا کر فرمایا کہ یہ دکان نہیں بلکہ علامہ شبلی کا قائم کیا ہوا ادارہ ہے، جو اعظم گڑھ میں ہے، یہ اس وقت ہندوستان میں ہے، یہ کہتے ہوئے وہ اٹھے اور ایک خوبصورت کاغذ میں بندھا ہوا ایک پیکٹ لائے، میں نے کھول کر دیکھا تو یہ غیر مجلد کتاب ''شعرالعجم'' پانچ حصوں میں تھی، میں یہ سیٹ دیکھ کر بہت خوش ہوا، جیب کو ہاتھ لگاتے ہوئے اس کی قیمت پوچھی تو مولوی صاحب نے مجھ سے دریافت کیا، برخوردار! تم کتابیں کس کے لئے لینے آتے ہو؟ میں نے سادگی سے جواب دیا کہ مجھے پڑھنے کا شوق ہے اور میں فلاں سکول میں آٹھویں جماعت کا طالب علم ہوں اور میں نے اس مصنف کی فلاں فلاں کتابیں پڑھی ہیں۔

میرا جواب سن کر متعجب ہوئے کہ آٹھویں جماعت کا طالب علم اور علامہ شبلی کی کتابیں کیسے پڑھ سکتا ہے؟ کچھ ادھر اُدھر کی باتیں کیں تو میں نے پھر اس کتاب کی قیمت پوچھی تو زیرلب مسکراتے ہوئے فرمایا کہ نہیں بیٹا، تم یہ سیٹ بس لے لو اس کی قیمت تیرے ذوق کا انعام ہے، میں بہت کم سن تھا، اس کا مطلب نہ سمجھ سکا اور اصرار کیا کہ آپ اس کی قیمت مجھ سے لے لیں، بولے اچھا آپ کے ابو جی آئیں گے تو میں ان سے اس کی قیمت لے لوں گا، مجھے حیرت ہوئی کہ یہ تو میرے ابو کو جانتے ہی نہیں ہیں اور وہ کبھی اس طرف آتے ہی نہیں ہیں، بہرحال میں وہ بیش قیمت کتاب ان سے بلا قیمت ہی لے کر چلا آیا، والد مرحوم کو دکھائی تو بہت خوش ہوئے، کتاب کا سیٹ اُٹھا کر احترام سے سر پر رکھا اور اس پر اعلیٰ درجہ کی جلدیں کروانے کے لئے میرے غریب ابو نے بیس روپے دیئے تو اس پر چرمی جلدیں بنوائیں جو اب تک میرے ذخیرہ کی زینت ہیں۔

اس وقت تک اس اہم کتاب کی تعریف میں کچھ نہ کچھ جان چکا تھا، ایک مرتبہ فارسی زبان کے مشہور محقق پروفیسر حافظ محمود خان شیرانی کے حالات پڑھ رہا تھا کہ ان کی کتابوں کے ناموں میں ایک نام ''تنقید شعرالعجم'' پر آکر رک گیا، اہل علم حضرات جو مولوی شمس الدین مرحوم کی دکان پر آتے اور بیٹھ کر علمی باتیں

ہی کرتے تھے، ان سے معلوم ہوا کہ حافظ شیرانی نے شبلی کی اس کتاب پر ایک ناقدانہ کتاب لکھی، اب اس کی تلاش شروع ہوئی تو ہمیں نہ مل سکی، سال اول میں اسلامیہ کالج (ریلوے روڈ) میں داخل ہوا تو وہاں کی لائبریری سے اشو کروا کر پڑھی تو بہت سے معاملات اس نوعمری میں سمجھ نہ آسکے۔

بہر حال نادر کتابوں کی جستجو کا سلسلہ برابر جاری رہا اور پھر میں باقاعدہ ہفتے میں ایک روز چند گھنٹوں کے لئے مولوی شمس الدین کی دکان پر جا کر اہل علم کے ساتھ بیٹھنے اور ان کی باتیں سننے لگا، جس سے میری معلومات میں برابر اضافہ ہوتا رہا، حافظ محمود شیرانی کی علمیت اور فارسی زبان و ادب میں ان کے تبحر علمی کا یہیں سے پہلی بار پتہ چلا، یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے پوتے پروفیسر مظہر محمود شیرانی زندہ، جواں اور کسی کالج میں پروفیسر ہیں لیکن وہ کبھی میری موجودگی میں دیگر اہل علم کی طرح مولوی صاحب کی دکان پر نہیں آئے تھے۔

پھر ایک روز اس خیال کے آتے ہی کہ اتنے بڑے محقق کے یہ پوتے ضرور اورینٹل کالج، لاہور میں ہوں گے، مولوی صاحب سے کالج کا محل وقوع سمجھ کر ان سے ملاقات کے لئے کالج گیا تو معلوم ہوا کہ یہ صاحب اس کالج میں نہیں ہوتے، سال اول میں ہی تھا کہ ہم چند طلبہ ایک علمی محفل میں شرکت کے لئے گئے تو بزرگ شرکاء میں ایک نام ''مظہر محمود شیرانی'' بھی لکھا ہوا تھا، حاضرین سے پوچھا کہ یہ صاحب کہاں بیٹھے ہوئے ہیں؟ کسی نے بتایا کہ وہ سٹیج پر تشریف رکھتے ہیں، اب وہاں جا کر تو ملا نہیں جا سکتا تھا، میں مجلس کے ختم ہونے کے انتظار تک شریکِ محفل رہا، اس کے اختتام پر میں آگے بڑھا اور شیرانی صاحب سے مصافحہ کی سعادت حاصل کر کے ان کے دادا بزرگوار سے اپنی عقیدت کا ذکر کیا اور پوچھا کہ ان کے حالات زندگی کہاں سے ملیں گے؟ انہوں نے بتایا کہ اورینٹل کالج میگزین کا شیرانی نمبر نکلا تھا وہ دیکھئے، میں ایک روز پھر اس کالج مین یہ نمبر لینے کے لئے گیا تو معلوم ہوا کہ وہ تو عرصہ دراز پہلے چھپا تھا، لائبریریوں میں ہی مل سکے گا۔

پھر شیرانی صاحب جب کبھی لاہور آتے تو میں عقیدت مندانہ ان سے ملنے کے لئے جاتا، ایک جواں سال کی اپنے دادا کے ساتھ عقیدت پر خوش ہوئے، میں سال اول کا متعلم تھا کہ انہوں نے مجھے بتایا کہ میں

حافظ شیرانی کے مقالات کا مجموعہ تیار کر رہا ہوں، ایک روز بتایا کہ اس کی پہلی جلد چھپ گئی ہے، میں نے پوچھا کہ کہاں سے ملے گی؟ فرمایا مجلس ترقی ادب سے، میں نے ادبی مجلس یاد رکھا، مولوی صاحب سے اس کا پتہ پوچھا تو انہوں نے تصحیح کرتے ہوئے بتایا کہ اس کا پورا نام مجلس ترقی ادب ہے اور یہ کلب روڈ پر ہے، جب میں نے اس مقام کا لوگوں سے محل وقوع دریافت کیا تو کم سنی کے باعث سمجھ میں نہ آیا، ایک روز اپنے بڑے بھائی محمد سلیم کے ہمراہ وہاں پہنچ گیا اور مقالات شیرانی کی پہلی جلد خرید لی، اس کے شروع میں مظہر محمود شیرانی صاحب نے اپنے دادا کے مختصر حالات لکھے تھے جسے میں نے عقیدت سے بار بار پڑھا اور بہت کچھ سمجھ نہ آیا لیکن آہستہ آہستہ اس کے مندرجات کی سمجھ آنے لگی۔

مولوی شمس الدین مرحوم نے بتایا کہ اب کے تم شیرانی صاحب سے ملنا تو میرا بھی سلام عرض کرنا اور اس جلد پر ان سے دستخط کروالو یادگار رہے گی، مجھے پہلی بار کتاب پر مؤلف/مصنف/مرتب کے دستخطوں کی اہمیت کا احساس دلوانے والے یہی مولوی صاحب تھے، میں ایک روز کتاب لے کر ان کے پاس گیا اور اس پر دستخط کرنے کی درخواست کی، انہوں نے فرمایا کہ بھائی یہ کتاب تو آپ نے خریدی ہے، میں اس پر دستخط کیسے کردوں؟ تو جو کچھ مولوی صاحب نے کہا تھا وہ میں نے ان کا سلام عرض کرنے کے بعد ان سے کہہ دیا، جس پر انہوں نے اپنا خوبصورت پین نکال کر کوئی مشفقانہ جملہ لکھ کر کتاب مجھے دے دی، اس طرح جوں جوں اس کی دیگر جلدیں چھپتی رہیں، خرید کر جمع کرتا رہا یہاں تک کہ ۲۰۰۷ء کو یہ کام دس جلدوں میں پورا ہو گیا، جو اب میرے ذخیرہ کی زینت ہے، میں اس وقت ایسوسی ایٹ پروفیسر ہو چکا تھا، اس سے پہلے خود مظہر محمود صاحب کا پی ایچ ڈی مقالہ ''حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات'' کے عنوان سے اسی ادارہ سے ۱۹۹۳۔۱۹۹۵ء کو دو جلدوں میں شائع ہوا تو ڈاکٹر شیرانی نے اسے اپنے دستخطوں سے مزین کر کے مجھے عنایت کیا، اس سے بھی بہت پہلے میں حافظ شیرانی کے مقالات اور کتابیں پڑھ کر ان کا علمی تحقیقات میں اتباع کرنے کی سعی کر رہا تھا کہ ۱۹۸۱ء کو جب میری مرتبہ کتاب ''حسنات الحرمین'' شائع ہوئی تو اُسے حافظ شیرانی کے نام منسوب کیا۔

مولوی شمس الدین مرحوم کی دکان جو ایک علمی مرکز تھا، دراصل یہی میری پہلی تربیت گاہ اور مادر علمی

تھی، جہاں ملکی وغیر ملکی ماہرین علوم شرقیہ کتابوں کی تلاش میں آتے رہتے تھے، مولوی صاحب ہر ایک کے معیار کی کتابیں علیحدہ علیحدہ رکھتے تھے، جب کوئی ان کا طالب آتا تو وہ کتابیں ان کو دکھاتے تھے تو اصحاب بہت ہی مسرور ہو کر جاتے اور مولوی صاحب ان سے بہت ہی واجبی سی قیمت لیتے تھے ورنہ منہ مانگی قیمت بھی لے سکتے تھے، مولوی صاحب کی دکان پر جو بڑے بڑے صاحب علم حضرات آکر بیٹھتے تھے ان میں سے علامہ عبدالعزیز میمن، ڈاکٹر این اے بلوچ، ڈاکٹر وحید قریشی، حافظ احمد یار، ڈاکٹر عبدالرحمٰن بارکر (کینیڈا)، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، سید حسام الدین راشدی، خلیل الرحمٰن داؤدی، پروفیسر علم الدین سالک، حافظ محمد یوسف سدیدی (خطاط) سید انور حسین نفیس رقم (خطاط) سید شرافت نوشاہی، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، سید وزیر الحسن عابدی، مولانا عبدالرشید نعمانی، ڈاکٹر مولانا عبدالحلیم چشتی، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، مولانا عبدالنبی کوکب، مولانا محمد امیر شاہ قادری، محمد ایوب قادری، ڈاکٹر پیر محمد حسن، پروفیسر شجاع الدین، حکیم محمد موسیٰ امرتسری، پروفیسر منظور الحق صدیقی وغیرہ، ان بزرگ شخصیات کے مختصر کوائف عزیز دوست محمد عالم مختار حق نے ''نذر شمس'' میں جمع کر دیئے ہیں جو مولوی شمس الدین مرحوم کی وفات (۱۹۶۸ء) کے پورے چالیس سال بعد ۲۰۰۸ء کو شائع ہوئی، اس میں ایک ضمیمہ میری یادداشتوں کا بھی شامل ہے۔

اس میں سے میں نے صرف ان شخصیات کے نام لکھے ہیں جن سے میں متاثر ہوا اور ان کے ساتھ وہاں نشست و برخاست کا سلسلہ جاری رہا۔

ان اصحابِ علم و فضل میں دو خطاط دنیا میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، اول حافظ محمد یوسف سدیدی اور دوسرے سید انور حسین نفیس رقم، ان حضرات کی صحبت میں بیٹھ کر مجھے فن خط و خطاطی سے خاص انس پیدا ہوا، میری بعض ابتدائی کتابوں کے سرورق ان حضرات نے بلا معاوضہ لکھے، جو اتنے اعلیٰ پایہ کے ہیں کہ بس میں دیکھتا اور آج تک لطف اندوز ہوتا رہتا ہوں، ان میں سے بعض کتابیں دوبارہ سہ بارہ بھی شائع ہوئیں تو ان کے ٹائٹل وہی انہی خطاطوں کے لکھے ہوئے عکسی طور پر لگا دیئے گئے، یہ دونوں حضرات علم خطاطی کے صرف فن سے ہی واقف نہیں تھے بلکہ اس کی تاریخ سے بھی خوب آگاہ تھے، حافظ محمد یوسف مرحوم مخطوطات کے

ترقیمہ دیکھے بغیر بتا دیا کرتے تھے کہ یہ فلاں سن کا مکتوبہ ہے اور اس کی کتابت کس خطے میں ہوئی ہے؟ ایک مرتبہ میں ان کے دفتر نوائے وقت، لاہور میں ایک نادر الوجود قلمی نسخہ ''کنز العباد فی شرح الاوراد'' (اوراد حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی) شارح علی بن احمد غوری مرید شاہ رکن عالم ملتانی، کاتب شمس الدین احمد بن مولانا صدر الدین بمقام سمرقند بسال ۸۵۴ھ لے کر گیا، مخطوطہ درمیان سے کھولا تو بہت ہی خوش ہوئے، ترقیمہ دیکھے بغیر بتایا کہ یہ خط اور خطاطی پاکستان یا ہندوستان کی نہیں ہے اور نہ یہ کاغذ یہاں کا ہے بلکہ یہ تو وسطی ایشیاء کا معلوم ہوتا ہے اور اس کا زمانہ آٹھویں یا نویں صدی ہجری ہے، اب آخر میں اس کا ترقیمہ دیکھا گیا تو مذکورہ بالا معلومات کے عین مطابق درست تھا، دوسری مرتبہ شاہ عالم گجراتی (ف ۸۸۰ھ) کے ملفوظات کا ایک مجموعہ ''خزانۃ السالکین'' دکھایا تو وہ بہت ہی مسرور ہوئے اور فرمایا کہ اس کا خط نہ نسخ ہے اور نہ ہی نستعلیق بلکہ یہ ان دونوں خطوط کی آمیزش ہے، یہ سندھی بھی نہیں ہوسکتا، اس قسم کا خط گجرات (احمد آباد) کے مضافات کا ہے، پھر مذکورہ بالا معلومات دی گئیں تو مزید خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ناراضی بھی ظاہر کی کہ اتنے بیش بہا قلمی نسخے تم نے اپنے گھر سے باہر کیوں نکالے، مجھے گھر بلا لیا ہوتا، اگر یہ راستہ میں گر جاتے یا ضائع ہو جاتے تو یہ ملکی اور ملی نقصان تھا، میں نے اپنی نادانی اور کم فہمی کا اظہار کیا، اب یہ دونوں قلمی نسخے میرے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) میں شمارہ MS-32--MS-31 میں محفوظ ہیں۔

دوسرے بڑے خطاط سید انور حسین نفیس رقم بھی بہت ہی باکمال خطاط تھے، میری کتابوں کے سرورق کئی کئی خطوں میں کتابت کئے، اپنے خودنوشت حالات میری زیر ترتیب کتاب ''مآثر المعاصرین'' میں اپنے قلم سے لکھے اور اس رسم الخط کا کچھ نام بھی بتایا جو مرور زمانہ سے آج ذہن سے محو ہو چکا ہے، موصوف حضرت سید محمد گیسو دراز چشتی (ف ۸۲۵ھ/ ۱۴۲۲ء) خلیفۂ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کی اولاد میں سے تھے اور اپنے خانوادہ کے کچھ مخطوطات اور قدیم مطبوعات بھی جمع کر لی تھیں، جو گھر سے اپنی نشست جامعہ مدنیہ میں لاکر دکھایا کرتے تھے، ان میں سے بیشتر مخطوطات ان کے ایک مرید نے چوری کر لئے تھے، جن کا انہیں تا حیات دکھ رہا۔

میری اس مادر علمی میں آکر بیٹھنے والے حضرات میں سے ایک صاحب علامہ عبدالعزیز میمن بھی تھے، جو عربی زبان وادب کے امام تھے، بے شمار عربی اشعار حفظ تھے، پہلے مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے شعبۂ عربی میں استاد تھے، اس دوران ان کی کئی کتابیں مصر سے شائع ہوئی تھیں، جن میں عربی کی قدیم کتب کے متون خاص طور پر قابل ذکر ہیں، پھر قیامِ پاکستان کے بعد آپ پاکستان آکر، کراچی میں مقیم ہو گئے اور پروفیسر حمید احمد خان جب پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے وائس چانسلر بنے تو معروف علم پرور ممتاز حسین (گورنر سٹیٹ بنک آف پاکستان) کی سفارش پر انہیں اورینٹل کالج، لاہور میں مہمان پروفیسر عربی کے طور پر کچھ عرصہ (۱۹۶۴ـ۱۹۶۶ء) کے لئے بلوایا گیا تو موصوف ہفتے میں دو دن مولوی شمس الدین مرحوم کی دکان پر تشریف لاتے اور دیر تک بیٹھا کرتے تھے، چونکہ مشہور پاکستانی محقق ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ان کے علی گڑھ میں شاگرد رہے تھے اس لئے وہ جب بھی لاہور میں ہوتے تو اپنے استاد سے ملاقات کے لئے اس دکان پر آتے رہتے تھے اور بعض اوقات تو گھنٹوں بیٹھ کر آپس میں علمی باتیں کرتے رہتے تھے، میں ان دنوں بہت کم سن اور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ پر انٹر کا طالب علم تھا، گو میرا ایک مضمون عربی بھی تھا لیکن میں ان حضرات کی بلند پایہ علمی بحث سمجھنے سے قاصر تھا، بعض امور جو یاد رہ جاتے تھے، وہ گھر جا کر لکھ لیا کرتا تھا، بعد میں جب اس مضمون میں کچھ درک پیدا ہوا اور عربی کی بہت سی کتابیں اپنے ذاتی ذخیرہ کے لئے خریدیں تو ان محررہ امور میں بہت سی غلطیوں کا احساس ہوا تو وہ اوراق ضائع کر دیئے کہ کہیں یہ اغلاط راہ نہ پا جائیں، علامہ میمن کی اس دکان پر آمد و رفت کا سن کر کئی اصحابِ علم بھی ان سے ملنے اور اپنے مسائل حل کروانے کے لئے آنے لگے، جن میں اورینٹل کالج شعبۂ عربی کے استاد ڈاکٹر ظہور احمد اظہر اور شعبۂ علومِ اسلامیہ کے پروفیسر حافظ احمد یار کی باتیں اب تک میرے حافظہ میں ہیں۔

چونکہ اس دکان پر آنے والوں میں مَیں ہی سب سے کم سن تھا، اس لئے ان حضرات کی ضیافت کے لئے چائے بنا کر پیش کرنے کی سعادت بھی مجھے ہی ملتی تھی، اسی مناسبت سے علامہ میمن جب بازار سے گھر کے لئے کچھ سودا سلف لینے جاتے تو مجھے اپنے ساتھ لے جاتے تھے، میں راستہ میں ان سے عربی کے متعلق بچوں والے معصومانہ سوالات کرتا تو موصوف ان کے جوابات شفقت سے دیتے تھے، ایک مرتبہ بتایا کہ عربی

کی کتابوں میں سے میں نے ابوریحان البیرونی کی ''کتاب الہند'' کئی مرتبہ پڑھی ہے، بہت عجیب کتاب ہے، یہ واحد کتاب ہے جو ہے تو عربی نثر میں لیکن اس کا نام عربی نظم میں ہے، پھر وہ نام بھی بتایا، تو میں ایک خاص قسم کا عمدہ کاغذ لے کر گیا اور ان سے اس کتاب کا نام لکھوالیا، جو کہ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا اب تک میرے پاس محفوظ ہے۔

علامہ میمن اپنی عارضی مدتِ ملازمت (اورینٹل کالج، لاہور) پوری کر کے جب واپس کراچی چلے گئے تو میں نے ان سے خط و کتابت شروع کر دی، ان کے جوابات میں نے مدتوں بہت احتیاط سے سنبھال کر رکھے تھے، میں جوابی کارڈ بھی بھیجا کرتا تھا، موصوف اُن پر اُس کا جواب لکھ دیا کرتے تھے، وہ خطوط بھی اب تک میرے پاس محفوظ ہیں جو میرے لڑکپن کی یادگار ہیں، اس وقت کے پاکستانی اور ہندوستانی اہل علم سے جو میری مراسلت ہوتی تھی وہ میں نے (رسالہ) صحیفہ (مجلس ترقی ادب، لاہور) کے مکاتیب نمبر میں دو اقساط میں مختصر حواشی کے ساتھ شائع کروادی تھی۔ (شمارہ ۲۲۶۔۲۲۹)

ڈاکٹر این اے بلوچ اپنی وضع کے منتخب افراد میں سے تھے، وہ لاہور میں سنٹرل ٹریننگ کالج میں تعلیم سے متعلق لکچر دینے آتے رہتے تھے، درمیان کچھ وقت نکال کر مولوی شمس الدین کی دکان پر ضرور آتے تھے، مولوی صاحب ہر مرتبہ انہیں کوئی نہ کوئی نادر مطبوعہ کتاب تحفۃً دیا کرتے تھے، جس پر ڈاکٹر بلوچ بہت خوش ہوتے تھے، مولوی صاحب نے ان سے کبھی کسی کتاب کی قیمت نہیں لی تھی۔

ڈاکٹر بلوچ نے کئی کتابیں سندھی، اردو اور انگریزی میں لکھی تھیں، جن میں سے زیادہ تر سندھ کے متعلق ہیں، مولوی صاحب کی وفات کے بعد اہل علم ان کی دکان پر نہیں جاتے تھے، اس لئے ڈاکٹر بلوچ ایک مرتبہ مجھ سے ملاقات کے لئے میرے گھر (واقع وسن پورہ، اندرون ایک موریہ پل) بھی آئے تھے تو میں نے ان سے ان کی لکھی ہوئی جو کتابیں اس وقت میرے پاس تھیں ان پر یادگار کے طور پر دستخط کروالئے تھے، ان کی مرتب کی ہوئی کتابیں عمدہ تحقیق کا نمونہ ہیں، خاص طور پر شاہ عبداللطیف بھٹائی کا سندھی مجموعۂ کلام بڑی عرق ریزی سے مرتب کیا ہے، شاید سندھ کے کسی شاعر کا کلام اتنی دقت سے مرتب نہیں کیا گیا، موصوف نے چچ نامہ (فارسی) متن کا تقابل میرے ساتھ مل کر پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے قلمی نسخہ کے ساتھ

کیا تو مجھے اس باب میں ان کی مہارت فن کا علم ہوا اور یہ سبق بھی ملا کہ کسی متن کا تقابل دوسرے نسخوں سے کس طرح کیا جاتا ہے؟ مرحوم کی وفات کے بعد ان کی چوتھی برسی پر لیکچر دینے کے لئے ان کے نام پر قائم ہونے والے ڈاکٹر این اے بلوچ ریسرچ ہیریٹیج انسٹی ٹیوٹ، حیدر آباد، سندھ بلایا تو میں نے ''ڈاکٹر بلوچ لاہور میں'' کے عنوان سے وہاں ایک مقالہ پڑھا، جو اَب رسالہ ادبیات، اسلام آباد کے بلوچ نمبر میں شائع ہو چکا ہے۔

سید حسام الدین راشدی بھی مولوی صاحب کی دکان پر آیا کرتے تھے، انہیں سندھ کی تاریخ پر تخصص حاصل تھا، مرحوم کی اس موضوع پر بہت سی عمدہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں، انہوں نے تاریخِ سندھ کے حوالہ سے کئی اہم متون ایڈٹ کر کے شائع کروائے تھے، جن سے میں نے بھرپور استفادہ کیا لیکن راشدی صاحب مزاج کے بہت سخت تھے، کسی چھوٹے آدمی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، میں نے اپنی وہ کتاب، جو بی اے کے طالب علمی کے زمانہ میں لکھی تھی یعنی ''احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری'' ان کے دوست ڈاکٹر محمد ایوب قادری کے ذریعہ انہیں بھیجی تو اس پر خوشی کا اظہار کیا اور لکھا کہ میں اُردو والوں سے مایوس ہو چکا تھا، اس کتاب کے ملنے سے میری مایوسی میں کمی آئی ہے، ان کی کج مزاجی کے باعث میں ان سے علمی طور پر کچھ نہیں سیکھ سکا۔

مولوی صاحب کی وفات (۱۹۶۸ء) کے بعد ان کی دکان پر ایک بزرگ مولوی صاحب کی تعزیت کرنے کے لئے آئے، میں وہاں بیٹھا ہوا تھا، مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا: اللہ بخشے مولوی صاحب بڑی خوبیوں کے مالک تھے، تم کیا ان کے بیٹے ہو؟ میں نے نفی میں جواب دیا تو سمجھ گئے کہ میں کم سن کا لڑکا یہاں دکان پر ملازمت کرتا ہوں گا۔

کچھ دیر کے بعد میں نے ان سے دریافت کیا کہ جناب کا اسمِ گرامی کیا ہے؟ تو اپنا نام سید شریف احمد شرافت نوشاہی بتایا، میں نے نہ صرف یہ نام سن رکھا تھا بلکہ ان کی لکھی ہوئی بعض کتابیں بھی دیکھی تھیں، پھر مجھ سے پوچھا کہ تم کیا کرتے ہو؟ تو میں نے بتایا کہ اب میں انٹرمیڈیٹ کا طالب علم ہوں، میری سنجیدگی سے متاثر ہوتے ہوئے بولے، ہاں! شاباش! محنت کے ساتھ مطالعہ جاری رکھو۔

مولوی صاحب کے فوت ہونے کے بعد ان حضرات میں سے بعض احباب لاہور کے مشہور علم دوست بزرگ حکیم موسیٰ امرتسری مرحوم کے مطب پہلے رام گلی، لاہور اور پھر ۵۵۔ریلوے روڈ، لاہور پر آنے لگے، ان میں سے یہ مذکورہ بزرگ سید شرافت نوشاہی بھی شامل تھے، وہ جب کبھی لاہور آتے تو حکیم صاحب کے ہاں ضرور جایا کرتے تھے، میں بھی وہاں جانے لگا تو ان کے ساتھ موانست ہوتی گئی، یہاں تک کہ میں ان کے بیٹے سید سعید الظفر نوشاہی کے ہاں شالامار ٹاؤن، لاہور جانے لگا، وہاں میں پہلی بار گیا تو مجھے اپنی تصانیف دکھائیں، جن میں سے ''شریف التواریخ'' کی دو پہلی ضخیم وجیم جلدیں بھی تھیں، چونکہ آپ خود کتابت کا فن جانتے تھے، اس لئے اپنی ان کتابوں کی خود ہی عمدہ طریقہ سے کتابت بھی کر رکھی تھی، یہ کتاب ان کے سلسلۂ نوشاہیہ کے بزرگوں کا تذکرہ ہے، اس کی باقی ۳ رجلدیں میرے سامنے تالیف ہوئیں، میں جب کبھی ان سے ملنے جاتا تو موصوف کو اس اہم کتاب کی تالیف میں مصروف پاتا، مرحوم سفر وحضر میں اپنے حوالہ کی کتابیں اور لکھنے کا سامان ساتھ رکھتے تھے، میں انہیں دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا تھا کہ انہوں نے اتنا کام تنہا کیسے کرلیا؟

بتدریج اُن سے قُرب بڑھا تو میں نے اُن کے احوال وآثار پر ایک کتاب لکھی جو حکیم صاحب کے سرمایہ سے شائع ہوئی، خود حکیم صاحب نے اس پر ایک تقریب بھی تحریر فرمائی، یہ کتاب ۱۹۷۱ء کو شائع ہوئی، بعد میں کئی مرتبہ طبع ہوئی، آخری ایڈیشن ان کے بھتیجے ڈاکٹر عارف نوشاہی کی نظر ثانی کے بعد ''تذکرہ شرافت نوشاہی'' کا حصہ بنی، میری تیسری کتاب ''احوال وآثار عبداللہ خویشگی قصوری'' پر ایک تقریظ اور اس کا قطعۂ سالِ تالیف بھی لکھا جو اس کی دونوں اشاعتوں ۱۹۷۲ء اور ۲۰۱۷ء میں شامل ہے۔

راقم نے مرحوم شرافت نوشاہی سے بہت کچھ سیکھا کہ کسی سلسلۂ صوفیہ کا تذکرہ کیسے لکھا جاتا ہے؟ ان کو اس موضوع پر کام کرتے ہوئے دیکھتا تو اپنے شعور کی آنکھیں کھلی رکھتا۔

مولوی شمس الدین مرحوم کی دکان پر آنے والوں میں ایک بہت ہی صالح انسان حکیم محمد موسیٰ امرتسری بھی تھے، حکیم صاحب اپنے مطب کی مصروفیات کے باعث وہاں بہت کم وقت کے لئے آتے تھے، اگر کوئی مقالہ لکھنا ہوتا تو مولوی صاحب سے کتابی رہنمائی کے لئے آیا کرتے تھے، ایک روز میں مولوی صاحب

سے ان کے مطب کا پتہ لے کر اُن سے ملنے کے لئے گیا تو آپ مصروف کار تھے، چند مریض بنچ پر بیٹھے باری باری بات کر رہے تھے، میری باری آئی تو چونکہ شناسی کامل نہیں تھی فوراً پہچان نہ سکے تو میں نے عرض کی جناب میں ایک طالب علم ہوں اور میرا مرض طلب علم ہے، اس میں آپ میرا کیا علاج کر سکتے ہیں؟ بڑی دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ مسکرائے اور فرمایا کہ تم پوری توجہ سے پڑھا کرو اور کچھ لکھنے کی مشق بھی کیا کرو، اس وقت میں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور میں سالِ اول کا متعلم تھا، کالج سے ایک سالانہ رسالہ کریسنٹ کے نام سے نکلتا تھا، اس کے ایڈیٹر پروفیسر خالد بزمی میرے عربی کے استاد تھے، مجھ سے کئی مضامین لکھوائے، دوسرا مضمون میں طبع کروانے سے پہلے حکیم صاحب کو دکھانے آیا، اس کا کچھ حصہ پڑھا اور لفظی اصلاح بھی فرمائی، ان کا اصلاح شدہ مقالہ شاید اب تک میری فائلوں کے انبار میں دبا ہوا جائے، پھر میں تیسرا مضمون لے کر حاضر ہوا کہ اس کی بھی اصلاح فرما دیں تو کہنے لگے کہ نہیں مشقی مضامین اسی طرح کے ہوتے ہیں تم اپنی یہ مشق جاری رکھو، ایک روز بالکل صحیح طور سے لکھنے لگو گے۔

اتنے میں ۱۹۶۸ء کو مولوی شمس الدین کا انتقال ہو گیا تو جہاں دیگر احباب نے وہاں آنا جانا چھوڑ دیا، حکیم صاحب بھی ان میں شامل تھے، میں اب کالج سے آتے جاتے ان کے ہاں جانے لگا، پھر ان سے اتنی الفت بڑھی کہ میرا روزانہ کا معمول ہی بن گیا کہ میں دن میں ایک مرتبہ ضرور ان کے مطب ۵۵۔ریلوے روڈ، لاہور پر ان سے ملنے کے لئے جانے لگا۔

اس وقت میری اور ان کی عمر میں بہت فرق تھا، موصوف تقریباً ۵۰ سال کے ہوں گے اور میں ابھی پندرہ سولہ سال کا کالج کا ایک طالب علم تھا، جوانی میں چند کتابچے لکھے تھے، بعض دوستوں کی درخواست پر ان کی کتابوں پر تعارفی دیباچے بھی تحریر کئے تھے۔

مرحوم نے ''کشف المحجوب'' پر ایک عمدہ مقدمہ لکھا تھا، جس کی اب تک شہرت ہے، ڈاکٹر سید عارف نوشاہی نے اس کا فارسی میں ترجمہ کر کے شائع کروا دیا تھا، موصوف نے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے اردو ترجمہ از مولوی محمد سعید خطیب مسجد دربار حضرت علی ہجویری پر ایک مفصل مقدمہ بھی لکھا تھا، جو عقائد کے اعتبار سے ایک قابل توجہ مقدمہ ہے، ان دونوں مقدمات پر کام کرنے کے لئے موصوف متعدد مرتبہ میرے

غریب خانے پر کتابیں دیکھنے کے لئے تشریف لاتے رہے تھے، اس کام کے لئے انہوں نے بڑی محنت کی تھی، رب کریم مغفرت فرمائے۔ آمین

مولوی شمس الدین مرحوم کی دکان پر آنے والوں میں ایک بزرگ استاد ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ (ف ۱۹۷۷ء) بھی تھے، جو گورنمنٹ کالج، لاہور (جی سی یونیورسٹی) میں عربی کے صدر شعبہ بھی تھے، انگلینڈ سے عربی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی، ملازمت سے فراغت (متقاعدت) کے بعد جامعہ اسلامیہ، بہاولپور کے شعبۂ تاریخِ اسلام سے وابستہ رہے تھے، ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ''عرب یورپین سیاحوں کی نظر میں'' (انگریزی) تھا، جو شائع ہو چکا ہے۔

میں ابھی انٹر میں تھا کہ مولوی صاحب نے مجھے ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ کی تاریخ ابن خلدون کی پہلی جلد کا اردو ترجمہ دیا اور ہدایت کی کہ اس کا مقدمہ پوری توجہ سے پڑھو تو میں نے اسے پڑھا، بہت خوش ہوا، کتب تاریخِ اسلام اور مورخین کے احوال کے اعتبار سے یہ پہلی کتاب تھی جو میرے مطالعہ میں آئی اور اسی کو پڑھ کر میں تاریخِ اسلام کی کتابوں کی تلاش میں نکلا تھا اور اسی سے متاثر ہو کر میں نے تاریخ میں ایم اے کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

شیخ صاحب، علامہ سید سلیمان ندوی سے بہت متاثر تھے، جب سید صاحب لاہور تشریف لاتے تو شیخ صاحب ہمہ وقت ان کے ساتھ رہتے تھے اور ان سے بہت کچھ سیکھنے کا ذکر کیا کرتے تھے، انہوں نے معارف (اعظم گڑھ) میں سید صاحب کے ہمراہ کسی عالم سے ملاقات کے لئے گوجرانوالہ کے سفر میں ان کے ساتھ جانے کے بارے میں ایک مضمون بھی لکھا تھا، ابتداء میں ملحدانہ خیالات رکھتے تھے لیکن جب عربی پڑھنے کے لئے علامہ آسی کے پاس، امرتسر گئے تو ان کی صحبت میں رہ کر پھر سے اسلام کی حقانیت کی طرف لوٹ آئے اور ایک روز حکیم صاحب کے پاس خود آ کر اس کا اقرار کیا۔

مولوی شمس الدین مرحوم کی دکان پر آنے والے اہل علم میں ایک تذکرہ نویس محمد ایوب قادری بھی تھے، جن کی برعظیم پاکستان و ہند کے علماء کے تذکروں پر گہری نظر تھی اور ان میں سے اکثر تذکرے انہوں نے پڑھے تھے، وہ ابھی صرف بی اے کی ڈگری کے حامل تھے کہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی (بانی

ڈاکٹر سید معین الحق) سے وابستہ ہو گئے اور اُسی دوران انہوں نے مولوی رحمٰن علی کے تذکرہ علمائے ہند کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا، مولوی صاحب نے اس کے بہت سے نسخے اپنی دکان پر فروخت کے لئے منگوائے تو ایک نسخہ میں نے بھی خریدا، پڑھ کر بہت خوش ہوا کہ مترجم قادری صاحب نے ہر شخصیت کے حالات کے بعد ان کے مزید احوال کے مآخذ کی نشاندہی کی تھی، ان کا یہ کام مجھے بہت پسند آیا، اور یہ عزم کر لیا کہ میں بھی ایسے ہی تذکرے ایڈٹ کروں گا، چنانچہ لکچرر لگنے سے پہلے مفتی غلام سرور لاہوری کا ایک مختصر تذکرہ "حدیقۃ الاولیاء" (تذکرہ صوفیہ پنجاب) جو اُردو میں تھا، حواشی کے ساتھ مرتب کیا، قادری صاحب کو بھیجا تو بہت خوش ہوئے اور حوصلہ افزائی کے طور پر ایک خط لکھا جو میرے پاس مدتوں محفوظ رہا، شاید اب بھی خطوط کے انبار سے کبھی مل جائے۔

۱۹۷۲ء میں جب کہ میں ایم اے تاریخ کے لئے شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی، لاہور میں طالب علم تھا کہ میری تالیف "احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری" شائع ہوگئی، میں نے کتاب قادری صاحب کی خدمت میں ارسال کی، پڑھ کر بہت خوش ہوئے، میں نے رائٹرز گلڈ، لاہور میں اس کی تقریب رونمائی کروائی، تو میرے استاد پروفیسر محمد اسلم نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میرے نزدیک اس موضوع پر کام کر کے وقت ضائع کیا گیا ہے، جس کا مدلل اور مسکت جواب اپنے خطاب میں قادری صاحب نے دیا تھا، قادری صاحب اس وقت کراچی سے صرف اس تقریب میں شرکت کے لئے لاہور آئے تھے۔

موصوف ہر سال تعطیلات کے زمانہ میں لاہور آتے تھے، ان کا قیام حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم کے گھر، واقع شاد باغ، لاہور میں ہوتا تھا، قادری صاحب، حکیم صاحب سے کہا کرتے تھے کہ محمد اقبال مجددی کو بھی یہیں بلا لیں، میرا اس کے بغیر وقت نہیں گذرتا، موصوف بڑے مشفق مزاج تھے، بڑی شگفتہ گفتگو کیا کرتے تھے، میں نے "نزہۃ الخواطر" (تالیف مولانا عبدالحی حسنی) کی ساتویں جلد کے چند صفحات انہیں سنا کر ان سے فن تراجم (تذکرہ نویسی) کی سند لی تھی، جو ان کے ہاتھ کی تحریر کردہ میری فائلوں میں اب تک موجود ہے، موصوف لاہور کے علمی مراکز اور کتب فروشوں کے ہاں میرے ساتھ جایا کرتے تھے اور اپنے موضوع کی کتابیں خریدتے رہتے تھے، میں نے بھی انہی سے کتابوں کے انتخاب اور خریداری کا طریقہ

سیکھا تھا، لاہور میں جہاں کہیں کسی ذاتی کتب خانہ کا سنتے، میرے ساتھ وہاں پہنچ جاتے تھے، کتب خانہ پوری توجہ سے دیکھتے اور اہم کتابوں کے بارے میں بہت عمدہ معلومات بھی دیا کرتے تھے، لاہور میں شاید کوئی اہل علم ایسا نہ ہو جس سے ملاقات کے لئے قادری صاحب میرے ساتھ نہ گئے ہوں۔

بہر حال ان سے بہت کچھ سیکھا، جب کراچی میں ایک ٹریفک کے حادثہ میں ۱۹۸۳ء کو ان کی وفات ہوئی تو بہت صدمہ ہوا، میں نے دانش نامۂ زبان وادب فارسی در شبہ قارہ (تہران، ایران) میں ''ایوب قادری'' کے عنوان سے جلد اول میں ان کی خدماتِ علمیہ پر ایک مختصر مقالہ لکھا تھا۔

مولوی شمس الدین مرحوم کی دکان پر ایک اور صاحبِ علم بزرگ خلیل الرحمٰن داؤدی بھی آیا کرتے تھے، وہ مخطوطات کا با قاعدہ کاروبار کرتے تھے اور ہر مخطوطہ اور دیکھ پرکھ کر خریدتے اور فروخت کرتے تھے، جب وہ آتے تو مولوی صاحب اپنے تازہ خرید شدہ مخطوطات ان کو دکھاتے تو وہ ان کے بارے میں ان کو معلومات فراہم کرتے تھے، مولوی صاحب نے مخطوطات پر تعارفی نوٹس لکھنے کا طریقہ انہی سے سیکھا تھا اور اسی مقصد کے لئے کتب حوالہ اپنے ذاتی ذخیرہ میں جمع کی تھیں جن میں مخطوطات کی فہارس اور تذکرے خاص طور پر قابل توجہ تھے۔

ایک مرتبہ وہ جانے لگے تو میں نے ان سے ان کا پتہ پوچھا تو میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ رکشے میں بٹھایا اور ساتھ گھر لے گئے، ان کا گھر اس وقت ریلوے اسٹیشن کے قریب رائل پارک میں تھا، ان کا کمرہ مخطوطات کے بنڈلوں سے بھرا ہوا تھا، میں نے انہیں مخطوطات پر ان کی اہمیت واضح کرنے کے لئے نوٹس لکھتے دیکھا، تو مجھے بھی مصنفین کے حالات جاننے کا انہی کی صحبت سے شوق پیدا ہوا، پھر میں خود ہی ان کے ہاں جانے آنے لگا تو بڑی شفقت سے ملتے اور نادر مخطوطات دکھانے لگے، انہیں ان قدیم مخطوطات کے اوراق احتیاط سے الٹتے ہوئے دیکھا تو مخطوطہ استعمال کرنے کا سلیقہ آیا، میں بھی علماء ومولفین کے تذکرے جمع کرنے اور پڑھنے لگا، اب جب بھی میں داؤدی صاحب کے ہاں جاتا تو ان مولفین کے نام لکھ کر لے جاتا تھا جن کے احوال ان کو درکار ہوتے تھے، ایک مرتبہ ان کے پاس مولانا عبدالنبی جامی لاہوری [۱] کی تالیفات میں سے دو مخطوطات آئے، لاہور کے علماء کے تذکروں میں انہیں ان کے حالات نہ ملے تو میں

۱۔ مولانا جامی لاہوری پر میرا ایک مقالہ ارمغانِ امام ربانی (جلد دہم) میں شامل ہے۔

نے مختلف کتب تاریخ میں سے ان کے بارے میں جو کچھ معلوم ہو سکا وہ لکھ کر پیش کیا تو بہت خوش ہوئے، جس سے ان کی شفقت میں اضافہ ہوا، اس طرح کے کئی واقعات پیش آئے، پھر وہ زیرِ تحقیق مخطوطات مجھے اپنے گھر لے جانے کی اجازت دینے لگے اور میں اپنی نصابی مصروفیات فراموش کر کے ان عربی و فارسی مخطوطات کا مطالعہ کرنے لگا، مالی وسائل بالکل نہیں تھے ورنہ اس وقت ان کے ہاں بہت ہی نادر ذخیرۂ مخطوطات موجود تھا میں ان سے خرید لیتا یا ان کی اجازت سے فوٹو کاپی بنوالیتا، اس کا عمر بھر افسوس رہا، گویا مخطوطہ شناسی کا فن داؤدی صاحب مرحوم کے قدموں میں بیٹھ کر سیکھا اور ان کی شفقت میں کبھی کمی محسوس نہ ہوئی، ان کے مالی حالات ہمیشہ پریشان کن حد تک خراب رہتے تھے، وجہ یہ تھی کہ لائبریریوں کی طرف سے مخطوطات کی قیمت ملنے میں برسوں لگتے تھے اور موصوف اس بے حالی میں بھی ہم جیسے آنے جانے والوں کی چائے سے تواضع فرمانے سے گریز نہیں کرتے تھے۔

اس وقت میں نے اپنا جو ذخیرہ مخطوطات و مصورات پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو عطیہ کے طور پر دیا ہے، اس میں تقریباً ایک ہزار نادر مخطوطات کے روٹو گرافز (مصورات) ہیں، جن میں سے نصف کے ساتھ یہ درج ہے کہ اس کا اصل مخطوطہ داؤدی صاحب سے لے کر کاپی بنوایا گیا ہے۔

میں نے اپنے مخطوطات کی وضاحتی فہرست خود انگریزی میں مرتب کی ہے، جو میں نے داؤدی صاحب مرحوم کے نام معنون کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر اس جیسے مشفق و مہربان افراد ہاتھ نہ تھامتے تو میں نوجوانی میں بہک کر نا معلوم کیا بن جاتا، ان حضرات کی صحبت نے ہی مجھے علمی تحقیقات کا طالب علم بنایا، ان کی قبور پر رب کریم کی ہزاروں رحمتیں نازل ہوں، آمین۔

تصوف کی طرف رجحان:

میرے والد گرامی میاں نور محمد مرحوم ایک نقشبندی بزرگ حضرت شیخ فیض محمد قندھاری سے بیعت تھے، یہ ان کی جوانی کا زمانہ تھا جب کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ رائے ونڈ میں رہتے تھے اور مطب کرتے تھے، شیخ قندھاری رائیونڈ اپنے مریدین کے پاس جایا کرتے تھے، جہاں ان کی نیک نامی کی شہرت سن کر

میرے والد اُن سے ملنے گئے اور بیعت کرلی، میں ابھی پانچویں کلاس کا طالب علم تھا، میرے والد گھر میں اپنے بچوں کو اپنے پیر کی بزرگی اور ان کی کرامات سنایا کرتے تھے، میں بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، میں نے کہا کہ آپ مجھے بھی اُن سے بیعت کروادیں تو معلوم ہوا کہ اُن کا تو (۱۹۶۱ء کو) وصال ہو چکا ہے، پھر میرے والد مجھے شیخ قندھاری کے خلیفہ حکیم محمد لطیف صاحب کے پاس لے گئے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور آپ سے بیعت کرنا چاہتا ہے، میں پتلا دبلا سا بچہ تھا، مجھے یاد ہے کہ حکیم صاحب نے میرے والد سے پوچھا کہ کیا یہ بالغ ہے؟ جس کا جواب میرے ابو نے اثبات میں دیا تو انہوں نے مجھے بیعت کرلیا، میں کبھی کبھار اُن کے گھر، جو ہمارے گھر کے قریب ہی تھا، اُن سے ملنے جایا کرتا تھا، حکیم صاحب پرانی وضع کے بزرگ تھے اور تعلیم بھی غالباً معمولی سی تھی، میں ابھی انٹر میں ہی تھا کہ میرے سامنے جدید تعلیم کی مخالفت شروع کردی، یہاں تک کہ میں بی اے کر کے پنجاب یونیورسٹی، لاہور میں ایم اے کے لیے داخل ہوا تو طنز کے طور پر پوچھا کرتے تھے کہ اتنا پڑھ کر کیا کرو گے؟ جس کا میں ادب سے جواب دینے کی بجائے خاموشی اختیار کرلیتا تھا، پھر اس خوف سے کہ حضرت مجھے تعلیم کے نام پر کوئی اور طعنہ دیں، میں نے ان کی خدمت میں جانا ہی چھوڑ دیا۔

اتنے میں رب کریم کے فضل سے میں مولوی شمس الدین مرحوم کی دوکان پر جانے لگا، کتابوں کا ذوق ربّ غفار کا عطیہ تو تھا ہی، مولوی صاحب بھی سلسلۂ نقشبندیہ کی حقانیت سے واقف تھے اور کتابوں سے عشق تو انہیں تھا ہی، انہوں نے اس سلسلہ کی کتابیں بھی اپنے ذاتی ذخیرہ میں جمع کر رکھی تھیں، جنہیں میں شوق سے دیکھا کرتا تھا، انہوں نے اس سلسلہ کی کتابوں کی اشاعت کے لیے مکتبہ قیومیہ کے نام سے ایک ادارہ بھی بنایا تھا، لیکن سرمایہ کی کمی کے باعث یہاں سے کتابیں شائع نہ ہو سکیں، صرف ایک کتابچہ ''حالات مجدد الف ثانی'' مولفہ مولوی نظام الدین توکلی، شائع کیا، غالباً اس کا سرورق حافظ محمد یوسف سدیدی سے لکھوایا تھا۔

مرحوم کے پاس ایک مرد صالح سید عاشق حسین نقشبندی (از اولاد و سجادہ نشینان و خدام درگاہِ امام ربانی، سرہند) بھی آیا کرتے تھے، اسی نسبت سے اُن سے بڑی موانست تھی، مرحوم کی بیاض میں سے اُن کی تصویریں بھی ملی ہیں، لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ کس نقشبندی بزرگ سے بیعت ارادت رکھتے تھے؟

مرحوم کے ہاں معروف نقشبندی شیخ طریقت مولانا خواجہ احمد حسین خان امروہوی کی صاحبزادی

پاشاہ بیگم صاحبہ بھی آیا کرتی تھیں، وہ اپنے والد کی لکھی ہوئی کتابیں بھی مولوی صاحب کے پاس لے کر آئیں تھیں کہ انہیں چھپوا دیں، وہ ایک بار نقشبندی مشائخ کا ایک نادر تذکرہ ''عمدۃ المقامات'' تالیف شیخ فضل اللہ قندھاری، مرتبہ حافظ محمد ہاشم جان سرہندی مطبوعہ لے کر آئیں تو میں نے سادگی کے ساتھ ان سے کہا کہ اگر اس کا ایک نسخہ مجھے بھی دے دیں تو مہربانی ہوگی، پھر ایک روز وہ آئیں اور اس تذکرہ پر یہ الفاظ لکھ کر مجھے دیا:

''محمد اقبال کے لیے بہت سی دعاؤں کے ساتھ''

پاشاہ بیگم (۴نومبر ۱۹۶۷ء)

میں ان دنوں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور میں سال دوم کا طالب علم تھا، یہ سلسلۂ نقشبندیہ کا پہلا تذکرہ تھا، جو مجھے دیا گیا، یہ عمدہ فارسی میں ہے، میں اس وقت تک فارسی اچھی طرح نہیں جانتا تھا، لیکن اس کی ورق گردانی سے مجھ پر اس سلسلہ کی عظمت کا نقش ہونے لگا، جو جلد ہی پختہ ہونا شروع ہو گیا اور کالج کے رسالہ ''کریسنٹ'' میں اس زمانے میں جو مضامین لکھے ان پر بحیثیت مضمون نگار اپنا نام ''محمد اقبال'' اور پھر ''محمد اقبال مجددی'' لکھنے لگا، یہ اس پاکدامن خاتون، جو ہمارے سامنے شرعی پردہ کرتی تھیں، کی اس تحریری دعا کا اثر تھا کہ بعد میں صرف اس مبارک سلسلہ کی ہی کتابیں جمع کرنے لگا، اسی زمانہ میں صدیقی کتب خانہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور بھی جانے لگا، جو پرانی کتابوں کے تاجر تھے، ان کے ہاں اس سلسلہ کی بنیادی کتاب ''رشحات'' مطبوعہ مطبع نولکشور دیکھی تو خریدنے کی استعداد نہ ہونے کے باوجود چند دن میں اپنا معمولی سا جیب خرچ جمع کر کے خرید لی پھر وہاں سے ہر ماہ کچھ رقم جمع کر کے اس سلسلہ کی نادر کتابیں خریدنے لگا، مولوی صاحب درمیانی عمر میں ہی فوت ہو گئے تو وہ علمی محافل بھی ختم ہو گئیں، وہ فوت ہوئے تو ان پر خاصی رقم قرض کی تھی، اس لیے ان کے جمع کیے ہوئے مخطوطات نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی کو فروخت کر دیئے گئے اور ان کی جمع کی ہوئی ذاتی نادر مطبوعات بھی فروخت کی گئیں۔

جب کتب خانہ بکنے لگا تو میں بی اے کا طالب علم تھا، میرے والدین غریب تھے، کاروبار میرے بھائیوں کے ہاتھوں میں تھا، میرے پاس یہ کتب خریدنے کے لیے سرمایہ کا نام ونشان بھی نہیں تھا، میں اب وہاں کبھی کبھی جاتا اور میرے سامنے کتابیں فروخت ہوتیں تو ہر لمحہ میرا دل خون کے آنسو روتا تھا کہ کاش یہ

کتابیں مجھے مل جائیں۔

ایک مرتبہ مرحوم نے بہت گراں قیمت پر "مقاماتِ امیر کلال" اور "مقاماتِ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند" [۱] خریدیں، تو ہفتوں اس پر مسرت کا اظہار فرماتے رہے، اسی طرح ایک تذکرہ بہت ہی کمیاب یعنی "بیاضِ دلکشاء" (درحالات شیوخ آبادانیہ، شاہ آبادانی سیالکوٹی دہلوی، نواب امجد علی خان و حافظ شاہ احسان علی پاک پٹنی) مولفہ نصر اللہ خان قمر خویشگی خورجوی، مطبوعہ مطبع فتح الاخبار کول، علی گڑھ (مطبوعہ قبل ۱۸۵۷ء) بھی دستیاب ہوا۔

ایک موقع پر بہت ہی خوشی کا اظہار کیا کہ مجھے مکتوبات حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید کا وہ نسخہ ملا ہے جو مذکورہ مطبع کا چھپا ہوا ہے، مرحوم کہا کرتے تھے کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ حضرت مظہر کے مکتوبات کا پہلا مجموعہ ہے جو مرتب ہوا، اس کے جامع آپ کے نامور خلیفہ مولانا نعیم اللہ بہڑائچی تھے۔ [۲]

ایک مرتبہ میں صدیقی کتب خانہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور گیا تو وہاں ایک کتاب دیکھی جس پر ٹائٹل نہیں تھا، یہ کسی بزرگ کا تذکرہ معلوم ہوتا تھا اور ان کا نام لکھنے کی بجائے مولف نے احترام سے ان کو "حضرت ایشاں" لکھا تھا، میں یہ سمجھا کہ شاید یہ لاہور ہی کے مشہور نقشبندی بزرگ حضرت ایشاں خواجہ خاوند محمود کشمیری ثم لاہوری کے متعلق کتاب ہے، میں نے خریدنے کے لیے جیب کو ہاتھ لگایا تو اس میں کچھ نہیں تھا، آکر مولوی صاحب کو بتایا تو وہ دیوانے ہو گئے، فوراً جیب میں جس قدر رقم تھی نکال کر دی کہ جاؤ اور یہ چپکے سے خرید لاؤ اور میرا نام نہ لینا کہ کہیں مالک قیمت نہ بڑھا دے، میں گیا تو یہ کتاب دس روپے میں خرید کر لے آیا، کتاب دیکھی تو یہ مطبع احمدی، دہلی کی ۱۲۶۹ھ کی طبع شدہ کتاب "رسالہ درحالات میرزا مظہر جانِ جاناں شہید" تھی جو بعد میں "مقاماتِ مظہری" کے نام سے بھی مطبع مجتبائی، دہلی سے چھپی تھی، بہت ہی

۱۔ مقاماتِ امیر کلال کے مولف کا نام کتاب پر درج نہیں ہے اور مقاماتِ خواجہ نقشبند کے مولف ابوالحسن محمد باقر مطبوعہ دارالمطابع، بخارا ۱۳۲۸ھ

۲۔ بعد میں جب ۱۹۸۳ء کو میری تحقیق و تعلیق کے ساتھ "مقاماتِ مظہری" لاہور سے طبع ہوئی تو ساری باتیں علمی تحقیقات کے مطابق صحیح ثابت ہوئیں جن کا ذکر اس کتاب کے مقدمہ میں کیا گیا ہے۔

خوش ہوئے، مدتوں اس کتاب کے حصول پر رب کریم کا شکر ادا کرتے اور مسرور ہوتے رہے، مرحوم کے انتقال کے بعد یہ کتاب میں نے خرید لی اور اس پر ایک مفصل مقدمہ اور ہر فصل کے ساتھ تعلیقات لکھیں جو اُردو سائنس بورڈ، لاہور سے پہلی مرتبہ ۱۹۸۳ء کو طبع ہوئی اور پھر کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں، اس کے آغاز میں مَیں نے اس کے ملنے کی یہ دلچسپ داستان بھی لکھی ہے۔[۱] رب کریم کے فضل سے مذکورہ تمام نادر الوجود کتب مرحوم کی وفات کے بعد میں نے خرید لیں اور اب میرے ذخیرہ کی زینت ہیں۔

پھر ۱۹۷۴ء کو میں ایم اے کر کے لیکچرر لگ گیا تو ساری کی ساری تنخواہ کتابوں کی خریداری پر خرچ ہونے لگی، جہاں کہیں اس سلسلہ کی کتاب کا سنتا، وہاں پہنچ کر بہر قیمت خرید لیتا، آج میرے ذخیرہ میں صرف اس سلسلہ کی تقریباً چھ سو مطبوعات، نادر مخطوطات اور مصورات الگ ہیں۔

ملازمت کے صرف دو سال بعد ہی ۱۹۷۶ء کو معمولی سے سفر خرچ کے ساتھ علمی تحقیقات کی غرض سے افغانستان اور ایران کا زمینی سفر کیا، مجھے معلوم تھا کہ افغانستان اور وسطی ایشیاء سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ کے اولین مراکز ہیں، اس لیے مجھے وہاں جانا چاہیے، غیر ملکی سفر کے مصائب کا اندازہ نہیں تھا کہ اس میں کتنے اخراجات کی ضرورت ہوتی ہے، میں افغانستان سے سیدھا ایران پہنچا، وہاں کے ہوٹل بہت مہنگے تھے، ان میں قیام اور طعام اس رقم میں ممکن نہیں تھا، میں چند روز قیام کے بعد واپس افغانستان آ گیا تو وہاں خانقاہِ نقشبندیہ، قلعہ جواد، کابل میں تقریباً پندرہ دن قیام کیا، خانقاہ کے سجادہ نشین حضرت ضیاء المشائخ محمد ابراہیم مجددی، حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد میں سے تھے، آپ سے ملا، ان کے بھتیجے شیخ فضل الرحمن مجددی بن حضرت فضل عثمان مجددی بن نور المشائخ فضل عمر عرف ملا شور بازار، کابل، مقیم لاہور کا ایک تعارفی رقعہ لے کر حاضر ہوا تھا جو پیش کیا تو بڑی شفقت کا اظہار فرمایا، گھر کے اندر سلسلہ نقشبندیہ کے جو مخطوطات تھے وہ لا کر دکھائے، بہت خوشی ہوئی، ان میں چند ایک مہمان خانہ میں لے جا کر مطالعہ کرنے کی اجازت دی تو میں نے کابل کے بازار میں لے جا کر ان کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں بنوائیں، پھر حضرت نے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ کا وہ قلمی نسخہ دکھایا جو حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے استعمال میں رہتا تھا اور اس پر جابجا

۱۔ اس کی آخری طباعت پروگریسو بکس، لاہور سے ۲۰۱۵ء کو عمل میں آئی۔

حضرت خواجہ کی تصحیحات تھیں، کاتب نے پورا ایک صفحہ اس کی وضاحت کے لیے مخصوص کیا تھا، میں نے ان اہم صفحات کی فوٹو کی درخواست کی تو کمال مہربانی سے اس کے چار صفحات کی فوٹو اتروانے کے لیے فوٹوگرافر کو گھر بلایا اور مجھے عنایت کی، میں نے ان اوراق کو تبرک کے طور پر ''مقاماتِ معصومی'' کے آخر میں عکسی صورت میں شائع کر دیا، وہاں جا کر شاہی کتب خانہ دیکھنے کی آرزو کی تکمیل کے لئے بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی، وجہ یہ تھی کہ وہاں قدیم بادشاہت ختم ہو کر روس کے عمل دخل سے جمہوری حکومت قائم ہوئی تھی۔

میں شاہی کتاب خانہ اس لئے دیکھنا چاہتا تھا کہ مجھے یہ حقیقت معلوم تھی کہ سلاطین افغانستان مدتوں حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد مقیم افغانستان کے غایت درجہ عقیدت مند تھے، جب اُن کے ہاں تخت نشینی اور تاج پوشی کی رسم ہوتی تو حضرات مجددیہ میں سے ہی کسی سے تاج پہنانے کی درخواست کی جاتی تھی، یقیناً اس کتابخانہ میں درجہ اول کے سارے مخطوطات جو اس سلسلہ کے متعلق ہیں، وہ ہو سکتے تھے۔

میں یہ آرزو ناتمام لے کر واپس پاکستان آیا تو وہاں روس اور امریکہ کی رسا کشی شروع ہو گئی اور روس کے اشاروں پر وہاں کے حکمرانوں کو دوسرا خادم روس قتل کر کے خود برائے نام صدر بن بیٹھتا تھا، اس لیے دوبارہ افغانستان جانا ممکن ہی نہ ہوا۔

آخر وہ وقت آیا کہ افغانستان کی تمام لائبریریاں بشمول شاہی کتب خانہ لُٹ گیا اور خود وہاں کے کتابداروں نے حالات کی خرابی کے باعث تنخواہیں نہ ملنے پر وہ نادر الوجود قلمی نسخے فروخت کر دیے، جن میں میں نے وہ مخطوطات بھی دیکھے، جن پر شاہی کتابخانہ کی مہریں ثبت ہوتی تھیں، وہ افغان مہاجر پشاور اور کوئٹہ میں اپنی دکانوں پر ڈالروں میں فروخت کر رہے تھے، مولوی محمد یعقوب فراہی کے پاس ایسے کئی نادر مخطوطات تھے جن پر شاہی کتب خانہ کی مہریں لگی ہوئی تھیں، ان میں سے بعض کی فوٹوسٹیٹ ان کی اجازت سے میں نے بنوالیں۔

کابل یونیورسٹی میں جو مخطوطات دیکھے تھے، ان پر یادگار کے طور پر دو تین سطور لکھ کر اپنے دستخط بھی کر دیے تھے، وہ بھی کوئٹہ کے بازاروں میں ڈالروں میں بکتی ہوئی دیکھیں، ان میں ''خلاصۃ المعارف'' تصنیف شیخ آدم بنوڑی، تو ایک افغان مخطوطات فروش فروخت کے لیے جناب خلیل الرحمن داؤدی کے پاس لے کر

آیا تو میں نے فوراً پہچان لی اور ان کو دکھایا کہ اس کے آخر میں میرا ایک نوٹ اور تاریخ بھی درج ہے۔

کاش حکومت پاکستان کے اہل کار حفاظتی دستوں کے ساتھ اپنی گاڑیاں بھیج کر وہ تمام مخطوطات پاکستان منگوا لیتے، لیکن ان کے پاس اس قسم کی فضولیات کے سوچنے کا وقت کہاں تھا؟ ہاں! یہ فرض تو ہر ملک کے دانشور طبقات کا ہوتا ہے، مجھے تہران یونیورسٹی میں بتایا گیا کہ اس وقت ہمارے پاس پندرہ ہزار مخطوطات کے مائیکروفلمز ہیں، جو ہم نے دنیا بھر کے کتب خانوں سے حاصل کیے ہیں، ظاہر ہے کہ خود شاہِ ایران یا حکومتی عہدہ داروں کی کوشش سے یہ جمع نہیں ہوئے تھے بلکہ یہ تو وہاں کے پروفیسروں کی درخواست پر تحقیقی کام کرنے کے لیے منگوائے گئے تھے۔[1]

اس طرح تصوف کے رجحان میں ترقی ہوتی رہی، یہاں تک کہ میں نے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے مطالعہ کو ترجیح دی اور اس موضوع پر علمی تحقیق کرنے لگا، قیام کابل کے دوران ۱۹۷۶ء کو حضرت ضیاء المشائخ محمد ابراہیم مجددی کے دست مبارک پر بیعت کرنا اسی کا نتیجہ تھا اور اب تو اوڑھنا اور بچھونا ہی یہی رہ گیا ہے، للہ الحمد۔

ا۔ان مائیکروفلمز کی فہرست ۱۹۹۲ء تین ضخیم مجلدات میں دانشگاہ تہران سے شائع ہو چکی ہے۔ان کے علاوہ ایسے رجسٹر بھی دکھائے گئے، جن میں مخطوطات کی مائیکروفلمز کے اسماء درج ہیں لیکن ان کی فہرست ابھی شائع نہیں ہوئی، یہاں ہمارے ملک کی سب سے قدیم اور بڑی لائبریری یعنی پنجاب یونیورسٹی، لاہور نے ایک بار ایک رسالہ میں لائبریری میں موجود مائیکروفلمز کی فہرست شائع کی تھی جو تعداد میں صرف گیارہ سو تھیں۔ دنیائے عرب سے مجلّہ ''معہد المخطوطات العربیہ'' کے نام سے ایسے رسائل شائع ہوتے ہیں جن میں نادر مخطوطات کی فہارس کے علاوہ ان پر تعارفی مقالات بھی ہوتے ہیں، دانش گاہ تہران سے بھی ایک رسالہ نشریہ نسخہ ہای خطی نکلتا ہے،۱۹۹۲ء تک اس کے ۱۸ شمارے نکل چکے ہیں، جب کہ ہمارے ملک میں اس قسم کے رسائل کا نام ونشان نہیں ہے۔

انگلستان کے خواب

لڑکپن سے سنتا آ رہا تھا، پھر نصابی کتابوں میں بھی پڑھا تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے جب ہندوستان پر طویل عرصہ حکومت کی تو انگریز یہاں کے تمام وسائل سمیٹ کر انگلستان بھیجتے رہے، ۱۷۵۷ء کو جنگ پلاسی کے نتیجہ میں ان کا بنگال پر قبضہ مغل حکومت نے تسلیم کرلیا، پھر ۱۸۰۳ء کو ان کا ہندوستان کے مرکز، دہلی پر بھی قبضہ ہوگیا، اس وقت شاہ عالم ثانی (۱۷۸۸ـ۱۸۰۶ء) کی حکومت تھی، انہوں نے جی بھر کر وسائل لوٹے اور ہم ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے، آخر ان کی زیادتیوں کا لاوا ۱۸۵۷ء میں ہندوستانیوں کے دلوں سے پھوٹ پڑا اور ان کے خلاف بغاوت ہوگئی، جسے انگریزوں نے غدر کہا اور ہندوستانی بھی ۱۹۴۷ء تک اسے یہی نام دیتے رہے، اس کے بعد اس غدر کو جنگ آزادی کا نام دے کر اسکی تاریخ پر اس وقت بھی اور بعد میں بھی انگریزی اور اُردو میں کتابیں لکھی جاتی رہیں۔

۱۸۵۷ء کی بغاوت کو جہاد قرار دینے والے علماء انگریزوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر سزائے موت پا گئے، ان کے کتب خانے ضبط کر لیے گئے، آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے رنگون بھیج دیا گیا اور قلعہ معلی، دہلی کا کتب خانہ بھی ضبط کرلیا گیا، جسے بعد میں انڈیا آفس لائبریری، لندن میں منتقل کر دیا گیا۔

مجھے لیکچرر لگے ہوئے بارہ سال ہوگئے، میں دل ہی دل میں لندن کے ان ذخائر سے استفادہ کرنے کا سوچا کرتا تھا اور آرزومند تھا کہ پاکستان کی کوئی یونیورسٹی یا ادارہ مجھے وہاں جانے کی سہولت دے دے تو بہت بہتر ہو، ورنہ وہاں تو بہت مہنگائی ہے، میں اپنے خرچ پر وہاں کیسے جاسکتا ہوں؟

اس سلسلہ میں بااثر اصحاب میں سے ڈاکٹر این اے بلوچ سے بھی ملا، لیکن کوئی بات نہ بن سکی، آخر قائداعظم لائبریری، لاہور کے افتتاح پر صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق سے ملاقات ہوئی تو میں نے ڈرتے ڈرتے ان سے اپنی اس آرزو کا ذکر کیا کہ میں سارے پاکستان کے کتب خانے دیکھ چکا ہوں اور حضرت

مجدد الف ثانی پر مواد جمع کرنے کے لیے انگلینڈ جانا چاہتا ہوں، میرے ذاتی وسائل اس کے متحمل نہیں ہیں میری اس معاملہ میں کچھ مدد کیجئے، اس وقت پنجاب کے گورنر جنرل غلام جیلانی بھی پاس ہی کھڑے تھے، جنرل ضیاء نے میری بات سنی اور کہا ان شاء اللہ میں اور گورنر صاحب مل کر وسائل مہیا کریں گے، یہ بات ہوئی اور جنرل صاحب چلے گئے، میں نے کئی خطوط لکھ کر جنرل صاحب کو یاددہانی کروانے کی کوشش کی، لیکن کوئی جواب نہ آیا، ان کے لاہور کے ایک عالم مولانا محمد متین ہاشمی کے ساتھ اچھے تعلقات تھے، میں نے ان سے بھی تعارفی اور سفارشی خط لکھوا کر جنرل صاحب کو ارسال کیا، پھر بھی کوئی جواب نہ آیا۔

بہت ہی صدمہ پہنچا، جنرل صاحب کو ان کے حواری امیر المومنین کہتے تھے، میں اس زعم میں تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی پر مواد جمع کرنے کے لیے کچھ سہولت دے دیں گے، ان کے جواب کا انتظار کرتا رہا، آخر میں نے ایک اور خط لکھا اور اس کے ساتھ اپنی کتاب ''مقاماتِ مظہری'' (طبع اول ۱۹۸۳ء) کا ایک نسخہ براہِ راست بھیجنے کی بجائے اپنے محکمہ تعلیم کی وساطت سے ارسال کرنے کے لیے پنجاب سیکرٹریٹ، لاہور گیا، گھنٹہ بھر انتظار کے بعد سیکرٹری ایجوکیشن نے اندر بلایا تو میں نے اپنی بات ان کو بتائی کہ اس طرح صدر ضیاء صاحب نے مجھ سے لاہور میں یہ وعدہ کیا تھا، میں ان کو آپ کی وساطت سے یہ خط اور کتاب بھیجنا چاہتا ہوں۔

انہوں نے مجھے اپنے ڈپٹی سیکرٹری فاروق ہارون کے پاس بھیجا کہ اس کی بات سنو، تو اس نے سن کر میری بہت بے عزتی کی اور کہا کہ تم صدر صاحب سے ہماری پیشگی اجازت کے بغیر کیسے ملے؟ مجھ سے خط اور کتاب لے کر اپنی میز کے نیچے پھینک دی اور مجھے جانے کے لیے کہا۔

میں ان دنوں گورنمنٹ ایم اے او کالج، لاہور میں لکچرر تھا، میں نے کالج آ کر سارا واقعہ پرنسپل مسعود الحق صدیقی کو سنایا تو وہ بیچارے افسوس کرنے کے سوا کیا کر سکتے تھے؟

تو یہ تھے کلمہ طیبہ کے نام پر قائم ہونے والے نظریاتی اسلامی مملکت کے صدر امیر المومنین ضیاء الحق، ہمارے محکمہ کے سیکرٹری اور ایڈیشنل سیکرٹری کے کردار۔

تاہم میں نے ہمت نہیں ہاری، اپنے محدود وسائل پر ہی انگلستان جانے کا ارادہ کرلیا، مجھے چونکہ ایک بڑی بزرگ شخصیت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے بارے میں وہاں محفوظ مواد جمع کرنا مقصد تھا، اس

لیے سلسلۂ نقشبندیہ کی ہر خانقاہ سے امداد کی درخواست کی، لیکن ہمارے ملک کے پیر جاہل اور محض تعویز فروش ہوتے ہیں، وہ اسکی اہمیت کا اندازہ ہی نہیں لگا سکے، کسی نے خط کا جواب تک نہ دیا، صرف ایک بزرگ حضرت خواجہ محمد صادق مرحوم کوٹلی آزاد کشمیر نے کچھ رقم اپنے ایک مرید کے ذریعہ بھیجی جس سے جانے آنے کا ہوائی جہاز کا ٹکٹ لینا آسان ہو گیا۔

مجھے یاد آیا ایک بزرگ مولانا ریاض احمد صمدانی، گوجرانوالہ کی ایک چھوٹی سی مسجد کے خطیب ہوتے تھے جو جامعہ نظامیہ، لاہوری دروازہ، لاہور کے فارغ التحصیل تھے اور اپنے بزرگوں کی طرف سے انہیں لندن کی ایک مسجد کا خطیب بنا کر بھیجا گیا تھا، میں جامعہ نظامیہ کے مہتمم مفتی عبدالقیوم ہزاروی سے ملا، اپنا مقصد بتایا اور مولانا صمدانی کا لندن کا پتہ ان سے لیا اور ایک تعارفی رقعہ بھی حاصل کیا کہ یہ جوان یعنی محمد اقبال مجددی، لندن جا کر حضرت مجدد الف ثانی کے متعلق مواد جمع کرنا چاہتا ہے، آپ اسے اپنے گھر میں چند دنوں کے لیے پناہ دے دیں، احتیاطاً ایک خط حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم سے بھی لے لیا، میں نے دونوں خطوط اپنے ایک عریضہ کے ساتھ ان کے لندن پتے پر بھیج دیے، چند دن کے بعد ان کی طرف سے اثبات میں جواب آیا تو میں بہت خوش ہوا، چونکہ وسائل کی بہت کمی تھی، میں احتیاط کے طور پر ایک درخواست لے کر برٹش کونسل کے ڈائریکٹر مسٹر کیمل سے بھی ملنے گیا کہ مجھے صرف سفری سہولت کے لیے ٹکٹ کے اخراجات دے دیں تو انہوں نے بڑی عجیب بات کہی کہ میں عرصہ دراز سے اس کونسل کا انچارج ہوں، میرے پاس یہ پہلا کیس آیا ہے کہ اس ملک سے ریسرچ کے لیے کوئی شخص اپنے خرچے پر جا رہا ہے، اگر اس قسم کی ہمارے پاس بہت سی درخواستیں آتیں تو ہم اپنی حکومت سے اس مد میں کوئی رقم مختص کرواتے، اس لیے ہم اس واحد درخواست پر عمل نہیں کر سکتے۔

میں چونکہ گورنمنٹ ملازم تھا اس لے مجھے اپنے محکمہ سے این او سی بھی لینا تھا جو موسم گرما کی تین ماہ کی تعطیلات کے دوران غیر ملکی رخصت لینی تھی، اس سلسلہ میں کتنی سعی بیکار کرنا پڑی، اسکی داستان بیان کرنا بے کار ہے، صرف ایک دلچسپ بات لکھتا ہوں کہ پنجاب سیکرٹریٹ کے محکمہ تعلیم کے دفتر کے انچارج نے پوچھا کہ آپ کس لیے جانا چاہتے ہیں، میں نے عرض کی کہ جناب اس میں سب کچھ لکھا ہوا ہے، جس کے

جواب میں افسر اعلیٰ نے فرمایا کہ دنیا ترقی کر کے کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے اور تم ابھی تک کتابوں کے چکر میں ہی گرفتار ہو، یہاں اس جاہل مطلق افسر کے سامنے دلائل تو دور کی بات ہے، جواب دینا بے کار تھا، میں خاموش رہا تو اس نے مہربانی فرماتے ہوئے این او سی دے دیا۔

اب میں انگلینڈ کا ویزہ لینے کے لیے ان کی ایمبسی، اسلام آباد گیا تو معلوم ہوا کہ لندن کا اب ویزہ لینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ لندن ائر پورٹ پر ہی انٹرویو لے کر مناسب وقت کا ویزہ دے دیا جاتا ہے، میں بہت پریشان ہوا کہ اتنی قیمت کا ہوائی ٹکٹ لے کر میں لندن جاؤں اور مجھے واپس بھیج دیا جائے تو بہت بڑا نقصان ہوگا، میں نے احتیاطاً سلطان باہو ٹرسٹ (لندن) کے انچارج سلطان فیاض الحسن سے سپانسر منگوالیا، مولانا صمدانی بھی سپانسر لے کر ہوائی اڈے پر مجھے لینے کے لیے آئے تھے۔

رب کریم کی مہربانی سے میں لندن جیسے دنیا کے سب سے مہنگے شہر میں داخل ہو گیا، اب یہاں سب کام اور خواب پورے ہو جائیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ، میرا اپنے کام کے ساتھ جنون کی حد تک لگاؤ اور شب و روز لائبریریوں اور عید الاضحیٰ والے دن بھی لائبریری جا کر رات کو معمول کے مطابق واپس آنے سے متاثر ہو کر مولانا صمدانی نے، جو ایک غریب امام مسجد تھے، مجھے اپنے گھر میں ہی تینوں وقت کا کھانا کھلانا شروع کر دیا، میں دس دن کے لیے لندن سے آکسفورڈ گیا، وہاں مقیم اپنے ایک پاکستانی دوست کے گھر میں میرے لیے قیام اور طعام کا انتظام کروا دیا، جس سے مجھے بہت سہولت میسر آئی، میں نے وہاں سے نادر مطبوعہ کتب خریدیں جو میرے لیے بہت مفید ثابت ہوئیں۔

اس کے باوجود وہاں رقم کی کمی رہی تو میں نے میجر احمد رضا بن پروفیسر منظور الحق صدیقی سے چار سو پاؤنڈ قرض لیے کہ واپس پاکستان جا کر آپ کے والد گرامی کے اکاؤنٹ میں جمع کروا دونگا، اسی طرح اتنی ہی رقم مانچسٹر میں مقیم ایک نوجوان سے قرض لی، جو پاکستان پہنچ کر مولانا عبد الحکیم شرف قادری مرحوم کو واپس لوٹا دی۔

چونکہ واپسی پر قاہرہ میں قیام کرنا تھا اور رقم قرض لینے کے باوجود کم تھی، اس لیے اپنے میزبان مولانا صمدانی سے مصر میں قیام کے لیے رقم مانگی تو انہوں نے کمال مہربانی سے کچھ پیسے دے دیے، جو میں نے ان

کے عزیزوں کے ہاں گوجرانوالہ جا کر ادا کر دی۔

اسی طرح سب سے بڑا مسئلہ برٹش لائبریری اور انڈیا آفس لائبریری (پہلے دونوں الگ مقامات پر تھیں، اب یکجا کر کے برٹش لائبریری کا نام دے دیا گیا ہے) سے نادر مخطوطات کی عکسیات (مائیکروفلمز) کے لیے ادائیگی کا تھا، جو میرے لیے کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا، یہ مسئلہ بھی کسی طرح مولانا صمدانی نے بحسن وخوبی حل کر دیا، وہاں لندن میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ کی اولاد میں سے ایک صاحب جناب سیدین رہتے تھے، جن کا وہاں اچھا کاروبار تھا، مولانا نے ان سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ تم لائبریری سے بل بنوالاؤ میں رقم ادا کر دونگا، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور انہوں نے یہ رقم مجھے دو چیکس کی صورت میں دی جو میں نے ان لائبریریوں میں جمع کرادی، تقریباً چھ ماہ کے بعد بڑے بڑے دو پارسل لندن سے ان بیش بہا مائیکروفلمز کے بذریعہ ڈاک آئے تو جی پی او، لاہور نے خط لکھ کر مجھے طلب کیا کہ یہ کس لیے منگوائے ہیں؟ میں نے اپنا تعارف کروایا کہ میں علمی تحقیقات کا ایک طالب علم ہوں، انہیں یہ بات سمجھ نہ آئی، پھر میں نے کہا کہ میں پروفیسر ہوں اور طالب علموں کو ریسرچ کرواتا ہوں، تب جا کر وہ سمجھے، پھر اعتراض فرمایا کہ یہ تو انڈیا آفس سے آئی ہیں، انڈین چیزوں کے منگوانے کی اجازت نہیں ہے، تم نے کس کی اجازت سے منگوائیں، تو میں نے عرض کی کہ جناب انڈیا آفس لائبریری، انڈیا میں نہیں ہے بلکہ لندن میں ہے اور یہ پاکستان کی ملکیت ہے، تب جا کر انہیں یہ بات سمجھ آئی اور میرا یہ بیش قیمت علمی سرمایہ مجھے ملا۔

حقیقت یہ ہے کہ انگلستان اور اس کے کتب خانوں سے استفادہ کا یہ خواب مولانا ریاض احمد صمدانی صاحب ہی کے تعاون اور عنایات سے شرمندۂ تعبیر ہوا، ورنہ ہم اور ہماری یہ اسلامی مملکت تو شرمندہ بھی ہونے کے قابل نہیں ہے۔

چونکہ میں محکمہ تعلیم میں ملازمت کرتا تھا اور یہ تمام ملکی وغیر ملکی اسفار موسم گرما کی تعطیلات کے دوران ہی ممکن تھے، میں ہر سفر میں موسم کی شدت سے سفر کے دوران اکثر بے حال رہتا تھا، جوانی میں ہی پتلا دبلا نحیف الجثہ تھا سردی کے موسم میں جوانی میں ہی کانپتا پھرتا تھا گرمی میں تو..........

ایک بار موسم سرما میں اپنی ایک زیرِ تکمیل کتاب کا مسودہ مکمل کرنے کے لیے مجھے لائبریریوں سے مواد کی کمی پوری کرنے کے لیے اسلام آباد جانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو میں نے کالج کے پرنسپل کو درخواست میں اپنا مقصد لکھ کر چھٹی کی درخواست دی، تو اس نے رخصت دینے سے انکار کر دیا، پھر میں نے ایک ساتھی کے سمجھانے پر جھوٹی درخواست دے دی کہ میری والدہ شدید بیمار ہیں، انہیں ہسپتال داخل کروانا ہے، اس لیے مجھے چند دن کی چھٹی دے دیں تو اسی پرنسپل نے، جو تحقیق کی ابجد بھی نہیں جانتے تھے، منظوری دے دی، حالانکہ میری والدہ تو تندرست تھیں، اس ملک کے محکمہ تعلیم میں جھوٹ بولنے سے تو کام بن سکتا ہے، سچائی مانع آتی ہے۔

میں ہر سال موسم گرما کی چھٹیوں میں لاہور سے اسلام آباد اور پشاور اسی مقصد کے لیے جایا کرتا تھا، اسلام آباد میں اپنے خواجہ تاش عارف نوشاہی (بعدہ پروفیسر ڈاکٹر عارف نوشاہی) کے گھر دس دس دن قیام کرتا تھا، وہ بیچارے غریب ہونے کے باوجود مجھے تینوں وقت کا کھانا دیتے اور گھر جیسی تمام سہولتیں مہیا کرتے رہے، میں گویا ان کا نمک خوار ہوں، میں نے انہیں اپنا خواجہ تاش اس لیے لکھا ہے کہ ان کی اور میری تربیت نوجوانی سے ہی ان کے چچا علامہ سید شریف احمد شرافت نوشاہی مرحوم نے کی تھی، اس لیے ہماری دوستی آج تک سگے بھائیوں سے بڑھ کر ہے۔

پشاور میں میرا قیام مدتوں حضرت مولانا سید محمد امیر شاہ قادری (یکہ توت، پشاور) کے آستانہ پر ہوتا تھا، بہت ہی شفقت فرماتے اور میری آمد پر خوشی سے نہال ہوئے جاتے تھے، ان کے ہاں تینوں وقت کا کھانا بھی عمدہ ملتا تھا، پھر جب میری عمر پچاس سال سے زیادہ ہوگئی تو موصوف میرے اور اپنے لیے پرہیزی کھانا الگ پکوانے لگے تھے، گویا ان حضرات کے تعاون اور احسانِ علمی نے میرے یہ اسفار کامیاب کیے۔

اسی طرح کئی مرتبہ سندھ کے سفر بھی کیے، ایک مرتبہ خیر پور پبلک لائبریری سے استفادہ کے لیے گیا اور حیدر آباد و کراچی کے تو متعدد اسفار ہوئے، حیدر آباد میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان مرحوم کے ہاں قیام رہتا تھا، پھر وہ زیادہ علیل ہو گئے تو میں حیدر آباد کے مضافات میں سرہندی بزرگوں کا آستانہ جو ٹنڈو سائیں داد میں تھا، وہاں جا کر قیام کرنے لگا، صبح ناشتے کے بعد روزانہ بس کے ذریعے حیدر آباد آجاتا اور شام کو واپس

وہاں چلا جاتا، کراچی کئی مرتبہ گیا، دو دفعہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری کے گھر پر قیام کیا، بڑی شفقت اور علمی رہنمائی میسر آتی رہی، موصوف کے کراچی کے اہل علم کے ساتھ اچھے مراسم تھے، میں انہی کے ہمراہ ان حضرات سے ملنے کے لیے جایا کرتا تھا۔

ڈاکٹر قادری کی حادثاتی وفات کے بعد میرے عزیز دوست ڈاکٹر معین الدین عقیل تھے، ان کا گھر شہر سے بہت دور تھا، اس لیے ان کے ہاں قیام ممکن نہیں تھا تو وہ مجھے اپنے ایک ہم کار دوست ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب کے ہاں لے گئے جن کا خوبصورت بنگلہ باتھ آئی لینڈ میں تھا، میں کئی دن اُن کے ہاں رہتا اور کراچی کے کتب خانوں سے استفادہ کرتا رہتا تھا، ڈاکٹر عقیل روزانہ ان ہاں مجھ سے ملنے آجاتے اور سفر کی مشکلات آسان کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے، ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب کے ہاں مجھے گھر جیسا ماحول میسر آتا تھا، ہمیشہ میرے نازک مزاج کے مطابق کھانا پکوایا جاتا تھا، جس کی وجہ سے میں سفر میں بیمار ہونے سے محفوظ رہتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ اگر ان حضرات کا تعاون اور مسافر نوازی کا جذبہ نہ ہوتا تو کراچی جیسے بڑے شہر میں ایک دن کا قیام بھی میرے لیے دشوار ہوتا۔

ترکی کے اسفار

ترکی یورپ میں ہے اور یورپ جیسا مہنگا بھی، استنبول کے ایک استاذ نجدت طوسون اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ ''حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری'' کے لیے مواد جمع کرنے کی غرض سے پاکستان آئے تو میرے ذخیرۂ علمیہ سے استفادہ کی غرض سے میرے گھر بھی آئے، جاتے ہوئے انہوں نے مجھے ترکی آنے کی دعوت دی تو میں نے اس سفر کے گراں اخراجات کا تذکرہ کرتے ہوئے معذرت کی، اتنے میں وہ اپنا پی ایچ ڈی مکمل کرکے یونیورسٹی میں مستقل استاد بن گئے تو ان کی رہنمائی میں ترکی میں سلسلۂ نقشبندیہ پر بڑے بڑے بین الاقوامی سیمپوزیم ہونے لگے۔

میں نے سنا تھا کہ استنبول اتنا بڑا اور خوبصورت شہر ہے کہ وہاں کے ہوٹل تو لندن و پیرس کو بھی مات دے چکے ہیں، بھلا مجھ جیسا غریب اور متقاعد شخص وہاں کیسے جاسکتا ہے؟ نہ کوئی واقفیت نہ کوئی شناسا، میرا یہ سفر محض خیال ہی رہ جائے گا اور میرا خواب بھی اسی طرح ٹوٹتے ٹوٹتے ختم ہوجائے گا۔

لیکن اس وقت تک میری کئی کتابیں طبع ہو کر متداول ہو گئی تھیں، خصوصاً ''مقاماتِ مظہری''، ''مقاماتِ معصومی'' اور ''لطائف المدینہ'' سے تو ترک خوب واقف تھے، وہ اپنے مقالات میں ان کے حوالے دے چکے تھے۔

رب کریم کے فضل سے ۲۰۱۲ء کے جون میں مجھے وہاں ایک نقشبندی بزرگ بابا سوموحلوسی آفندی (شیخ عثمان داراندوی نقشبندی آلوسی) کے سیمپوزیم میں شرکت کے لیے ٹکٹ بھیج کر بلایا گیا تو میں بہت مسرور ہوا، زندگی میں پہلی بار ترکی کے سب سے بڑے علمی مرکز بلکہ دنیائے اسلام کے سب سے بڑے علمی مرکز استنبول کو دیکھا، جہاں کے متعلق علامہ عبدالعزیز میمن کہا کرتے تھے کہ دنیا میں عربی کے سب سے زیادہ مخطوطات ترکی میں ہیں، پھر یہی بات ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کی زبانی بھی سنی تھی، پنجاب یونیورسٹی کے

سب سے بڑے سکالر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع بھی وہاں گئے تھے اور واپس آ کر وہاں کے مخطوطات کے ذخائر پر تعارفی مقالات لکھے تھے، بہر حال نبی کریم ﷺ کے مدینہ منورہ کے میزبان حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار شریف بھی اس مبارک شہر میں ہے، میں یہاں پہنچ کر بہت خوش ہوا اور اپنی خوش قسمتی پر نازاں بھی۔

صبح ہمارے میزبان ڈاکٹر نجدت طوسون ہوٹل آئے اور مجھ سے معانقہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے ممدوح حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی ہمارے یعنی ترکوں کے داماد تھے، ان کا نکاح ایک ترک خاندان یعنی شیخ محمد رمضان کے فرزند صفر احمد رومی کی بیٹی سے لاہور میں ہوا تھا، میں نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہاں! یہ سب کچھ میری مرتبہ کتاب ''مقاماتِ معصومی'' میں لکھا ہوا ہے۔

اسی طرح خوش نصیبی سے اگلے سال میں پھر ۲۰۱۳ء کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے بین الاقوامی سیمپوزیم میں شرکت کے لیے استنبول میں بلایا گیا، جہاں میں نے حضرت مجدد الف ثانی کے نظریہ وحدت الشہود اور اس کے صوفیہ پر اثرات کے عنوان سے انگریزی میں مقالہ پڑھا، گزشتہ سال بھی ہمیں جب حضرت ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار شریف سے متصل مسجد میں جمعہ کی نماز کے لیے لے جایا گیا تو وہاں حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے ایک خلیفہ حضرت ملا محمد مراد شامی معصومی کے مزار پر بھی لے جایا گیا، جو ان کے مزار کے قریب ہی واقع ہے۔

اس سال گئے تو مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، کے مخطوطات کے لائبریرین ڈاکٹر عطا خورشید بھی ہندوستان سے مندوب کی حیثیت سے استنبول میں شریک تھے، انہوں نے ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانی کے متعلق نوادرات پر تعارفی مقالہ پیش کیا اور اس میں ''الجنات الثمانیہ'' (حالات حضرت مجدد الف ثانی) تالیف شیخ عبد الاحد وحدت سرہندی (ف ۱۱۲۶ھ) کا تعارف کرواتے ہوئے اپنے مقالہ کے دوران کہا کہ ہم محمد اقبال مجددی کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ علی گڑھ آئیں اور یہ مخطوطہ دیکھیں تو میں نے بتایا کہ میں اس کی فوٹو کاپی حاصل کر چکا ہوں اور یہ ہمارے ہاں طبع ہو گئی ہے، اس کا اردو ترجمہ بھی شائع کر دیا گیا ہے، جس پر وہ خوش ہوئے اور کہا کہ مجھے بذریعہ ڈاک ارسال کریں۔

ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب نے اس سیمپوزیم میں حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کے ایک ایسے ایڈیشن کی تیاری کی ضرورت پر مقالہ پڑھا جو جدید تقاضوں کے مطابق ہو، اگلے سیشن کی صدارت کی سعادت مجھے نصیب ہوئی تو میں نے اپنے صدارتی خطبہ میں اس کی پرزور الفاظ میں حمایت کی، جس پر ترکی کے دانشوروں نے ہماری یہ تجویز قبول کرتے ہوئے، اس کا فارسی متن نوشاہی صاحب کو مرتب کرنے کے لیے کہا اور اس پر ایک مفصل مقدمہ اور مکتوب الیہم کے تراجم پر ایک ضمیمہ مرتب کرنے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی، میں اپنی اس سعادت پر بہت خوش ہوا۔

اس کے بعد دسمبر ۲۰۱۶ء کو استنبول میں ''سلسلۂ نقشبندیہ در وسطی ایشیاء'' ترکی، عربستان، اور پاکستان و ہند'' کے موضوع پر تین روزہ سیپوزیم منعقد کیا گیا، میں ضعیف اور علیل ہونے کے باوجود وہاں گیا اور آخری روز حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت شیخ محمد مراد معصومی کے مزارات کی زیارت بھی نصیب ہوئی، اب مزید سفر کی جسم میں تاب نہیں رہی۔

تدریسی زندگی کے ۳۶ سال

۱۹۷۴ء کو پنجاب پبلک سروس کمیشن سے میرا بحیثیت لکچرر تاریخ انتخاب کس طرح ہوا؟ اس کی تلخ داستان بیان کر چکا ہوں، رب کریم کے فضل سے اس انتخاب کے بعد میرا تقرر لاہور کے ایک انٹر کالج میں ہوگیا، یعنی گورنمنٹ شاہ حسین کالج، لاہور، یہ کالج دراصل ان پروفیسروں نے مل کر بنایا تھا، جن کو اسلامیہ کالج سول لائنز، لاہور سے کیمونزم (دہریت) کا پرچار کرنے کے جرم میں ملازمت سے فارغ کر دیا گیا تھا، ان میں پروفیسر ائرک سپرین، پروفیسر امین مغل اور پروفیسر منظور احمد شامل تھے، بظاہر یہ کالج پنجابی کے مشہور شاعر شاہ حسین لاہوری کے نام پر بنایا گیا تھا، لیکن مقصد اسی مذکورہ نظریہ کو فروغ دینا تھا، ۱۹۷۲ء کو ذوالفقار علی بھٹو کے زمانۂ حکومت میں پاکستان کے تمام تعلیمی ادارے قومیائے گئے تو شاہ حسین کالج بھی اس کی زد میں آگیا۔

۱۹۷۴ء میں اس کالج کے پرنسپل پروفیسر منظور احمد تھے، جو اعلانیہ دہریہ تھے، لیکن آدمی حقیقت اور اصول پسند تھے، میری پہلی تقرری اسی کالج میں ہوئی، جب انہیں میرے علمی شغف کا علم ہوا تو بہت خوش ہوئے، مجھے اس معاملہ میں کئی مراعات دیں۔

چونکہ وہ اصول پسند تھے اور افسرانِ بالا کی چاپلوسی تو دور کی بات ہے، ان سے کبھی ملنے کے لیے بھی نہیں جاتے تھے، بھلا ایسا آدمی کب تک اپنی ملازمت جاری رکھ سکتا ہے؟ ان کا تبادلہ کر دیا گیا، اب جو مسلمان پرنسپل بن کر آئے، انہوں نے وہاں ایسی رسہ کشی شروع کر دی کہ وہاں کی پُر امن فضا بالکل غیر علمی ہوگئی، آخر چوہدری محمد یوسف کو پرنسپل بنا کر بھیجا گیا تو انہوں نے محکمہ تعلیم کے بدنام ترین استاد، جنہیں پروفیسر لکھنا زیادتی ہے یعنی غلام یٰسین افغانی کو بلالیا، جس سے کالج کا تعلیمی ماحول تباہ ہوگیا، استادوں کے تبادلہ شروع ہوگئے تو ہم نے کالج کے چوکیدار سے کہا کہ تم موسم گرما کی برسات کے دوران کالج کے تمام کمروں کی چھتیں گرا دینا، اس نے ایسا ہی کیا کیوں کہ ہم نے آپس میں رقم جمع کر کے اسے رشوت دی تھی۔

تعطیلات کے بعد جب کالج کھلے تو ہم سارا اسٹاف مل کر ڈائریکٹر ایجوکیشن کے پاس گئے اور کالج کی مخدوش صورت حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ ہمیں کسی دوسرے کالج کے ساتھ ملا دیا جائے، مجھے ایم اے او کالج میں بھیج دیا گیا، جہاں میں نے سکھ کا سانس لیا، شاید پانچ سال کے بعد ہی میری ترقی (اسسٹنٹ پروفیسر) ہوئی تو مجھے گورنمنٹ اسلامیہ کالج، کینٹ بھیج دیا گیا، جہاں میں دس سال تک جاتا رہا، یہ انٹر کالج تھا، روزانہ صرف دو کلاسیں ہوتی تھیں، میں جہاں کہیں جس کالج میں بھی گیا وہاں میرا طالب علمی کا بستہ میرے ساتھ ہوتا تھا، میں فارغ اوقات میں بیٹھا مطالعہ کرتا رہتا تھا۔

۲۰۰۱ء کو میری دوسری ترقی (ایسوسی ایٹ پروفیسر) کے آثار نظر آنے لگے تو مجھے فکر ہونے لگی کہ ترقی کے بعد اگر مجھے دور افتادہ گاؤں میں بھیج دیا گیا تو کیا بنے گا؟ کیوں کہ انٹر کالج میں یہ پوسٹ ہی نہیں ہوتی، میں نے شاہ حسین کالج، لاہور کے سابق پرنسپل منظور احمد سے بات کی تو انہوں نے ترقی سے پہلے ہی میرا تبادلہ گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز، لاہور میں کروا دیا، چونکہ میں وہاں سب سے سینئر تھا، اس لیے مجھے شعبہ کا صدر بنا دیا گیا تو بہت پریشان ہوا کہ یہ تو ایک انتظامی عہدہ ہے اور میں علمی تحقیقات کا ایک طالب علم ہوں، میں نے درخواست دی کہ میں یہ انتظامی عہدہ چلا ہی نہیں سکتا، پرنسپل حکومت کے ساختہ پرداختہ لوگ ہوتے ہیں انہیں اس بات کی سمجھ ہی نہ آئی اور انکار کرتے ہوئے کہا کہ نہیں! یہاں اصول ہے میں نے اس عہدہ کا پھندا اپنے گلے میں ڈال لیا۔

ہم کار بے کار تھے، کلاسیں ہی نہیں لیتے تھے، بعض تو صرف پرنسپل کی چاپلوسی کو ہی ملازمت تصور کرتے تھے، اخلاق اور تہذیب سے گرے ہوئے اساتذہ کے ساتھ گذر اوقات مشکل ہوگئی تو وہاں سے اپنے تبادلہ کی کوشش کی لیکن سفارش نہ ہونے کے باعث ناکامی ہوئی۔

خدا خدا کر کے یہاں دس سال گزارے کہ ۲۰۱۰ء کو متقاعدت (ریٹائرمنٹ) کا وقت آ گیا، اور میں ۳۶ سال درس وتدریس کے مقدس فرائض انجام دے کر فارغ ہوگیا۔

اس تمام عرصہ میں کسی پروفیسر کے ہاتھ میں کوئی کتاب نہ دیکھی، کسی کو اپنے علمی اور تحقیقی مسائل زیرِ بحث لاتے ہوئے نہ سنا، اصل میں کالج اساتذہ کی ترقی کے لیے کوئی تحقیقی تقاضا رکھا ہی نہیں گیا تھا،

صرف لائن میں لگ کر دس دس سال کے بعد ترقی دے دی جاتی تھی، مجھے خوب یاد ہے، میری ایسوسی ایٹ پروفیسر کے عہدہ پر ترقی کے سلسلہ میں ایک مرتبہ اے سی آر سیل محکمہ تعلیم کے انچارج سے ملا تو اس نے پوچھا کہ آپ محمد اقبال مجددی ہیں؟ میں سمجھا کہ وہ میرے علمی اور تحقیقی امور سے واقف ہونگے اور شاید اس سلسلہ میں مزید معلومات کے خواہشمند بھی، لیکن یہ سن کر دکھ ہوا کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ اس نام کا کوئی استاد ہمارے محکمہ میں ہے ہی نہیں، کیونکہ میں ٢٦ سال میں پہلی مرتبہ ڈائریکٹوریٹ کے آفس گیا تھا، کبھی کسی ڈائریکٹر سے ملا ہی نہیں تھا، حالانکہ میں اس وقت ٢٢ کتابوں کا مولف، مرتب و مترجم تھا اور تقریباً ٤٠٠ مقالات دنیا کے موقر جرائد میں طبع ہو چکے تھے، دراصل ہمارے ملک کے اس بنیادی محکمہ میں کسی قسم کی علمیت کی ضرورت ہی نہیں ہے، صرف افسرانِ بالا کی خوشامد، چاپلوسی اور خدمت ذاتی ہی ترقی کے لیے کافی ہے

میں ١٩٧٦ء کو دنیا کے سب سے پسماندہ ملک افغانستان گیا تو وہاں کابل یونیورسٹی کے ایک پروفیسر ڈاکٹر عبداللہ سے ملاقات ہوئی، وہ کشمیر پر کوئی تحقیقی مقالہ لکھ رہے تھے، وہ میرا سن کر کہ میں پاکستان سے آیا ہوں، تاریخ کشمیر کا ایک مخطوطہ (تاریخ کشمیر از محمد اعظم دیدہ مری) میرے پاس لائے اور بعض شخصی اور علاقائی نام جوان سے صحیح طور پڑھے نہیں جا رہے تھے کے متعلق استفسار کیا، میں نے پوچھا کہ آپ تو پہلے سے پی ایچ ڈی ہیں پھر اس علمی تحقیق میں کیوں مصروف ہیں؟ انہوں نے جو جواب دیا وہ ہمارے ملک کے اساتذہ کے لیے خاصا ہوش ربا تھا، انہوں نے بتایا کہ جب تک ہم ایک سال میں آٹھ تحقیقی مقالات لکھ کر جمع نہ کروائیں تو ہماری انکری منٹ ہی روک لی جاتی ہے، یہاں پاکستان کی یونیورسٹیوں میں فل برائٹ پروفیسر ہونے کے لیے صرف آٹھ مقالات کا ہونا ہی کافی سمجھا جاتا ہے۔

اگر ہمارے ملک کا محکمہ تعلیم ترقی کے لیے تحقیق کی پابندی لگا دیتا تو تحقیق کی دوکانیں کھل جاتیں اور اساتذہ بڑے آرام سے تحقیقی مقالات اردو بازار سے خرید کر ترقی لے لیتے، میں لاہور کے کتنے ہی کالجوں میں ملازمت کر چکا ہوں، میں کسی کالج کے سٹاف روم میں بیٹھ نہیں سکتا تھا، کیوں کہ وہاں سٹاف یعنی پروفیسروں کا محبوب ترین مشغلہ فلموں اور ٹیلی ویژن کے ڈراموں پر کومنٹری کرنا ہوتا تھا، کیوں کہ علمی اور

علمیت کا کوئی تقاضا ہی نہیں تھا۔

میں نے یونیورسٹیوں اور کالجوں کے اساتذہ کو آپس میں لڑتے ہوئے اس طرح دیکھا ہے جیسے ہمارے سکول کے نصاب میں سر سید احمد خان کا ایک مضمون ''کتوں کی لڑائی'' کے عنوان سے شامل تھا۔

جس ملک کی مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں میں بحث کے دوران تمام تہذیبی اور اخلاقی تقاضے بلائے طاق رکھ دیئے جائیں، ملک کے حکمران بددیانت اور لٹیرے ہوں، وہاں اگر محکمہ تعلیم کا یہ حال نہ ہوتو اور کیا ہو؟

۳۶ سال میں سال اول سے ایم اے تک کوئی ایک بھی حقیقی طالب علم نہیں ملا، صرف ڈگریوں کے طالب ہی آتے رہے، جہاں امتحانی پرچے پڑھے بغیر ہی جانچے جاتے ہوں وہاں جعلی ڈگریوں کا کاروبار نہ ہوتو کیا ہو؟

جس نظریاتی اسلامی مملکت میں مذہب اسلام کا کوئی اثر نہ ہو، وہاں تعلیم کا ہماری عملی زندگی میں کیا اثر ہوگا؟

ایک مرتبہ وفاقی اسمبلی کے فلور پر ایک وفاقی وزیر کی زبان سے سچ نکل گیا کہ ''سیاست گند ہے'' وہاں اسمبلیاں گندگی کے جوہڑ سے زیادہ کیا ہوسکتی ہیں؟

پاکستان کا مذہبی طبقہ بھی کسی دوسرے طبقے سے کم غیر ذمہ دار نہیں ہے، علماء کے آپس کے ان گنت فرقہ ورانہ اختلافات کی بنیاد پر دست وگریبان رہنے کے عوامی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ حج سکینڈل کی تو ساری دنیا میں شہرت ہے، اور بدنامی کسے کہتے ہیں؟

آج سے دوسو سال پہلے ہندوستان کی مسلم حکومت کے دورِ زوال میں ایک عالم حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھا تھا کہ ''جس معاشرہ میں اقتصادی توازن نہ ہو اس میں طرح طرح کے روگ پیدا ہوجاتے ہیں'' میں گزشتہ نصف صدی میں اس ملک میں جہاں مسلمانوں کی حکومت ہے اور یہاں کی عوام کی غالب اکثریت بھی مسلمان ہے، یہی صورت حال دیکھ رہا ہوں، وہ تو مسلم حکومت کے دورِ زوال کی بات تھی اور ان حقیقی مصلحین امت نے جو سعی فرمائی تھی کہ یہ سیاسی اور معاشرتی زوال کہیں بڑھ کر ذہنی زوال نہ بن جائے، اس وقت عین یہی صورت حال ہے، ہم مکمل طور پر ذہنی زوال کا شکار ہوچکے ہیں۔

ان روح فرسا حالات میں تو مجھ جیسا کوئی معمولی طالب علم بھی پیدا نہیں ہو سکتا، بزرگوں نے یہ بالکل صحیح تجزیہ پیش کیا ہے کہ ذہنی استعداد اور ترقی کے لیے ماحول کا خوش گوار ہونا لازم ہے۔

میرے پاس خطوط کے انبار ہیں، میرے دوست ڈاکٹر عارف نوشاہی کا وہ خط بھی مل جائے گا جو انہوں نے مجھے اس وقت لکھا تھا جب وہ پی ایچ ڈی کرنے کے لیے تہران یونیورسٹی گئے ہوئے تھے کہ یہاں کا ماحول ایسا ہے کہ دل خود بخود علمی کام کرنے کو چاہتا ہے، یہاں ہر استاد کے پاس علمی منصوبے ہیں اور وہ ان کی تکمیل پر سرگرم عمل ہیں، مجھے ڈاکٹر اکرم شاہ اکرام (سابق صدر شعبۂ فارسی اورینٹل کالج، لاہور) نے بتایا تھا کہ ہم تہران یونیورسٹی میں پڑھتے تھے کہ وہاں کے سب سے مشہور استاد ڈاکٹر معین (مولف فرہنگ معین) نے اپنی کلاس کے ایک متعلم کو، جو ان کے داماد بھی تھے، اپنے پرچے میں صحیح جوابات نہ لکھنے پر فیل کر دیا تھا۔

ہمارے ہاں ملک کی سب سے بڑی درسگاہ یعنی پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے وائس چانسلر اپنے دس ساتھیوں (پروفیسروں) سمیت غبن اور اقربا پروری کے جرم میں ہتھکڑیوں میں عدالت میں پیش کیے جا چکے ہیں، وہاں تعلیم، تعلم اور تحقیق کا کیا معیار ہوگا؟

میرا بھی اس پیرانہ سالی میں ان حالات میں دم گھٹ رہا ہے، کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ کس سے فریاد کروں؟ کہاں گیا علامہ اقبال کا ایک نظریاتی مملکت کا خواب! کہاں گئے قائد اعظم کے سنہری اصول اور مذہب و ملت کے ساتھ کیا ہونا باقی رہ گیا ہے، میں نے اپنے تدریسی ۳۶ سالوں میں کسی حقیقی طالب علم کی عدم موجودگی کا جو رونا رویا ہے کیا ان حالات اور ماحول کے باعث ایسا ہوا؟

ان تلخ حقائق اور سوالات کا جواب شاید آنے والی نسلیں ایک دوسرے سے پوچھیں گی، ملک میں اگر کوئی علمی تحقیقات کے فقدان بلکہ خاتمہ کے اسباب پر کوئی تحقیق کرنا چاہے تو اسے یقیناً ان اوراق میں سے کچھ مواد ضرور ملے گا۔

مجھے چند روز قبل شعبۂ تاریخ سندھ یونیورسٹی، جام شورو، سندھ کے ایک سابق پروفیسر ڈاکٹر غلام محمد لاکھو نے بتایا کہ ایک مرتبہ سروس کے دوران کراچی یونیورسٹی کے ایک وائس چانسلر نے عربی و فارسی کی تدریس کو فضول اور بے کار قرار دیا تو میرے محاسبہ پر وہ شرمسار ہوئے بغیر ہی راہ فرار اختیار کر گئے۔

میری تدریسی زندگی کے ۳۶ سال بالکل بے کار گذرے، ہمارا فرض یہ تھا کہ پون پون گھنٹہ غنڈوں اور بدمعاشوں (طلبہ) کو کلاسوں میں مصروف رکھنا ہے تا کہ وہ باہر آ کر کالج انتظامیہ کے لئے مشکلات پیدا نہ کریں، شعبۂ تاریخ اسلامیہ کالج، سول لائنز کے بعض اساتذہ اعلانیہ کلاسیں لیتے ہی نہیں تھے، انہوں نے طلبہ سے کہہ رکھا تھا کہ تمہاری حاضری لگ جایا کرے گی تم فکر نہ کرنا، اسی کالج میں ایسے استاد بھی تھے جنہیں پروفیسر کہنا تعلیم اور علم کی توہین تھی، صرف ڈائریکٹر ایجوکیشن کو گھر بلا کر ان کی دعوت کرتے رہیں باقی کسی کام کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

ایک سینئر استاد کو میں نے ایم اے کی کلاس دی تو انہوں نے طلبہ کی موجودگی میں میری بے عزتی کی کہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں دل کا مریض ہوں اور ایم اے کو پڑھانے کے لئے خود پڑھنے کی ضرورت ہوتی ہے، میں ایسا نہیں کر سکتا، چونکہ وہ کالج کے غنڈے تھے اس لئے کالج انتظامیہ نے ان کا فرضی پیریڈ سات سال تک ٹائم ٹیبل میں ظاہر کئے رکھا، ان کی کلاسیں اس تمام عرصہ میں مَیں ہی پڑھاتا رہا، میں نے ان کے ہاتھوں کالج میں سات سال رو رو کر گذارے، شکایت کس سے کرتا کیوں کہ پرنسپل بھی انہی صفات کے حامل تھے۔

مجھے ہمہ وقت یہ مناظر اب تک نظر آتے ہیں اور شرمساری سے بے قرار رہتا ہوں، جس کے باعث میری صحت بھی تباہ ہو چکی ہے، کیوں کہ میں فطرتاً حساس دل و دماغ کا آدمی ہوں، سب سے تکلیف دہ بات یہ ہے کہ مطالعہ اور تحقیق کے دوران دل میں چبھے ہوئے یہ نشتر حساسیت کے باعث پھر چبھنے لگتے ہیں اور میں بے حال ہو کر کام بند کر دیتا ہوں، اس عظیم الشان اسلامی مملکت میں حساس دل و دماغ کے انسان کا زندہ رہنا ممکن نہیں ہے، معلوم نہیں کہ میں اب تک کیسے زندہ ہوں؟

کہاں گئیں ہمارے نبی آخر الزماں ﷺ کی تعلیمات، وہ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے سنہری اصولوں کا کیا ہوا؟ وہ علامہ اقبال کے فلاحی مملکت کے خواب کہاں گئے؟

پی ایچ ڈی کا قضیہ

راقم احقر ۱۹۷۲ء کو شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی، لاہور میں ایم اے کا طالب علم تھا، شعبہ کے اساتذہ لکچر دینے سے پہلے مطالعہ یا اس کی تیاری کے عادی نہیں تھے، جب ان کے لکچر کے دوران مجھ جیسا کوئی طالب علم سوال کرتا تو ڈانٹ کر بٹھا دیتے تھے، ایک استاد تو دعویٰ سے کہا کرتے تھے کہ میں دیکھتا ہوں کہ وہ میرے پیپر میں کیسے پاس ہوتا ہے؟ کیا میں وہاں پی ایچ ڈی کے لیے رجسٹریشن کرواسکتا تھا؟

صدر شعبہ ڈاکٹر یار محمد خان، لندن یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کر کے آئے تھے، وہ شعبہ کی میز پر ہاتھ مار کر زور سے کہا کرتے تھے I am only PHD in this Department کہ اس شعبہ میں صرف میں ہی ایک پی ایچ ڈی ہوں، ان کا مطالعہ صفر کے برابر تھا، ایک دوسرے استاد پروفیسر محمد اسلم ۹ سال تک انگلینڈ میں پی ایچ ڈی کے مقالات جمع کرواتے رہے لیکن وہ رد کر دیے گئے اور ان پر انہیں وہاں کی یونیورسٹیوں نے صرف ایم لٹ کی ڈگریاں دیں، وہ تو یونیورسٹی کے قواعد کے مطابق کسی پی ایچ ڈی کے سٹوڈنٹ کے گائیڈ بھی نہیں بنائے جاسکتے تھے، بھلا ان حالات میں مَیں وہاں سے کیسے پی ایچ ڈی کر سکتا تھا؟

ہاں! یہ غلطی ضرور ہوئی کہ میں پنجاب یونیورسٹی کی بجائے پاکستان کی کسی اور یونیورسٹی سے یہ ڈگری لے لیتا، یا اگر انہی اساتذہ سے ایم اے تاریخ کی سند لے کر ساری عمر اسی کی بنیاد پر کالجوں میں پڑھاتا رہا تو انہیں سے پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی لے لیتا، لیکن وہاں خوف یہ تھا کہ میں تین سے پانچ سال صرف کر کے اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھتا تو یہ مہربان اساتذہ سازش کر کے میرا مقالہ رد کروا دیتے اور میری زندگی کے یہ پانچ سال ضائع ہو جاتے، اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ میں اپنا علمی تحقیقات کا سفر ذاتی طور پر جاری رکھوں تو یہ ہزار ڈگریوں پر فوقیت رکھے گا۔

مجھے کبھی بھی پاکستان کی کسی یونیورسٹی کے کسی استادِ تحقیق نے میری تحقیقی کتابوں کے بارے میں کوئی رائے نہیں دی، جس کے اسباب میں یہ سبب قابل ذکر ہے کہ انہوں نے خود کبھی مطالعہ ہی نہیں کیا، وہ بھلا علمی تحقیقی کتابوں کے بارے میں کیا رائے دے سکتے ہیں؟

ابھی ایم اے سال کا اول کا متعلم تھا کہ میری تیسری کتاب ''احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری'' ۱۹۷۲ء کو شائع ہوگئی، اس پر میں نے ڈاکٹر مسعود احمد اور ڈاکٹر محمد ایوب قادری سے تقریظیں لکھوائیں، اس سے پہلے اپنی دوسری کتاب ''احوال و آثار سید شرافت نوشاہی'' پر مخدومی حکیم محمد موسیٰ امرتسری سے تقریظ لکھوائی، پھر ایک اور کتاب تالیف کی تو حکیم صاحب سے اس پر کچھ لکھنے کی درخواست کی تو انہوں نے کہا کہ دیکھو تم نے پوری علمی دیانت اور محنت سے کتاب لکھی ہے، یہ خود بولے گی کہ میں کیا ہوں؟ اس پر کسی سے پیش لفظ لکھوانے کی ضرورت نہیں ہے۔

حکیم صاحب کی یہ حکیمانہ بات میری سمجھ میں آگئی اور اس کے بعد میری متعدد کتابیں شائع ہوئیں، لیکن میں نے کسی سے بھی ان پر کوئی تعارفی نوٹ نہیں لکھوایا، رب کریم نے میری تمام مطبوعات کو قبولیت عام سے نوازا ہے۔

اب ساری دنیا اور خاص طور پر پاکستان کی تمام یونیورسٹیوں میں یہ ڈگری (پی ایچ ڈی) اتنی ارزاں ہوگئی ہے کہ مجھے اگر کسی کی علمیت پر طنز کرنی ہو تو اُسے ڈاکٹر صاحب کہہ کر مخاطب کرتا ہوں۔

زندگی کی سب سے بڑی حماقت

یوں تو زندگی بھر بہت سی حماقتیں کی ہیں، لیکن آخری عمر میں ایک ایسی حماقت سرزد ہوئی ہے کہ آخری سانس تک اس کا دکھ رہے گا اور وہ ہے اپنا زندگی بھر کا جمع کیا ہوا علمی سرمایہ یعنی اپنا ذاتی کتب خانہ، جو گھر کی دوسری منزل پر تھا اور آٹھ مرلے کے گھر کی بالائی منزل کے تمام کمرے کتابوں کی الماریوں سے بھرے ہوئے تھے، پاکستان، ہندستان، عربستان اور یورپ کے تمام علوم مشرقیہ کے اداروں سے گراں قیمت پر منگوائی گئی ان کی مطبوعات، بہت نادر الوجود قلمی نسخے اور مخطوطات کے عکسیات (روٹو گرافز) سی ڈی اور مائیکروفلمز کا پورا ذخیرہ جس میں دس ہزار نادر مطبوعات، بہت ہی قیمتی رسائل، ۲۲۶ مخطوطات، ایک ہزار سے زائد مخطوطات کے عکسیات وغیرہ شامل ہیں، اپنی زندگی میں ہی ۲۰۱۴ء کو پنجاب یونیورسٹی، لاہور کی مرکزی لائبریری کو عطیہ کے طور پر دے دیئے۔

جس کی وجہ یہ ہوئی کہ میں نے اپنی سولہ سترہ سال کی عمر سے لے کر سن کہولت تک سینکڑوں ذاتی کتب خانے اپنی آنکھوں کے سامنے برباد ہوتے اور لٹتے ہوئے دیکھے، بعض حضرات کے کتب خانے ان کے مرنے کے بعد انارکلی، لاہور میں فٹ پاتھوں پر آگئے، بہت سے تول کر خریدے گئے۔

شیخ ایس ایم اکرام اور شیخ عبدالرشید کی وفات کے بعد ان کی کتابیں دس روپے فی کتاب کی قیمت پر قائد یونیورسٹی نے خریدیں۔

اس کے علاوہ بزرگوں کے کتب خانے جو میری ہوش وحواس میں تباہ ہوئے ان میں پیر غلام دستگیر نامی کا کتب خانہ، حضرات سرہند (مقیم ٹنڈو سائیں داد، سندھ) ڈاکٹر محمد ایوب قادری (کراچی) کا کتب خانہ جن کے فرزند جوار دو یونیورسٹی، کراچی میں پروفیسر تھے کا دیمک خوردہ ذخیرہ غالب لائبریری، کراچی میں منتقل کیا گیا، بہت ہی نوادرات سے بھرا ہوا ذخیرہ مشفق خواجہ کا تھا جو پہلے تو رشتہ داروں کے اختلافات کے

باعث بند پڑا رہا، پھر امریکہ کی ایک کمپنی نے تقریباً ۳۰ لاکھ روپے ادا کر کے خرید اور ایک گھر کرایہ پر لے کر اس کی فہرست سازی کا کام کروایا اور بہت سی کتب سکین کر کے نیٹ پر اپ لوڈ کیں، انکے جمع کیے ہوئے نادر مخطوطات اور بہت ہی گراں قیمت پر منگوائے گئے مائیکرو فلمز اور پھر ان کے برقی پرنٹ کہاں گئے؟ کوئی نہیں جانتا، ان کی پاکستان و ہند کے اکابر اہل علم، ادبا اور شعراء سے مراسلت تھی، ان خطوط کا کیا انجام ہوا؟ ان کا انتقال ابھی ۲۰۰۵ کو ہی ہوا تھا لیکن ہوس اور لالچ نے اپنے پیچھے تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں چھوڑا۔

لاہور میں بڑے بڑے علماء کے کتب خانے تباہ ہوئے، کسی نے ان کی تباہی کی داستان نہیں لکھی، البتہ سندھ کے بعض بہت ہی عظیم الشان ذخائر کی بربادی کے شواہد علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی اور ڈاکٹر این اے بلوچ نے اپنے مقالات میں جمع کیے۔

میں ان تمام افسوسناک واقعات کو دیکھتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچا کہ میں اپنی تندرستی کے زمانہ میں ہی اپنا یہ قیمتی ذخیرہ کسی ایسی لائبریری میں جمع کروادوں جہاں ان کی حفاظت اور نگہداشت کا کماحقہ انتظام ہو، ایسی صورت میں ہمارے ملک کی سب سرکاری لائبریریوں کی جب حالت زار کا علم ہوتا تو بہت ہی کرب اور ایسے دکھ کا اظہار کرتا جس کے بیان کی الفاظ لیاقت نہیں رکھتے۔

میں اپنے لڑکپن سے ہی پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں جایا کرتا تھا، مجھے معلوم تھا یہاں بہت قیمتی ذاتی ذخائر محفوظ ہیں، جن میں سے پروفیسر حافظ محمد شیرانی، پروفیسر سراج الدین آذر، پروفیسر محمد حسین آزاد، پروفیسر محمد اقبال (استاد شعبۂ فارسی اورینٹل کالج، لاہور) اور بعض دیگر کتب خانہ محفوظ ہیں اور ان کے مخطوطات بھی ضائع نہیں ہوئے، شیرانی کے ذخیرہ کے فارسی مخطوطات کی فہرست تین جلدوں اور ذخیرۂ آذر کی فہرست ایک جلد میں شائع ہو چکی ہیں، پھر آزاد کے ذخیرہ کے مخطوطات اور مطبوعات کی فہارس بھی طبع ہو کر اب اہل علم کے ہاتھوں میں ہیں، تو میں بھی یہیں پر اپنا ذخیرہ جمع کروادیتا ہوں، کچھ بچ رہے گا اور کچھ ضائع ہو جائے گا، مکمل تباہی سے تو محفوظ رہے گا۔

مخدومی حکیم محمد امرتسری مرحوم اور میاں جمیل احمد شرقپوری مرحوم کے ذخائر ان کی زندگی میں مَیں نے

پنجاب یونیورسٹی کے لیے ہدیہ کرنے کی تحریک کی تھی اور یہ ذخیرے اب اس لائبریری میں ہیں۔

لاہور کا سب سے بڑا اور قیمتی ذخیرۂ مخطوطات و مطبوعات ڈاکٹر مولوی محمد شفیع (سابق پرنسپل اورینٹل کالج، لاہور) کا تھا، معلوم نہیں کہ انہوں نے اپنا ذخیرہ پنجاب یونیورسٹی یا کسی اور ادارے کو اپنے حین حیات کیوں نہیں دیا؟ مقالات شفیع کی جلد اول پر سید حسام الدین راشدی کے ابتدائیہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر شفیع مریض ہونے کے باوجود تحقیقی کام کرنے کے خواہشمند تھے، اس لیے انہوں نے اپنا قیمتی ذخیرہ کسی کو نہیں دیا، لیکن ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند احمد ربانی نے اس کی بہت حفاظت کی تھی، صوبہ سرحد کے عبدالقیوم خان نے احمد ربانی کو اس ذخیرہ کی قیمت تین کروڑ روپے کی پیش کش کی تھی لیکن وہ لالچ میں آگئے اور یہ کتابیں ان کو نہ دیں، وہ ان کی صرف قیمت (مالی) کی وجہ سے ان کو عزیز رکھتے تھے ورنہ وہ ان مخطوطات کی علمی اہمیت سے کماحقہ واقف نہیں تھے، پھر بھی کسی نے ان کی قیمت نہ لگائی، پنجاب یونیورسٹی نے اس ذخیرہ کے فارسی مخطوطات کی فہرست ایک جلد میں شائع کردی تھی۔

جب احمد ربانی فوت ہوئے تو ان کے ایک نیم پاگل بھائی تھے، انہوں نے تمام بیش قیمت مخطوطات افغان مہاجروں کو فروخت کردیے، جن میں سے چند مخطوطات ڈاکٹر فیضان دانش بن احسان دانش (تاجر کتب نادرہ) لاہور نے خرید لیے اور ان میں سے بھی وہ مخطوطات جو کہیں اچھی قیمت پر بک نہیں سکتے تھے، وہ انہوں نے جناب خلیل الرحمن داؤدی مرحوم کے ہاتھ فروخت کردیے، جو انہوں نے معمولی سا منافع لے کر نیشنل لائبریری، اسلام آباد میں فروخت کردیے، شفیع صاحب کے جمع کئے ہوئے عربی مخطوطات احمد ربانی کے زوجۂ ثانی (نجف) اٹھا کر اپنے نئے گھر میں لے گئی، معلوم نہیں ان کا کیا انجام ہوا؟

میں نے اسی قسم کے حالات سے بچنے کے لئے اپنا ذخیرہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو شرائط کے ساتھ عطیہ کے طور پر دے دیا، یہ ۲۰۱۴ کا زمانہ تھا جب میرے گھر پر لائبریری کا عملہ کمپیوٹر لے کر آیا، جناب خالد محمود نے بڑی محنت سے گرمی اور سردی کا خیال کئے بغیر فہرست بنائی، میں ہر کتاب کھول کر اُن کو اس کے کوائف املا کرواتا تھا۔

اس کے بعد میرے ذخیرہ کے مخطوطات و مصورات کی فہرست سازی کا آغاز ہوا، وہ آٹھ ماہ تک

جاری رہا، چیف لائبریرین حسیب احمد پراچہ نے عملہ کو حکم دیا کہ کام مکمل ہوا ہے یا نہیں صبح واپس آ کر حاضری لگائیے، اس طرح فہرست سازی کا کام نا تمام ہی رہ گیا۔

مخطوطات کی فہرست میں نے انگریزی میں املا کروانی شروع کی، یہ وضاحتی فہرست تھی، اس وقت کے شعبۂ علوم مشرقیہ اور مخطوطات کے انچارج حامد علی انصاری صاحب بھی تقریباً دس دن تک فہرست سازی میں شریک رہے، بے چارے مخطوطات کی ابجد بھی نہیں جانتے، البتہ چند مخطوطات کے سائز (تقطیع) پیمانے کے ذریعہ پیمائش کر کے اوپر لکھ دیتے تھے۔

اب ۲۰۱۶ء کو جب اس کی مطبوعات کی فہرست بڑے سائز کی دو جلدوں میں تیار ہو کر طباعت کے لئے پریس جانے لگی تو حامد صاحب کے منہ میں پانی بھر آیا کہ یہ تو میرے نام سے طبع ہونی چاہیے کہ یہ فہرست میں نے مرتب کی ہے، میں نے کہا کہ یہ تو میں نے املاء کروائی ہے، بہت تنازعہ ہوا، چیف لائبریرین پراچہ صاحب نے فرمایا کہ ہاں! یہ فہرست انہی کے نام سے طبع ہوگی کیوں کہ وہ شعبۂ علوم مشرقیہ کے انچارج ہیں، میں نے انکار کر دیا، بہت تکرار ہوتی رہی، آخر سابق چیف لائبریرین سید جمیل احمد رضوی صاحب کو بلایا گیا، انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس پر بحیثیت معاون حامد علی انصاری کا نام بھی لکھ دیا جائے، جس پر چیف کی اجازت سے ایسا کر دیا گیا، فہرست یونیورسٹی کی پریس میں طباعت کے لیے چلی گئی، مجھے معلوم تھا کہ حامد علی انصاری ضرور دھوکہ کریں گے، میں فون پر طباعت کا پوچھتا تو ٹال مٹول سے کام لیتے تھے، میں چپکے سے پریس پہنچا تو وہی ہوا جس کا خدشہ تھا، یعنی انصاری صاحب نے اس کے سرورق سے معاون کا لفظ کٹوا کر میرے ساتھ شریک مولف بن گئے تھے، یہ سب کچھ انصاری صاحب نے قصداً کیا تھا، میں نے لائبریری کے کمپیوٹر سے اس کا اصل ٹائٹل اور پھر تبدیل شدہ ٹائٹل کے پرنٹ نکلوائے، جب فہرست چھپ کر آئی تو میں نے تبدیل شدہ ٹائٹل دکھا کر ان کو ان کی بددیانتی سے آگاہ کیا تو صاف مکر گئے کہ میں نے تو ایسا کیا ہی نہیں ہے، میں نے ایک طویل کالم اخبار ''روزنامہ جرأت'' (لاہور) میں لکھا جس کا عنوان تھا ''پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ علوم مشرقیہ کی حالت زار'' اس میں انصاری صاحب کا کردار بھی واضح کیا تھا، میں نے اس کی تحقیق کے لیے ایک درخواست چیف لائبریری کو دی تو انصاری صاحب نے خود ہی

ایک رپورٹ بنا کر اس پر چیف صاحب کے دستخط کروا کر رپورٹ مجھے بھیج دی جو میں نے دلائل کے ساتھ مسترد کردی، اخبار کے کالم، رپورٹ اور مسترد شدہ دلائل کی کاپیاں میں نے اس وقت کے یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر مجاہد کامران کو بھیج دیں، جس پر انہوں نے مجھے اپنے دفتر میں طلب کیا، اس وقت اورینٹل کالج کے پرنسپل ڈاکٹر فخر الحق نوری بھی بیٹھے ہوئے تھے، وائس چانسلر نے کہا کہ ایک انکوائری کے بعد انصاری کی معطلی کی سفارش کریں، ڈاکٹر نوری نے اس وقت کے شعبۂ فارسی کے صدر ڈاکٹر محمد سلیم مظہر صاحب اور لائبریری سائنس کی چیئر پرسن ڈاکٹر کنول امین صاحبہ کو بھی اس انکوائری کمیٹی میں شامل کرلیا۔

اس انکوائری کمیٹی میں صرف مجھے ہی باقاعدہ نوٹس (شمارہ ۱۵۹ مورخ ۲۰ رجون ۲۰۱۶ء) کو لائبریری سائنس کی چیئر پرسن کے کمرہ (واقع پنجاب یونیورسٹی، نیو کیمپس، لاہور) بلایا گیا، یہ انکوائری ۲۲ رجون ۲۰۱۶ء کو ہوئی، اتفاق سے اس روز لاہور میں شدید بارش ہوگئی، میں خاص رکشہ لے کر وقت مقررہ (صبح دس بجے) سے پہلے ہی پہنچ گیا۔

بارش کی وجہ سے محترمہ تاخیر سے تشریف لائیں اور باقی ممبران یہ سمجھے ہونگے کی آج موسم کی خرابی کے باعث یہ میٹنگ ہوگی ہی نہیں، میں محترمہ کے کمرے سے باہر چپڑاسیوں کے ساتھ ان کے بینچ پر ہی بیٹھ گیا، محترمہ آئیں تو مجھے وہاں بیٹھا ہوا دیکھ کر پوچھا کہ آپ ہی انکوائری کے سلسلہ میں آئے ہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا، اس سے میں فوراً سمجھ گیا کہ چیف لائبریرین اور حامد علی انصاری نے محترمہ کو میری سادگی اور مسکینانہ وضع کے بارے میں پہلے ہی بتادیا ہوگا۔

یہ میٹنگ ایک گھنٹہ کی تاخیر سے شروع ہوئی جیسا کہ ہمارے ملک کا دستور ہے، یہاں وقت کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے، وہی ہوا جس کا پہلے سے اندازہ تھا، یعنی یہ اصحاب چیف لائبریرین پراچہ اور انصاری کو اس انکوائری میں بچ نکلنے کا راستہ دینے کے لیے آئے تھے۔

بہت سے فضول سوالات کر کے رسمی کاروائی ایک گھنٹہ سے زیادہ جاری رکھی گئی، میرے سمیت کسی کو کوئی سزا نہ دی گئی، میں نے جب حامد علی انصاری کی بد دیانتی کے متعلق چیف لائبریرین کو درخواست دی تو میں نے انصاری صاحب کو دکھائی، اس وقت ان کے کمرہ میں سابق چیف لائبریرین سید جمیل احمد رضوی

بھی آئے ہوئے تھے، انصاری صاحب نے ان کی موجودگی میں ہی کہا کہ جاؤ جہاں جی چاہے یہ درخواست لے جاؤ، ایسی کئی درخواستیں آئیں، میرا آج تک کچھ نہیں بگڑا، جس پر میں نے اپنے اخباری کالم میں وائس چانسلر کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اس قسم کی زبان و بیان تو وہی استعمال کر سکتا ہے جس کی یونیورسٹی کا کوئی بڑا با اثر فرد ہی پشت پناہی کر رہا ہو، آپ اس شخص کا پتہ کروائیں۔

اس فرضی انکوائری کمیشن نے کیا پتہ کرنا تھا؟ مجھ سے جو سوال و جواب کیے گئے ان سے اندازہ ہو گیا کہ حامد علی انصاری کی پشت پناہی اس کے آقا عارضی چیف لائبریرین حسیب احمد پراچہ کر رہے تھے، جنہوں نے اپنی دوست ڈاکٹر کنول کو بھی اپنا ہم خیال بنا لیا تھا، دوسرے ممبر انصاری صاحب کے استاد ڈاکٹر سلیم مظہر صاحب تھے، جو ان کو اس سے پہلے ایم فل فارسی کی ڈگری دے چکے تھے، اب وہ ان کو اس طرح پی ایچ ڈی کی عالی شان ڈگری سے بھی نوازیں گے، وہ بھلا اپنے خادم خاص (طالب علم) کے خلاف کوئی جملہ کیسے لکھ سکتے تھے؟

ایسے میں ان حقائق کا انکشاف کرنے والی کمیٹی کے سربراہ جن کے نام کے نیچے باقاعدہ ڈین کے بعد لکھا ہوا تھا:

Chairman, Fact Finding Committee

وہ کن حقائق کا انکشاف فرما سکتے تھے؟ وہ تو خود چیف لائبریرین اور باقی دو ممبران کے زیر اثر آ گئے، یہ میٹنگ ۲۲/جون ۲۰۱۶ء کو ہوئی تھی، جس کی آج اڑھائی سال گزرنے کے بعد بھی کوئی رپورٹ نہیں آئی۔

ہاں محترمہ نے مجھ سے مذکورہ میٹنگ میں پوچھا کہ لگتا ہے آپ کو اپنے اس ذخیرہ سے بہت ہی لگاؤ ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو تبسم فرماتے ہوئے فرمایا کہ میرا بھی پی ایچ ڈی کا مقالہ ذاتی ذخائر علمیہ پر تھا، بھلا وہ استاد اور شعبہ کی چیئر پرسن جو کسی ایک ذخیرہ کی اہمیت کا اندازہ لگانے کی اہلیت نہیں رکھتی، وہ بہت سے ذخائر کے بارے میں کیا جانتی ہوگی؟ اور مقالہ کیا لکھا ہوگا؟

ہاں! ان حقائق کے انکشاف کے لیے بنائی گئی کمیٹی کے چیئر مین ڈاکٹر نوری صاحب نے مجھ سے احسان جتاتے ہوئے یہ پوچھا کہ آپ کی ذخیرہ کی کتابیں اب تک آپ کے پاس کیوں ہیں؟ کیا علوم شرقیہ

کے تمام شعبوں کے ڈین کو یہ سوال زیب دیتا ہے؟ میں نے سوال کیا کہ آپ تو میرے ذخیرہ کے افتتاح کے موقع پر تشریف ہی نہیں لائے تھے، آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہے؟ تو اس کے جواب میں وہ خاموش ہو گئے، ظاہر ہے یہ بات چیف لائبریرین نے مجھ پر اپنے احسان کا دباؤ ڈالنے کے لیے کہی ہوگی، دوسری بات چیئرمین مذکورہ نے مسترد شدہ رپورٹ کے بارے میں کہا کہ یہ تو بزرگوں کی میٹنگ کے بعد بنائی گئی تھی، اسے کیوں مسترد کر دیا؟ جس پر انہوں نے بزرگوں میں سے سید جمیل احمد رضوی، پروفیسر افضل حق قرشی اور ڈاکٹر محمد ہارون عثمانی (جو اس وقت اورینٹل کالج میں اردو کے استاد تھے اور اب یونیورسٹی لائبریری کے چیف ہیں) کے نام کے لیے کہا تو میں نے کہا کہ ان حضرات کے فون نمبرز آپ کے پاس ہیں، آپ دریافت کریں کہ کیا یہ اس میٹنگ میں آئے تھے یا ان کو مدعو کیا گیا تھا؟ وہ محض ایک فرضی رپورٹ تھی جو انصاری صاحب نے خود ہی لکھی تھی اور اس پر چیف (پراچہ صاحب) نے آنکھیں بند کر کے دستخط کر دیے تھے۔

خیر مذکورہ کمیٹی جو وائس چانسلر نے ترتیب دی تھی اور اس کے ممبر بیسویں گریڈ کے تین پروفیسر حضرات تھے، جب انہوں نے پراچہ صاحب کے کہنے پر حقائق پر مٹی ڈال دی تو سابقہ رپورٹ کس شمار میں تھی؟

میں نے اپنا یہ ذخیرہ عطیہ کرنے کے لیے پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر کو خط لکھا، انہوں نے میرا خط اس وقت کے چیف لائبریرین چودھری محمد حنیف صاحب کو بھیج دیا، اس میں میں نے جو شرائط لکھوائیں وہ سب قبول کر کے مجھے ایک خط لکھ دیا، میں نے فون پر کہا کہ میں نے تو اپنی شرائط وائس چانسلر کو بھجوائی تھیں، آپ کے خط پر تو صرف چیف صاحب کے اثباتی دستخط ہیں، وائس چانسلر سے دستخط کروائیں تو پھر جا کر انہوں نے یہ کام کیا، وائس چانسلر کے دستخط نہ کروانے میں بھی ایک چال تھی، کہ ہم تو ان شرائط کے پابند نہیں رہیں گے، چیف لائبریرین کئی آتے جاتے رہیں گے ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

وہی ہوا، ابھی ایک سال گذرا تھا کہ منظور شدہ شرائط کی خلاف ورزی شروع کر دی گئی، میری شرائط میں سے ایک اہم ترین شرط تھی کہ میرے ذخیرہ کی کتابوں کی نقول فوٹو سٹیٹ کاپی کی مشین پر نہ بنائی جائیں، بلکہ کیمرہ کے ذریعے سکین کی جائیں، لیکن انصاری صاحب نے اپنے ایک عزیز دوست کے لیے کتاب ''ذکر مبارک'' (شمارہ ۸۲۴) کی مشین پر کاپی بنوائی اور خام خیالی سے ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا حکم نامہ

اس کے اندر ہی رہ گیا، میں نے انصاری صاحب کو اس کتاب کی بگڑی ہوئی حالت دکھائی اور ساتھ ہی اس میں موجود مذکورہ حکم نامہ بھی دکھایا تو صاف مکر گئے کہ میں نے تو یہ کاپی بنوانے کا حکم نہیں دیا، اگر اس کی کاپی واقی بنوائی گئی ہوگی تو میں استعفیٰ دے دوں گا، میں اس شخص سے وہ فوٹو سٹیٹ کاپی لے کر چیف لائبریرین (پراچہ) کے پاس گیا، انہوں نے حامد علی کو بلایا اور فوٹو کاپی دکھائی، تو حامد علی نے کہا کہ یہ تو یہاں بنی ہی نہیں ہے، چیف نے فوٹو کاپی بنانے والے چودھری محمد صدیق کو اپنے کمرہ میں بلا کر پوچھا تو انہوں نے اقرار کیا، ہاں! میں نے بنائی ہے، اب ذرا سنئے کہ حامد علی، جو لائبریری کے شعبہ علوم شرقیہ کے اس وقت انچارج تھے، فرمایا کہ تم نے اپنا ذخیرہ عطیہ دینے سے پہلے ہی اس کی کاپی خود بنوا کر رکھ لی ہوگی اور اب ہمیں بدنام کرنے کے لیے یہ لے آئے ہو، چیف صاحب نے حامد علی کی تائید کی کہ ہاں ایسا بھی ہوسکتا ہے تو میں نے فوراً اس کاپی کے اندر لائبریری کے عملہ کا لگایا ہوا ایکسیشن نمبر دکھایا جو لائبریری میں کتاب کے داخل ہونے کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے، یہ ہے ہمارے ملک کی سب سے بڑی لائبریری کے چیف لائبریرین کا قول وقرار، وہاں شرائط کیا معنی رکھتی ہیں؟

۲۶ مارچ ۲۰۱۵ء کو ذخیرہ علمیہ لائبریری میں منتقل ہونے کے تقریباً ایک سال بعد میں نے چیف لائبریرین (پراچہ صاحب) سے جا کر کہا کہ جناب اس ذخیرہ کا افتتاح ہونا چاہیے، اور وائس چانسلر اس میں مہمان خصوصی ہونے چاہیں، تو بڑی ناگواری سے اسے قبول فرمایا اس سلسلہ میں تیاری کے مراحل طے ہو رہے تھے کہ ایک روز چیف نے کہا کہ میں نے وائس چانسلر سے اس سلسلہ میں بات کی تھی، انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ ذخیرہ کے افتتاح کا کیا فائدہ اور مقصد ہے؟ میں نے ایک ہی جملہ کہا کہ اس کا مقصد ہے کہ اہل علم کو معلوم ہو جائے کہ اس ذخیرہ میں کیا کچھ ہے اور اس کی کیا اہمیت؟

دل نے چاہا کہ ایسا وائس چانسلر، جو اس قسم کے ذخیرہ کے افتتاح کی اجازت اور منظوری بددلی سے دے رہا ہے، اُسے اس کے افتتاح کا اعزاز دینے کا کوئی جواز نہیں ہے، پھر سوچا کہ چلو وائس چانسلر کے آنے سے کچھ اہل علم زیادہ آجائیں گے، اور میڈیا بھی آجائے گا، اگر کسی صاحب علم یا محقق سے افتتاح کروایا تو سامعین کی تعداد کم ہو جائے گی، ناچار خاموشی اختیار کرلی کہ اگر صاحب آگئے تو بہتر ورنہ جو ہو سو ہو۔

بہر حال مذکورہ تاریخ کو لائبریری میں وائس چانسلر نے اس کا افتتاح کیا، اہل علم و دانش کا ایک بڑا مجمع تھا، صدر مجلس نے کہا کہ میں نے علوم شرقیہ کے اتنے ماہرین کا اجتماع اس سے پہلے نہیں دیکھا۔[1]

مقررین نے میرے ذخیرہ کے نوادر کے ساتھ اس میں موجود نادر الوجود مخطوطات اور ان کے عکسیات کا بھی بار بار ذکر کیا تو حاضرین میں سے چند نوجوانوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر اس لائبریری کے مخطوطات کے انچارج آپ کے ذخیرہ میں موجود چند اہم مخطوطات کا تعارف ایک مقالہ کی صورت میں کروا دیتے، جس کے جواب میں مَیں نے کہا کہ انچارج صاحب مخطوطات کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں، وہ بے چارے مقالہ کیا لکھ سکتے ہیں۔

مجھے خوب یاد ہے کہ غالباً گزشتہ سال شعبۂ فارسی اورینٹل کالج، لاہور نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں دو روزہ مخطوطات ورکشاپ کا اہتمام کیا تا کہ ایم فل اور پی ایچ ڈی کے طالب علموں کو مخطوطات سے آگاہی ہو، اس میں کلیدی خطاب میرا رکھا گیا تو میں احمد منزوی کی وفات کے موقع پر ان کی مخطوط شناسی کے تجربات کے حوالہ سے ایک گھنٹہ اور پندرہ منٹ لیکچر دیتا رہا، پاکستان کے سب سے بڑے ذخیرۂ مخطوطات کے انچارج حامد علی انصاری بھی اس محفل میں اس شان سے تشریف فرما تھے کہ مسلسل بڑے دل آویز انداز میں تبسم فرماتے اور اپنے پالش کئے ہوئے دانت دکھاتے رہے تھے۔

چونکہ اس علمی مجلس میں مجھ ناچیز کا خصوصی خطاب تھا، اس لئے جواں سال طلبہ اور طالبات نے مجھ سے کہا کہ کاش اس موقع پر لائبریری کے مخطوطات کے محافظ بھی اپنے تجربات بیان کرتے تو ہمیں بہت فوائد حاصل ہوتے، اتفاق سے موصوف اس وقت بھی اُسی طرح متبسم تھے، تو میں نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کی کہ یہی ان کے تجربات ہیں، آپ ملاحظہ فرمالیں۔

۱۔ اس افتتاح کی روداد سید جمیل احمد رضوی صاحب نے مرتب کی اور اسی سال پنجاب یونیورسٹی سے شائع ہوئی تھی۔

یہ حقیقت ہے کہ ہماری اس عظیم اسلامی نظریاتی مملکت میں یونیورسٹیوں کے شعبوں کے صدور اور لائبریرین چن کر ایسے رکھے جاتے ہیں جو جاہل مطلق ہوں اور وہ اپنے آقاؤں کے سامنے صرف جی حضور (yes sir) ہی کہنے کی قابلیت رکھتے ہوں، یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے ملک میں علمی تحقیقات کا کہیں نام و نشان تک نہیں رہا۔

ہمارے ملک کے دو بڑے دانشوروں اور محققوں یعنی ڈاکٹر معین الدین عقیل (سابق صدر شعبۂ اردو کراچی یونیورسٹی) اور ڈاکٹر اکرام چغتائی (سابق ڈائریکٹر اردو سائنس بورڈ، لاہور) نے ان حالات سے تنگ آ کر اپنے علمی ذخائر غیر ملکی یونیورسٹیوں کو دے دیئے، ڈاکٹر عقیل کا ذاتی ذخیرۂ علمیہ جو انہوں نے اپنے ذوق علمی سے دنیا بھر کے علوم شرقیہ کے شعبوں میں خود جا کر کتابیں حاصل کی تھیں، کیوٹو یونیورسٹی، جاپان کو دے دیا جواب وہاں ''ڈاکٹر عقیل کلیکشن'' کے نام سے محفوظ ہے، اس کی فہرست بھی آن لائن ہے اور اس کے صلہ میں ان کو جاپان کا اعلیٰ ترین سول اعزاز شاہ جاپان نے عطا کیا۔[1]

ڈاکٹر اکرام چغتائی کو گزشتہ ساٹھ سال سے میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں آتے جاتے دیکھا کرتا تھا، انہوں نے اپنا بیش قیمت کتب خانہ جس میں جرمن سکالر سپرنگر کے علاوہ برعظیم پاکستان وہ ہند کے برطانوی دور کے نوادر جمع کئے تھے، وہ انہوں نے جرمنی میں محفوظ کروا دیئے، جو آسٹریا کہ شہر Nassereith میں سپرنگر کے اس گھر کو جوان کی جائے ولادت ہے، میوزیم کا درجہ دے کر اس میں سپرنگر کے متعلق تمام کتب وغیرہ جمع کر دی گئی ہیں، اسی گھر میں ڈاکٹر چغتائی کا ذخیرۂ علمیہ رکھا گیا ہے، اس عطیہ کے اعزاز میں انہیں جرمنی کی حکومت نے ۱۹۹۷ء کو صدارتی ایوارڈ دیا، جسے پورے جرمنی کے میڈیا نے مشتہر کیا تھا۔

اب ذرا اس مسکین یعنی محمد اقبال مجددی کی سنیے جسے زندگی بھر کسی ایوارڈ کی تمنا نہیں ہوئی اُسے پاکستان کی سب سے قدیم اور مشہور پنجاب یونیورسٹی نے اپنا سرمایۂ عمر عطیہ کے طور پر دینے پر کن کن اعزازات سے نوازا:

۲۰۱۴ء کو میرا ذخیرہ لائبریری میں منتقل ہو گیا، میں سال بھر منتظر رہا کہ مجھے بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ عطیہ کی رسید دی جائے گی، میں صرف رسید کا مطالبہ کرتا رہا لیکن ایک سال کے بعد میں نے خود رسید

---

[1] جنوب مغربی ایشیاء کا علمی تناظر ۳۹۱

لکھی، لائبریری کے کمپوزر سے کمپوز کروائی اور علوم شرقیہ کے انچارج حامد علی انصاری کے ذریعہ چیف لائبریرین حسیب احمد پراچہ کے پاس اس رسید پر دستخط کروانے کے لیے بھیجا تو انہوں نے بادل نخواستہ اس پر دستخط کر دیئے، وصول یابی کی رسید کیوں نہیں دیتے تھے! سمجھ نہیں آتا تھا، جب آہستہ آہستہ ان کے اصل روپ سامنے آئے تو اندازہ ہوا کہ اس کا سبب یہ تھا کہ نہ ہم رسید دیں اور نہ کل کو اس کی ذمہ داری ہم پر رہے، حامد علی صاحب نے مجھے رسید دیتے وقت کیا فرمایا؟ ذرا سنیے:

"خود ہی فہرست بنائی، خود کتابیں پیک کیں اور خود ہی آ کر ترتیب دیں ہمیں کیا معلوم کہ کیا دیا اور کیا نہ دیا"

یعنی یہاں یہ تسلیم کر لیا کی فہرست مالک کتب نے خود بنائی ہے لیکن جب فہرست طباعت کے لیے مطبع میں جانے لگی تو گنواروں کی طرح کہنے لگے کہ یہ فہرست تو میں نے بنائی ہے، یہ میرے نام سے شائع ہوگی، اس سے پہلے ہمارے ملک کے نامور محقق ڈاکٹر اکرام چغتائی نے جب یہ فہرست ترتیب کے آخری مراحل میں تھی، تو انہوں نے حامد علی صاحب سے دریافت کیا کہ کیا ذخیرۂ مجددی کی فہرست چھپ گئی ہے؟ جس پر حامد علی صاحب نے جواب دیا کہ نہیں وہ نہیں چھپ سکتی، ڈاکٹر چغتائی نے پوچھا، کیوں؟ وہ کیوں نہیں چھپ سکتی؟ تو حامد صاحب نے فرمایا کہ "وہ کہتا ہے فہرست میں نے بنائی ہے یہ میرے نام سے طبع ہو لیکن میں چاہتا ہوں یہ میرے نام سے شائع ہو۔"

یہ بات ہوئی اور بظاہر خاموشی چھا گئی، لیکن ایک روز ڈاکٹر چغتائی صاحب، اورینٹل کالج، لاہور کے سٹاف روم میں بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں کے استادوں میں سے کسی نے اس فہرست کا ذکر کیا تو چغتائی صاحب نے حامد صاحب کے شاندار جملے دہراتے ہوئے کہا:

"دیکھو! آپ کی یونیورسٹی لائبریری کے شعبۂ علوم شرقیہ کے انچارج کتنے دیانتدار ہیں وہ فرماتے ہیں کہ وہ فہرست تو مجددی نے بنائی ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ وہ میرے نام سے طبع ہو، لیکن وہ چاہتا ہے کہ میرے نام سے شائع ہو، اس لیے اب یہ فہرست نہیں چھپ سکتی"

لیکن رب کریم کے فضل سے وہ فہرست آب و تاب کے ساتھ تین جلدوں میں شائع ہوئی اور مجھ مسکین کے نام سے طبع ہوئی، ورنہ ان مہربانوں نے تو میرا نام مٹانے کی کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔

کتب خانہ عطیہ کرنے کا سب سے بڑا اعزاز

مجھے عمر بھر کا علمی سرمایہ پاکستان کی سب سے قدیم اور بڑی یونیورسٹی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور کو عطیہ کرنے کا سب سے بڑا کیا اعزاز دیا گیا؟ اس کی داستان بھی ذرا سن لیجیے:

۱۳ رنومبر ۲۰۱۵ کو میں نے پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر مجاہد کامران کو ایک خط (بصورت درخواست) ارسال کیا کہ یونیورسٹی کی لائبریری کے قریب ہی یونیورسٹی کا قبرستان ہے، میں چاہتا ہوں کہ جہاں میرا ذخیرہ محفوظ کیا گیا ہے، اس کی ہمسائیگی میں مجھے اپنے لیے ایک قبر کی جگہ دیں؟ میں یونیورسٹی کا ملازم نہیں رہا ہوں، آپ کی خصوصی اجازت کے بغیر وہاں میری تدفین ممکن نہیں ہوگی۔[۱]

میرے اس عریضہ کا جواب ایک سال کے بعد یونیورسٹی کے رجسٹرار پروفیسر ڈاکٹر لیاقت علی کی طرف سے موصول ہوا، میں حیران تھا کی ایک معمولی سے اجازت نامہ میں سال بھر کی تاخیر کے اسباب کیا ہیں؟ جستجو کرنے پر معلوم ہوا کہ اس مسئلہ پر یونیورسٹی کے سنڈیکٹ کی باقاعدہ میٹنگ میں یہ درخواست پیش کی گئی جہاں مختصر بحث کے بعد اس کی منظوری دی گئی۔[۲]

میں نے یہ جان کر میرا ایک ہی بیٹا محمد عمر ہے اور ایک بیٹی ہے جو فیصل آباد میں رہتی ہے، ممکن ہے میری وفات کے موقع پر ان کے پاس قبر بنوانے کے وسائل نہ ہوں یا اتنی بے حس یونیورسٹی اس وقت قبر کی جگہ ہی نہ دے، میں نے صرف کثیر سے یونیورسٹی کے قبرستان میں ایک قبر بنوالی اور قبر کی کھودائی کا آغاز اپنے ہاتھ سے کیا۔

میں اس مقصد کے لیے یونیورسٹی کا اجازت نامہ لے کر سابق چیف لائبریرین چودھری حنیف کو ہمراہ لے گیا، وہ یہ خط لے کر قبرستان کمیٹی کے انچارج ڈاکٹر مفتی معاذ کے پاس گئے، اجازت نامہ دکھایا تو انہوں نے اجازت دے دی، شام تک قبر تیار ہوگئی۔

۱۔ اس عریضہ کی عکسی نقل کتاب حاضر کے آخر میں ملاحظہ کریں۔

۲۔ اجازت نامۂ تدفین کی عکسی نقل بھی آخر کتاب میں شامل کردی گئی ہے۔

قبر پر ایک عارضی سا کتبہ "سرداب محمد اقبال مجددی" بنوا کر لگا دیا گیا، [۱] تو وہ مفتی صاحب جنہوں نے پہلے چودھری محمد حنیف صاحب کو قبر بنوانے کی اجازت دی تھی ان کے پیٹ میں مروڑ اُٹھنے لگے اور انہیں یاد آ گیا کہ یہاں تو زندگی میں قبر بنوانے کی اجازت ہی نہیں ہے، لہٰذا مفتی صاحب قبرستان گئے اور اپنے سامنے قبر مسمار کروادی اور بقول گورکن انہوں نے اپنے مبارک ہاتھوں سے کتبہ توڑ کر پھینک دیا۔

یہ اندوہ ناک منظر دیکھ کر میں چودھری صاحب کو لے کر پھر یونیورسٹی کے ارباب اختیار کے پاس گیا، اب چودھری صاحب یونیورسٹی کے قبرستان کی کمیٹی کے صدر ڈاکٹر حامد اشرف ہمدانی (پروفیسر شعبۂ عربی) سے ملنے کے لیے ان کے شعبہ میں گئے، میں برابر ان کے ساتھ ہی تھا، انہوں نے بھی یہی فرمایا کہ اس یونیورسٹی میں حینِ حیات کسی کو قبر بنانے کی اجازت نہیں ہے، جب انہوں نے دلائل دیئے اور وہ اجازت نامہ جو انہوں نے مفتی صاحب کو دکھایا وہ دکھا کر بتایا کہ مفتی صاحب نے وہ قبر خود وہاں جا کر مسمار کروادی ہے۔

*

اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا، میں مسمار شدہ قبر کو دیکھ کر بہت بے حال ہوا، چودھری صاحب مجھے حوصلہ دیتے رہے، کہ اصل میں یہاں اصولوں کی کوئی پاسداری نہیں ہے، یہاں جس کا زور چلتا ہے اپنی بات منوا لیتا ہے، اصولوں اور ضابطوں کی پابندی کی بہترین مثالیں آپ میرے ذخیرہ کے ساتھ ہونے والے گزشتہ حوادث میں پڑھ چکے ہیں۔

رب کریم! ایسے مفتیوں اور ہمدانیوں کو قبر تو دور کی بات ہے کفن بھی نصیب نہ ہو۔

مجھے بھلا ایسی یونیورسٹی کے قبرستان میں دفن ہو کر کیا ملنا تھا، وہ تو بس اپنے دل کو یونہی ایک تسکین دینی تھی کہ چلو وقت مرگ اسباب کی کمی کے باعث مسائل پیدا نہ ہوں، مجھے معلوم تھا کہ ہندوستان کے علوم مشرقیہ کے سب سے بڑے محقق مولانا امتیاز علی عرشی کی قبر ان رضا لائبریری، رام پور کے سبزہ زار میں بنائی گئی، آیۃ اللہ مرعشی کی قبر میں خود ان کی بنا کردہ لائبریری میں دیکھ کر آیا تھا، ابھی ۲۰؍ جون ۲۰۱۸ء کو علمی تحقیقات کے امام ڈاکٹر فواد سزگن کو استنبول میں ان کے ادارہ کے باغ میں دفن کیا گیا ہے۔

۱۔ قبر اور اس کتبہ کا عکس اس کتاب کے آخر میں دیکھیے۔

آپ نے دیکھا کہ ڈاکٹر عقیل اور ڈاکٹر چغتائی کو غیر مسلم حکومتوں نے اپنے کتب خانہ ان کی یونیورسٹیوں میں دینے پر کتنے اعزازات سے نوازا اور مجھے ایک قبر کی جگہ دے کر چھن لی گئی، رب کریم جہاں اور جس خاک میں مجھے ملانا منظور ہوگا وہیں قبر بنے گی، اللہ پاک ہمارے پاک نبی ﷺ کے صدقے میں بخشش فرمائے اور مجھے عذاب قبر سے نجات ملے، آمین۔

آج میں ایک ضعیف، علیل اور سادہ لوانسان ان درندہ صفت اربابِ اختیار کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن آنے والی علمی دنیا ایک ایک زیادتی کا حساب لے گی۔

ایک اور خوشگوار واقعہ

ابھی ۹؍اکتوبر ۲۰۱۸ کو پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ایک اور بہت یادگار واقعہ پیش آیا، میری اهدائی ذخیرہ کو ایک عرصہ سے لائبریری کے ایک ملازم کرم حیات صاحب (لائبریری اسسٹنٹ) اپنے لائبریری کے سٹاک رجسٹر میں درج کر کے ان پر ایکسیشن نمبرز لگا رہے ہیں، مذکورہ تاریخ کو گھر میں موجود اپنے ذخیرہ کی کتب دس کارٹون میں پیک کروا کر بھیج دیا، جس میں خانقاہِ احمدیہ سعیدیہ، موسیٰ زئی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے سجادہ نشین حضرت خواجہ محمد اسماعیل مرحوم کے فرزندِ اصغر پروفیسر محمد سعد سراجی نے اپنے ذاتی کتب خانہ واقع ڈیرہ اسماعیل خان میں سے چالیس نادر مخطوطات، روٹو گرافز اور بہت قدیم مطبوعات میرے ذخیرہ کے لیے عطیہ کے طور پر دیں، وہ بھی شامل تھیں، میں ایک فہرست بنا کر ساتھ لے گیا، مخطوطات کے انچارج حامد علی انصاری نے کرم حیات سے کہا کہ آپ ان پر لگائے گئے نمبروں کے مطابق چیک کریں، وہ کتابیں ترتیب دینے کے دوران انہیں بری طرح پٹخ رہے تھے، میں برداشت کرتا رہا، ترتیب کے دوران انہوں نے چند کتابیں ایک طرف رکھیں تو ان کے مددگار حاجی عثمان نے پوچھا کہ یہ کہاں رکھنی ہیں؟ جس پر میرے ذخیرہ کے امین کرم حیات نے پنجابی میں کہا ''اُٹھا کر باہر پھینکو'' اب میری برداشت کا پیمانہ لبریز ہو گیا، تو میں نے کہا کہ مجھے مر تو جانے دیتے، میرے کفن دفن کے بعد آپ جیسے لاوارث ذخائر کے ساتھ سلوک کرتے آرہے ہیں کرتے، تو وہ ذرہ بھی شرمندہ نہ ہوئے۔

میں تقریباً ایک ہفتہ کے بعد لائبریری پھر گیا اور ان سے اس افسوسناک واقعہ کا اعادہ کیا تو صاف مکر

گئے کہ میں نے تو ایسا کہا ہی نہیں تھا۔

میں نے کہا کہ آپ نے اپنے جس مددگار کو یہ بات میری موجودگی میں کہی تھی انہوں نے دو مرتبہ حج کیا ہوا ہے اور انہیں لائبریری میں حاجی صاحب کہا جاتا ہے، آپ انہیں بلا کر تصدیق کر لیں تو شرمسار ہونے کی بجائے کہا کہ تم نے عثمان کو سکھا دیا ہوگا کہ اگر پوچھا جائے تو اس طرح کہنا ہے، میں نے کہا کہ رب کریم نے روزی کے وسیلے بنا رکھے ہیں، آپ کی روزی کتابوں کی خدمت کے ذریعہ مقرر کی ہے، وہ روزی (ملازمت) دینے والا جانے اور آپ، مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔

تاہم میرے قلب وصدر پر اس دردناک واقعہ کا گہرا صدمہ اُسی طرح ہے شاید زندگی کے آخری سانس تک رہے گا۔

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی بین الاقوامی شہرت میں اضافہ

دسمبر ۲۰۱۷ کو استنبول (ترکی) میں سلسلۂ نقشبندیہ پر تین روزہ بین الاقوامی سیمپوزم میں شرکت اور مقالہ خوانی کے لئے پاکستان سے مجھے بلایا گیا، یہ میرا ترکی کا تیسرا سفر تھا، میں ہر مرتبہ ٹرکش انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی لائبریری سے استفادہ کے لیے جایا کرتا تھا، حسب معمول اس مرتبہ بھی ڈاکٹر طوسون کو ساتھ لے کر گیا تو انسائیکلو پیڈیا کے ڈائریکٹر سے ملنے گیا اور کہا میں اپنی تمام مطبوعات (۴۴) آپ کی لائبریری کو تحفتہً دے چکا ہوں، اب اپنے ذخیرہ کی مطبوعات و مخطوطات کی یہ تین مجلدات بھی پیش کرنے آیا ہوں، قبول فرمایئے اور مجھے اپنے انسائیکلو پیڈیا کا ایک سیٹ عنایت کیجئے، جس پر انہوں نے بخوشی رضا مندی کا اظہار کیا۔

میں نے بدقسمتی سے اپنے گھر کا پتہ دینے کی بجائے اپنے ذخیرہ (پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) کا پتہ لکھ دیا، اور اس وقت کے چیف لائبرین حسیب احمد پراچہ صاحب سے کہا کہ جب یہ ۴۶ ضخیم مجلدات کا انسائیکلو پیڈیا یہاں پہنچ جائے تو مجھے بلا لیجئے، انہوں نے ای میل پر انسائیکلو پیڈیا والوں سے پوچھا کہ یہ تو بتایئے کہ آپ کا مجموعہ کس زبان میں ہے؟

یہ سوال کسی عام قاری نے نہیں بلکہ پاکستان کی سب سے بڑی لائبریری کے چیف لائبریرین نے کیا تھا، جب میں لائبریری پہنچا اور چیف صاحب سے ملا تو انہوں نے جو کچھ کہا بہت ہی شرمناک تھا، انہوں نے فرمایا:

''۴۶ جلدوں کی کتاب جو ترکی زبان میں ہے، وہ کون دیکھے اور پڑھے گا؟ اور ہماری اتنی جگہ گھیر لے گا، ہم نہیں لینا چاہتے''

میں نے فوراً استنبول فون کر کے معذرت کی کہ ہمارے ملک کی سب سے بڑی لائبریری آپ کے اس بیش قیمت انسائیکلو پیڈیا کا تحفہ رکھنے کی اہلیت نہیں رکھتی، میں یہ درخواست واپس لیتا ہوں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ اس وقت جب یہ مکالمہ ہو رہا تھا تو لائبریری کے شعبۂ علوم شرقیہ کے انچارج حامد علی انصاری بھی وہاں تشریف فرما تھے اور اپنے چیف کے سامنے غلاموں کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑے تھے، ان کی مبارک زبان سے اس کی حمایت یا اہمیت پر ایک لفظ بھی نہ نکلا، بھلا انہیں کیا معلوم کہ ترکی کے انسائیکلوپیڈیا میں ہمارے ملک کے نامور فضلاء علامہ عبدالعزیز میمن، ڈاکٹر پیر محمد حسن اور سید حسام الدین راشدی پر مقالات تو موجود ہیں لیکن پنجاب یونیورسٹی سے شائع ہونے والے اُردو دائرہ معارف اسلامیہ میں ان پر کوئی مضامین نہیں ہیں، مجھے استنبول میں اس کے ضمیمہ میں شائع شدہ مقالہ خواجہ محمد معصوم سرہندی بھی دکھایا گیا، کہ ہم نے اس میں آپ کی کتابوں ''مقاماتِ معصومی''، ''حسنات الحرمین'' اور ''لطائف المدینہ'' کے بھی حوالے دیے ہیں۔

جب میں نے یہ بات دکھ کے ساتھ اپنے دوستوں کو بتائی تو انہوں نے بتایا کہ یہ تو وہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ہے جہاں سے انگریزی کا انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (طبع لائیڈن) کا پورا سیٹ چوری ہو چکا ہے (جسے اس وقت کے اخبارات میں مشتہر کیا گیا تھا) تم صرف ترکی ایڈیشن کہتے ہو یہاں تو ترکی کے علاوہ مذکورہ کتاب کے جرمنی اور فرانسیسی کے ایڈیشن بھی ہونے چاہییں، ویسے دلچسپ بات یہ ہے کہ استنبول کے انسائیکلوپیڈیا کی لائبریری میں ہمارا اُردو دائرہ معارف اسلامیہ کا سیٹ موجود تھا اور میں اسے دیکھ کر خوش ہوا تھا، ورنہ وہ ہمارے چیف لائبریرین کی طرح یہ سوچتے کہ یہ تو اُردو میں ہے، اسے یہاں کون پڑھے گا؟ میں اس لائبریری کی تعریف کرنے سے قاصر ہوں، دنیا کے علوم شرقیہ پر شائع ہونے والا تمام زبانوں کا مواد اور پی ایچ ڈی کے مقالات کی عکسی نقول اور اس کے موضوع کی تمام کتب حوالہ وہاں موجود ہیں، جن سے میں وہاں جا کر صبح سے رات تک استفادہ کرتا رہا ہوں۔

میں نے اپنے گزشتہ سفر ترکی کے دوران بازار میں چھ جلدوں میں ایک اہم کتاب حوالہ "**معجم التاریخ التراث الاسلامی فی مکتبات العالم**" دیکھی تو اس کی قیمت ۲۵ رہزار روپے تھی، سفر میں سرمایہ کی کمی کے باعث میں خرید نہیں سکتا تھا، استنبول یونیورسٹی میں بات کی، انہوں نے کمالِ مہربانی کرتے ہوئے تمام جلدوں کی سی ڈی بنا کر مجھے دے دی، یہاں آ کر میں نے وہ سی ڈی چیف صاحب کو دکھائی کہ

اس کالائبریری کے لیے پرنٹ بنوالیں تو یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ جب یہ سی ڈی موجود ہے تو پھر اس کے پرنٹ کی کیا ضرورت ہے؟

حسبِ معمول اس وقت انصاری صاحب میرے ہمراہ تھے اور وہ بے زبان چیف صاحب کے سامنے زبان نہ کھول سکے، حالانکہ میں اسکی اہمیت سے اُن کو آگاہ کر چکا تھا، میں نے اُن کا بھی اپنے صاحب علم دوستوں سے بڑے دُکھ کے ساتھ تذکرہ کیا تو ایک دوست نے پیش کش کی کہ میں بنوا کر پیش کر دیتا ہوں، لیکن میرے مزاجِ بد نے ایسی جہالت گاہِ پنجاب کو اس کا تحفہ دینا قبول نہ کیا۔

تالیفات ومرتبات

مجھے کتابوں سے بچپن سے ہی محبت تھی، اپنے سکول کا بستہ گھر میں کسی کو نہیں دیتا تھا بلکہ احتیاط سے چھپا کر رکھتا تھا، یہ عادت پختہ ہوتے ہوتے کیا سے کیا بن گئی، سمجھ میں ہی نہ آیا کہ کتابوں سے عشق کی حد تک لگاؤ کیسے ہوا؟

ابھی ہائی سکول کا متعلم تھا کہ کسی مضمون میں اچھے نمبر آئے تو انعام میں ایک کتاب ملی ''ہمارا پاکستان'' اس پر مولف کی بجائے درج تھا:

''لکھنے والے ۳۷ بچے''

میں نے سوچا کہ اگر یہ بچے لکھ سکتے ہیں تو میں کیوں نہیں لکھ سکتا، میں آٹھویں جماعت میں تھا کہ دارالمصنفین (شبلی اکیڈیمی، اعظم گڑھ، انڈیا) سے واقف ہو چکا تھا کہ یہ ادارہ علامہ شبلی نعمانی نے بنایا تھا اور اس ادارہ سے ایسے حضرات وابستہ ہیں جو مصنف ہیں اور وہ دن رات وہاں کتابیں لکھتے ہیں، میں بھی کتابیں جمع کرنے لگا، خوش نصیبی سے لاہور کے تاجر کتب نادرہ مولوی شمس الدین کی دکان پر جا پہنچا تو وہاں ان کے ہاتھوں میں رسالہ ''معارف'' دیکھا تو بہت خوش ہوا، رسالہ کے اعلیٰ درجہ کے مقالات کا ادراک تو نہیں کر سکتا تھا لیکن ان کی رہنمائی میں یہ رسالہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا، پھر وہیں سے معلوم ہوا کہ اس کا سالانہ زرمبادلہ پانچ روپے، سندھ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر سخی احمد ہاشمی کو بھیج دیں تو یہ رسالہ جاری ہو جاتا ہے، میں نے پانچ روپے جمع کر کے بذریعہ منی آرڈر اُن کو بھیج دیئے تو یہ رسالہ میرے نام آنے لگا۔

میں اس کے مضامین پڑھ پڑھ کر بہت خوش ہوتا تھا اور یہ آرزو رکھتا تھا کہ میں بھی ایسے ہی مقالات لکھوں گا، آخر یہ خام خیالی بھی ایک روز پوری ہو گئی، ابھی میٹرک کا امتحان دے کر نتیجہ کے انتظار میں تھا کہ ایک مختصر مضمون ''تذکرہ تحفۃ الواصلین اور اس کا مولف احمد زنجانی'' کے عنوان لکھا اور دارالمصنفین بھیج دیا، جہاں اس کے رسالہ ''معارف'' میں شائع ہو گیا، میں بہت ہی خوش ہوا کہ میری مضمون نویسی کی مشق کا آغاز

اُردو کے سب سے مشہور رسالہ ''معارف'' سے ہوا ہے، ابھی بی اے سال سوم میں تھا کہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور نے ذخیرۂ شیرانی کے فارسی مخطوطات کی فہرست شائع کی تو اس کے حصہ تاریخ میں جو غلطیاں تھیں اُن پر ایک مقالہ لکھ کر اخبار مشرق میں شائع کروایا، پھر اسے نظر ثانی کے بعد ''معارف'' میں بھیج دیا، جس میں یہ شائع ہو گیا، جس سے میری مزید حوصلہ افزائی ہوئی، میں کالج بھر میں خوشی سے یہ رسالہ اپنے ہم جماعت ساتھیوں اور استادوں کو دکھایا کرتا تھا لیکن کوئی بھی ایک جواں سال کی حوصلہ افزائی کے ایسے الفاظ استعمال نہیں کرتا تھا جس سے جی خوش ہوتا، بعد میں سمجھ آئی کہ طلبہ تو بہت دور کی بات ہے کالج کے اساتذہ بھی دارالمصنفین کی علمی سرگرمیوں اور ان کی اہمیت سے واقف نہیں تھے۔

سال اول میں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور میں میرے ایک ہم جماعت محمد یونس رضا تھے، وہ ذرا سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے، میرے قریب آتے گئے، پھر اچھے دوست بن گئے، میں سائیکل چلاتا تھا، وہ میرے ساتھ کتابوں کی دوکان پر جانے لگے، انہیں بھی کتاب بینی کا ذوق ہو گیا، لیکن حالات کی ستم ظریفی سے انہیں تعلیم کا سلسلہ منقطع کر کے ملازمت اور پھر کاروبار کرنا پڑ گیا، پھر ملک سے باہر چلے گئے اور اب واپس آ کر لاہور میں کوئی سکول چلاتے ہیں، میں اور وہ شرارت اور تفنن طبع کے طور پر کتابوں کی دکانوں پر جا کر پوچھتے کہ آپ کے پاس محمد اقبال مجددی کی لکھی ہوئی کون کون سی کتابیں ہیں؟ تو دوکاندار لاعلمی کا اظہار کرتے تھے، جس پر ہمیں ہنسی آ جاتی تھی، لیکن رب کریم کی قدرت کہ آج میں مسکین بہت سی تحقیقی کتب کے مولف کی حیثیت سے جانا جا چکا ہوں۔

بس اس مختصر سی تمہید کے بعد اپنی تالیفات و مرتبات کا تعارف ترتیب زمانی سے کروا رہا ہوں تا کہ علمی تحقیقات کے میدان میں بتدریج ترقی کے مدارج کا اندازہ ہو سکے۔

اس فہرست میں مقالات شامل نہیں ہیں کیونکہ انکی تعداد بہت زیادہ ہے، تاہم ہر مضمون پر تاریخ تحریر بھی درج کی گئی ہے۔

کتابوں کی اشاعت کے لیے نوعمری میں ہی ایک ادارہ ''دارالمورخین'' کے نام سے بنایا تھا، جس سے تین چار کتابیں ہی شائع ہو سکیں پھر سرمایہ کے فقدان کے باعث یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

۱۔علمائے ساہووالہ کا ایک تذکرہ

ابھی بی اے میں پڑھتا تھا کہ ایک تاجر مخطوطات مولوی عبدالرشید قاسمی صاحب سے ایک چھوٹا سا مخطوط ''ثمرۂ شجرۂ طین'' تالیف محمد شہنواز الدین احمد قریشی دیکھا اور اُن سے مستعار لے کر نقل کرلیا، تو اس کا فارسی متن مختصر مقدمہ اور حواشی کے ساتھ رسالہ صحیفہ (مجلس ترقی ادب، لاہور) اکتوبر ۱۹۷۱ء کے شمارے میں شائع کروادیا، اسی پریس میں کاغذ دے کر اس کی سو کاپیاں الگ نکلوالیں، میرا یہ پہلا کتابچہ تھا جو شائع ہوا۔

۲۔احوال وآثار سید شرافت نوشاہی

سید شرافت نوشاہی، سلسلۂ نوشاہیہ کے ایک صاحب علم بزرگ تھے، ہر وقت لکھتے رہتے تھے، ان سے ملاقات کے لیے ان کے گاؤں ساہن پال (گجرات) گیا تو ان کی تالیفات کی فہرست بنائی اور اس نام سے دارالمؤرخین، لاہور سے نومبر ۱۹۷۱ء کو شائع ہوئی۔

پھر سید شرافت نوشاہی (۱۹۰۷ء-۱۹۸۳ء) کی تالیف ''شریف التواریخ'' کی دوسری جلد کے آغاز میں شامل کردی گئی، آخری ایڈیشن ڈاکٹر عارف نوشاہی کی نظر ثانی کے بعد ''تذکرہ شرافت نوشاہی'' (مطبوعہ پورب اکیڈمی)، اسلام آباد سے ۲۰۰۸ء میں شائع کی گئی۔

۳۔مجالس شرافت نوشاہی

راقم لڑکپن سے ہی سید شرافت نوشاہی مرحوم کی مجالس میں جا کر بیٹھتا اور اُن کی علمی گفتگو سنتا رہتا تھا، اکثر اوقات ان کی باتیں موقع پر ہی لکھ بھی لیا کرتا تھا، ۲۰؍مارچ ۱۹۷۱ء سے ۲۸؍جولائی ۱۹۷۵ء تک کی مجالس تحریر کی گئیں، پھر لکھنے کا سلسلہ ملازمت کے فرائض میں مصروفیت کے باعث منقطع ہوگیا، ان مجالس میں کئی اصحاب علم ودانش بھی شریک ہوا کرتے تھے، اکثر مجالس مخدومی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم کے مطب (۵۵۔ریلوے روڈ، لاہور) میں منعقد ہوتی تھیں، یہ مجموعہ بھی ''تذکرہ شرافت نوشاہی'' کے مذکورہ ایڈیشن کے ساتھ بطور ضمیمہ شائع ہوا، یہ بھی میری طالب علمی کے زمانہ کی یادگار ہے۔

احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری

یہ کتب ۱۹۷۰ء کو تالیف ہوئی، جب کہ میں بی اے (سال سوم) کا متعلم تھا، اس کے تمام تر مآخذ مخطوطات کی صورت میں تھے، جو پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور، علمائے قصور کے کتب خانوں، ڈاکٹر مولوی محمد شفیع (لاہور) کے کتب خانہ اور مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد کے کتابخانہ گنج بخش میں موجود ہیں۔

طالب علمی کی مصروفیات نے اس کتاب پر نظر ثانی کی مہلت نہیں دی تھی، بی اے کے امتحان سے فراغت کے بعد اس کو تجدید نظر کے ساتھ دار المؤخین، لاہور اور محمد شمس الدین تاجر کتب نادرہ، لاہور کے اشتراک سے ۱۹۷۲ء کو شائع کیا گیا۔ (اس وقت میں شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی، لاہور میں ایم اے کا طالب علم تھا)

عبداللہ خویشگی قصوری (حدود ۱۰۴۳۔۱۱۲۶ھ) قصور، پنجاب کا ایک صوفی اور تذکرہ نویس تھا، اس نے صوفیہ کا ایک ضخیم تذکرہ ''معارج الولایت'' ۱۰۹۶ھ کو مکمل کیا تو اس میں اس نے قصداً میرے فکری جد اعلیٰ حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف مواد جمع کر دیا تھا، اس میں آپ کے خلاف ایک فتویٰ بھی نقل کیا گیا ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا رسالہ در اعتراضات بر کلام حضرت مجدد الف ثانی بھی پہلی مرتبہ اسی میں پڑھا تو مذکورہ فتویٰ ایک تجزیاتی مطالعہ کے ساتھ اس میں بطور ضمیمہ شامل کر دیا، گویا پاکستان میں حضرت مجدد الف ثانی کے دفاع میں لکھی جانے والی یہ پہلی کتاب تھی۔

اب یہ کتاب نظر ثانی کے بعد پروگریسو بکس، لاہور سے ۲۰۱۶ء کو دوبارہ طبع ہوگئی ہے، گویا یہ کتاب بھی ہمارے طالب علمی کے زمانہ کی ایک یادگار ہے۔

۵۔ تاریخ مغلیہ کے فارسی مآخذ (۱۷۰۷۔۱۷۴۸ء)

یہ میرا ایم اے تاریخ کا مقالہ ہے، جو میں نے صدر شعبۂ تاریخ (ڈاکٹر یار محمد خان) پنجاب یونیورسٹی، لاہور کی نگرانی میں لکھ کر ۱۹۷۲ء کو پیش کیا تھا، جس پر مجھے ایم اے کی ڈگری ملی تھی، اس مقالہ (کتاب) پر جو ۳۵۹ صفحات پر مشتمل ہے، کبھی نظر ثانی کا موقع نہیں ملا، جس کے باعث یہ تا حال غیر مطبوعہ صورت میں

میرے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) میں (شمارہ MS.223) محفوظ ہے۔

۶۔حدیقۃ الاولیاء (تذکرہ صوفیۂ پنجاب)

یہ مفتی غلام سرور لاہوری (ف ۱۸۹۰ء) کی تالیف ہے، لکچرر منتخب ہونے کے بعد جو کتاب پہلے مرتب کی وہ یہی ہے، ایم کے کے امتحان سے فراغت کے بعد ہی اس پر کام شروع کر دیا تھا جو ۱۹۷۴ء کو مکمل ہوا، اس پر تعلیقات وحواشی لکھے اور ایک مختصر سا مقدمہ بھی تحریر کر دیا، اس کا پہلا ایڈیشن (مکتبہ) المعارف، لاہور سے ۱۹۷۶ء کو شائع ہوا، پھر دوسری طباعت اسی ادارہ سے ۲۰۰۰ء کو عمل میں آئی، جس میں ایک ضمیمہ رابع (تعلیقاتِ جدیدہ) کے عنوان سے شامل کیا گیا، اس کے بعد اس کا تیسرا ایڈیشن پروگریسو بکس، لاہور سے ۲۰۱۶ء کو منظر عام پر آیا۔

۷۔ملفوظاتِ شریفہ/ملفوظات چہل روزہ

یہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی (۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) کے ان ملفوظات کا مجموعہ ہے جو حضرت خواجہ غلام محی الدین قصوری (ف ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء) نے اپنے چالیس روزہ قیامِ دہلی کے دوران جمع کئے تھے، اس کا فارسی متن مع اُردو ترجمہ از اقبال احمد فاروقی ۱۹۷۸ء کو مکتبہ نبویہ، لاہور سے شائع ہوا تو اس پر میں نے ۷۶ رصفحات کا ایک مقدمہ لکھا، اس کا فارسی متن فاروقی صاحب نے فقط ایک ہی نسخہ کی بنیاد پر نقل کر کے چھپوا دیا تھا، پھر بعد میں میں نے پانچ قلمی نسخوں کی مدد سے تقابل کر کے اس کا متن تیار کیا اور خود اُردو ترجمہ ایک مفصل مقدمہ کے ساتھ تنظیم الاسلام پبلی کیشنز، گوجرانوالہ سے ۲۰۱۶ء کو طبع کروایا۔

۸۔رشحاتِ عنبریہ

یہ حضرت شاہ احمد سعید مجددی دہلوی ثم مدنی (ف ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء) کے احوال پر عربی میں ایک رسالہ ہے، جو آپ کے فرزند اصغر شاہ محمد مظہر مجددی مدنی نے اپنی مفصل کتاب "مناقب احمدیہ ومقاماتِ سعیدیہ" (فارسی وعربی) سے پہلے تالیف کیا، اس کا اس وقت تک ایک ہی قلمی نسخہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ، موسیٰ زئی کے کتب خانہ سے صاحبزادہ پروفیسر محمد سعد سراجی کو ملا تھا، جس کا عکس ہمارے مقدمہ اور تعلیقات کے ساتھ میاں جمیل احمد شرقپوری نے دار المبلغین، شرقپور سے ۱۹۷۹ء کو شائع کر دیا، اس کے بعد پروفیسر صاحب

موصوف کو اس کا ایک اور قلمی نسخہ ہم دست ہوا، جو پہلے سے بہتر تھا اور وہ بخط شیر محمد نقشبندی از متوسلین حضرات خانقاہ احمدیہ سعیدیہ، موسیٰ زئی ہے، جس کا عکس ہم نے ''ارمغانِ امام ربانی'' کی نویں جلد میں شائع کر دیا ہے؛ تاکہ ان دونوں خطی نسخوں کے تقابل کے بعد ایک جدید ایڈیشن مرتب کرنے میں آسانی ہو۔

۹۔ اثبات المولد والقیام

یہ رسالہ حضرت شاہ احمد سعید مجددی مذکور کی تالیف ہے، جو عربی میں ہے، اس کا ایک ہی قلمی نسخہ بخط مولف خانقاہ احمدیہ سعیدیہ، موسیٰ زئی کے کتب خانہ میں ہے، جس کا عکس ہمیں صاحبزادہ پروفیسر محمد سعد سراجی کی عنایت سے ملا تھا اور انہیں کے مکتبہ سراجیہ سے ۱۹۷۹ء کو پہلی بار عکسی صورت میں شائع ہوا، مذکورہ دونوں رسائل (شمارہ ۸۔۹) مکتبہ ایشیق، استنبول (ترکی) سے بھی عکسی صورت میں شائع ہو گئے تھے۔

''اثبات'' کے دور اور ایڈیشن ہمارے اُسی مقدمہ کے ساتھ دارالاسلام، لاہور سے ۲۰۱۷ء کو عکسی طباعت کے علاوہ اس کا اُردو ترجمہ از مولانا محمد رشید نقشبندی اور عربی متن بہ ترتیب صاحبزادہ محمد سعد سراجی شائع ہوا۔

پھر ۲۰۱۷ء کو ہی رکن الاسلام جامعہ مجددیہ، مہر آباد حیدر آباد، سندھ سے بھی شائع ہوا، جس میں ''احسن الکلام فی اثبات المولد والقیام'' تالیف خواجہ محمد معصوم رام پوری بھی شامل ہے۔

۱۰۔ حسنات الحرمین

یہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی (ف ۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸ء) بن حضرت مجدد الف ثانی کے ان ملفوظات ومکاشفات کا مجموعہ ہے، جسے آپ کے صاحبزادہ مروج الشریعت محمد عبیداللہ نے ''یواقیت الحرمین'' کے نام سے عربی میں جمع کیا تھا، اس کے عربی متن کے اب تک ہمیں کسی قلمی نسخہ کے وجود کا علم نہیں ہے، اس میں حضرت خواجہ کے سفر حج (۱۰۶۷۔۱۰۶۸ھ/ ۱۶۵۷۔۱۶۵۸ء) کے دوران کے فرمودات ہیں، جسے اس کے جامع نے واپس سرہند پہنچ کر شیخ محمد شاکر بن ملا بدرالدین سرہندی کو فارسی ترجمہ کا امر فرمایا تو انہوں نے ۱۰۷۱ھ/ ۱۶۶۱ء کو اس کا مشروح فارسی ترجمہ کیا، ذخیرۂ دہلی، انڈیا آفس لائبریری، لندن سے اس کے ایک قلمی نسخہ کا عکس حاصل کیا، پھر مولانا محمد ہاشم جان مجددی مرحوم کے کتابخانہ سے بھی اس کے ایک نسخہ کی نقل

مل گئی تو دونوں کے تقابل سے ایک نسخہ مرتب کیا، جس کے متن میں کئی نقائص رہ گئے تھے، پھر سفر حرمین کے دوران بھی اس کا ایک قلمی نسخہ بخط شیخ الاسلام عارف حکمت، مدینہ منورہ سے ملا، دو مزید معاصر نسخوں کے عکس بھی ہم دست ہو گئے، اس طرح ۵ نسخوں کے تقابل کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن تنظیم الاسلام پبلی کیشنز، گوجرانوالہ سے ۲۰۱۶ء کو طبع ہوا، جس پر احقر کا ۲۷۳ صفحات کا مفصل مقدمہ ہے، چونکہ یہ ملفوظات شاہ جہان کے بیٹوں کے مابین جنگِ تخت نشینی کے دوران جمع ہوئے تھے اور اس میں اس کے اشارات بھی ملتے تھے، اس لئے داراشکوہ اور اورنگ زیب کی اس جنگ کو نظریاتی ٹکراؤ ثابت کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اورنگ زیب کی کامیابی دراصل اس جنگ میں راسخ العقیدہ طبقہ علماء و صوفیہ کی حمایت کا نتیجہ تھی، جس میں حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی اور آپ کے خانوادہ و خلفاء کا اہم کردار ہے۔

۱۱۔ مقاماتِ مظہری

اس کتاب میں حضرت میرزا مظہر جانِ جانان شہید (۱۱۱۱۔ ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۰۰۔۱۷۸۱ء) کے احوال، ملفوظات و مکتوبات شامل ہیں، یہ آپ کے خلیفۂ نامدار حضرت شاہ غلام علی دہلوی (ف ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء) کی تالیف ہے، یہ کام بھی 1981ء کو مکمل ہوا اور اس کی پہلی طباعت ۱۹۸۳ء کو اُردو سائنس بورڈ، لاہور سے عمل میں آئی، اسے بہت مقبولیت حاصل ہوئی، پھر اس کی طبع ثانی اسی ادارہ کی طرف سے ۲۰۰۱ء میں ہوئی، اس دوران ہماری اجازت کے بغیر ہی شاہ ابوالخیر اکادمی، دہلی (خانقاہ مظہری) سے ۲۰۰۵ء کو اس کا ایک ایڈیشن طبع ہوا، لیکن ناشر نے ہندوؤں اور سکھوں کے خوف سے اس کا مقدمہ نکال دیا کیوں کہ اس میں حضرت مظہر اور آپ کے معاصرین کی تحریرات کی روشنی میں مسلمانوں پر اُن کے مظالم بیان کئے گئے ہیں۔

اس کا مفصل مقدمہ ۲۲۳ صفحات پر مشتمل ہے، ہر فصل کے آخر میں حواشی بھی تحریر کئے گئے ہیں، آخر میں کتابیات کی فہرست ہے جن کی تعداد ۴۴۱ ہے پھر اس کی آخری طباعت پروگریسو بکس، لاہور سے 2015ء کو ہوئی۔

۱۲۔احوال مشائخ کبار

یہ کتاب شیخ محمد اشرف شطاری لاہوری (ف ۱۱۰۴ھ/ ۱۶۹۳ء) اور ان کے سلسلہ کے مشائخ کے حالات پر فارسی میں ہے اور آپ کے حینِ حیات یہ کتاب سلیمان بن شیخ سعد اللہ نے تالیف کی، راقم نے ایک مفصل مقدمہ اور تعلیقات کے ساتھ اسے مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد سے ۲۰۰۰ء کو طبع کروایا۔

یہ خطی نسخہ منحصر بفرد ہے، جواب ہمارے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) میں محفوظ ہے۔

۱۳۔مقاماتِ معصومی

یہ کتاب حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی (ف ۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸ء) کے احوال، تعلیمات، اولاد و خلفاء کی دینی سرگرمیوں پر مشتمل ہے، اصل کتاب ایک جلد میں آپ کے نواسے میر صفر احمد معصومی نے ۱۱۳۴ھ/ ۱۷۲۱ء کو فارسی نثر میں تالیف کی، جسے راقم نے دو قلمی نسخوں کی بنیاد پر مرتب کیا، پھر اس پر تعلیقات و توضیحات لکھیں تو پوری جلد (چہارم) تیار ہوگئی، اس کے بعد متن کا اُردو ترجمہ کیا (جلد دوم) اب اس پر ایک مقدمہ لکھنا شروع کیا تو پوری ایک جلد (اول) میں جا کر مکمل ہوا، اس طرح یہ کتاب چار جلدوں میں مرتب شکل میں اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچی، تحقیق و تعلیق کا یہ کام اگست ۲۰۰۱ء کو تیار ہو گیا تھا، لیکن اس کی ضخامت کے باعث کوئی ادارہ اسے چھاپنے کے لئے تیار نہیں تھا، آخر ضیاء القرآن، لاہور نے اسے اکتوبر ۲۰۰۴ء کو طبع کر دیا۔

یہ پہلا تذکرہ ہے جس میں حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی، آپ کے بھائیوں، اولاد اور خلفاء کے مجددی تحریک میں کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے، حضرت مجدد الف ثانی کے وصال (۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۴ء) کے بعد آپ کی تحریک ''احیاء دین'' کا سب سے اہم ماخذ یہی کتاب ہے، اس لئے مجھے اس کو مرتب کرنے کا خیال آیا تو رب کریم کی عنایت سے اس میں کامیابی ہوئی اور ملحدوں کا یہ اعتراض کہ احمد سرہندی کے مرتے ہی اس کی نام نہاد تحریک احیاء دین بھی ختم ہوگئی، کا بطریق احسن جواب دیا کہ

کس طرح اب آزاد خیال اور صلح کل کے حامی مسلمانانِ ہندو مزاج نے داراشکوہ کے سہارے پھر سے الحاد کا جو بیج اکبر بادشاہ نے بویا تھا وہ داراشکوہ کی فطرت میں کس طرح نمو پا گیا اور ہمارے مجددی حضرات نے کس طرح ان نازک حالات کا مقابلہ کیا جو اکبر کے حوزۂ ملحدین سے بھی زیادہ خطرناک تھے......

۱۴۔ لطائف المدینہ

اس میں حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی (ف ۱۰۷۱ھ/ ۱۶۶۱ء) کے احوال، ملفوظات اور مکاشفاتِ حرمین جمع کیے گئے ہیں، یہ رسالہ عربی نثر میں آپ کے فرزند گرامی شیخ عبدالاحد وحدت سرہندی نے آپ کے سفر حرمین (۱۰۶۷۔۱۰۶۸ھ/ ۱۶۵۷۔۱۶۵۸ء) کے دوران تالیف کیا تھا، حضرت مجدد الف ثانی کے دونوں صاحبزادوں کے احوال و ملفوظات عربی میں عین اس موقع پر مرتب کر لئے گئے، حضرت خواجہ محمد معصوم کے مکاشفات ''یواقیت الحرمین'' کے نام سے آپ کے فرزند شیخ عبیداللہ نے جمع کیے، جن کا فارسی ترجمہ آپ کے حینِ حیات ہی ''حسنات الحرمین'' کے نام سے ہو کر مخلصین میں متداول ہو گیا لیکن فرزند اکبر حضرت خواجہ محمد سعید کے احوال و مکاشفات ''لطائف المدینہ'' کا ترجمہ نہ ہو سکا پھر اس کا وجود بھی تقریباً مفقود ہو چکا تھا کہ ٹونک سے اس کا ایک خطی نسخہ نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی میں منتقل ہو گیا، جس کی عکسی نقل ہم نے حاصل کر کے اس پر ایک مفصل مقدمہ لکھا اور ملخص اُردو ترجمہ کے ساتھ حوزۂ نقشبندیہ، لاہور سے حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری مرحوم نے طبع کروا دیا، ہمارا یہ ایڈیشن نومبر ۲۰۰۴ء کو شائع ہوا۔

۱۵۔ تذکرہ شرافت نوشاہی

تالیفات کے شمارہ ۲۔۳ کے تحت ''احوال و آثار سید شرافت نوشاہی'' اور ''مجالسِ شرافت'' کا بیان ہو چکا ہے، اس تذکرہ میں ڈاکٹر عارف نوشاہی نے اپنے چچا اور مربی سید شرافت نوشاہی کے حالات ابواب و فصول کے تحت تحریر کر کے اس کی ابتداء میں شامل کر دیئے اور میری دونوں مذکورہ کتابیں اس کے آخر میں بطور تکملہ لگا دیں۔

یہ کتاب پورب اکادمی، اسلام آباد سے ۲۰۰۸ء کو شائع ہوئی۔

۱۶۔رسائل دردفاع حضرت مجددالف ثانی

اس میں حضرت مجددالف ثانی شیخ احمد سرہندی کے دفاع میں لکھے جانے والے تینوں رسائل جمع کر دیئے گئے ہیں، یہ تینوں رسائل مولانا وکیل احمد سکندر پوری (۱۲۵۸۔۱۳۲۲ھ/۱۸۴۲۔۱۹۰۴ء) کی تالیف ہیں، یہ رسائل ''ہدیہ مجددیہ'' (جواب اعتراضات شیخ عبدالحق محدث دہلوی برکلام حضرت مجددالف ثانی)، ''انوار احمدیہ'' (رداعتراضات گجراتی برمعارف امام ربانی اور رداعتراضات سید محمد برزنجی) بھی بہت قابل توجہ کتاب ہے، اس مجموعہ میں شامل تیسرا رسالہ عربی میں ہے، جس کا نام ''الکلام المنجی بردِ ایرادات البرزنجی'' ہے، جس میں مولانا سکندر پوری نے مولانا سید محمد برزنجی شہرزوری (۱۰۴۰۔۱۱۰۳ھ/۱۶۳۰۔۱۶۹۱ء) کے حضرت مجددالف ثانی پر اعتراضات کے جواب دیئے ہیں۔

یہ تینوں رسائل مطبع مجتبائی، دہلی سے ۱۳۱۲ھ کو یکجا شائع ہوئے تھے، ہم نے اس پر ایک مفصل مقدمہ لکھا ہے، جس میں حضرت مجددالف ثانی کی مخالفت کا پس منظر، اسباب اور خصوصاً حرمین الشریفین میں مخالفین کا ذکر کیا ہے، رسائل کے مولف مولانا سکندر پوری کے حالات بھی جس قدر دستیاب ہو سکے لکھے گئے ہیں، یہ مجموعہ امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور کے مالک ناظم بشیر صاحب نے دسمبر ۲۰۱۱ء کو شائع کیا۔

۱۷۔دفاع حضرت مجددالف ثانی

اس مجموعہ میں ہم نے حضرت مجددالف ثانی کے دفاع میں لکھے جانے والے رسائل مثلاً:

(۱) رسالہ دربیان سخنانی کہ دربارۂ کلام امام ربانی تالیف شاہ غلام علی دہلوی

(۲) رسالہ دررداعتراضات شیخ عبدالحق محدث دہلوی تالیف شاہ غلام علی دہلوی

(۳) رسالہ دردفع اعتراضات برعبارات حضرت مجددالف ثانی تالیف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

(۴) دومکاتیب حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید (ردمخالفین حضرت مجددالف ثانی)

(۵) مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (جواب اعتراضات برکلام حضرت مجددالف ثانی)

(۶) رسالۃ الذب عن القطب الربانی تالیف قاضی ثناء اللہ پانی پتی

(۷) احقاق حق (جواب اعتراضات شیخ عبدالحق) تالیف قاضی ثناء اللہ پانی پتی

(۸) رسالہ در جواب شبہات بر کلام حضرت مجدد الف ثانی، شامل کیے گئے ہیں، جن میں رسالہ نمبر ۷ اور ۸ خود مولف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخوں کے عکس ہیں۔

یہ کتاب ہمارے مختصر مقدمہ اور ہمارے ایک مقالہ "حضرت مجدد الف ثانی کے دفاع میں لکھی جانے والی کتابیں" پر مشتمل ہے، جسے تنظیم الاسلام پبلی کیشنز، گوجرانوالہ نے ۲۰۱۲ء کو شائع کیا۔

۱۸۔ زاد المعاد

یہ کتاب حضرت خواجہ حسام الدین احمد (۹۷۷۔۱۰۴۳ھ/ ۱۵۶۹۔۱۶۳۳ء) کے حالات، ملفوظات اور خدماتِ دینیہ پر مشتمل ہے، جسے شیخ عبید اللہ ملقب بہ خواجہ کلاں (۱۰۱۰۔۱۰۷۳ھ/ ۱۶۰۱۔۱۶۶۲ء) بن حضرت خواجہ باقی باللہ (ف ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) نے تالیف کیا، خواجہ حسام الدین احمد حضرت خواجہ باقی باللہ کے خادم خاص تھے اور آپ کے وصال کے بعد آپ کی خانقاہ کے متولی بھی یہی بزرگ تھے، انہوں نے ہی حضرت خواجہ کے دونوں کم سن بچوں خواجہ کلاں اور خواجہ خورد کی تعلیم و تربیت اپنے فرزندوں کے ساتھ کی تھی، اسی مناسبت سے خواجہ کلاں نے ان کے احوال و ملفوظات وغیرہ پر یہ کتاب تالیف کی۔

اس کتاب کا فارسی متن، جو پہلے کبھی شائع نہیں ہوا تھا، ہم نے "مقاماتِ معصومی" کی طرز پر مرتب کیا اور اُسی طرح چار حصوں میں ۲۰۱۳ء کو تنظیم الاسلام پبلی کیشنز، گوجرانوالہ سے شائع ہوئی۔

اس کی جلد سوم میں اس کا فارسی متن ہے، جلد دوم میں اس کا اُردو ترجمہ اور جلد چہارم میں اس پر تعلیقات و توضیحات تحریر کیے گئے ہیں، چونکہ اس کے مولف خواجہ کلاں کی تربیت خواجہ حسام الدین احمد کی زوجہ محترمہ فاطمہ بنت ملا مبارک ناگوری کے گھر میں ہوئی تھی اور وہ اس حوزۂ ملحدین (ملا مبارک ناگوری، ابوالفضل اور فیضی) کے گھر کے بھیدی تھے، اس لئے اس میں اس کے ایسے اشارات ملے تھے، جو بالکل معاصر تھے، اس لئے ہم نے اس پر اپنے مفصل مقدمہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ، حضرت خواجہ حسام الدین احمد اور حضرت مجدد الف ثانی کی تحریک احیاء دین کی کچھ تفصیلات بھی دی ہیں، اس کے علاوہ موضوع کی مناسبت سے ہم نے حضرت خواجہ باقی باللہ، خواجہ حسام الدین احمد، خواجہ کلاں اور خواجہ خورد کے احوال بھی تفصیل سے لکھے ہیں، جو اس کی جلد اول میں شامل ہیں، گویا یہ کتاب مجددی تحریک کا ایک بنیادی ماخذ ہے۔

۱۹۔تذکرہ علماء ومشائخ پاکستان وہند

یہ راقم کے مقالات کا مجموعہ ہے، اس میں لڑکپن سے لے کر سنِ کہولت تک برِعظیم پاکستان وہند میں علمی وروحانی خدمات انجام دینے والے حضرات کے حالات جمع کئے ہیں، یہ زیادہ تر صاحب تصنیف علماء وصوفیہ کا تذکرہ ہے۔

یہ مقالات اُردو دائرۃ المعارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی، لاہور)، المعارف (لاہور)، صحیفہ (لاہور) بصائر (کراچی)، معارف (دارالمصنفین، اعظم گڑھ، انڈیا)، برہان (ندوۃ المصنفین، دہلی) اور دانشنامۂ زبان وادب فارسی در شبہ قارہ (تہران، ایران) اور دانشنامۂ جہانِ اسلام (تہران، ایران) میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

اب تک اس کی دو ضخیم جلدیں پروگریسو بکس، لاہور سے ۲۰۱۳ء کو شائع ہو کر اہل علم تک پہنچ چکی ہیں۔

اس تذکرہ کی جلد اول میں ۵۹ ر علماء، پھر چند قدیم صوفیہ اور اس کے بعد بلحاظ سلسلہ صوفیہ کرام کے حالات درج کئے گئے ہیں، جس میں سلسلہ چشتیہ، قادریہ، شطاریہ، سہروریہ، فردوسیہ اور سلسلۂ مغربیہ سے وابستہ افراد کے احوال وآثار ہیں، جن کی مجموعی تعداد ۱۵۷ ہے۔

اس تذکرہ کی جلد دوم میں سلسلۂ نقشبندیہ کے ۵۳ صاحب تصنیف مشائخ کے احوال ہیں، احراریان کے عنوان سے ان اصحاب کا ذکر کیا گیا ہے، جو حضرت خواجہ عبیداللہ احرار سے نسبی یا ارادت کا تعلق رکھتے تھے، آخر میں بعض علاقائی علماء وصوفیہ کے حالات ہیں، جن میں لاہور، قصور، کنجاہ اور ساہووالہ (سیالکوٹ) کے علاقوں کے رہنے والے حضرات کے مختصر حالات بیان کئے گئے ہیں۔

ہر شخصیت کے احوال کے آخر میں مآخذ کے عنوان سے اس سے متعلق تمام ممکن ذرائع کی تفصیل دے دی گئی ہے۔

اس تذکرہ کی تیسری جلد بھی طبع ہوگئی ہے، جس میں فن تذکرہ نویسی، تاریخ نگاری اور علماء وصوفیہ کے حالات بھی تحریر کئے گئے ہیں، مطبوعہ ۲۰۱۹ء، اس کی دو جلدیں مزید مرتب ہوں گی، اس طرح یہ کتاب کل پانچ جلدوں میں مکمل ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۲۰۔فہرست کتب ذخیرۂ محمد اقبال مجددی

یہ میرے ذاتی ذخیرۂ علمیہ کی فہرست ہے، جو میں نے ۲۰۱۴ء کو پنجاب یونیورسٹی، لاہور کی مرکزی لائبریری کو عطیہ کے طور پر دے دیا تھا، اس میں دس ہزار نادر مطبوعات کے علاوہ بہت ہی قیمتی رسائل بھی ہیں، یہ فہرست میں نے لائبریری کے عملہ کو اپنے گھر میں بٹھا کر خود املا کروائی تھی، جس پر ایک سال کا عرصہ لگا تھا۔

یہ فہرست دو ضخیم جلدوں میں ہے، اس کا سائز بھی بڑا ہے اس کا اشاریہ پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے، اسے یونیورسٹی نے ۲۰۱۶ء کو شائع کر دیا تھا۔

۲۱۔فہرست مخطوطات ومصورات (عربی، فارسی، اردو)

Catalogue of Arabic, Persian and Urdu Manuscripts Rotoqraphs and Microfilms in the Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi.

یہ بھی میرے ذخیرہ کی وضاحتی فہرست ہے جو میں نے لائبریری کے عملہ کو اپنے گھر میں انگریزی میں املا کروائی تھی، اس میں ۲۲۶ر نادر مخطوطات، ۴۲۵ر روٹو گرافز (مخطوطات کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں)، ۸۰ مائیکروفلمز اور بہت سی C.D بھی ہیں۔

اس میں ہر مخطوطہ کے مولف کا نام مع زمانہ اور اس کے احوال کے مآخذ بھی بیان کئے گے ہیں اور اگر ان میں سے کسی مخطوطہ کی دنیا کی کسی اور لائبریری میں کاپی موجود ہے تو اس کی با حوالہ نشاندہی کر دی گئی ہے، یہ بھی اُسی طرح بڑے سائز میں پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے مطبع سے ۲۰۱۶ء کو ایک ہی جلد میں طبع ہوئی تھی۔

میرے ذخیرہ کی ان تینوں جلدوں کی تقریب رونمائی ۲۰۱۷ء (دسمبر) کو سلسلۂ نقشبندیہ پر منعقدہ سیمپوزیم بمقام استنبول (ترکی) میں ہوئی تھی، اس کے ساتھ بھی دو قسم کے اشاریے یعنی اشاریہ مصنف اور اشاریہ عنوانات موجود ہیں۔

۲۲۔خلاصۃ المعارف

یہ حضرت شیخ آدم بنوری (وفات ۱۰۵۳ھ/۱۶۴۳ء) خلیفۂ حضرت مجدد الف ثانی کی تالیف ہے، جو

فارسی نثر میں ہے، یہ کتاب علم سلوک کے حقایق پر ہے، مولف نے اس کا آغاز پہلے سفر حج ۱۰۳۵ھ/ ۱۶۲۵ء کے دوران کیا اور تین سال صرف کر کے ۱۰۳۷ھ/ ۱۲۶۷ھ کو مکمل کر لیا، مولف نے اس کا صرف مسودہ ہی تیار کیا تھا، اسے مبیضہ کی شکل نہیں دے سکے تھے، آپ کے وصال کے بعد آپ کے نامور خلیفہ شیخ محمد امین بدخشی (مولف نتایج الحرمین) نے مرتب کر کے اس پر جا بجا توضیحی حواشی بھی لکھے، میرے ذخیرہ میں اس کتاب کا وہ مخطوطہ ہے جو اس کے مرتب (شیخ بدخشی) کی نگرانی میں مکہ مکرمہ میں تیار کیا گیا تھا اس مخطوطہ کے کئی اوراق ان کی مہروں سے مزین ہیں۔

یہ دو جلدوں میں ہے اور ۲۰۱۶ء کو امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور کے مالک جناب محمد ناظم بشیر نے اسی سال منعقد ہونے والی امام ربانی کانفرنس کے موقع پر شائع کیا، اس کی دوسری جلد میں مولف نے اپنا ایک فارسی رسالہ ''نظم النکات'' بھی نقل کر کے محفوظ کر لیا ہے۔

اس کے مرتب شیخ بدخشی کے اس مخطوطہ کے آخر میں دو نہایت ذی قیمت رسائل بھی مجلد ہیں یعنی ''المفاضلہ بین الانسان والکعبہ'' اور ''کرامات آدمیہ'' یہ دونوں رسالے خود مولف بدخشی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں، ان پر بھی ان کی وہی مہریں ثبت ہیں، جو ''خلاصۃ المعارف'' پر ہیں۔

راقم نے اس پر ۴۹ صفحات کا مقدمہ لکھا ہے، جس میں مولف اور مرتب کے احوال و آثار اور کار دعوت و ارشاد کی تفصیلات بیان کی ہیں۔

۲۳۔ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوب الیھم کے تراجم

۲۰۱۳ء کو استنبول (ترکی) میں تین روزہ بین الاقوامی سیمپوزیم حضرت مجدد الف ثانی کی شان میں منعقد کیا گیا، ڈاکٹر عارف نوشاھی صاحب نے اس موقع پر مکتوبات امام ربانی کے جدید تحقیقی ایڈیشن کے مرتب اور شائع کرنے کی ضرورت و اہمیت پر ایک مفصل مقالہ پڑھا، اس کے ایک سیشن کی صدارت کے دوران میں نے اس کی بھر پور حمایت کی، تو وہاں کی یونیورسٹیوں کے استادوں اور دینی تنظیموں نے اسے منظور کر لیا، اس کے فارسی متن کی تحقیق و تقابل کا کام ڈاکٹر نوشاھی کے سپرد کر دیا اور اس پر مفصل مقدمہ اور

ا۔ اس سیمپوزیم کی روداد راقم نے قلم بند کی تھی، جو ارمغان امام ربانی کی چھٹی جلد میں شائع ہو چکی ہے۔

مکتوب الیھم کے حالات لکھنے کا فریضہ مجھے سونپ دیا گیا، میں نے ۲۰۱۴ء کو ہی یہ کام مکمل کر کے ڈاکٹر نوشاہی صاحب کو، اسلام آباد بھیج دیا، جس کا انہوں نے فارسی ترجمہ کر کے پانچویں جلد کے طور پر اس میں شامل کر دیا۔

پھر ۲۰۱۶ء کو امام ربانی کانفرنس کے موقع پر جناب محمد ناظم بشیر نے ارمغانِ امام ربانی کی چھٹی جلد میں ہماری یہ کتاب اردو میں شائع کر دی۔

۲۴۔ ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین

یہ کتاب حضرت شاہ احمد سعید مجددی دہلوی ثم مدنی (۱۲۱۷۔۱۲۷۷ھ/۱۸۰۲۔۱۸۶۰ء) اور شاہ عبدالرشید رام پوری ثم مدنی (۱۲۳۷۔۱۲۸۷ھ/۱۸۲۱۔۱۸۷۰ء) کے حالات پر ہے، مدت سے اس کتاب کو مرتب کرنے کی آرزو تھی لیکن دوسرے علمی تحقیقی منصوبوں نے اس پر توجہ کرنے کی مہلت ہی نہ دی، آخر ۲۰۱۷ء کو تنظیم اسلام پبلی کیشنز، گوجرانوالہ کے موجودہ مہتمم حضرت صاحبزادہ محمد رفیق احمد مجددی کے ایما پر اس پر مختصر مقدمہ اور تعلیقات لکھیں، جو مذکورہ ادارہ سے شائع ہوئیں۔

اس کے آخر میں یہ پانچ ضمائم ہیں:

۱۔ المناقب الشیخ احمد سعید المجددی تالیف سید حسن تاج کماخی مدنی مدرس مسجد نبوی شریف (عکسی اشاعت مخطوط)

۲۔ رشحات عنبریہ (احوال شاہ احمد سعید مجددی، عکس مخطوطہ)

۳۔ اثبات المولد والقیام تالیف شاہ احمد سعید مجددی مرتبہ محمد سعد سراجی

۴۔ شجرۂ مشائخ نقشبندیہ تصنیف شاہ عبدالغنی مجددی

۵۔ شجرۂ طریقت خواجگان نقشبندیہ تصنیف شیخ محمود شیرازی

مدت دراز سے یہ آرزو قلب وصدر کو بے چین کئے ہوئے ہے کہ حضرت شاہ احمد سعید مجددی کے احوال پر مفصل کتاب مناقب احمدیہ ومقامات سعیدیہ، مقامات مظہری کی طرز پر اردو ترجمہ کے ساتھ مرتب کروں لیکن یہ تمنا آج تک پوری نہیں ہو سکی، فقط اس کے طبع قدیم (۱۲۸۱ھ دہلی) کی عکسی اشاعت دارالاسلام، لاہور سے شائع ہونے لگی تو اس پر ایک مختصر سا نوٹ حضرت مولف شاہ محمد مظہر مجددی مدنی کے احوال وآثار پر لکھ دیا۔

۲۵۔تذکرہ علمائے حال

یہ مولانا محمد ادریس نگرامی (۱۲۷۵۔۱۳۳۱ھ/ ۱۸۵۸۔۱۹۱۲ء) کی تالیف ہے، جو ان کے معاصر علماء کا ایک عمومی تذکرہ ہے، مخدومی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم نے ۱۹۷۴ء میں اپنے ذخیرہ سے اس کا یہ مطبوعہ (۱۸۷۶ء) نسخہ دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ اسے ایک مفصل مقدمہ اور حواشی کے ساتھ مرتب کر کے چھپوا دو، تو میں نے اسے ۲۰۱۷ء کو پروگریسو بکس، لاہور سے مختصر مقدمہ اور تعلیقات کے طبع کروا دیا۔

اس کے آخر میں تین ضمیمے بھی مفید ہیں، یعنی:

۱۔مکاتیب مولانا عبدالحی فرنگی محلی (ف ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) بنام مولف مولانا نگرامی

۲۔علمائے نگرام تالیف مولانا مطلوب الرحمٰن ندوی نگرامی

۳۔واقعات ولی (احوال ومناقب مولانا سید عبداسلام ہسوی (ف ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۱ء) استاد مولف مولانا نگرامی

۲۶۔رسائل خواجہ محمد ہاشم کشمی

یہ خواجہ محمد ہاشم کشمی (حدود ۱۰۰۰۔۱۰۴۳ھ/۱۵۹۱۔۱۶۳۳ء) خلیفہ، سوانح نگار و جامع جلد ثالث مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے رسائل کا مجموعہ ہے، جو افغانستان سے انقلاب کے بعد پشاور پہنچا اور ہم نے اس کا عکس حاصل کر کے اسے ایک مفصل مقدمہ کے ساتھ امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور سے ۲۰۱۷ کو شائع کیا اس کی اشاعت سے سلسلۂ نقشبندیہ کی تاریخ وتعلیمات کے کئی تشنہ گوشے واضح ہوئے ہیں۔

۲۷۔بہجۃ النظار فی برأۃ الابرار

تالیف مخدوم معین ٹھٹھوی (۱۰۹۳۔۱۱۶۱ھ/۱۶۸۲۔۱۷۴۸ء) یہ دراصل حضرت مجدد الف ثانی کے دفاع میں لکھی گئی ہے، جس میں خصوصاً حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حضرت مجدد الف ثانی کے مکاشفات پر اعتراضات کے جواب دیئے گئے ہیں اس کتاب کی اشاعت سے پہلی بار یہ معلوم ہوا ہے کہ اہل علم وعرفان حضرات نے حضرت شیخ کے وصال (۱۰۵۳ھ/۱۶۴۳ء) کے بعد جب آپ کے فرزند گرامی شیخ نور الحق مشرقی سے آپ کے رسالہ اعتراضات کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے اس پر تردد کا اظہار کیا۔

یہ کتاب عرصہ دراز سے مفقود تھی، میں نے آج سے نصف صدی قبل حضرات سرہند مقیم ٹنڈو سائیں داد (سندھ) کے پاس دیکھی تو اس کی فوٹو کاپی بنوالی، جسے امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور نے ۲۰۱۷ء کو عکسی صورت میں میرے ایک مفصل مقدمہ کے ساتھ شائع کر دیا۔

۲۸۔فضائل الباری فی مناقب حاجی دوست محمد قندھاری

یہ کتاب حضرت حاجی دوست محمد قندھاری (۱۲۱۶۔۱۲۸۴ھ/۱۸۰۱۔۱۸۶۷ء) خلیفۂ اعظم حضرت شاہ احمد سعید مجددی (ف ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء) کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، جو سادہ فارسی نثر میں ہے، آج سے نصف صدی قبل خانقاہ احمدیہ سعیدیہ، موسیٰ زئی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے کتب خانہ میں دیکھا تو کتب خانہ کے نگران صاحبزادہ پروفیسر محمد سعد سراجی نے مجھے مستعار دے دیا کہ لاہور لے جا کر اس کی فوٹو کاپی بنوا کر واپس کر دیں، تو میں نے کاپی بنوالی۔

پھر دو سال قبل آپ نے چند نہایت بیش بہا مخطوطات اپنے ذاتی کتب خانہ میں سے میرے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) کو عطیہ کے طور پر دیئے تو ان میں یہ نادر الوجود بلکہ منحصر بفرد خطی نسخہ بھی ہے، جس کا عکس آپ کے ایما پر امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور سے ۲۰۱۷ء کو شائع کر دیا گیا ہے، جس پر مجھ عاجز کا ایک مفصل مقدمہ بھی اس کے تعارف کے طور پر شامل ہے۔

۲۹۔رسالہ وحدت الوجود

اس اہم موضوع پر یہ مولانا عبداللہ لبیب سیالکوٹی (ف ۱۰۹۴ھ/۱۶۸۳ء) بن علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی (ف ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۷ء) کی تالیف ہے، دراصل اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کے والد گرامی نے وحدت الوجود کا مسئلہ آپ پر کیسے واضح کیا تھا؟ جس پر آپ نے جواب دینا شروع کیا تو آپ نے محسوس کیا کہ بادشاہ اسے پوری طرح سمجھ نہیں رہا ہے، آپ نے فرمایا کہ میں اسے رسالہ کی صورت میں لکھ کر پیش کروں گا، یہ رسالہ اس امر پر تالیف ہوا، جس کی تمام تر تفصیلات راقم نے اس کے مقدمہ میں لکھ دی ہیں، یہ رسالہ مخدومی خلیل الرحمٰن داودی مرحوم کے پاس تھا، ان کی اجازت سے اس کی عکسی کاپی بنوائی گئی جو ارمغان امام ربانی کی آٹھویں جلد میں شامل ہے یہ جلد امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور سے ۲۰۱۷ء کو شائع ہوئی تھی۔

۳۰۔ کمالات مظہریہ

یہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید (۱۱۱۱۔۱۱۹۵ھ/۱۷۰۰۔۱۷۸۱ء) کے حالات پر ہے، اس کے مولف آپ کے خلیفہ نامدار حضرت شاہ غلام علی دہلوی (ف ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) ہیں، جنہوں نے آپ کے مبارک احوال پر ایک مفصل کتاب ''مقامات مظہری'' تالیف کی تھی، یہ کتاب آپ نے اپنے آخری ایام حیات میں بہت ہی اختصار کے ساتھ لکھی تھی، راقم نے جب یہ مفصل کتاب اردو ترجمہ، مقدمہ اور تعلیقات کے ساتھ مرتب کی تو اُسی وقت یہ ارادہ تھا کہ اس کے بعد اس پر بھی اسی طرز کا کام کروں گا لیکن حالات نے مہلت ہی نہ دی اور اب اس نوعیت کی تحقیق خواب سا لگنے لگا تو اس کا عکس ہی شائع کر دیا۔ اس کے ابتدائیہ کا عنوان ہے ''الوداع اے زندگی'' یہ اشاعت خانقاہ مظہری (دہلی) کے قلمی نسخہ پر مبنی ہے، جس پر جا بجا حضرت مولف کی یادداشتیں درج ہیں اور اس خانقاہ کے آخری عالم سجادہ نشین حضرت ابوالحسن زید فاروقی کا ابتدائیہ اور بعض مفید حواشی بھی شامل ہیں، یہ بیش قیمت عکس بھی ارمغان امام ربانی کی جلد ہشتم میں شامل ہے جو مذکورہ ادارہ سے ۲۰۱۷ء کو شائع ہوئی تھی۔

۳۱۔ مجمع التواریخ

اس میں اعیان و اولیاء کے قطعات تاریخ وفات ہیں جو حافظ غلام محی الدین کنجاہی (ف ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء) بن مولوی محمد صالح کنجاہی (۱۲۲۰۔۱۳۰۷ھ/۱۸۰۵۔۱۸۸۹ء) کی تصنیف ہیں، انہیں اپنے والد کی طرح تاریخ گوئی کے فن سے مناسبت تھی، وہ نوعمری میں ہی فوت ہو گئے تو ان کے والد مولوی محمد صالح نے ان کے قطعات جمع کر کے خوبصورت کتابت خود کی اور صاحبزادہ عبدالرسول بن خواجہ غلام محی الدین قصوری کو بھیج دی، عکس حاضر اسی خطی نسخہ پر مبنی ہے، جو اب ہمارے ذخیرہ کی زینت ہے۔

اس میں شامل قطعات میں متقدمین کے سنین وفات میں اختلاف ہے لیکن قریب العہد اور معاصرین کے سنین وفات کے اعتبار سے خاص اہمیت رکھتے ہیں، اس کی یہ عکسی اشاعت بھی ارمغان امام ربانی کی آٹھویں جلد میں کی جا چکی ہے۔

۳۲۔ مقالاتِ طریقت

یہ کتاب حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۱۵۹۔ ۱۲۳۹ھ/ ۱۷۴۶۔ ۱۸۲۴ء) بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے حالات پر ایک نادر الوجود مطبوعہ کتاب ہے، جو اس سے پہلے صرف ایک مرتبہ حیدر آباد (دکن) سے ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء کو طبع ہوئی تھی، یہ کتاب اُردو زبان میں ہے اور شاہ صاحب کے وصال کے صرف پچاس سال بعد تالیف ہوئی تھی، اس وقت تک شاہ صاحب کے اکثر شاگرد اور مریدین فوت ہو چکے تھے، البتہ آپ کے نواسے مولانا عبدالقیوم بن مولانا عبدالحی بڈھانوی، اس کتاب کی تالیف کے دوران بقید حیات تھے اور ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء کو فوت ہوئے، مولف نے بہت سی روایات کی ان سے تصدیق و تصحیح بھی کروانے کا ذکر کیا ہے، میں نے اس پر ایک مقدمہ لکھا ہے، جس میں شاہ صاحب کے ۱۲۴ شاگردوں اور مریدوں کے اسماء کی فہرست بحوالہ معاصر مآخذ مرتب کر کے شامل کی ہے، آخر میں مختصر سی تعلیقات بھی تحریر کی ہیں، اس کے مولف میاں عبدالرحیم ضیاء حیدر آبادی ہیں۔

یہ کتاب ۲۰۱۷ء کو پروگریسو بکس، لاہور سے شائع ہوئی۔

۳۳۔ مآثر المعاصرین

۱۹۶۸ء کو میرے محسن مولوی شمس الدین فوت ہو گئے تو بہت صدمہ ہوا اور پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے کئی معاصر بزرگ دنیا سے رخصت ہو گئے، میں نے سوچا کہ اگر ان حضرات کے حالات زندگی ان کے ہی قلم سے لکھوا لئے جاتے تو بہت بہتر ہوتا، میں نے اسی سال اس کتاب کی ترتیب کا آغاز کر دیا اور کئی اصحاب علم و دانش سے ان کے حالات ان کے ہاتھ سے لکھوائے، بعض بزرگوں کو خطوط لکھ کر ان سے اس کی استدعا کی، لیکن بہت کم تعداد میں جواب آئے، جس سے یہ جذبہ دیگر علمی مصروفیات کے باعث ماند پڑ گیا، لیکن اب اس کو ان کے ہی خط میں عکسی صورت میں شائع کرنے کا عزم کر لیا ہے۔

اس سے پہلے کئی بزرگ معاصرین کے حالات پر کتابیں لکھ چکے تھے، جن میں مولانا محمد ادریس نگرامی کی "تذکرہ علمائے حال" اور عبداللہ خویشگی خورجوی کی "بوستانِ قلم" سے میں واقف ہوں، کاش یہ اصحاب ان حضرات کے خود نوشت حالات عکسی صورت میں شائع کر دیتے تو آج ان کی بہت اہمیت ہوتی، یہ

مسودات یقیناً اب ضائع ہو چکے ہوں گئے۔

اس سے قبل دور وسطیٰ میں بھی اس قسم کی سعی کی گئی تھی لیکن اس زمانہ میں تو عکسی اشاعت کا عملی تصور ہی نہیں تھا، اس لئے اب میں اپنی یہ کتاب عکسی صورت میں طبع کروانے کا ارادہ رکھتا ہوں، رب کریم توفیق دے، آمین۔

۳۴۔شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

یہ کتاب حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی پر علیٰ درجہ کے علمی و تحقیقی مقالات کا مجموعہ ہے، دراصل میں یہ مذکورہ کتاب مقالات طریقت، مقامات مظہری کی طرز پر ایک مفصل مقدمہ اور تعلیقات کے ساتھ ایڈٹ کرنا چاہتا تھا، لیکن حالات نے اس کی اجازت نہ دی، فرائض منصبی کے علاوہ دیگر علمی و تحقیقی مصروفیات میں سے اس کام کے لئے وقت ہی نہ نکال سکا، یہ مقالات اسی کام کے سلسلہ میں اپنے سفر ہندوستان (۱۹۸۹ء) کے دوران جمع کئے گئے تھے۔

اب یہ سوچا کہ اتنے قیمتی مواد کا ضیاع بڑے علمی نقصان کا موجب ہوگا چنانچہ ان تمام مقالات کو ایک مجموعہ کی شکل میں جمع کر کے اس نام سے ۲۰۱۸ء کو پروگریسو بکس، لاہور سے شائع کر دیا گیا ہے۔

۳۵۔حیات اخوند عبدالعزیز دہلوی

اخوند عبدالعزیز (ف ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۸ء) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث کے شاگرد خاص اور اپنے وقت کے اکابر مشائخ میں سے تھے، ان کے احوال پر ان کے بھتیجے وجانشین اخوند محمد عمر سراج الحق (۱۲۷۱۔۱۳۳۶ھ/ ۱۸۵۵۔۱۹۱۷ء) نے "ریاض الانوار" کے نام سے دو حصوں میں دہلوی اُردو میں یہ کتاب لکھی تھی، جس کا یہ نادر مطبوعہ نسخہ میرے ذخیرہ میں ہے، اس کا عکسی ایڈیشن اس لئے شائع کیا گیا ہے کہ اس میں اس عہد کے برطانوی تسلط کے دوران ہندوستان کے انتہائی زوال پذیر معاشرے کی ایسی جھلکیاں ملتی ہیں جن سے دوسرے ماخذ خالی ہیں، یہ کتاب بھی ۲۰۱۸ء کو پروگریسو بکس، لاہور نے شائع کی ہے۔

۳۶۔مکتوبات حضرت شاہ احمد سعید مجددی

یہ حضرت شاہ احمد سعید مجددی دہلوی ثم مدنی (۱۲۱۷۔۱۲۷۷ھ/۱۸۰۲۔۱۸۶۰ء) کے مکتوبات کا مجموعہ

ہے جسے آپ کے خلیفہ نامدار حضرت حاجی دوست محمد قندھاری (ف ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء) نے جمع کیا تھا، اس میں زیادہ تر وہ مکتوبات ہیں جو حضرت حاجی صاحب کے نام ہیں، اس کا ایک ہی خطی نسخہ پاکستان میں خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف کے سجادہ نشین حضرت خواجہ محمد اسماعیل مرحوم کے فرزند اصغر پروفیسر محمد سعد سراجی (مقیم ڈیرہ اسماعیل خان) کے پاس تھا، اس سے قبل اسی خطی نسخہ کی بنیاد پر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان مرحوم نے اس کا فارسی متن ''تحفہ زوایہ'' کے نام سے، حیدر آباد (سندھ) سے ۱۹۵۰ء کو شائع کر دیا تھا جس میں متن کی بہت سی غلطیاں رہ گئی تھیں، اب پروفیسر سراجی صاحب نے مناسب سمجھا کہ اس قلمی نسخہ کا عکس شائع کر دیا جائے، تو دارالاسلام، لاہور کے مہتمم حافظ رضاء الحسن قادری صاحب کو اس کی عکسی اشاعت کے لئے کہا تو انہوں نے ۲۰۱۷ء کو طبع کروا دیا، جس پر مجھ سے ایک مفصل مقدمہ لکھوا کر شامل اشاعت کیا گیا۔

۳۷۔ معمولات مظہریہ

یہ حضرت میرزا مظہر جان جاناں شہید (۱۱۱۱۔ ۱۱۹۵ھ/۱۷۰۰۔ ۱۷۸۱ء) کے معمولات، مکتوبات اور تعلیمات کا مجموعہ ہے، جسے آپ کے خلیفہ شیخ نعیم اللہ بہرائچی نے کتابی شکل میں اس نام سے تالیف کیا تھا، ۱۳۱۲ھ کو خانقاہ مظہری (دہلی) سے وابستہ ایک بزرگ حکیم رحیم الدین احمد طرب دہلوی نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا اور اسی سال یہ وہاں سے شائع ہوا تھا، عرصہ دراز سے کم یاب تھا، میں نے مختصر مقدمہ کے ساتھ اسے ۲۰۱۸ء کو پروگریسو بکس، لاہور سے شائع کروا دیا ہے، اس پر ''مقامات مظہری'' کی طرح مفصل مقدمہ اور تعلیقات نہیں لکھے جا سکے۔

۳۸۔ مناقب مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی

یہ کتاب علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی (۱۱۰۴۔ ۱۱۷۴ھ/۱۶۹۳۔ ۱۷۶۱ء) کے مناقب پر ہے جو آپ کے فرزند مخدوم عبداللطیف ٹھٹھوی (۱۱۴۴۔ ۱۱۸۹ھ/۱۷۳۲۔ ۱۷۷۶ء) کی تالیف ہے، اس کا ایک ہی ناقص الآخر قلمی نسخہ دستیاب ہوا تھا، جسے ایک مقدمہ اور کتاب کے مطالب ملخص طور پر آغاز میں لکھ کر عکسی صورت میں ۲۰۱۸ء کو امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور سے شائع کر دیا گیا، اس کتاب کا مخطوطہ عرصہ دراز سے مفقود تھا، جب حافظ محمد ہاشم جان مجددی کے گھر ٹنڈو سائیں داد (سندھ) سے دستیاب ہوا تو اس کی فوٹو کاپی

بنوالی، یہ عکسی اشاعت اسی پر مبنی ہے، جسے امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور نے ۲۰۱۸ء کو طبع کروایا۔

۳۹۔مناقب مخدومین

یہ شاہ صفی اللہ معصومی (۱۱۵۶۔۱۲۱۲ھ/۱۷۴۳۔۱۷۹۸ء) اور مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹھوی (۱۱۶۲۔ ۱۲۲۵ھ/۱۷۴۸۔۱۸۱۰ء) بن مخدوم عبداللطیف مذکور کے احوال پر ہے جسے مخدوم محمد ابراہیم کے مرید خاص میاں محمد امین چھوڑائی نے تالیف کیا تھا۔

اس کتاب کا ایسا خطی نسخہ ہمیں ملا تھا جو مولف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، اس کی ایک صاف نقل حافظ محمد ہاشم مجددی مرحوم کے کتب خانہ واقع ٹنڈو سائیں داد (سندھ) اور پھر کوئٹہ میں منتقل ہو گئی تھی، وہاں سے بصد دقت اس کی کاپی حاصل کی گئی اور اس کے ساتھ اس نسخے کا بھی عکس بطور ضمیمہ لگا دیا ہے جو مولف کا خود نوشتہ ہے۔

اس میں دو اور بہت ہی بیش قیمت ضمیمے بھی لگائے گئے ہیں یعنی ضمیمہ دوم مکتوبات شاہ صفی اللہ معصومی جامع مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹھوی اور ضمیمہ سوم رسائل مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹھوی کے ان قلمی نسخوں کے اول و آخر کے اوراق بطور عکس شامل کیے گئے ہیں جو آپ کے دست مبارک سے لکھے ہوئے ہیں، یہ کتاب بھی امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور نے ۲۰۱۸ء کو شائع کی۔

۴۰۔رسائل در انساب اولاد حضرت مجدد الف ثانی

اس کتاب میں حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد کے انساب پر دو بیش قیمت رسائل شامل ہیں، اول رسالہ در انساب اولاد حضرت مجدد الف ثانی تالیف قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۱۴۴۔۱۲۲۵ھ/ ۱۷۳۱۔۱۸۱۰ء) یہ اپنے موضوع پر دریافت ہونے والے رسائل میں پہلا رسالہ ہے۔

دوم (رسالہ) انساب الطاہرین تالیف شاہ محمد عمر بن حضرت شاہ احمد سعید مجددی، شاہ محمد عمر مجددی (۱۲۴۴۔۱۲۹۸ھ/۱۸۲۹۔۱۸۸۰ء) اس سلسلہ کے اہم افراد میں سے تھے اور حضرت کی اولاد کے متعلق براہ راست معلومات رکھتے، اشاعت حاضر مولف کے خود نوشت نسخہ کا عکس ہے۔

اس مجموعہ کے آخر میں بڑے سائز کا ایک شجرہ انساب اولاد حضرت مجدد الف ثانی بھی ہے، جسے ۱۹۷۰ء میں حضرت ضیاء المشائخ محمد ابراھیم مجددی بن ملا شور بازار کابلی کی نگرانی میں مرتب اور شائع کیا گیا تھا، اسے بھی اس کے آخر میں عکسی صورت میں طبع کر کے شامل کر دیا گیا ہے۔

یہ کتاب ۲۰۱۸ء کو امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور نے شائع کر دی ہے۔

۴۱۔قران السعدین

یہ کتاب حاجی محمد سعید لاہوری (ف ۱۱۴۵ھ/۱۷۳۲) اور اخوند شیخ محمد مسعود دوابی خرقی کے حالات پر مشتمل ہے، جسے حاجی صاحب کے ایک خلیفہ اخوند محمد رفیع عباسی نے فارسی نثر میں تالیف کیا تھا، اس کی یہ عکسی اشاعت میرے ذخیرہ کے خطی نسخہ پر مبنی ہے، اس پر میں نے ایک مفصل مقدمہ لکھا ہے جس میں حاجی صاحب کے حالات معاصر مآخذ کی بنیاد پر تحریر کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ لاہور اور افغانستان کے متاخر مورخین نے حاجی صاحب اور افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ درانی کے ساتھ تعلقات کی داستان از خود تراش لی ہے، درانی ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء کو قندھار میں تخت نشین ہوا اور ہندوستان پر کئی حملے کئے اور لاہور پر اس کا ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۲ء کو قبضہ ہوا تھا، جب کہ حاجی صاحب ۱۱۴۵ھ/۱۷۳۲ء کو فوت ہو چکے تھے، اس لئے لاہور کو لوٹنے سے باز رکھنے کا حاجی صاحب کا امر بالکل غیر واقعی ہے۔

اس میں حاجی صاحب کے ایک اور خلیفہ میاں محمد منیر قصوری کی کتاب تذکرۃ الارشاد کے وہ اوراق بھی عکسی صورت میں بطور ضمیمہ شامل کر دیئے ہیں جن سے حاجی صاحب کے بارے میں معاصر شہادتیں ملتی ہیں۔

اس کتاب کے دوسرے صاحب سوانح اخوند محمد مسعود دوابی خرقی کے حالات بھی مختصر طور پر تحریر کئے گئے ہیں، یہ بیش بہا تاریخی کتاب بھی امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور نے ۲۰۱۸ء کو شائع کی ہے۔

۴۲۔رسالہ رد شبہات بر کلام حضرت مجدد الف ثانی

یہ نادر الوجود رسالہ حضرت مجدد الف ثانی کے دفاع میں لکھا گیا ہے، اس کے مولف حضرت مجدد الف ثانی کے فرزند اصغر شاہ محمد یحییٰ (ف ۱۰۹۶ھ/۱۶۸۵ء) ہیں مجھے اس خطی نسخہ کی تقریباً پچاس سال سے تلاش

تھی، آخر ۲۰۱۸ء کو اس کے قلمی نسخہ کی عکسی نقل پروفیسر ڈاکٹر حسن عباس ڈائریکٹر رضا لائبریری، رام پور (ہندوستان) نے رضا لائبریری کے نسخہ سے بنوا کر بھیجی جس پر میں نے مولف کے احوال تمام ممکن ذرائع سے جمع کر کے مرتب کئے اور اسے مقدمہ کی شکل دی، یہ رسالہ عکسی صورت میں ارمغان امام ربانی کی جلد نہم میں شامل ہے جو امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور نے ۲۰۱۸ء کو شائع کی۔

۴۳۔ معدن الجواہر

یہ کتاب شیخ صبغۃ اللہ سرہندی (۱۰۳۳۔۱۱۲۲ھ/۱۶۳۳۔۱۷۱۰ء) بن حضرت خواجہ معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی کے حالات پر ہے، جو میر صفر احمد معصومی کی تالیف ہے، جو انہوں نے اپنے ماموں اور شیخ خواجہ صبغۃ اللہ سرہندی کے مناقب میں لکھی ہے، یہی مولف اپنے نانا حضرت خواجہ محمد معصوم کے حالات پر ایک ضخیم کتاب مقامات معصومی کے نام سے فارسی نثر میں تالیف کر چکے ہیں، جو میری تصحیح، ترجمہ، تعلیقات اور مفصل مقدمہ کے ساتھ چار جلدوں میں طبع ہو چکی ہے، اس میں مولف نے جا بجا معدن الجواہر کے حوالے دیئے تھے لیکن اس کے کسی نسخے کا علم نہیں تھا، آخر یہ رسالہ حافظ محمد ہاشم جان مجددی کے زاویہ ٹنڈو سائیں داود (سندھ) سے دستیاب ہو گیا، خواہش تھی کہ اسے مقامات معصومی کے ساتھ بطور ضمیمہ حواشی کے ساتھ مرتب کر کے شامل کر دوں گا، لیکن مقامات کی ضخامت پہلے ہی خاصی زیادہ ہو گئی تھی اس لئے یہ کام اس وقت نہ ہو سکا۔

بعد میں گرتی ہوئی صحت نے اس کام کی اجازت ہی نہ دی، اس مخطوطہ کے ابتدائی ۳۲ صفحات ہی مل سکے ہیں، اس لئے فی الحال انہی کو ایک مختصر سے مقدمہ کے ساتھ ارمغانِ امام ربانی کی نویں جلد میں شامل کر دیا گیا ہے۔

۴۴۔ مکتوبات خواجہ غلام محی الدین قصوری

اس مجموعہ میں خواجہ غلام محی الدین قصوری (ف ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء)، خواجہ عبدالرسول قصوری (ف ۱۲۹۴ھ) بنام مولوی غلام محمد مرالی، مولانا محمد صالح کنجاہی، ان کے علاوہ مفتی غلام دستگیر قصوری (ف ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) کے مکاتیب بھی اس مجموعہ میں شامل ہیں۔

اس مجموعہ کی خوبی یہ ہے کہ تمام مکاتیب مکتوب نگار حضرات کے اپنے قلم کے لکھے ہوئے ہیں جن کا عکس اس مجموعہ میں شامل کر کے مکتوب نگاروں اور مکتوب الیھم کے احوال بھی تحریر کئے گئے ہیں، آخر میں وہ یادداشت بخط مفتی غلام دستگیر قصوری کا عکس بھی شامل ہے جو صاحبزادہ عبدالرسول کے وصال کے بعد ان کے نواسہ سید محمد قصوری کی دستار بندی (۱۲۹۴ھ) کو ہوئی تو اس وقت جو اکابر علماء و مشائخ مدعو کئے گئے تھے ،ان کے اسماء کے علاوہ ان کی رسماً پیش کی گئی نذور کا بھی اندراج ہے۔

اس میں ڈاکٹر مولوی محمد شفیع (سابق پرنسپل اورینٹل کالج، لاہور) کے ہاتھ سے لکھی ہوئی ایک رسید کا عکس بھی ہے، جو انہوں نے سید محمد قصوری سے ایک قلمی مجموعہ مستعار لیتے ہوئے تحریر کی تھی۔

۴۵۔ملفوظاتِ عثمانی

یہ خواجہ محمد عثمان دامانی (ف۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء) خلیفہ حضرت حاجی دوست محمد قندھاری (ف۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء) کے ملفوظات ہیں یہ مختصر سا وہ مجموعہ ہے جو شائع شدہ ضخیم مجموعہ، ملفوظات فوائد عثمانیہ میں شامل نہیں ہے اس کے آخر میں نو صفحات کا ایک ضمیمہ بھی ہے جس میں حضرت حاجی صاحب کے خلفاء پر ذکر کے دوران ''جذب وحضور وواردات'' طاری ہونے پر اس وقت کے علماء نے اسے خلافِ شرع قرار دیا تھا، لیکن آپ کے معتقد علماء نے اس کے جواز کا فتوی دیا تھا، جو ایک محضر نامہ کی شکل میں ہے، اس فتوی پر ۳۲ علماء کے اثباتی کا دستخط ہیں کہ یہ جذبہ بے اختیار طاری ہوتا ہے اس لئے یہ ناجائز نہیں ہے تمام امور اس کے مقدمہ میں معاصر حوالوں سے درج کئے گئے ہیں۔

یہ مجموعہ ملفوظات بھی ارمغان امام ربانی کی نویں جلد میں شامل ہے۔

اس کے ساتھ چار بہت سی نادر مطبوعات کے عکس بھی شامل کر دیئے گئے ہیں، یعنی

۱) تذکرہ مصنفین دہلی تالیف شیخ عبدالحق محدث دہلوی مرتبہ حکیم شمس اللہ قادری۔

۲) جواہر ہاشمیہ (احوال خواجہ محمد ہاشم کشمی) تالیف اختر محمد خان رام پوری۔

۳) عقد اللالی یعنی مناقب شاہ ابوالمعالی (انبیٹھوی) تالیف مشتاق احمد انبیٹھوی

۴) بستان معرفت (احوال صاحبزادہ عبدالرسول قصوری) تالیف سید محمد قصوری، مطبوعہ لاہور ۱۳۰۴ھ۔

۴۶۔رسائل شاہ عنایت قادری قصوری

یہ شاہ عنایت قادری قصوری ثم لاہوری (حدود ۱۰۶۵۔۱۱۵۰ھ/ ۱۶۴۰۔۱۷۳۷ء) کے اُن کے رسائل کا مجموعہ ہے جو آپ نے اس وقت کے اختلافی مسائل پر تحریر کر کے ان کے حل پیش کئے تھے اس میں ایک رسالہ در مسئلہ حربی و دار الحرب بھی ہے، جس میں آپ نے یہ ثابت کیا ہے کہ ہندوستان کے وہ علاقے جہاں مسلمانوں کی بستیاں ہیں اور ہندو، مرہٹے، جاٹ اور سکھ وغیرہ ان پر حملے کرتے رہتے ہیں اور انکے کے مال واسباب زندگی لوٹ کر قتل و غارت کرتے رہتے ہیں وہ علاقے دار الحرب ہیں۔

اس قسم کا ایک فتویٰ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) نے بھی دیا تھا اور کہا جاتا تھا کہ یہ اس موضوع پر پہلا فتویٰ ہے، لیکن ہمارے اس مجموعہ کی اشاعت سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ شاہ صاحب کے اس فتویٰ سے ایک سو سال قبل شاہ عنایت قادری نے اس موضوع پر مستقل رسالہ لکھ کر ان علاقوں کو دار الحرب قرار دیا تھا۔

علم کلام کے ان رسائل کے ساتھ، شاہ عنایت کی ایک اور نادر تصنیف ''لطائف غیبیہ'' کا عکس بھی شامل کر دیا گیا جو اس کے ناشر حافظ رضاء الحسن قادری صاحب کو ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب نے کتاب خانہ گنج بخش، اسلام آباد سے حاصل کر کے فراہم کیا تھا، یہ رسالہ مولف نے (۱۱۱۱ھ) کو سلسلہ شطاریہ کے سلوک پر لکھا تھا۔

ہمارا یہ بیش بہا مجموعہ (مکتبہ) دار الاسلام، لاہور سے (۲۰۱۸ء) کو طبع ہوا ہے۔

۴۷۔وہ کتابیں اپنے آباء کی

یہ کتاب میرے ان اسفار کی رودادوں کا مجموعہ ہے، جو میں نے علمی تحقیقات کے لئے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں جا کر مواد کی جمع آوری کے لئے کئے تھے، ان میں حرمین الشریفین، مصر، ایران، ترکی، انگلینڈ، ہندوستان اور پاکستان بھر کی ذاتی و سرکاری لائبریریوں اور اشاعتی اداروں میں جا کر وہاں سے علوم مشرقیہ کی کتابیں خریدیں، مخطوطات کے عکسیات حاصل کئے اور ان پر ساری زندگی کی تنخواہیں خرچ کیں اور پھر ۲۰۱۴ء کو یہ سرمایہ عمر پنجاب یونیورسٹی، لاہور کی مرکزی لائبریری کو عطیہ کے طور پر دے دیا۔

اس میں ان اسفار کے دوران پیش آنے والی مصیبتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو تحقیق کے مسافروں کو لطف اندوز کرتی رہیں گی اور اپنی داستانِ حیات بھی قلم بند کی ہے کہ کس طرح علمی تحقیقات کے میدانوں میں بے یار ومددگار تنہا یہ سفر کٹے، کوئی استاد رہنما ساری زندگی نہ ملا، بس اللہ پاک کے سہارے یہ اسفار جاری رکھے، پاکستان کی کسی یونیورسٹی نے اس سلسلہ میں کسی قسم کی مالی، اخلاقی یا علمی معاونت نہیں کی۔

مجھے خوب یاد ہے کہ ۱۹۸۶ء کو علمی تحقیقات کی غرض سے انگلستان کے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے میں پاکستان کی تمام یونیورسٹیوں کے علوم مشرقیہ کے شعبوں کے استادوں کو خطوط لکھ کر رہنمائی کی درخواست کی، رہنمائی تو دور کی بات ہے، کسی نے خط کا جواب تک نہیں دیا، یہ کتاب بھی پروگریسو بکس، لاہور سے ۲۰۱۹ء کو شائع ہوئی۔

۴۸۔ حیاتِ شاہ عبدالغنی مجددیؒ

اس میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی اولاد مبارک کے آخری عالم ومحدث حضرت شاہ عبدالغنی مجددی (ف ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء) بن شاہ ابوسعید مجددی کے احوال، آثار اور تعلیمات وخدمات دینی پر باقاعدہ ابواب وفصول بنا کر بتایا گیا ہے کہ کس طرح آپ نے ۱۸۵۷ء کے غدر کو جہاد قرار دیتے ہوئے اس کے فتویٰ جہاد پر اثباتی دستخط کئے جس کے نتیجہ کے طور پر آپ کو ہندوستان چھوڑنا پڑا اور آپ اپنے برادر بزرگ حضرت شاہ احمد سعید مجددی (ف ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء) کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے، وہاں آپ ۲۲ سال بقیہ حیات رہے، چونکہ مدینہ شریف اسلامی علوم کا مرکز تھا، اس لئے وہاں آنے والے عالم اسلام کے علماء وصوفیہ نے آپ سے اسلامی علوم خصوصاً حدیث پاک کی سندیں لیں، اس طرح حضرت مجدد الف ثانی کی یہ جید سندِ حدیث عالم اسلام میں مشتہر ہوئی۔

اس کتاب کی تالیف کا آغاز ۲۷ نومبر ۲۰۰۵ء کو کیا گیا اور اس موضوع کا مواد ایک بڑی فائل میں جمع کرتا گیا، یہاں تک کہ یہ کتاب آپ تربیت کے اخری مراحل میں ہے۔

۴۹۔ مجددی تحریک

اس میں امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (۹۷۱۔۱۰۳۴ھ/۱۵۶۳۔۱۶۲۴ء) کے سب سے

بڑے کارنامہ یعنی تحریک احیاء دین کی تفصیلات جمع کی گئی ہیں، اس سے پہلے زاد المعاد، مقامات معصومی، حسنات الحرمین، مقامات مظہری اور مکتوبات امام ربانی (مطبوعہ استبول، ترکی) کے مفصل مقدمات میں اپنی اس زیر تکمیل کتاب کے بعض ابواب ملخصاً شامل کیے جا چکے ہیں۔

اس میں اس تحریک کا پس منظر، اس عہد کے سیاسی، سماجی، علمی اور مذہبی حالات اور ماحول کا تجزیاتی مطالعہ بھی کیا گیا ہے۔

اور ملحد مورخین کی اس اعتراض کہ ''احمد سرہندی کے مرتے ہی اس کی نام نہاد تحریک احیاء دین کا خاتمہ ہو گیا تھا'' کا بھی مدلل جوب دیا گیا ہے کہ یہ تحریک آپ کے وصال (۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) کے بعد جاری رکھنے کی ضرورت کیسے اور کیوں کہ موجود رہی؟ اکبری الحاد نے کس طرح شہزادہ داراشکوہ کے روپ میں نمو کیا؟ پھر ہندوستان کی مسلم حکومت کے دور زوال میں اس تحریک نے کیا کردار ادا کیا، ۱۸۵۷ء تک اس خانوادہ نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کو جہاد قرار دے کر کس طرح آزادی کی روح بیدار کی؟ جس کے نتیجہ میں حضرت مجدد الف ثانی کے قول ''ملت ما جدا گانہ است'' کی عملی تعبیر کی اور یہ ملک خداداد پاکستان وجود میں آیا؟

یہ کتاب تا حال زیر ترتیب ہے، اس کی طباعت کا آغاز ابھی تک نہیں ہو سکا۔

۵۰۔ مبلغ الرجال

یہ کتاب خواجہ کلاں بن حضرت خواجہ باقی باللہ کی تالیف ہے، جس میں انہوں نے ملتِ اسلامیہ میں بدعقیدہ فرقوں اور ملاحدہ کے عقائد کا تذکرہ کیا ہے، مولف نے چونکہ اکبر اور اس کے حوزہ ملحدین یعنی ابوالفضل کی بہن کے گھر میں پرورش پائی تھی اس لئے وہ اس گھر کے بھیدی تھے، ان کی جمع کی ہوئی روایات درجہ اول کی اہمیت رکھتی ہیں، میں طالب علمی کے زمانہ سے ہی اس کتاب کے مخطوطات کی عکسی نقول حاصل کرنے کے درپے تھا، ۱۹۸۶ء کو ذخیرہ دہلی (انڈیا آفس لائبریری، لندن) سے اس کی مائیکرو فلم اپنے سفر کے دوران حاصل کر لی تھی، اور اسے اپنے مائیکرو فلم ریڈر کے مدد سے نقل بھی کر لیا تھا، پھر اس کے اور کئی خطی نسخوں کی نقول ملیں تو تقابل کا آغاز کیا، جب مذکورہ مائیکرو فلم دوبارہ دیکھنے کے لئے کھولی تو وہ موسمی اثرات

کے باعث اتنی خراب ہوگئی کہ بے کار ہوکر رہ گئی۔

ابھی حال ہی میں اس کی دوبارہ عکسی نقل وہاں سے حاصل کی ہے اور مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے بھی اس کی نقل منگوالی ہے اور تقابل متن کا کام بھی بہت حد تک ہو چکا ہے۔

میں زاد المعاد جو انہی خواجہ کلال کی تالیف ہے کے مقدمہ میں ان کے اور ان کے والد گرامی اور برادر اصغر خواجہ خورد کے حالات تفصیل سے لکھ چکا ہوں، یہ کتاب لجنة لاحیاء المخطوطات الاسلامیه، لاہور سے ۲۰۱۹ء کو شائع ہوگئی ہے۔

۵۱۔ جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کی تاریخ میں علماء وصوفیہ کا کردار

Socio-Cultural History of the Muslim of South Asia, with Speacial Refrence to the Ulama and the Sufis.

یہ آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک سٹڈیز کا ایک علمی منصوبہ تھا، جس کے محرک پروفیسر خلیق احمد نظامی (مسلم یونیوسٹی، علی گڑھ) تھے، نظامی صاحب نے اس سلسلہ میں مجھے خط لکھا کہ آپ ہمارے ساتھ کام میں شریک ہوجائیں اور پاکستان میں موجود علماء وصوفیہ کے متعلق مخطوطات ومطبوعات میں سے متعلقہ مواد جمع کرکے اوکسفورڈ بھیجتے رہیں، میں نے رضامندی ظاہر کردی، یہ ادارہ آکسفورڈ میں قائم کیا گیا تھا، اس کے ڈائریکٹر ڈاکٹر فرحان احمد نظامی تھے اور اس کے صدر مولانا ابوالحسن علی ندوی کو رکھا گیا تھا، بظاہر اس ادارہ کا تعلق آکسفورڈ یونیورسٹی سے تھا، لیکن یونیوسٹی اس ادارہ کو کوئی مالی امداد نہیں دیتی تھی، مولانا ندوی کا نام اس میں بطور صدر اس لئے رکھا گیا تھا کہ عالمِ اسلام میں ان کی علمی شہرت تھی اور وہاں سے اس ادارہ کو ان کے نام کی وجہ سے مالی امداد ملتی رہے۔

اس کام کے لئے میری تقرری ۲۳ دسمبر ۱۹۹۲ء کو ہوئی، اس کام کے لئے ایک امریکی پروفیسر ڈاکٹر ڈیوڈ ڈمرل کو بلایا گیا، جسے اس کا نگران مقرر کیا گیا، یہ بہت معمولی سی علمی قابلیت کے آدمی تھے، ان کا پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ حضرت خواجہ خاوند محمود کشمیری معروف بہ حضرت ایشاں لاہوری پر ہے، جس کی علمی سطح بہت ہی معمولی سی ہے۔ سمجھ میں نہ آسکا کہ پروفیسر نظامی جیسے قابل محقق نے اسکا انتخاب کیوں

کرلیا، بہرحال میں دوسال تک مسلسل اس کام میں پاکستان میں ان کا معاون رہا، میں لاہور، اسلام آباد، پشاور اور کراچی کے کتب خانوں سے بہت سے نادرالوجود مخطوطات ومطبوعات کے ملخصات انگریزی زبان میں تیار کر کے ارسال کرتا رہا، اس دوران میں نے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی میں سے وہ اقتباسات بھی انگریزی میں ترجمہ کر کے بھیجے جو ہندوؤں کے خلاف ہیں، جنہیں پڑھ کر اس اسلامک سنٹر کے دونوں مسلمانان ہندومزاج یعنی پروفیسر خلیق احمد نظامی اور ڈاکٹر فرحان نظامی سخت ناراض ہو گئے اور پھر مجھ سے رابطہ قائم رکھنا مناسب نہیں سمجھا، بھلا یہ ہندوؤں کے غلام (بڑے عہدہ داران) ان کے خلاف کیسے کچھ برداشت کر سکتے تھے؟

پروفیسر نظامی کی وفات کے بعد یہ کام ویسے ہی بند ہو گیا ہوگا کیوں کہ ان کے فرزندار جمند ڈاکٹر فرحان نظامی میں کسی قسم کی علمی وتحقیقی قابلیت تھی ہی نہیں، آج اس کام کو ربع صدی گذر گئی ہے اس کی کوئی جلد شائع ہی نہیں ہوئی ہے، اس جمع شدہ مواد کو شائع کرنے کا ایک مدت سے ارادہ رکھتا ہوں لیکن اب صحت کی خرابی اور پیرانہ سالی کے باعث ممکن نہیں رہا، اس لئے ارادہ ہے کہ یہ سارا مواد جلد کروا کر اپنے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) میں رکھوادوں گا، شاید کسی کے کام آجائے۔

۵۲۔رسائل حافظ محمد صدیق لاہوری

حافظ محمد صدیق لاہوری (۱۱۳۸۔۱۱۹۳ھ/۱۷۲۵۔۱۷۷۹ء) خطیب مسجد وزیر خان، لاہور کے نادر رسائل کا یہ مجموعہ ہے، اس کے تمام تر قلمی نسخے میرے ذخیرہ میں ہیں، جن میں سے کئی رسائل خود اُن کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں، چونکہ یہ رسائل بہت نادر ہیں اور ان کے دیگر قلمی نسخے اب تک دریافت نہیں ہوئے اس لئے ان کی عکسی اشاعت کی گئی ہے، اس میں بقدر ایک سو صفحات کا مفصل مقدمہ ہے جس میں مولف کے احوال وآثار کے علاوہ ان کے خانوادہ کے حالات بھی تحریر کئے گئے ہیں۔

یہ کتاب ہمارے ادارہ ''لجنة لاحياء المخطوطات الاسلاميه، لاہور''، جو امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور کی ایک ذیلی شاخ ہے سے ۲۰۱۹ء کو شائع ہوئی ہے۔

۵۳۔شمس التوحید، گنج مخفی (ہجوالمقلدین)

مولفہ حافظ غلام محمد عرف امام گاموں (ف ۱۲۴۲ھ/ ۱۸۲۷ء)

یہ حافظ غلام محمد عرف امام گاموں بن حافظ محمد صدیق لاہوری خطیب مسجد وزیر خان، لاہور کے دو رسائل ''شمس التوحید'' اور ''ہجوالمقلدین'' کا مجموعہ ہے۔

یہ بہت ہی نادر مخطوطات ہیں، جن کے دوسرے نسخے اب تک دریافت نہیں ہوئے اس لئے ان کو عکسی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے، اس پر عاجز نے مفصل مقدمہ بھی لکھا ہے، یہ کتاب بھی "لجنة لاحياء المخطوطات الاسلامیه، لاہور'' سے ۲۰۱۹ء کو شائع ہوئی ہے۔

اس کے ساتھ مثنوی مرزا اکرم بیگ (مشعر براحوالِ خود) بھی بطور ضمیمہ شامل ہے۔

۵۴۔دستاویزات متعلقہ مسجد وزیر خان، لاہور و خانوادۂ حافظ محمد صدیق لاہوری

اس مجموعہ میں مسجد وزیر خان، لاہور سے متعلق اصل دستاویزات، مغلوں کے فرامین اور معاہدات کی عکسی اشاعت کی گئی ہے، جس سے لاہور کی علمی اور دینی زندگی کے شواہد منظر عام پر آ گئے ہیں۔

اس میں بطور ضمیمہ مفتیانِ لاہور کی وہ بیاض بھی عکسی صورت میں شامل کر دی گئی ہے جس میں بہت اہم فیصلے اور فتاویٰ شامل ہیں، لاہور کی علمی تاریخ پر اس سے پہلے اتنا بڑا اور عظیم الشان مجموعہ مرتب و شائع نہیں ہوا، یہ بھی "لجنة لاحياء المخطوطات الاسلامیه، لاهور" کی طرف سے ۲۰۱۹ء کو شائع کیا گیا ہے۔

۵۵۔رسائل خواجہ خرد

یہ حضرت عبداللہ ملقب بہ خواجہ خُرد (ف ۱۰۷۴ھ/۱۶۶۳ء) بن حضرت خواجہ باقی باللہ (ف ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) کے رسائل کا غیر مطبوعہ مجموعہ ہے، جس کا عکس انڈیا آفس لائبریری، لندن سے حاصل کیا تھا، اس پر ہم نے ایک مفصل مقدمہ لکھ کر اس نادرالوجود خطی نسخے کا تعارف لکھ کر اس کا عکس "لجنة لاحياء المخطوطات الاسلامیه، لاہور'' کی جانب سے ۲۰۱۹ء کو شائع کیا ہے۔

۵۶۔روضۃ القیومیہ (فارسی)

یہ حضرت مجدد الف ثانی اور آپ کے خانوادہ کے حالات پر ایک نادر مخطوطہ ہے، جو آج تک شائع نہیں ہوا، اس کے دو آخری دفتر مولف کی معاصرانہ روایات پر مبنی ہیں اس لئے یہ حصے شائع کئے گئے ہیں، اس کے مولف خواجہ کمال الدین محمد احسان سرہندی ہیں، اس کے یہ آخری دو حصے ہمارے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) میں محفوظ ہیں، جن کا عکس لے کر اسے "لجنۃ لاحیاء المخطوطات الاسلامیہ، لاہور" سے ۲۰۱۹ء کو شائع کیا گیا ہے۔

ہم نے اس پر ایک مفصل مقدمہ بھی لکھا ہے، جس میں مولف کے احوال کے علاوہ ان کے اہم مندرجات پر بھی تاریخی بحث کی ہے۔

۵۷۔وثیقۃ الاکابر

یہ حضرت شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری (ف ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء) کی معجم المشائخ ہے، جس میں آپ نے اپنی اسناد جمع کر دی ہیں، ہم نے اس پر ایک مختصر سا مقدمہ لکھا ہے۔

اس اہم مخطوطہ کا عکس ارمغانِ امام ربانی کی جلد دہم میں شامل ہے۔

۵۸۔رسالہ در عقائد ضروریہ

تالیف حضرت شاہ محمد غوث قادری لاہوری

یہ بہت ہی کمیاب بالکل منحصر بفرد قلمی نسخہ پر مبنی ہے، جو ہمارے ایک مختصر مقدمہ کے ساتھ ارمغان امام ربانی کی دسویں جلد کی زینت بن گیا ہے۔

۵۹۔سلسلۃ الاولیاء

یہ صوفیہ کا ایک عمومی تذکرہ ہے، جس کا عصری حصہ ہم نے ایک مختصر تعارفی نوٹ کے ساتھ ارمغان امام ربانی کی دسویں جلد میں شامل کر دیا ہے، اس کے مولف خواجہ غلام محی الدین قصوری کے خلیفہ مولوی محمد صالح کنجاہی ہیں۔

۶۰۔ رسالہ اذکار یومی و لیلی

یہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے معمولات کا دوسرا مجموعہ ہے، جسے آپ نے خلیفہ اور مکتوبات معصومیہ کی جلد سوم کے جامع حاجی محمد عاشور بخاری نے آپ کے وصال (۱۰۷۹ھ/۱۶۶۸ء) کے بعد جمع کر کے اہل ایمان کے حوالہ کیا، ہم نے اس کے قلمی نسخے کا عکس ذخیرۂ دہلی انڈیا آفس لائبریری، لندن سے حاصل کر کے ارمغانِ امام ربانی کی جلد دہم میں شامل کر دیا ہے، اس پر ہمارا ایک مختصر مقدمہ بھی ہے۔

۶۱۔ زبدۃ الفرائض

تالیف خواجہ غلام محی الدین قصوری (ف ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء)، جو آپ کے دست مبارک کا کتابت کیا ہوا نسخہ ہے، ہم نے اسے تبرک کے طور پر ایک مقدمہ کے ساتھ ارمغان امام ربانی کی دسویں جلد میں شامل کر دیا ہے۔

۶۲۔ رسالہ نظامیہ

یہ وحدت الوجود کے مباحث پر خواجہ غلام محی الدین قصوری مذکور کی فارسی نظم میں تصنیف ہے، جسے آپ نے اپنے ایک معاصر عالم مولانا نظام الدین کھم کرنی کے امر پر تصنیف کیا تھا، اس کا قدیم نسخہ بھی ہمارے ذخیرہ میں ہے، جس کی عکسی اشاعت ایک مختصر تعارفی نوٹ کے ساتھ ارمغان امام ربانی کی دسویں جلد کا جز بن گئی ہے۔

۶۳۔ نقد مقالہ

محترمہ ڈاکٹر ممتاز بیگم چودھری نے تہران یونیورسٹی سے فارسی زبان و ادب پر پی ایچ ڈی کا مقالہ "کتابہای تصوف بزبان فارسی در پاکستان و ہند" کے عنوان سے لکھا تھا، جس پر انہیں مطلوبہ ڈگری دی گئی، یہ مقالہ چار جلدوں میں ہے، میں اُن دنوں انٹرمیڈیٹ کا اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور میں طالب علم تھا، محترمہ پی ایچ ڈی کر کے آئیں تو میں بی اے کا متعلم تھا، میں نے محترمہ سے مقالہ مستعار لے کر مطالعہ کیا تو اس میں بہت سی بنیادی غلطیاں نظر آئیں، جن کی میں نے نشاندہی کی تو پوری کتاب تیار ہو گئی اور مذکورہ

عنوان کے تحت اُن کے مقالہ کے ساتھ واپس کی یہ غالباً ۱۹۶۹ء کا زمانہ تھا، محترمہ کا مقالہ اور ہمارا یہ نقد ابھی تک شائع نہیں ہوا۔

آیئے اس پس منظر کے بعد میرے اضطرابی اسفار کا حال پڑھیے، جن میں نادر کتابوں کے ملنے پر مسرت کا اظہار کیا گیا ہے اور عدم دستیابی پر کفِ افسوس ملتے ہوئے بھی نظر آویں گا۔

پاکستان کے ذاتی و سرکاری کتب خانوں سے ان مصادر کے عکسیات کے حصول کے لئے دشواریوں کی داستان کہیں تو دلچسپ نظر آئے گی اور کہیں بے مزہ بھی، تاہم علمی دشواریوں کی داستانیں تلخ بھی شیریں ہی ہوتی ہیں۔

سفرنامہ ہای محمد اقبال مجددی

ایران وافغانستان کا سفر

اپنے ملک، پاکستان، لاہور سے ۲۳/جون ۱۹۷۶ کو صبح ساڑھے پانچ بجے ریل کار سے راولپنڈی کے لئے روانہ ہوا، ساڑھے دس بجے قبل دوپہر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے راولپنڈی پہنچ گیا، یہاں سے دوست عزیز صاحبزادہ سید عارف نوشاہی برادر زادہ حضرت سید شرافت نوشاہی کے پاس مرکز تحقیقات فارسی، اسلام آباد بارہ بجے کے قریب پہنچا۔

کل ۲۴/جون کو افغانستان ایمبسی گیا، وہاں سے ڈیڑھ بجے دوبارہ مرکز تحقیقات فارسی میں پہنچ گئے، خوشی ہوئی کہ پہلے ہی دن میں افغانی ویزا مل گیا، صاحبزادہ عارف صاحب سے معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ انہیں بھی ایران کا ویزا مل گیا ہے لیکن انہوں نے ہوائی جہاز سے جانے کی منظوری لی ہے، میں بہت گھبرایا کہ اتنا لمبا زمینی سفر میں اکیلا کیسے کر سکوں گا؟ لیکن پھر اللہ کو یاد کر کے اسی روز پشاور کے لئے روانہ ہو گیا، صاحبزادہ صاحب ٹرانسپورٹ کے اڈے تک چھوڑ آئے۔

جب رات آٹھ بجے پشاور پہنچ کر معلوم ہوا کہ کابل جانے کے لیے جی ٹی ایس میں کوئی جگہ خالی نہیں ہے، طبیعت مکدر ہوئی، فوراً مولانا محمد امیر شاہ صاحب یکہ توت کے ہاں گیا، انہوں نے جاتے ہی افغان بس میں سیٹ کا انتظام کروا دیا، اس طرح میں ۲۵/جون کو کابل کے لئے صبح آٹھ بجے روانہ ہوا، اور شام ساڑھے پانچ بجے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بخیر وعافیت کابل پہنچ گیا۔

تورخم کے بارڈر پر پہرہ داروں نے بہت دیر سے راہ داری دی، یہیں سے مخدوم حکیم محمد موسیٰ امرتسری اور بھائی محمد سلیم کو خیریت کا خط لکھا۔

راستہ بڑا دشوار گزار ہے، سڑک دریائے کابل کے کنارے کنارے بل کھاتی ہوئی مڑتی ہے، اور بلند ہوتے ہوئے سطح زمین سے بہت اونچی چلی جاتی ہے، نظارے نہایت دلکش ہیں۔

کابل میں غزنوی ہوٹل میں رات قیام کیا، شام سات بجے کے قریب خانقاہ مجددیہ کابل (قلعہ جواد)

میں گیا، حضرت ضیاء المشائخ محمد ابراہیم مجددی اور محمد حضرت محمد یعقوب خان سے ملاقات کی، تپاک سے ملے، پھر حضرت نورالمشائخ ملاشور بازار کے مزار پُر انوار کی زیارت کی اور اسکے بعد کتب خانہ دکھانے کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی، فرمایا کہ آپ ایران سے ہوکر آئیں تو واپسی پر کتب خانہ دیکھیں، ویسے بھی میرے پاس ویزا صرف ٹرانزٹ تھا جو صرف چار روز کا ہوتا ہے۔

اس وقت طبیعت نہایت خراب ہے کیونکہ میرے سفر کا منتہیٰ و مقصود تو مذکورہ کتب خانہ تھا، خدا کرے واپسی پر افغانستان کا ایک ماہ کا ویزہ مل جائے، آمین۔

غزنوی ہوٹل میں رات کو قیام کے بعد ۲۶ رجون کو بذریعہ بس، ہرات سے روانہ ہوا، ہرات، کابل سے تقریباً ساڑھے چھ سو میل ہے، شام سات بجے بس ہرات پہنچی، نہایت سادہ عمدہ شہر ہے، اس تمام سفر میں ایک نہایت نیک دل انسان محمد اسلم صاحب باشندہ کویت نے بہت رہنمائی کی، ہم ایک ساتھ رہے، زندہ بادانان ہوٹل میں رات قیام کیا، باہر بڑی عمدہ ہوا چل رہی تھی لیکن ہوٹل کے کمرے میں شدید گرمی اور حبس تھی، شام کا کھانا کھانے کے بعد میں ہوٹل کے قریب ایک کتابوں والی دکان پر گیا، یہاں ایران وروس کی بعض اچھی مطبوعات موجود تھیں، ''مزاراتِ ہرات'' کی قیمت ۲۴۰ رافغانی اور ''تاریخ احمد شاہ'' مطبوعہ روس کی قیمت ۵۰۰ رافغانی بتائی، انشاء اللہ! ایران سے واپسی پر یہ دونوں کتابیں خریدوں گا، ۲۷ رجون کو، ہرات سے صبح ساڑھے سات بجے ایک منی بس کے ذریعہ افغان بارڈر اسلام قلعہ پر پہنچے اور یہاں سے فارغ ہوکر ایران کے بارڈر پر آئے، جب کسٹم وغیرہ سے فراغت کے بعد بس سٹیشن پر آئے تو معلوم ہوا کہ کوئی سیٹ نہیں ہے، ابھی دوسری بس آتی ہے، یہ تقریباً تین بجے بعد دوپہر مشہد روانہ ہوگی، کرایہ فی کس ۱۰۰ اریال ہے، بس مشہد ساڑھے سات بجے پہنچی، کمال شہسوار ہوٹل میں رات قیام کیا، بصد مشکل، مشہد سے تہران کے لئے ریل کا ٹکٹ مل سکا، ۲۸ رجون شام ساڑھے سات بجے گاڑی تہران کے لئے روانہ ہوئی، سفر طویل تھا۔

۲۹ رجون صبح دس بجے ہم تہران ریلوے سٹیشن پر پہنچے اور چند منٹ سانس لینے کے بعد محمد اسلم سیالکوٹی صاحب نے آقای محمد کاظم حفیظی کو فون کیا، آقای حفیظی مجھے اپنے گھر لے گئے جہاں میں نے سارا دن اور

تمام شب آرام کیا۔

۳۰ ؍جون صبح آقای حفیظی کی کار پر دفتر آر سی ڈی پہنچ گیا، آر۔سی۔ڈی میں تقریباً دس بجے تک رہا، شعبہ کی لائبریری چند ساعت میں دیکھ ڈالی، مخطوطات کا نام ونشان تک نہیں تھا، البتہ مخطوطات کی چند فہارس موجود تھیں، جہاں پاکستانی خاتون مسز شمیم محمود زیدی [۲] سے ملاقات کی، انہوں نے لائبریری کی انچارج خاتون سے تعارف کروایا، یہاں سے میں پروفیسر شبیر احمد اختر صاحب سے ملنے کے لئے مدرسۂ پاکستان واقع خیابان نادر شاہ گیا، شبیر صاحب بڑے تپاک سے ملے، انہوں نے ایران میں قیام کے سلسلہ میں بڑی رہنمائی فرمائی اور کہا کہ میں خود ہندوستان جارہا ہوں اگر وہاں کی مطبوعات درکار ہوں تو مجھے بتاؤ، میں نے انہیں دس مطبوعات کی فہرست دی، انہوں نے کہا میں ۲۰ ؍اگست کو، لاہور سے تہران واپس آجاؤں گا۔

یہیں پر پروفیسر چودھری محمد علی صاحب سے ملاقات ہوئی، انہوں نے کہا کہ تم ہمارے پاس اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور میں پڑھتے تھے، میں تمہیں پہچانتا ہوں، میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ کوئی تو جان پہچان والا ملا ہے، انہوں نے پیش کش کی کہ تم میرے ساتھ رہو، میں نے وعدہ کیا کہ چند روز آنجناب کے ہاں قیام کروں گا۔

یہاں سے میں دانشگاہ تہران کے بالمقابل موجود کتب فروشوں کی دکان پر گیا، کتاب خانہ حیدری میں اہم کتابیں موجود ہیں۔

یکم جولائی کو میں خیابان ناصر خسرو کے بازار کتاب فروشی میں گیا، یہاں کتابخانہ شمس میں بہت قدیم کتابیں موجود ہیں، لیکن نہایت گراں فروشی ہے، یہاں سے استنبول کے مخطوطات کی ایک فہرست مرتبہ احمد آتش ۱۲۰۰ ؍ریال میں خریدی، نیز تاریخ بدخشان، تذکرہ ہفت آسمان [۳] اور فہرست مخطوطات اصفہان بھی خریدلی، قیمت کل پندرہ سو ریال ادا کی، یہاں سے بصد مشکل بذریعہ بس میں واپس دانشگاہ پہنچا اور دوبارہ بازار کتاب فروشی میں گیا، کتابخانہ ظہوری سے اپنی منتخب کتب خریدیں اور ریسٹ کے لئے روانہ ہو گیا، دن بھر اور ساری رات سویا رہا، کمر میں ہلکا سا درد [۴] موجود ہے۔

۲ ؍جولائی کو تعطیل تھی، میں آقای حفیظی کے ساتھ کوی دانشگاہ آیا، یہاں سے پتہ چلا کہ جناب

رشید احمد دانشجوی پاکستان امیر آباد کے ہوسٹل میں رہتے ہیں، میں یہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ آج صبح سویرے نکل گئے تھے، بارہ بجے دوپہر کو کھانے پر آنے کی امید ہے، میں آٹھ بجے سے بارہ بجے تک دانشگاہ کے گرد چکر لگاتا رہا اور پھر واپس آکر کوی دانش گاہ میں رشید صاحب کا انتظار کرنے لگا، رشید احمد صاحب ساڑھے بارہ بجے تک نہ آئے، میں یہاں سے محمد ہاشم دانشجوی پاکستانی کے ہمراہ مدرسۂ پاکستان گیا، وہاں نماز جمعہ ادا کی، تعجب ہے کہ سارے تہران میں سنیوں کی ایک بھی مسجد نہیں ہے، یہاں چند سنی پاکستانی و افغانی حضرات جمع ہوکر نماز ادا کرتے ہیں، یہیں پر ڈاکٹر صدیق شبلی صدر شعبۂ اردو پیپلز یونیورسٹی ؁ اسلام آباد سے ملاقات ہوئی، وہ مجھے اپنی عارضی قیام گاہ پر لے گئے جہاں دیر تک علمی گفتگو ہوتی رہی، میں نے دوپہر یہیں آرام کیا اور شام کو دوبارہ کوی دانشگاہ جاکر رشید احمد صاحب سے ملا، انہوں نے بہت سے وعدے کیے اور شب ساڑھے آٹھ بجے اپنی قیام گاہ میں پہنچ گیا، صبح صاحبزادہ سید عارف نوشاہی صاحب کے آنے کی توقع ہے، ہوائی جہاز نیم شب دو بجے تہران پہنچنا ہے، جناب علی رضا مشرقی بھی اسی وقت مجھ سے ملنے کے لئے آئے، انہوں نے نوشاہی صاحب کے لئے میدان سید کے قریب ایک ہوٹل دلکشا میں ایک کمرہ کرایہ پر لیا اور مجھے شب یہیں چھوڑ گئے کہ صبح ہم آقای نوشاہی کو یہیں لے آئیں گے، اُف یہ ہوٹل کیا تھا، جہنم تھا، نہ پنکھا، نہ ہوا، کمرہ سے باہر شیڈ پر جھانک کر دیکھا تو کچھ آدمی زمین پر سوئے ہوئے تھے، بستر نہایت گندے، شب بھر فکر سے نہ سوسکا، ساری رات تیز رفتار ٹریفک کے شور نے پاگل کردیا، خدا خدا کر کے صبح ہوئی، صاحبزادہ نوشاہی صاحب تشریف نہ لائے، میرا اضطراب بڑھا اور صبح ہوتے ہوتے میں بے حال ہوگیا۔

۳رجولائی صبح منہ ہاتھ دھوکر میں نے معمولی سا ناشتہ کیا، خشک شوئی کی دکان بصد مشکل تلاش کی اور دو جوڑے دھونے کے لئے دیئے، اس کے بعد نیشنل بنک میں جاکر میں نے چالیس ڈالر کیش کروائے، اور کتابخانہ ملی ملک واقع خیابان بین الحرمین کی تلاش میں نکلا، یہ ہوٹل سے خاصا دور تھا، وہاں پہنچ کر افسوس ہوا کہ مخطوطات کے انچارج صاحب بیس روز کی رخصت پر ہیں، میں تقریباً شام تک کتابخانہ ملک میں بیٹھا کف افسوس ملتا رہا، اسی کتابخانہ نے اپنی فہرست مخطوطات عربی وتر کی جلد اول بھی شائع کی ہے، چالیس

تومان قیمت ہے، اس کے بعد میں پھر کتابخانہ شمس پر گیا، یہ بھی بند تھا، میں یہاں سے کتابخانہ ملی واقع خیابان قوام السلطنۃ میں آ گیا، یہاں کے فہرست ساز عبداللہ انوار نے خاصا تعاون کیا، ایک مجموعہ خطی جس میں آخری رسالہ اجازۃ نامہ حضرت محمد مراد کشمیری کا ہے، باوجود تلاش اور حوالہ فہرست مائیکروفلمز دانشگاہ بحوالہ ۱/۶۳۰ کے باوجود دریافت نہ ہوسکی، انوار صاحب نے بتایا کہ یہ نمبر غلط ہے یا یہ کتاب خانہ ملی ملک بین الحرمین تہران میں ہوگی، لائبریری سے نکلتے وقت میں نے کتابخانہ کی انتشارات کی خواہش کی تو معلوم ہوا کہ وہ کتابیں فروخت نہیں کرتے بلکہ اہل علم کو تحفۃً دیتے ہیں، اس کے لئے درخواست لکھنا پڑتی ہے۔

کتب خانہ سے اڑھائی بجے کے قریب واپس ہوٹل آیا اور پھر کھانا کھا کر دوپہر آرام کرنا چاہا لیکن ہوٹل کے کمرے میں شدید گرمی کی وجہ سے نیند نہ آسکی، اور میں تقریباً ساڑھے پانچ بجے شاہ آباد گیا جہاں میں کتابوں والی دکانوں پر گھومتا رہا، دو دکانوں پر قدیم کتابیں موجود تھیں، لیکن قیمت اس قدر زیادہ تھی کہ خریدنا ناممکن، فہرست مخطوطات ایشیاءٹک سوسائٹی کلکتہ (ایونوف) کی چار جلدیں چھ سو تومان اور فہرست مختصر حیدرآباد مطبوعہ سوسائٹی مذکور تین سو تومان، مجبوراً انہیں چھوڑ دیا۔

میں شام نو بجے ہوٹل پہنچا، پھر شب بھر وہی کیفیت رہی۔

۴ر جولائی بروز اتوار میں نے فیصلہ کرلیا کہ میں یہ ہوٹل چھوڑ کر مدرسۂ پاکستان کے ملازمین میں سے کسی کے گھر جا کر پناہ لوں گا، لیکن میرے ساتھ وزنی سامان تھا ایسے میں سفر بھی دشوار، میں نے سوچا کہ کیوں نہ کتابیں جتنی جمع کی ہیں، انہیں حوالہ ڈاک کردوں، چنانچہ بڑی تلاش سے پلاسٹک کے لفافے ملے جن کے لئے تقریباً ایک گھنٹہ پریشانی کے عالم میں رہا، میں نے کتابیں اٹھائیں اور جنرل پوسٹ آفس چلا گیا، جہاں وزن کروایا تو ۱۳ر کلو تھا، بیس کلو سے زیادہ نہیں بھیج سکتے، میں نے انہیں ایک مضبوط تھیلے میں سی کر حکیم صاحب کے پتے پر، لاہور روانہ کردیا اور خود ٹیکسی لے کر مدرسۂ پاکستان آ گیا، یہاں خوش قسمتی سے ضیاء الدین صاحب موجود تھے، وہ بھی ڈاکٹر محمد ریاض صاحب کے ہاں رہ رہے ہیں، انہوں نے پیش کش کی تو میں وہاں ان کے ہاں آ گیا، دوپہر کو کچھ دیر سویا رہا، پانچ بجے کے قریب ڈاکٹر صدیق شبلی صاحب بھی آ گئے، میں شام ساڑھے سات بجے دوبارہ شاہ آباد گیا اور کتاب تاریخ نظم ونثر فارسی سعید نفیسی

خریدی، ایک دکان پر اس کی قیمت ۹۰۰ ریال تھی، دوسری پر چھ سو ریال میں مل گئی، شب ساڑھے نو بجے گھر پہنچا، کھانا کھا کر رات ساڑھے دس بجے کے قریب سو گئے۔

۵ جولائی سہ شنبہ منگل صبح ناشتہ کر کے کتابخانہ مجلس شوریٰ ملی، تہران (واقع بہارستان خیابان) میں گیا، کتابخانہ کے رئیس عبدالحسین حائری ہیں، جن سے میری ملاقات دو روز قبل کتابخانہ منوچہری پر ہوئی تھی انہوں نے خود اظہار کیا کہ آپ کتابخانہ مجلس میں آئیں، اتفاق سے آج کتابخانہ کا وہ شخص جس کے پاس مخطوطات کی چابیاں ہوتی ہیں، رخصت پر تھا، میں نے اپنی کتاب "حدیقۃ الاولیاء" کا ایک نسخہ کتابخانہ کو تحفۃً دیا، حائری صاحب نے مجھے کتابخانہ کی فہرست مخطوطات جلد سوم دی اور وعدہ کیا کہ باقی جلدیں بھی مناسب قیمت پر دلوادوں گا، میں ساڑھے بارہ بجے کے قریب کتابخانہ سے نکلا اور پھر بازار کتابفروشی میں سیاحت کرنے لگا۔

"تذکرہ روضہ السلاطین" ۸ فخری ہروی مرتبہ عبدالرسول خیامپور دستیاب ہو گیا، میں پھرتے پھراتے کتابخانہ شمس میں اڑھائی بجے پہنچا تو معلوم ہوا کہ کتب خانہ دوبارہ کھلنے کا وقت پانچ بجے بعد دوپہر ہے، آخر خدا خدا کر کے پانچ بجے اور شمس صاحب نے آکر دکان کھولی تو کہا کہ ہم دکان کا اوپر والا حصہ صبح دکھاتے ہیں تاہم میرا اضطراب دیکھ کر بالائی منزل کھول دی اور میں تقریباً ساڑھے سات بجے تک اپنے موضوع کی کتابیں دیکھتا رہا، ۲۲۰۰ ریال کی کتابیں انتخاب کیں، اور انہیں صبح اٹھانے کا وعدہ کیا، میں پھر بازار کتابفروشی شاہ آباد سے ہوتے ہوئے ڈاکٹر ریاض صاحب کی منزل پر پہنچ گیا، ڈاکٹر صدیق شبلی صاحب بھی یہیں مقیم ہیں، رات یہیں پر قیام کیا، صبح ڈاکٹر شبلی صاحب نے کہا کہ آپ اپنا بندوبست کسی ہوٹل میں کر لیں، مالک مکان ہمارے ساتھ خفا ہوگا۔

۶ جولائی صبح ساڑھے سات بجے انسٹیٹیوٹ ایران و فرانس کی تلاش میں نکلا، بڑی شدید تلاش کے بعد ساڑھے نو بجے یہ جگہ ملی جہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ ادارہ اپنی کتابیں خود فروخت نہیں کرتا بلکہ دوسرے کتابفروشوں کو دے دیتا ہے، البتہ کتابخانہ انسٹیٹیوٹ کے ایک کارمند آقای ریشیان نے میری بہت مدد کی اور لائبریری دکھا کر خوش کیا، فلسفہ کے بارے میں یہاں چند اہم مخطوطات موجود ہیں، بیشتر کتابیں مسلمان

فلاسفروں کی ہیں، میں نے شیخ علاء الدولہ سمنانی 9 کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے کئی اہم نکات بتائے، کہا کہ زبان فرانسوی میں اس شخصیت پر کام ہو رہا ہےWisdom of Persia چہارم میں شیخ سمنانی کا نظریہ وحدت الشہود پر ایک اہم مقالہ انگریزی زبان میں موجود ہے، یہ جلد بازار میں میں نے بہت تلاش کی نہ مل سکی، اسی لائبریری میں ''شرح احوال وآثار سمنانی'' از مظفر صدر ۱۰ بھی موجود ہے، میں یہاں سے ساڑھے دس بجے بذریعہ ٹیکسی خیابان ناصر خسرو گیا، یہاں ہوٹل تابش میں جگہ ملنے کی توقع تھی، لیکن مایوسی ہوئی باقی کئی ہوٹلوں میں گیا لیکن ناکامی کے سوا کچھ نہ مل سکا۔

آخر پشیمان وشرمندہ اپنے سابق میزبان محمد کاظم حفیظی کے ہاں گیا، انہوں نے بتایا کہ آج صبح صاحبزادہ نوشاہی، لاہور سے تہران پہنچے ہیں، میں بہت خوش ہوا کہ اب تو ہوٹل کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

۷/جولائی میں خوشی خوشی ان کے ساتھ کار میں گھومتا رہا، تسبیحی صاحب کے سسرال کے ہاں نوشاہی صاحب کو ایک امانت پہنچانی تھی، میں وہاں ان کے ہمراہ گیا، وہاں سے ہم دانشگاہ تہران و بازار کتابفروشی میں گئے، جہاں سے میں نے ۸۰۰/ریال کی کتابیں خریدیں اور اسی کار میں بیٹھ کر میں نے ایک تفریح مقام شاہ آباد کی سیر کی، یہاں سے مالک کار کے گھر آ گئے وہاں پُر تکلف کھانا کھایا، یہاں پہلی مرتبہ اتنا عمدہ کھانا میسر آیا تھا ورنہ تہران کے معمولی ہوٹلوں سے کھانا کھا کھا کر پیٹ خاصا خراب ہو چکا ہے، کھانا کھا کر چند منٹ آرام کے لیے لیٹا ہی تھا کی علی رضا مشرقی میزبان کا صاحبزادہ نوشاہی کو فون آیا کہ ہم نے تمہارے لئے ایک جگہ کمرہ کرائے پر لے لیا ہے، لیکن ہماری شرط یہ ہے کہ آپ صرف تنہا اُس میں رہ سکتے ہیں، اپنے دوست یعنی اقبال مجددی یعنی راقم الحروف کو ہمراہ رہنے کی اجازت نہیں ہے، صاحبزادہ صاحب اس رویہ سے بہت بددل ہوئے، انہوں نے بڑا اصرار کیا کہ یہ ہمارے ساتھ رہیں گے لیکن ان کا اصرار کامیاب نہ ہو سکا، ہم دونوں اس شرط سے اتنے پریشان ہوئے کہ دونوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور واقعی یہ رویہ انسانیت کے خلاف تھا کہ تہران کے ہوٹلوں میں جگہ مطلق نہیں ملتی، ہم سوا تین بجے آب دیدہ ہو کر ایک دوسرے سے جدا ہوئے، میں کتابخانہ ظہوری میں گیا، مالک کتابخانہ نے کہا کہ بہت سی رقم لاؤ پھر اپنا گودام دکھاؤں گا، نوشاہی صاحب کے بے وفا میزبان نے وعدہ کیا تھا کہ تہران میں تین ہزار روپے بطور قرض

حسنہ دیں گے لیکن اُن کی طرف سے اب اُمید نہیں تھی، اس لئے میں نے احتیاطاً ہاتھ روک لیا اور خریداری بند کر دی، اب میرے لئے صرف ایک ہی راستہ تھا کہ میں چودھری محمد علی صاحب استاد مدرسۂ پاکستان کے گھر واقع خیابان آذربائیجان جا کر زبردستی مہمان بن جاؤں اور میں نے مجبوری کی حالت میں ایسا کیا، امید نہیں تھی کہ چودھری صاحب گھر پر مل سکیں گے، تاہم میں تلاش کرتے کرتے رات کو اُن کے گھر پہنچا، گھر میں تالا لگا ہوا تھا، میں نے دن مشکل سے کتاب فروشوں کے ہاں گزارا تھا، پریشانی تو پہلے ہی بہت زیادہ تھی، اس پر تھکان نے مزید ضعف پیدا کر دیا، میں بے حال ہو کر ان کے دروازے کے پاس زمین پر بیٹھ گیا کہ تھوڑی دیر انتظار کر لوں، یہاں پہلی مرتبہ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے، بھوک پیاس کی وجہ سے نہیں اور نہ ہی جگہ نہ ملنے کی وجہ سے بلکہ میزبان کی بے وفائی کی وجہ سے۔

اتنے میں ایک کم سن بچہ میرے پاس آیا، اُس نے اُردو میں مجھ سے بات کی، میں نے کہا کہ میں چودھری صاحب سے ملنے آیا ہوں، اس بے چارے نے چودھری صاحب کی چابی تلاش کی اور مجھے ان کے کمرے میں بٹھا دیا، میں نے نرم پلنگ دیکھا تو آنسو خشک ہو گئے، پونے نو بجے چودھری صاحب آئے، بڑے تپاک سے ملے، تو میرے پھر آنسو نکل پڑے، میں نے انہیں پریشانی بتائی تو تسلی دی اور کہا کہ تم اس گھر کو اپنا گھر سمجھو، خوب خاطر مدارت کی اور میں رات گیارہ بجے تک اُن سے باتیں کرتے کرتے سو گیا۔

۸ر جولائی جمعرات صبح چودھری صاحب کے ہمراہ افغانستان ایمبسی میں گیا تا کہ افغانستان کا ویزہ لے سکوں، ایمبسی میں جا کر بہت پریشان ہوا کیونکہ انہوں نے کہا کہ ہم صرف ٹرانزٹ ویزہ دیتے ہیں، جو تین روز کا ہوتا ہے، چودھری صاحب نے میری پریشانی دیکھ کر تسلی دی کہ نہیں! یہاں کے سیکرٹری میرے دوست ہیں، میں ان سے بات کرتا ہوں، اُنہوں نے اُن سے بات کی تو اسی وقت ایک ہفتہ کا ویزہ مل گیا جس کی افغانستان جا کر وزارت خارجہ امور سے توسیع کروائی جا سکتی ہے میں بہت خوش ہوا، یہاں سے میں چودھری صاحب کے ہمراہ بس T.B.T میں مشہد کے لئے سیٹ ریزرو کروانے آیا، سولہ جولائی بروز جمعہ کی سیٹ مل گئی، یہاں سے میں تنہا کتابخانہ ملی میں مطالعہ کے لئے آیا تو معلوم ہوا کہ بند ہو چکا ہے، پرسوں بروز ہفتہ کھلے گا، میں یہاں سے اٹھا اور کھانا کھا کر قریبی باغ کاخ گلستان میں دوپہر گزارنے کیلئے بیٹھ گیا،

یہاں سے چار بجے بعد دوپہر میوزیم میں جاؤں گا، جو کہ کتابخانہ ملی کے بالکل ساتھ ہی واقع ہے، چار بجے میوزیم میں پہنچا، ٹکٹ دوتومان کی ہے، میوزیم دیکھ کر تعجب ہوا کہ بہت مختصر سا میوزیم ہے، ایرانی قدیم تہذیب کی چند جھلکیاں نظر آئیں، افسوس کی بات ہے کہ میوزیم کی لائبریری میں ایک بھی مخطوطہ نہیں ہے، یہاں سے جلد ہی فارغ ہو کر بہارستان گیا جہاں کتابخانہ سپہ سالار واقع ہے، یہ مسجد سالار کی نہایت خوبصورت مسجد ہی میں ہے، کتابخانہ میں جا کر معلوم ہوا کہ یہ تین ماہ کے لئے بالکل بند ہے، افسوس ہے ایسی قوم پر جن کے کتب خانے تین تین ماہ بند رہیں، یہاں سے کتاب فروشی اسدی میں جھانک کر دیکھا تو اسے بھی بند پایا، قریب ہی کتابفروشی صفی علی شاہ میں بھی گیا، مدرسہ سپہ سالار کی فہرست کی جلد اول موجود تھی لیکن رقم کی کمی کی وجہ سے خرید نہ سکا، صرف تذکرہ علی حزین مطبوعہ اصفہان خریدا، صاحبزادہ عارف نوشاہی صاحب کے میزبان نے خط وکتابت کے ذریعہ وعدہ کیا تھا کہ پاکستان سے جب آپ تہران پہنچیں گے تو ہم تین ہزار روپے ادھار دیں گے، لیکن ان کے رویہ سے ایسی امید نظر نہیں آتی۔

یہاں سے جلد ہی میں شاہ آباد آ گیا، یہاں ایک دکان میں گیا تو مجموعہ سخن رانیہای فلسفہ وعرفان اسلامی ۱۱ جلد ۴ مل گئی، اس جلد کو کئی دنوں سے تلاش کر رہا تھا۔

یہاں سے میں بس نمبر ۲۳۴ میں سوار ہو کر آذربائیجان آ گیا، تھوڑی دیر کے بعد چودھری محمد علی صاحب بھی آ گئے، میں نے فون پر محمد کاظم حفیظی سے صاحبزادہ نوشاہی صاحب کی قیام گاہ کا پتہ پوچھا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کل آٹھ بجے بتانے کا وعدہ کیا، میں رات بارہ بجے سو گیا۔

۹ رجولائی جمعہ آج ایران میں عام وسرکاری تعطیل ہے، اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ سارا دن گھر میں آرام کروں اور کہیں نہ جاؤں، صبح آٹھ بجے حفیظی کو فون کیا تو انہوں نے نوشاہی صاحب کا پتہ (خوابگاہ دانشجویان خیابان ناصر خسرو کوچہ مروی) بتا دیا، اگر طبیعت کچھ بحال ہوئی تو شام کو نوشاہی صاحب سے ملنے جاؤں گا، میں نے چائے پی کر کمبل اوڑھا اور سو گیا، دوپہر کا کھانا کھا کر نماز جمعہ گھر میں ادا کی کیونکہ مدرسۂ پاکستان تک جانے کی قوت نہیں رہی تھی، میں کھانا کھا کر سو گیا اور شام ساڑھے سات بجے سید عارف نوشاہی صاحب کی تلاش میں نکلا، مذکورہ پتہ غلط تھا، ساڑھے نو بجے تک تلاش کرتا رہا، وہاں کوئی

خواب گاہ دانشجو یان نہیں تھی، دس بجے واپس آیا کھانا خود پکا کر کھایا اور رات دیر تک کتابوں کی ورق گردانی کرتا رہا۔

۱۰ر جولائی صبح جب چودھری محمد علی بیدار ہوئے تو مالک مکان کی بیوی نے چودھری صاحب پر اعتراض کیا کہ تم نے اس مہمان کو اپنے یہاں کیوں جگہ دی ہے؟ میں یہ سن کر بہت گھبرایا اور فیصلہ کیا کہ شامی صاحب کے ہاں جا کر قیام کروں، پھر خیال آیا کہ کیوں نہ مدرسہ پاکستان چلا جاؤں اور وہاں زمین پر ہی سو جاؤں، چودھری صاحب بھی متفق ہو گئے اور میں صبح ان کے ساتھ اپنا بوریا بستر یہاں سے اٹھا کر چودھری صاحب کے ہمراہ پہلے بہارستان جا کر آقای مجتبیٰ مینوی ۱۲ سے ملا بڑی شفقت سے پیش آئے، انہوں نے فوراً آقای روشنی کو فون کیا تو معلوم ہوا کہ کتابخانہ مرکزی دانشگاہ تہران بند نہیں ہوا کھلا ہوا ہے، مجھے بڑی مسرت ہوئی، آقای مینوی سے میں نے آقای روشنی کے نام تعارفی رقعہ لیا اور وہاں سے ہم پہلے تار گھر گئے پھر پُست بزرگ میں جا کر میں نے تیسرا پیکٹ کتابوں کا حکیم صاحب کے نام روانہ کیا، پھر مدرسہ پاکستان آ گیا، یہاں کی خادمہ نے میرا یہاں رہنا قبول کر لیا، میں خوش ہوا، دوپہر خدا خدا کر کے گزار کر ساڑھے چار بجے نزدیک کتاب فروشی بنگاہ ترجمہ کتاب میں گیا، مطلوبہ کتب نہ مل سکیں، واپس آیا تو خادمہ غائب تھی، دس بارہ مرتبہ بیل دی، دروازہ کھٹکایا لیکن جواب ندارد، شام ساڑھے سات بجے تک انتظار کیا، آخر خادمہ آ گئی اور میں اندر مدرسہ میں جا کر بیٹھا، کھانا بازار سے لا کر کھایا، چائے پی رہا تھا کہ خادمہ نے آ کر کہا کہ مدرسہ کی بلڈنگ کا مالک آپ کے یہاں رہنے سے اعتراض کرتا ہے، مجھ پر تو بجلی گر گئی، خدا کا نام لے کر سو گیا کہ صبح کچھ کریں گے، خدا خیر کرے۔

۱۱ر جولائی میں صبح اٹھا، منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کیا، اور چائے پی کر درود شریف پڑھتے ہوئے کتابخانہ مرکزی دانشگاہ تہران میں گیا، آقای روشنی سے ملا، بڑے اخلاق سے پیش آئے اور میں نے اپنے ایم اے کے مقالہ "تاریخ مغلیہ کے فارسی مآخذ" ۱۳ احوال وآثار عبداللہ خویشگی قصوری" ۱۴ اور "حدیقۃ الاولیا" ۱۵ کا ایک ایک نسخہ تحفۃً کتابخانہ مرکزی کی نظر کیا، آقای علی اکبر جعفری اور آقای مجتبیٰ مینوی کے سفارشی رقعات بھی پیش کیے تو کتابخانہ دیکھنے کی اجازت مل گئی، مجھے آقای شیروانی کے پاس بھیج دیا گیا کہ مخطوطات دکھانے میں

میری مدد کریں، میں دو بجے دو پہر تک مخطوطات روٹو گرافز اور مائیکروفلمز دیکھنے میں مصروف رہا، دو بجے وقت ختم ہو گیا تو آقای شیروانی نے کہا کہ میں دس روز کی رخصت پر جا رہا ہوں، آپ کل آقای روشنی سے دوبارہ ملیں تو وہ کوئی بندوبست کر دیں گے، میں یہاں سے نکل کر کوی دانش گاہ، امیر آباد میں رشید احمد صاحب سے ملنے گیا، وہ نہ ملے تو دانشگاہ کے بالمقابل کتابفروشوں کے ہاں کتابیں تلاش کرتا رہا، احوال و آثار خویش نویسان جلد سوم مہدی بیانی مل گئی، یہاں سے ہی میں نے آقای حفیظی کو فون کیا تو معلوم ہوا کہ صاحبزادہ نوشاہی صاحب مجھ سے ملنے مدرسۂ پاکستان آئے تھے لیکن ملاقات نہ معلوم کیوں نہ ہو سکی، میں تو گزشتہ شب بیقراری سے دس بجے تک اُن کا انتظار کرتا رہا تھا، آج انہوں نے کہا کہ نوشاہی صاحب پھر ساڑھے آٹھ بجے آئیں گے لیکن وہ تشریف نہیں لائے۔

۱۲ر جولائی، آج صبح غسل کیا، اور سیدھا کتابخانہ مرکزی پہنچ گیا، کوئی مزاحمت نہ ہوئی البتہ آقای شیروانی رخصت پر تھے، آقای روشنی نے ان کی جگہ آقای قاسمی کو متعین کیا، یہ صاحب بھی بڑے اخلاق سے پیش آئے اور حضرت سید محمد مراد کشمیری کے ہاتھ کی ایک تحریر کا ۱۶ عکس بھی ان کی وساطت سے کتابخانہ سے حاصل کر لیا، کتاب ''مقامات مظہری'' مع ضمیمہ شاہ عبدالغنی کا خطی نسخہ نکلوایا، کیونکہ فہرست دانشگاہ میں اس کا سرگزشت وسیرت نامہ لکھا ہوا تھا اور مولف تھے غلام علی، میں سمجھا کوئی دوسری اہم کتاب ہو گی، لیکن جب مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ تو وہی مطبوعہ ''مقامات مظہری'' ہے۔ ۱۷

کتاب ''ظواہر السرائر'' شیخ محمد عمر چمکنی ۱۸ کا مائیکروفلم لینے کی درخواست دی تو معلوم ہوا التعطیلات کی وجہ سے یہ کام ایک ماہ تک نہیں ہو سکتا، تاہم میں نے یہ کام صاحبزادہ عارف نوشاہی صاحب کے سپرد کیا ہے، دیوان حضرت وحدت سرہندی کا مائیکروفلم دیکھا، کیا خوب دیوان ہے، ۱۹ آخر میں اپنے خانوادہ عالی کے اعیان کے سنین وفات نظم کیے ہیں جو نہایت اہم ہیں، ان کے تاریخوں والے اشعار میں نے نقل کر لئے، دو بجے تک دیگر مخطوطات دیکھتا رہا، اور پھر یہاں سے اُٹھ کر بازار کتاب فروشی کی سیر کو نکلا، پانچ بجے میدان بہارستان گیا کیونکہ اتفاق سے آج کتب خانہ مرکزی میں آقای احمد منزوی ۲۰ مل گئے تو میں نے ان سے وقت لے لیا، انہوں نے آج دوپہر پانچ بجے گھر پر بلایا، میں کتابخانے سے چار بجے میدان

بہارستان کے اتوبوس میں سوار ہو کر ان کے ہاں ٹھیک پانچ بجے پہنچ گیا۔

انہوں نے بڑی مہربانی کی اور اپنی فہرست نسخہ ہای خطی کی جلد ہفتم کا مسودہ دکھایا جس میں تذکرہ ہای عرفاء کا ذکر تھا، میں نے نہایت ذوق وشوق سے تذکرہ کا سارا حصہ دیکھا لیکن افسوس کہ سلسلۂ مجددیہ کے بارے میں کسی نامعلوم یا غیر معروف ماخذ کا پتہ نہ چل سکا، میں نے رات بھر ان کے اصرار پر ان کے گھر میں قیام کیا، مجھے جہاں کہیں اس مسودۂ منزوی میں اشکال معلوم ہوئے میں نے برملا ان سے کہا تو بہت خوش ہوئے اور بیسیوں اعتراضات قبول کر لئے اور ہر جگہ میرا حوالہ دے کر اصلاح قبول کی، جو عظمت کی دلیل ہے۔

مجھے پاکستان میں محفوظ مخطوطات کے نمبر زبانی حفظ ہیں، جب میں ان کو املاء کرواتا تھا تو بہت متعجب ہوتے تھے، منزوی صاحب کا کتب خانہ بھی دیکھا اہم فہرستیں جمع کر رکھی ہیں، انہوں نے سٹوری کی کتاب ''پرشین لٹریچر'' کا روسی ترجمہ دکھایا اور بتایا کہ اس کا یہاں روسی سے فارسی میں ترجمہ ہو گیا ہے جس پر میں نظر ثانی کر رہا ہوں، اضافات و تصحیحات میری طرف سے ہوں گی، اس کی جلد اول جلد ہی چھپ جائے گی۔ ۲۱

منزوی، بزرگ تہرانی مصنف الذریعہ الی تصانیف الشیعہ کے فرزند ہیں اور فہرست سازی میں مہارت رکھتے ہیں، مختصر سا سامان دو کمرے دونوں کتابوں سے اٹے پڑے ہیں، میں رات گیارہ بجے کے قریب سو گیا اور صبح چھ بجے اٹھ کر ان کے ساتھ ناشتہ کیا اور سات بجے کتابخانہ مرکزی چلا آیا۔

۱۳ر جولائی ساڑھے آٹھ بجے صبح کتابخانہ مرکزی میں پہنچا، آقای قاسمی بڑی شفقت سے پیش آئے اور میری مطلوبہ کتب مجھے دکھائیں، ''نور ساطع'' مولف محمد مراد کشمیری خطی دیکھی تو معلوم ہوا کہ یہ شیخ محمد مراد تنگ کشمیری کی تصنیف نہیں ہے بلکہ کوئی دوسرے محمد مراد کشمیری ۲۲ ہیں ایک مخطوطہ عنایت اللہ ہندی سے منسوب تھا۔

میں نے نکلوا کر دیکھا تو مصنف کا نام کہیں نظر نہ پڑا، دو مجموعہ رسائل کا مائیکروفلم منگوا کر مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ ان میں رسالہ فالنامہ نور الدین شمس قادری لاہوری موجود نہیں ہے، یہاں فہرست ساز

مائیکروفلمز محمد تقی دانش پژوہ سے تسامح ہوا ہے، ''سلسلہ آداب طریقۂ نقشبندیہ'' ۲۳ از حضرت شاہ غلام علی دوبارہ نکلوا کر بالاستیعاب مطالعہ کیا تو پتہ چلا کہ یہ شاہ صاحب کی کوئی تصنیف نہیں ہے بلکہ معروف ومطبوع رسالہ ''ایضاح الطریقۃ'' ہے آخر وقت میں مخطوطات مدینہ منورہ (فارسی) مرتبہ عزیز اللہ عطاردی نکلوا کر دیکھی تو اس سے سلسلہ مجددیہ کے مخطوطات محفوظہ در کتابخانہ عارف حکمت ۲۴ کے نام نوٹ کر لئے، بڑے اہم مخطوطات ہیں۔

دوسری اہم فہرست مخطوطات المدینۃ المنورہ عربی مرتبہ عمر رضا کحالہ مطبوعہ قاہرہ نکلوا کر دیکھی تو اس میں مجددی سلسلہ کا کوئی مخطوطہ سرسری نظر سے معلوم نہ ہو سکا، دو بجے دوپہر کو کتاب خانہ سے چلا آیا، انتشارات بنیاد فرہنگ ایران کی چند کتابیں ایک دکان پر دیکھیں تو معلوم ہوا کہ تاریخ کے قدیم اور اہم متون بہت سے شائع ہو چکے ہیں، دکاندار سے تخفیف کی بات کی تو اس نے کہا کہ میں انتہائی طور پر ۱۰/ فیصد تخفیف دے سکتا ہوں، یہاں سے سید حامد محمد کاظم حفیظی کے ہاں آیا، ان سے کچھ رقم ادھار مانگی تو انکار کر دیا، انہوں نے شرفی سے فون پر بات کی تو انہوں نے کہا کہ میں بعد از جمعہ اپنے احباب کی مجلس بلواؤں گا تو فیصلہ ہوگا کہ رسالہ رد بہاءیت کی طباعت کے لئے رقم ابھی دی جائے یا بعد میں، یہ کام بڑا دشوار تھا کیونکہ میری سیٹ بصد مشکل بروز جمعہ ۱۶/ جولائی کی ملی تھی، چنانچہ حفیظی صاحب نے اپنے پاس سے تین سو تومان مجھے قرض دیئے جو میں نے غنیمت جان کر قبول کر لئے، ان کے ہاں ایک گھنٹہ دوپہر کو سویا رہا پھر انہیں کی کار میں بیٹھ کر خیابان نادر شاہ کے قریب اتر گیا، یہاں سے خاصا پیدل چلنے کے بعد بس ملی تو میں سید حامد رسۂ پاکستان خوابگاہ خود پہنچا، پہنچ کر اس سفر کی روداد لکھی اور رات کا معمولی کھانا کھا کر سو رہا۔

.... ۱۴/ جولائی، چہار شنبہ/ بدھ صبح ساڑھے سات بجے نہا دھو کر دفتر انتشارات بنیاد فرہنگ ایران وصال شیرازی، تہران پہنچا، درخواست دی تو انہوں نے کہا کہ آپ یہ درخواست آقای سعیدی کے پاس لے جائیں، جو یہاں سے چند قدم کے فاصلہ پر دفتر میں ہیں، میں نے انتشارات کی فہرست لی ان پر نشانات لگائے اور فہرست بنا کر ہمراہ لے گیا ان کے کمرے میں پہنچا تو وہاں پٹنہ یونیورسٹی کے استاد شرف العالم سے تعارف ہوا، انہوں نے بتایا کہ پٹنہ یونیورسٹی میں ڈاکٹر سید حسن کی نگرانی میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ

علیہ پر پی ایچ ڈی کا ایک مقالہ ظہیر الدین صاحب نے لکھا ہے، ان سے رسمی سی گفتگو رہی، اس کے بعد سعیدی صاحب آئے، انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے میری درخواست قبول کی اور پچاس فیصد تخفیف دینے کا حکم جاری کردیا، میں نے تقریباً ۶۰۰۰ ریال کی کتابیں خریدیں جو مجھے نصف قیمت پر ملیں، کتابیں اتنی زیادہ تھی کہ ان کا اٹھانا محال تھا، پھر بھی میں نے بڑی احتیاط سے رقم کی کمی کی وجہ سے بہت کم کتابیں خریدیں، ابھی کتابوں کا انتخاب کر رہا تھا کہ ڈاکٹر صدیق شبلی آگئے، انہوں نے بھی چند کتابیں خریدیں اور ٹیکسی کا انتظام کیا، میں بذریعہ ٹیکسی جی پی او (پست خانہ بزرگ) پہنچا، وہاں کتابیں پیک کیں ایک بڑا پارسل ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب کے پتہ پر اور دوسرا حکیم محمد موسیٰ صاحب کے پتے پر روانہ کیا، ساڑھے گیارہ بجے بھاگتے ہوئے کتابخانہ ملی میں پہنچا، یہاں درخواست دی تو ایک گھنٹہ کی تگ ودود کے بعد کچھ کتابیں تحفتہً مل گئیں، جن میں سے فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانہ ملی جلد سوم چہام، پنجم، ششم اہم ہیں، میں نے دو گھنٹے مزید کتابخانہ ملی میں کام کیا، کتاب شرح احوال وآثار حضرت علاء الدولہ سمنانی نکلوا کر پڑھی اور چند اقتباسات لئے، اور یہ بنڈل اُٹھا کر سیدھا دوبارہ ڈاک خانہ گیا اور ڈاکٹر ظہور الدین صاحب کے پتے پر روانہ کر دیا، یہاں سے کتب فروشان بالمقابل دانشگاہ آیا، اور اٹلس خط، رسالہ قدسیہ حضرت پارسا خریدا اور چودھری محمد علی کے گھر گیا، وہ اتفاق سے مل گئے، مجھے ان کے ہمراہ ایک ڈنرسیٹ خریدنا تھا، بڑی مشکل تھی، میرے پاس رقم فقط چند کتابیں خریدنے کی ہی تھیں، تاہم میں نے ان کے ہمراہ جا کر ۱۰۰ ریال کا ڈنرسیٹ خریدا اور بذریعہ بس رات سوانو بجے مدرسۂ پاکستان پہنچ گیا اور کھانا کھا کر سو رہا۔

۱۵ر جولائی جمعرات، صبح آٹھ بجے کتابخانہ سلطنتی کاخ گلستان قسمت شرقی تہران کے لئے روانہ ہوا، بصد مشکل جہاں تک بذریعہ اتوبوس پہنچا، تو وہاں جا کر بڑی مایوسی ہوئی، کتب خانہ تعطیلات گرمی کی وجہ سے اگست تک بند رہے گا، میں نے کتابخانہ کے اسسٹنٹ مدیر سے درخواست کی تو انہوں نے کہا کہ تعطیلات میں ہم کتابیں نہیں دکھاتے بلکہ بڑا غیر علمی سا جواب دیا کہ ہمارے پاس بہترین قدیم مخطوطات ہیں، ہم کسی کو مطالعہ تو درکنار ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتے، موصوف کیٹلاگ کا مفہوم بھی نہیں سمجھتے تھے، انگریزی کے تین چار فقرات تو درکنار الفاظ بھی صحیح نہیں بول سکتے تھے، میں نے کہا کہ میں کتابخانہ کی

انتشارات خریدنا چاہتا ہوں اس کے لئے میں نے لفظ perchase استعمال کیا اس لفظ کے معنی سمجھنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ آپ پبلک لائبریری میں جا کر مطالعہ کریں، پھر میں نے فارسی میں بات کی تو کہا کہ ہم اپنی کتابیں فروخت نہیں کرتے، تحفۃً دیتے ہیں تو میں نے کہا کہ میں نے اس مقصد کے لئے درخواست لکھی ہے، جب درخواست دیکھی تو کہا کہ تم درخواست کو ایمبسی سے منظور کروا کر لاؤ، میرے پاس صرف آج کا دن ہے، تاہم انہوں نے وعدہ کیا کہ ہم آپ کو بذریعہ ڈاک یہ کتابیں پاکستان بھیج دیں گے، میں آج بہت شدید تھکا ہوا تھا، بدن کا ہر حصہ ٹوٹ رہا تھا، بڑی مشکل سے وہاں سے بس پر سوار ہو کر کتابفروشان بالمقابل دانشگاہ پہنچا، وہاں سے تذکرہ منتخب اللطائف از ایمان مرتبہ جلال نائنی خریدا اور سیدھا مدرسۂ پاکستان چلا آیا، آگے یہاں آکر معلوم ہوا کہ میٹنگ ہے، میں سخت بیمار تھا، مجبوراً دوسرے کمرے میں بیٹھا رہا، جب میٹنگ نے طول کھینچا تو میں نے معذرت کرتے ہوئے دوسرے کمرے میں جا کر پناہ لی، تین بجے ذرا آنکھ لگی ہی تھی کہ طاہر جاوید صاحب اپنا ڈنر سیٹ لے کر آ گئے کہ اس کابل پہنچا دو، طبیعت بڑی بدمزہ ہوئی، چھ بجے قبل از شام غسل کیا اور رات اور صبح کا کھانا خرید کر لے آیا، کیوں کہ صبح تقریباً چھ بجے یہاں سے بس پر مشہد جانے کے لئے روانہ ہو جانا ہے، اور اس وقت کوئی دکان کھلی نہیں ہوتی، رات کھانا کھا کر جلدی سو گیا۔

۱۶ر جولائی جمعہ صبح ساڑھے چھ بجے مدرسۂ پاکستان سے ناشتہ کر کے T.B.T. بس کے اڈے پر آ گیا، ساڑھے سات بجے سامان بس میں رکھا گیا اور سوا آٹھ بجے بس مشہد کے لئے روانہ ہوئی، آج صبح خلاف معمول گھبراہٹ اور بے چینی بہت زیادہ تھی، وقت گزارنے کے لئے کتاب ''رسالہ قدسیہ'' کا مطالعہ کرنا چاہا لیکن نہ کر سکا، بس سارا دن چلتی رہی اور رات ایک بجے اس نے مشہد پہنچا دیا، اس وقت کسی مسافر خانہ کی تلاش ممکن نہیں تھی، زیادہ مسافر اسی بس اسٹینڈ پر ہی سو رہے، میں بھی لیٹ گیا، رات بس میں دس بجے کمر کا درد شروع ہو گیا تھا جو بڑھتے بڑھتے شدت اختیار کر گیا۔

۱۷ر جولائی، صبح تو بالکل بھی حرکت نہیں کی جاتی تھی، تاہم ہمت کر کے سامان سڑک پر رکھا اور ٹیکسی مل گئی، میں اپنے قیام اول خیابان نخرسی آ گیا، یہاں آکر مسافر خانہ کمال شہسوار میں آ گیا تو انہوں نے

صاف انکار کر دیا کہ ہمارے پاس جگہ نہیں ہے، خیر سامان یہیں رکھا اور دو تین دوسرے ہوٹل تلاش کیے، بصد مشکل ایک ہوٹل میں ایک کمرہ ملا جہاں سونے کے لئے چارپائیاں نہیں تھیں، بلکہ مسافر اپنے بستر پر زمین پر سوتے تھے، کرایہ بھی بے پناہ حد تک ظالمانہ تھا، یعنی ایک روز کا ۲۰۰ ریال، مجبوراً یہیں قیام کیا، ایک ڈیڑھ گھنٹہ آرام کر کے سیدھا کتابخانہ آستانہ قدس رضوی میں آ گیا، لائبریرین بڑے اخلاق سے ملا اور کتاب ''کلمات الصادقین'' دکھائی، جب میں نے اس کی مائیکروفلم کی درخواست کی تو کہا کہ ہمارا فوٹوگرافر چھٹی پر ہے، ہم اس کے فوٹو بنا کر آپ کو بھیج دیں گے، مکتوبات حضرت مجدد کے خطی نسخہ کا نمبر لکھ کر دیا تو معلوم ہوا کہ یہ نسخہ عکس برداری کے لئے دوسرے دفتر میں گیا تھا، لیکن تا حال واپس نہیں آیا، میں کتب خانہ سے اٹھ کر حضرت شاہ علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کے لئے گیا، مزار نہایت حسن وخوبی سے سجایا گیا تھا، مزار پر جا کر عجب کیفیت ہوئی، ہیبت وجلال کی وجہ سے آنسو نکل پڑے اور فاتحہ خوانی کے بعد بذریعہ ٹیکسی خیابان پہلوی بنک مرکزی ملی میں گیا اور دس ڈالر کا چیک کیش کروایا، تاکہ مشہد کے بازاروں میں کتابفروشوں ں کے ہاں سے کوئی اہم کتاب مل جائے تو خرید سکوں، اس دوران کمر کا درد شدت اختیار کرتا چلا گیا، حتیٰ کہ بارہ بجے کے بعد مزید حرکت ناممکن ہو گئی، میں نے وہیں سے ٹیکسی لی، چند دکانیں بصد مشکل دیکھیں تو معلوم ہوا کہ یہاں کتابوں کا کاروبار خاصا سرد ہے، میری مطلوبہ کتابوں میں سے کوئی کتاب نہ مل سکی۔

واپس آیا تو لیٹنا محال تھا، کمرے میں شدید گرمی تھی، پنکھا بھی نہیں تھا، دوپہر گزارنا نہایت مشکل ہو گیا، تاہم نصف گھنٹہ اونگھتا رہا، مکھیوں کی وجہ سے مزید بے چینی ہو گئی، الحمدللہ نصف دوپہر پانچ بجے کے قریب کمر کے درد میں قدرے کمی واقع ہو گئی ہے، اور اس وقت لیٹ کر لکھ رہا ہوں، باڈر تائباد کے لئے سیٹ ریزو کروانے گیا تو مالک نے کہا کہ شام پانچ بجے آنا ریزرو کر دیں گے، بہر طور سیٹ ریزرو ہو گئی اور میں قدرے اطمینان کے ساتھ ہوٹل میں جا کر سو گیا، رات تین بجے اٹھا تو کمر کا درد اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا، آدھا گھنٹہ کے بعد پھر سو گیا۔

۱۸ر جولائی، ہفتہ صبح چار بجے بیدار ہو کر نماز پڑھی، سامان درست کیا اور ایک مزدور کو بلا کر سامان

خاور تور کے اڈے پر لے گیا، جونہی اڈے کے آفس میں پہنچا تو سابقہ رفیق سفر میاں زاہد الرحمٰن صاحب وہاں تشریف فرما تھے، جب انہوں نے بتایا کہ وہ بھی واپس، کابل جا رہے ہیں تو میرا سارا غم و پریشانی یک لخت اطمینان اور خوشی میں تبدیل ہوگئی، ہم دونوں نے ٹکٹ لیا اور سات بجے کی بس کے ذریعہ ایران کے بارڈر پر ساڑھے گیارہ بجے پہنچ گئے، یہاں سے جلدی فارغ ہوگئے اور اس کے بعد سامان اٹھا کر افغانستان کے باڈر میں داخل ہونے کے لئے افغان بسوں پر آئے، منی بس تھی بہت بے کار سی، دو گھنٹے سامان باندھنے میں لگائے اور پھر افغان باڈر اسلام قلعہ پر آگئے، یہاں کام انتہائی سست تھا، طبیعت بہت مکدر ہوئی ساڑھے چھ بجے ہماری بے کار بس دھکوں کا سہارا لیتے ہوئے چلی، چند منٹوں کا فاصلہ چار گھنٹوں میں طے ہوا، میرا پروگرام تھا کہ تین چار بجے ہرات پہنچ کر ہرات میوزیم دیکھیں گے اور پھر کتابوں کی دکانوں کی سیاحت کروں گا لیکن اب تو ہوٹل میں جگہ ملنا اور صبح کی بس برائے کابل کے لئے ٹکٹ ملنا بھی ناممکن نظر آرہا تھا، خیر خدا نے مدد کی، میاں زاہد الرحمٰن صاحب نے عجلت سے ہوٹل مہمند میں ایک کمرہ لیا اور وہاں سامان ڈال کر صبح کی بس کی ٹکٹوں کے لئے نکلے تو معلوم ہوا کہ صبح کے لئے کسی بھی بس میں جگہ نہیں ہے، مجبوراً ہرات بس سے سہ پہر تین بجے کی دو ٹکٹیں لے کر قادری بس کے آفس کے سامنے آئے تو اس نے خوشخبری سنائی کہ ہمارے یہاں صبح کے لئے دو نشستوں کی گنجائش ہے، میں فوراً ٹکٹیں لے کر ہرات بس کے آفس میں گیا، خدا کی مدد سے وہ ٹکٹیں واپس ہوگئیں اور ہم نے انہیں پیسوں سے قادری بس سے صبح کی ٹکٹیں خریدیں، کھانا کھایا اور رات ایک بجے سو گئے، صبح تین بجے پھر اُٹھ پڑے کیوں کہ بس صبح چار بجے یہاں سے روانہ ہونا تھا، سامان لیتے ہوئے بس سٹاپ پر آگئے اور بس میں بیٹھ کر خدا کا شکر ادا کیا۔

۱۹/ جولائی، بس قادری ہرات سے چار بجے صبح چل پڑی ایک بجے قندھار میں چند منٹ ٹھہری اور پھر وہاں سے کابل کے لئے روانہ ہوئے، خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ زود رفتار بس ساڑھے چھ بجے کابل پہنچے گی، لیکن یہ ساڑھے آٹھ بجے شب کابل پہنچی، خدا کا شکر ہے کہ اتنا لمبا سفر خیر و عافیت سے طے ہو گیا۔

میں نے بس سے اترتے ہی خانقاہ مجددیہ قلعہ جواد کے لئے ٹیکسی لی اور چند منٹوں میں یہاں پہنچ گیا،

حضرت آغا یعقوب جان مجددی سے ملاقات کی اور رات کو یہیں سو گیا، آغا صاحب نے کہا کہ تاحال پاکستانیوں کو کسی افغانی کے ہاں رہنے کی اجازت نہیں ہے، جس سے میں مزید پریشان ہوا، خیر رات کو نیند خوب آئی۔

۲۰ رجولائی، صبح ساڑھے آٹھ بجے آغا یعقوب جان تشریف لائے، انہوں نے کہا کہ تم کابل پولیس میں جا کر اپنا نام درج کرواؤ اور معلوم کرو کہ پاکستانیوں پر لگائی گئی پابندیاں ختم کردی گئی ہیں یا نہیں؟ انہوں نے خوشخبری سنائی کہ حضرت ضیاء المشائخ محمد ابراہیم مجددی مدظلہ نے کل صبح نو بجے کتب خانہ دکھانے کا وقت دیا ہے۔

میں یہاں سے سیدھا پولیس آفس میں گیا، وہاں جا کر معلوم ہوا کہ کسی قسم کے اندراج کی ضرورت نہیں اور پاکستانیون پر لگائی گئی تمام پابندیاں ختم کردی گئی ہیں، میں نے خداتعالیٰ کا شکر ادا کیا، یہاں سے وزارت خارجہ مین گیا تاکہ ویزا میں توسیع کرواسکوں، انہوں نے کہا کہ تم سفارت پاکستان سے توسیع کے لئے ایک خط لے آؤ تو ہم توسیع کردیں گے، میں یہاں سے سیدھا سفارت خانہ پاکستان آیا تو معلوم ہوا کہ ٹرانزٹ ویزا میں توسیع نہیں ہوتی، میں پریشانی کے عالم میں یہاں سے نکل کر بنک ملی گیا، وہاں جا کر ایک ہزار ریال ٹریول چیکس کیش کروائے اور دوبارہ سفارت خانہ پاکستان گیا تو ایک نیک آدمی جو وہاں کام کرتا تھا ملا، اس اس نے سفارش کر کے میری درخواست توسیع فائل میں رکھوادی اور کہا کہ تم کل ایک بجے دوپہر کو آنا، لیٹرمل جائے گا۔

میں وہاں سے پبلک لائبریری آیا تو معلوم ہوا کہ یہ بارہ بجے بند ہو جاتی ہے، یہاں سے مسجد چوب فروشی میں بازار کتاب فروشی تک پیدل گیا، ایک دکان پر ''لمحات من نفحات القدس'' ۲۵ مطبوعہ تاشکند ۱۳۲۷ھ دیکھی، قیمت معلوم کی تو اس نے ۱۲۰۰ر افغانی بتائی، میں بددل ہو کر چھوڑ آیا اور حاجی بہادر خان کی دکان پر چلا گیا، وہاں میں نے دن بھر کتابیں دیکھیں اور بہت قیمتی کتابیں انتخاب کیں جن میں تین ہزار افغانی روپے کی ایک کتاب فصل الخطاب از خواجہ محمد یار مطبوعہ بخارا ۲۶ بھی شامل ہے، ان کتابوں کی مجموعی قیمت پاکستانی سکہ ۱۲۸۰ر روپے ہے، لاہور سے چلتے وقت حضرت فضل الرحمٰن مجددی صاحب ۲۷

نے حاجی بہادر خان صاحب کے نام رقعہ دیا تھا کہ حامل رقعہ جتنی بھی کتابیں آپ سے خریدے ان کی ادائیگی پاکستان میں کی جائے گی، یہ رقعہ حاجی صاحب کو دیا تو انہوں نے سرآنکھوں سے لگایا اور فوراً کتابیں میرے حوالے کردیں، بلااصرار کہا کہ تم آج رات ہمارے ہاں مہمان رہو، میں نے قبول کرلیا، شام آٹھ بجے میں اُن کے ہمراہ اُن کے گھر آیا، گھر پورا محل تھا، خوب پرتکلف دعوت تھی، جب سے سفر پر نکلا ہوں آج پیٹ بھر کر کھانا کھایا، رات دس بجے تک ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے اور صبح نماز پڑھ کر لیٹ گیا۔

۲۱ر جولائی، صبح آٹھ بجے میں حاجی بہادر خان صاحب کے گھر سے جی ٹی ایس میں سیٹ کی ریزرویشن کے لئے گیا تو مایوسی ہوئی کہ ۲۴ر جولائی کو کوئی جگہ نہیں ہے، انہوں نے مشورہ دیا کہ افغان بس میں ریزرو کرواؤ، تاہم میں نے کل تک مزید انتظار کی غرض سے یہ کام ملتوی کردیا۔

یہاں سے میں تقریباً نو بجے صبح حضرت ضیاء المشائخ مجددی سے ملنے کے لئے خانقاہ شریف میں واپس آگیا اور مہمان خانہ میں بیٹھ کر پیغام بھیجا، دس بجے تک کوئی جواب نہیں آیا، بارہ بجے تک شدید زحمت اور کرب کے عالم میں انتظار کرتا رہا، اس دوران تین خط بھی ارسال کئے لیکن بارہ بجے کے قریب جواب ملا کہ ہمیں اس وقت فرصت نہیں ہے بعد دوپہر چار بجے آؤ۔

میں وہاں سے ایک بجے دوپہر سفارتخانہ پاکستان میں گیا، وہاں چند منٹ کے بعد ویزے کی توسیع کے لئے اجازت نامہ مل گیا، جسے میں لے کر وزارت خارجہ، کابل میں گیا، انہوں نے نہایت مہربانی کرتے ہوئے دو ہفتہ کی توسیع کے لئے خط بنادیا، جسے میں لے کر وزارت داخلہ، کابل میں گیا، انہوں نے بھی چند منٹ میں فارغ کردیا، جب میں یہ خطوط لے کر کمندانی پہنچا تو انہوں نے خط اور پاسپورٹ رکھتے ہوئے کہا کہ کل صبح آئیں، میں یہاں سے سیدھا خانقاہ مجددیہ میں حضرت ضیاء المشائخ سے ملاقات کے لئے چار بجے پہنچ گیا۔

حضرت سے ملاقات وزیارت کا شرف حاصل ہوگیا، الحمدللہ! کیا خوب بزرگ انسان ہیں، بہت مہربانی فرماتے ہوئے آٹھ کتابیں خطی متعلقہ بہ سلسلہ مجددیہ اور دو کتابیں مطبوعہ برائے مطالعہ دیں جنہیں میں لے کر اپنے کمرے میں آگیا، باقی میں نے تقریباً پندرہ سوالات حضرات مجددیہ کی تاریخ کے بارے

میں کئے لیکن جواب تسلی بخش نہ مل سکے، حضرت نے بتایا کہ میوزیم بلخ (بر مزار شریف حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کے کتب خانہ میں حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی کے دس رسائل ۲۸ کا مجموعہ ہے، میں شب دیر تک یہ مخطوطات دیکھتا رہا اور اقتباسات لیتا رہا، ان میں دو رسائل ایسے ہیں جن کے میں ناموں تک سے واقف نہیں تھا، رات دس بجے کے قریب سو گیا۔

۲۲ر جولائی، جمعرات صبح آٹھ بجے کندائی پہنچا تو انہوں نے صرف ایک ہفتہ کی توسیع کی، گویا اب مجھے افغانستان ۲۹ر جولائی کو چھوڑنا ہوگا، یہاں سے سید حاجی ٹی ایس میں گیا تو اس نے وعدہ کر لیا کہ میں ۲۹ر جولائی کے لئے سیٹ دے دوں گا لیکن ٹکٹ نہیں دیا کہ پرسوں آؤ تو صورت حال معلوم ہوگی، یہاں سے پیدل چلتا ہوا کتابخانہ عمومی تک آیا جہاں محمد عمر صدیقی صاحب سے ملا، انہوں نے کتابخانہ خطی وزارت اطلاعات کلتوری میں میرا تعارف کروایا، جس سے مجھے اُن لوگوں سے ملنے میں آسانی ہوگئی، جب یہاں پہنچا تو عجب حال پایا، کسی کو مخطوطات کی تلاش کر کے لانے میں مہارت ہی نہیں ہے اور نہ ہی مخطوطات کی ترتیب سے رکھے ہوئے ہیں، یہاں وزارت کلتورہ کے علاوہ کابل میوزیم اور کتابخانہ مطبوعات کے مخطوطات بھی جمع کر کے یکجا کر دیئے گئے ہیں، اس طرح بہت سہولت ہوگئی ہے، آج کتب خانہ صرف بارہ بجے تک تھا، یہاں سے میں بازار کتابفروشی میں گیا، وہاں سے کتاب ''مزاراتِ کابل'' ۲۹ خریدی اور ایک دوسری دکان سے معلوم ہوا کہ اس کے پاس کتاب ''تحفۃ الزائرین'' ۳۰ (مزاراتِ بخارا) طبع بخارا بھی ہے، اس نے کل یہ کتاب گھر سے لانے کا وعدہ کیا، میں یہاں سے تین بجے کے قریب خانقاہ مجددیہ میں واپس آگیا، کمر کا درد شدت اختیار کر گیا تھا، ابھی لیٹے ہوئے ایک گھنٹہ ہوا کہ حضرت ضیاء المشائخ نے بلایا اور مکتوبات حضرت مجدد کا نسخہ دکھایا، جس پر حضرت خواجہ محمد معصوم نے اپنے ہاتھ سے تصحیح فرمائی ۳۱ ہے، ایک صفحہ پر حاجی عاشور بخاری ومرتب مکتوبات معصومیہ اور حضرت صاحبزادہ محمد یحییٰ بن حضرت مجدد کے دستخط ثبت ہیں، یہ نسخہ بہت قیمتی ہے۔

حضرت خواجہ عبدالباقی کابلی ۳۲ بن خواجہ صفی اللہ کی اصل مہر بھی حضرت ضیاء المشائخ نے دکھائی، جو انہوں نے میری فائل پر اپنے ہاتھ سے ثبت کی، میں حضرت سے رخصت لے کر مہمان خانہ میں آگیا اور

رات جلد سوگیا تاکہ باقی دن اور کل کی رات مکمل آرام کرسکوں۔

۲۳/جولائی، جمعہ، آج پھر خانقاہ شریف میں آرام کیا، کیونکہ کمر کا درد بہت شدید تھا، کوئی دوائی میسر نہ آسکی، آغا یعقوب جان صاحب سے اور دیگر صاحبزادوں سے بار بار درخواست کے باوجود دوائی نہ مل سکی، شام کے قریب درد میں کچھ افاقہ ہوا اور میں نے اطمینان کا سانس لیا، اس طرح خدا خدا کر کے دن کٹا اور رات پھر سویا رہا۔

۲۴/جولائی، ہفتہ، آج صبح جی ٹی ایس سے ۲۹/جولائی کا ٹکٹ لیا کہ واپس پاکستان جاسکوں، اس کے فوراً بعد دو رسالوں ۳۳ کے فوٹوسٹیٹ بنوانے کے لئے ایک دکان پر گیا، بہت طویل تکرار کے بعد دکاندار ۱۲/افغانی فی ورق کی اجرت پر آمادہ ہوا، اس طرح چھ سو افغانی میں دو چھوٹے رسالوں کی فوٹوسٹیٹ بن سکیں، یہاں سے سیدھا وزارت اطلاعات وکلتور جا کر وہاں کے کتب خانہ سے استفادہ کے لئے درخواست دی تو انہوں نے کہا کہ آپ کل آئیں، بہت مایوسی ہوئی، یہاں سے انجمن تاریخ کابل کے سیل ڈپو میں گیا، وہاں ان کی انتشارات کی فہرست طلب کی تو معلوم ہوا کہ بہت سی اہم کتابیں چھپ کر ختم ہوچکی ہیں، دو بجے کے قریب بازار کتابفروشی سے "تحفۃ الزائرین" (احوال مزاراتِ بخارا) اور مزاراتِ ہرات ۳۴ دو کتابیں خریدیں اور کابل یونیورسٹی چلا گیا، فاکولتا ادبیات میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ سیل ڈپو کے انچارج صاحب صبح آٹھ بجے تا بارہ بجے ملتے ہیں، پروفیسر عبدالشکور شاد صاحب کا پوچھا تو ان کا بھی یہی وقت بتایا گیا، ناکام واپس آگیا، یہاں سے سیدھا خانقاہ شریف بذریعہ ٹیکسی واپس آیا تو آتے ہی حافظ محمد یوسف سدیدی ۳۵ خطاط نامدار پاکستان وحافظ خورشید خطاط پاکستان وصاحبزادہ امیر الدین احمد، لاہور سے تشریف لاچکے تھے، ان سے مل کر بڑی خوشی ہوئی، بڑی دیر تک باتیں ہوتی رہیں، ہم شب دس بجے سوگئے۔

۲۵/جولائی صبح ساڑھے آٹھ بجے ناشتہ کر کے خانقاہ شریف سے نکلا، وزارت اطلاعات وکلتور، کابل کے کتابخانہ خطی سے استفادہ کی اجازت مل گئی، صبح نو بجے سے ساڑھے تین بجے دوپہر تک مسلسل مخطوطات سے استفادہ کرتا رہا، بورکوی کی فہرست مخطوطات افغانستان ۳۶ دیکھ کر آیا تھا، ایسے بے شمار نمبر درج کئے تھے، جب اصل مخطوطات منگوا کر دیکھے تو فہرست ساز بورکوی کے مبلغ علم پر بہت افسوس ہوا، ایک

مخطوطہ جو میری توجہ کا مرکز تھا، وہ ترجمہ فتوح الغیب حضرت مجدد الف ثانی، جب مخطوطہ منگوایا تو حقیقت حال منکشف ہوئی کہ یہ کوئی دوسرے احمد سرہندی مجددی ۳۷ ہیں جنہوں نے اپنے حرمین الشریفین کے سفر کے دوران سندھ میں باہویں صدی ہجری کو یہ شرح تالیف کی ہے، اس طرح بیسوں عجائبات سامنے آئے، بالکل اسی قسم کے اغلاط ایران کے فہرست ساز حضرات نے کئے ہیں، دراصل یہ فہارس رہنمائی کرنے کی بجائے غلط راہ پر ڈالتی ہیں، یہاں سے کتابفروشی بہمن میں گیا، وہاں پر بھی مطلوبہ کتابیں نہ مل سکیں، جب انتشارات انجمن تاریخ، کابل سے قیمت معلوم کی تو پتہ چلا کہ یہ دکاندار نہایت گراں فروش ہے، انجمن کے سیل ڈپو سے جس کتاب کی قیمت ۶۰ /افغانی ہے تو یہ دکاندار ۳۰۰ /افغانی مانگتا ہے، اسی طرح دیگر کتابوں کی قیمت دس گنا لیتا ہے یہاں سے میں بذریعہ ٹیکسی خانقاہ مجددیہ میں واپس آیا کہ شاید مکتوبات حضرت امام ربانی کے نسخہ خصوصی کے اوراق کے فوٹوسٹیٹ کا بندوبست ہو جائے، لیکن یہاں بھی کچھ نہ بن سکا، یہ حضرات نہایت مصروف ہیں، میں نے آغا یعقوب جان مجددی صاحب سے کچھ رقم بطور قرض حسنہ درخواست کی تھی، انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ بروز اتوار کچھ پیسے دیں گے، لیکن رات دس بجے تک مسلسل کوشش کے باوجود صرف ۱۵۰۰ /افغانی اُن سے ادھار مل سکے، دیگر دوستانِ پاکستانی رات دیر تک اپنی رقم کا حساب کرتے رہے، جس کی وجہ سے مجھے نیند نہ آئی اور طبیعت بوجھل ہے۔

۲۶ /جولائی، صبح تین بجے بیدار ہوا، کیونکہ آج مجھے کتابیں خریدنے کے لئے قندھار جانا ہے، بس سٹاپ چار بجے پہنچا، بس پانچ بجے صبح روانہ ہوئی، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بخیر وعافیت رواں دواں ہے، ساڑھے گیارہ بجے بس قندھار پہنچی، میں نے اترتے ہی کل صبح کابل کے لئے قادری بس سے سیٹ ریزرو کروائی اور رکشہ لے کر سیدھا حاجی عبدالغنی ۳۸ قندھاری کتابفروش کی دکان واقع ارک بازار، قندھار پہنچا، خوش قسمتی سے حاجی صاحب موجود تھے، مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے، میرے خط کا ذکر کیا کہ مجھے مل گیا ہے، انہوں نے کہا کہ میرا ذاتی کتب خانہ اتنی خراب حالت میں ہے کہ دیکھنے کے قابل نہیں، میں نے منت سماجت کی لیکن وہ نہ مانے اور کہا کہ میں اس دکان کے اوپر ایک کمرہ بناؤں گا اور ترتیب سے کتابیں رکھنے کے بعد دکھاؤں گا، میں بہت آزردہ ہوا، خیر ان کی دکان سے بھی کوئی نقشبندی سلسلہ کی کتاب

دستیاب نہ ہوسکی، میں نے یہ چند کتابیں اُن سے خریدیں:

(۱) حدود العالم　　(۲) خطاطین ہرات　　(۳) مزاراتِ قندھار

(۴) نمونہ ہای خطوط خوش　　(۵) کتبہ ہای ہرات [۳۹]

انہوں نے بتایا کہ قندھار میں حضرت میاں فقیر اللہ علوی شکار پوری کے ایک خلیفہ ملا فرخ [۴۰] کا مزار ہے اس کے موجودہ سجادہ نشین کے پاس حضرت میاں صاحب کی بہت سی تصانیف ہیں، میں نے اشتیاق ظاہر کیا کہ میں دیکھنا چاہتا ہوں، وہ میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہوگئے، لیکن جب انہوں نے ایک آدمی بھیج کر معلوم کروایا کہ وہ آدمی ہے یا نہیں تو جواب نفی میں ملا، مایوسی ہوئی، پھر انہوں نے کہا کہ ایک شخص کے پاس حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل کا مجموعہ ہے تو میں نے درخواست کی کہ اس کا پتہ بتائیں، انہوں نے بتایا کہ حاجی علی اللہ صاحب دکاندار سرائے جدید حاجی عطا جان قندھاری کے پاس ہیں، میں فوراً وہاں گیا تو پتہ چلا کہ وہ رسائل ان سے مولانا زوار حسین صاحب [۴۱] آف کراچی نے مستعار لئے ہوئے ہیں، بہرطور انہوں نے بتایا کہ ان میں دو رسائل اہم تھے، ایک ''مواہب القیوم فی تائید احمد ومعصوم'' [۴۲] دوسرا ''حجۃ الحق فی دفع اعتراضات شیخ عبدالحق'' [۴۳] مجھے بہت خوشی ہوئی، اگرچہ میرے پاس ان کے فوٹو سٹیٹ پہلے سے موجود تھے، تاہم میں نے ان سے درخواست کی کہ آپ مجھے ایک اجازت نامہ لکھ دیں کہ مولانا زوار صاحب ان کے فوٹو سٹیٹ مجھے بھیج دیں، انہوں نے بخوشی اجازت نامہ لکھ دیا، شام کو حاجی عبدالغنی کی دکان سے کتابیں اٹھائیں اور ہوٹل میوند میں رات گزارنے کے لئے چلا گیا، ہوٹل میں شدید گرمی تھی، رات بھر نیند نہ آئی۔

۲۷ر جولائی، صبح ساڑھے تین بجے اٹھا منہ ہاتھ دھوکر ناشتہ کیا اور بس میں سوار ہونے کے لئے چل پڑا، بس ہوٹل کے پاس نیچے سے چلتی ہے۔

بس صبح کابل کے لئے پانچ بجے روانہ ہوئی، ساڑھے گیارہ بجے کابل پہنچے، راستے میں حضرت سلطان محمود غزنوی کا مزار غزنی میں نظر آیا تو میں بس میں احتراماً کھڑا ہوگیا اور فاتحہ پڑھی، یہاں سے سیدھا وزارت اطلاعات وکلتور گیا تا کہ کتابیں افغانستان سے پاکستان لے جانے کے لئے اجازت نامہ حاصل کر

لوں، چار بجے فارغ ہوا، انجمن تاریخ کابل جو اسی وزارت میں واقع ہے کے کارمند جناب فقیر محمد خیر خواہ مدیر مجلہ آریانا نے یہ اجازت نامہ حاصل کرنے میں بڑی مدد کی اور انجمن کے ایک اور کارمند آقای احدی نے بڑی پر مغز گفتگو کی، انہوں نے کہا کہ وہ تاشکند یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کر کے آئے ہیں، مقالہ کا موضوع ''مجمع الغرائب'' ۴۴ کی تصحیح وحواشی ومقدمہ ہے۔

میں خاصا تھک گیا تھا، انجمن سے کتابیں خریدنے کے فوراً بعد خانقاہ شریفہ مجددیہ قلعہ جواد چلا گیا، یہاں پہنچنے کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت ضیاء المشائخ کہیں جنازے کے ساتھ گئے ہیں، میں مجبوراً شام کو جلدی آرام کے لئے لیٹ گیا، فکر تھی کہ مکتوبات حضرت امام ربانی نسخہ خاص مکتوبہ ۱۰۷۷ھ بخط ملا روح اللہ مع دستخط حضرت محمد یحیٰ بن حضرت مجدد کے چند اوراق کا فوٹو کیسے ملے گا، رات جلد سو گیا۔

۲۸ رجولائی، صبح کمندانی گیا تا کہ خروج حاصل کر سکوں، انہوں نے بتایا کہ آپ کے لئے خروج لازم نہیں ہے، میں یہاں سے واپس وزارت اطلاعات آیا، خیر خواہ صاحب سے ملا اور اجازت لی کہ صبح میں لاہور جا رہا ہوں، انہوں نے وعدہ لیا کہ تم مجلہ آریانا کے لئے مقالات روانہ کرتے رہو گے۔

میں یہاں سے بذریعہ بس کابل یونیورسٹی پہنچا تھا فاکولتہ ادبیات میں گیا تا کہ پروفیسر عبدالشکور رشاد سے ملاقات ہو سکے، رشاد صاحب آج نہیں آئے تھے، میں یہاں یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری میں گیا، وہاں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کام کرتا رہا، دو مخطوطات نکلوا کر دیکھے، ''تحفۃ الرضائیہ'' از شیخ محمد رضا بن محمد صالح لاہوری ۴۵ (عربی) دوسرا ''خلاصۃ المعارف'' ۴۶ از حضرت شیخ آدم بنوڑی، لائبریری کے چیئرمین نے بڑی شفقت کی اور پشتو کی قلمی کتابوں کی ایک فہرست اور باقی چار فہرستیں یونیورسٹی ۴۷ کے کام کی دیں، میں یہاں سے ایک بجے افغانستان کے سب سے بڑے محقق، مورخ آقای عبدالحی حبیبی ۴۸ سے ملنے کے لئے ان کے گھر واقع جمال مینہ گیا، یہ ملاقات سوا تین گھنٹے تک جاری رہی، گفتگو کا موضوع سلسلہ نقشبندیہ کی تاریخ کے مآخذ تھا، حبیبی صاحب نے کئی ایسے ماخذ کی نشاندہی کی ہے جو میرے علم میں بالکل نہیں تھے، ان سب کی یادداشت الگ الگ کاغذات پر لکھی ہیں، ان کے اپنے کتب خانہ میں ''رسالہ قدسیہ'' حضرت خواجہ محمد پارسا بخاری کا عربی نسخہ ۴۹ ہے، اس نام کا فارسی رسالہ متعدد مرتبہ چھپ چکا ہے، لیکن

عربی نہیں چھپا، حبیبی صاحب نے بتایا کہ اس رسالہ کے متن میں خواجہ صاحب کا نام بہ حیثیت مصنف کہیں نہیں آیا، البتہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے اپنے ایک مکتوب میں اُس رسالہ کا اقتباس دیا ہے، ۵۰ جو اس رسالہ کی حضرت خواجہ کی تصنیف میں قیاس آرائی کو محکم کر رہا ہے۔

دو رسالہ ایک ''مناقب حضرت خواجہ دوست محمد قندھاری'' ۵۱ اور دوسرا ''ملفوظات حضرت خواجہ دوست محمد قندھاری'' ۵۲ بھی انہیں کے کتب خانے کی زینت ہیں، جو اس سے پہلے میرے علم میں نہیں تھے۔

حبیبی صاحب نے اپنے خودنوشت حالات مع فہرست آثار کی ایک ٹائپ کاپی ۵۳ مجھے دی، اور بعض مضامین بھی بطور تحفہ دیئے، انہوں نے کہا کہ احمد ربانی صاحب بن مولوی محمد شفیع نے مجھ سے مولوی شفیع کے ایک سو مکتوبات ۵۴ منگوائے تھے لیکن کئی سال گزرے انہوں نے اب تک اس کی رسید نہیں بھیجی؟ میں اُن کے گھر سے سوا تین بجے اجازت لے کر نکلا، سیدھا کتابخانہ ابن سینا گیا، وہاں سے چند کتابیں خریدیں اور خانقاہ مجددیہ میں چلا آیا تا کہ مکتوبات حضرت امام ربانی کے خصوصی اوراق کی فوٹو سٹیٹ کی درخواست کر سکوں، حضرت ضیاء المشائخ صاحب کی خدمت میں اس سلسلہ میں عریضہ ارسال کیا اور اسی عریضہ میں میں نے اُن سے بیعت کرنے کی درخواست کی، نماز مغرب کے بعد کا وقت آیا، نماز کے بعد احقر کو بلایا اور بیعت کی نعمت سے مشرف فرمایا، دیر تک مقامِ قلب پر دست مبارک رکھا، اور فرمایا کہ اللہ اور ''حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل'' ہمیشہ پڑھتے رہو، میں نے احکام کی بجا آوری کا عہد کیا، اس کے بعد مکتوبات شریف کے مطلوبہ اوراق کے فوٹو میرے حوالے کئے، ۵۵ لیکن دیکھ کر تعجب ہوا کہ جس ورق کے فوٹو سٹیٹ کی میں نے درخواست کی تھی وہ اُن میں شامل نہیں تھا، یعنی وہ ورق جس پر حضرت خواجہ محمد یحیٰی بن حضرت مجدد کے دستخط ہیں، جب میں نے نشاندہی کی تو وعدہ فرمایا کہ ہم اس کا بھی فوٹو بنوا کر لاہور کسی کے ہاتھ بھیج دیں گے، ۵۶ میں رات جلد ہی کھانا کھا کر سو گیا۔

۲۹ر جولائی، صبح پانچ بجے بیدار ہوا، آج مجھے جی ٹی ایس (بس پاکستانی) کے ذریعہ واپس وطن یعنی پاکستان جانا تھا، صبح ساڑھے چھ بجے سفر کی تیاری کے سلسلہ میں ٹیکسی مل گئی پونے سات بجے خانقاہ شریف

سے نکلا، سات بجے بس سٹاپ پر آیا، بس آٹھ بجے کابل سے پشاور کے لئے روانہ ہوگئی، بہت غمگین تھا کہ کہیں افغان بارڈر والے کتابیں نہ روک لیں، تاہم انہوں نے وزارتِ اطلاعات وکلتور، کابل کی طرف سے اجازت نامہ طلب کیا جو میں نے پہلے ہی حاصل کر لیا تھا، وہ ان کو دکھایا تو کتابیں لے جانے کی اجازت مل گئی جس سے چین کا سانس لیا۔

ہماری بس خدا کے فضل وکرم سے پانچ بجے دوپہر بخیر عافیت پشاور پہنچ گئی، اپنے ملک میں آ کر راحت وآزادی کا سانس لیا۔

بس سے اتر کر سیدھا مولوی سید محمد امیر شاہ قادری صاحب، یکہ توت، پشاور کے ہاں قیام کیا، ساڑھے سات بجے رات غسل کیا اور میاں سعید الرحمن صاحب سے ملنے کے بعد واپس اُن کے ہاں پہنچ گیا، پشاور میں شدید گرمی اور حبس ہے جسکی وجہ سے رات بھر نیند نہ آئی، صبح تین بجے سے پانچ بجے تک سو سکا۔

۳۰ر جولائی، صبح ناشتے سے پہلے مولوی امیر شاہ صاحب نے میری کتابیں دیکھیں جو میں نے افغانستان سے خریدیں تھیں، دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ افغانستان میں ہماری نسبت تاریخ پر زیادہ کام ہو رہا ہے، ناشتہ کے بعد میں مولوی صاحب کے ہمراہ بازار گیا، مولوی صاحب نے مظفر آباد آزاد کشمیر سے اپنے خانوادے کے بارے میں نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی وغیرہ کے فرامین کی فوٹوسٹیٹ حاصل کیں جن سے ایک ایک نقل (فوٹوسٹیٹ) میں نے بنوالی، یہاں سے ہم عظیم پبلشنگ پریس پر گئے، وہاں سے تواریخ حافظ رحمت خانی ترجمہ روشن خان خریدی اور تاریخ احمد شاہی مطبوعہ ماسکو کی تلاش میں نکلے لیکن افسوس کہ پورے پشاور میں نہ مل سکی، ہم یہاں سے گیارہ بجے واپس آ گئے، میرا بدن تھکن سے چور چور ہو چکا تھا، مولوی صاحب سے درخواست کی کہ مجھے آج شب کی سیٹ بذریعہ بس جی ٹی ایس ریزرو کروادیں تو انہوں نے فوراً یہ کام کر لیا، آج شام ساڑھے سات بجے میں بذریعہ بس، لاہور کے لئے روانہ ہو جاؤں گا، جو صبح چار پانچ بجے لاہور پہنچ جائے گی، "حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل"

حواشی

۱۔ خانقاہ نقشبندیہ، قلعہ جواد، کابل

یہ خانقاہ، خانقاہِ نقشبندیہ، شور بازار، کابل کی دوسری شاخ ہے، شور بازار کی خانقاہ حضرت شاہ صفی اللہ معصومی بن حضرت غلام محمد معصوم ثانی بن شیخ محمد اسماعیل بن حضرت شیخ صبغۃ اللہ بن حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی بن حضرت مجدد الف ثانی کی بنا کردہ ہے، شاہ صفی اللہ مذکور کے فرزند اصغر شیخ عبدالباقی کو اس خانقاہ میں متعین کیا گیا تھا، (مناقب مخدومین، مقدمہ......)

حضرت نورالمشائخ ملا فضل عمر مجددی اس خانوادہ کے آخری بزرگ تھے، حضرت ضیاء المشائخ محمد ابراہیم مجددی انہی کے فرزند اصغر تھے۔

۲۔ مسز شمیم محمود زیدی، تہران یونیورسٹی میں ''خلاصۃ العارفین'' (ملفوظات شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی) مرتب کررہی ہیں، جن پر ان کو پی ایچ ڈی کی ڈگری ملے گی، میں لاہور میں انہیں ساتھ لے کر مولانا غلام دستگیر نامی مرحوم کا کتب خانہ دکھانے کے لئے گیا تھا۔

۳۔ تذکرہ ہفت آسمان مولفہ احمد علی احمد، مطبوعہ انتشارات آئین، تہران ۱۹۶۵ء

۴۔ اس زمینی سفر نے مجھے مدتوں دردِ کمر میں مبتلا کئے رکھا۔

۵۔ ڈاکٹر صدیق شبلی، قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد کے شعبۂ فارسی میں استاد تھے، اس یونیورسٹی کا پہلے پیپلز یونیورسٹی نام تھا اب اس کا نام قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد ہے، سابق وزیراعظم پاکستان نے اس کا نام پیپلز یونیورسٹی رکھا تھا، پھر جرنل ضیاء الحق نے اپنے دورِ حکومت میں اس کا نام بدل کر قائداعظم یونیورسٹی کردیا۔

۶۔ دو اجازت نامہ برائے شیخ محمد مراد تنگ کشمیری (ف ۱۱۳۱ھ) از شیخ عبدالاحد وحدت سرہندی و شیخ علی رضا فاروقی، مخزونہ کتابخانہ ملی، تہران، اس کا سراغ اس مائیکروفلم سے ملا جو دانشگاہِ تہران کی لائبریری میں موجود فہرست مائیکروفلمہا (۱/۶۳۰) میں ہیں، ان کی عکسی نقل ''لطائف المدینہ'' پر

ہمارے مقدمہ ص ۱۰۸ میں شامل ہے۔

۷۔ ڈاکٹر محمد ریاض، انہوں نے تہران یونیورسٹی سے سید علی ہمدانی کے احوال وآثار پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ کر سند لی، مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد سے طبع ہو چکا ہے۔

۸۔ تذکرہ روضۃ السلاطین از فخری ہروی، عبدالرسول خیامپور کے بعد پاکستان میں سید حسام الدین راشدی نے ایڈٹ کیا کیوں کہ یہ تذکرہ سندھ میں لکھا گیا تھا، راشدی کا ایڈیشن سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد، سندھ سے طبع ہوا تھا۔

۹۔ شیخ علاء الدولہ سمنانی (ف ۷۳۶ھ/۱۳۳۶ء) کے رسائل سے حضرت مجدد الف ثانی متاثر ہوئے تھے، اصل میں انہوں نے ہی وحدت الشہود کے نظریہ کو علمی رنگ دے کر وحدت الوجود کے مقابل پیش کیا تھا، اس وقت تک سمنانی کی کتابیں ایران میں طبع نہیں ہوئی تھیں، صرف ان کی مراسلت کا ایک مجموعہ ایران فرانس انسٹی ٹیوٹ نے شائع کیا تھا، بعد میں ایرانیوں نے ان کی تالیفات مرتب کیں جو ایران سے طبع ہوئیں، جن میں سے بیشتر میرے ذخیرہ میں موجود ہیں۔

۱۰۔ شرح احوال وآثار سمنانی از مظفر صدر کی فوٹوسٹیٹ کاپی بعد میں مصطفیٰ موسوی نے ایران سے بنوا کر بھیج دی تھی۔

۱۱۔ مجموعہ سخن رانیہا و مقالہ ہا در بارہ فلسفہ و عرفان اسلامی، ناشر دانشگاہ مونتریال، کینڈا و دانشگاہ تہران، مرتبہ مہدی محقق و ہرمان لنڈٹ، تہران ۱۳۴۹ ش

اس میں بہت عمدہ مقالات ہیں، ایک مقالہ انگریزی میں ہے:

"Simnani on Wahdat-ul-Wujud By H. Handolt

۱۲۔ مجتبیٰ مینوی، ایران کے اکابر محققین میں سے تھے، فارسی کی کئی قدیم کتابیں ایڈٹ کر چکے تھے، ان سے دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔

۱۳۔ میرا ایم اے تاریخ کا مقالہ ''تاریخ مغلیہ کے فارسی مآخذ'' (دور متاخرین مغول) ۱۹۷۲ء ڈاکٹر یار محمد خان صدر شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی، لاہور میرے گائیڈ تھے۔

۱۴۔ احوال وآثار عبداللہ خویشگی قصوری، میری تالیفات میں سے تیسری کتاب ہے، جو میں نے ۱۹۷۰ء کو جب کہ میں بی اے سال اول کا متعلم تھا، لکھی تھی، جب ۱۹۷۲ء کو اس کی طباعت ہوئی تو میں ایم اے تاریخ، سال اول میں شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی، لاہور میں داخلہ لے چکا تھا۔

۱۵۔ حدیقۃ الاولیاء (تذکرہ صوفیہ پنجاب) تالیف مفتی غلام سرور لاہوری پر میں نے حواشی لکھے تھے، اس کا مطبوعہ نسخہ بھی میں نے دانشگاہ تہران کے کتب خانہ کو تحفۃً دیا۔

۱۶۔ رک حاشیہ نمبر ۶

۱۷۔ مقامات مظہری تالیف شاہ غلام علی دہلوی کا میں نے اُردو ترجمہ، حواشی اور مفصل مقدمہ لکھا تھا، جو تین مرتبہ پاکستان میں اور ایک مرتبہ دہلی (ہندوستان) میں طبع ہو چکا ہے۔

۱۸۔ ظواہر السرائر (درحالات شیخ سعدی لاہوری ف ۱۱۰۸ھ) تالیف میاں محمد عمر چمکنی، اس نام کے کسی خطی نسخے کے ایران میں ہونے کا اب میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے مصطفٰی درایتی کی فہرستوارہ دستوشت ہای ایران بھی دیکھ لی، یقیناً مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی تھی۔

۱۹۔ دیوان وحدت سرہندی کی فوٹو کاپی ۱۹۹۲ء کے سفر ایران کے دوران حاصل کر لی تھی۔

۲۰۔ احمد منزوی، ایران کے اکابر فہرست نگاروں میں سے تھے، بزرگ طہرانی (مولف الذریعۃ الی تصانیف الشیعۃ کے مولف) پہلے فہرست نسخہ ہای خطی فارسی چھ جلدوں میں مرتب کی جو دنیا بھر کے مخطوطات کی موضوعی فہرست ہے، یہ چھ جلدوں میں R.C.D کی طرف سے شائع ہوئی تھی، پھر پاکستان آ کر مدتوں مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد میں اپنے مقدور بھر سرکاری و ذاتی کتب خانوں کی فہرستیں بنوائیں اور اُن کی بنیاد پر ایک فہرست مشترک نسخہ ہای خطی پاکستان چودہ جلدوں میں مرتب کی جو اسی ادارہ سے شائع ہوئی، پھر واپس ایران جا کر ایک بہت عمدہ منصوبہ پر کام شروع کیا، جس میں موضوعی ترتیب سے فارسی کے مخطوطات اور مطبوعات کی تفصیلات درج کیں، اس کی اب تک بارہ جلدیں چھپ چکی ہیں، احمد منزوی کو فوت ہوئے عرصہ ہو گیا ہے۔

۲۱۔ سی، اے، سٹوری کی مشہور کتاب "Persian Literature" لندن سے کئی مجلدات میں انگریزی میں شائع ہوئی تھی، اس کے ایک عرصہ کے بعد ایک روسی بریگل نے روسی زبان میں اضافات کے ساتھ ترجمہ کیا، اس ترجمہ کو تین ایرانی فضلاء یحییٰ آرین پور، سیروس ایزدی اور کریم کشاورز نے فارسی میں ترجمہ کیا تو اسے نظر ثانی کے لئے احمد منزوی کو دیا گیا، ان کا یہ ایڈیشن فارسی موسسہ مطالعات وتحقیقات فرہنگی، تہران سے ۱۳۶۲ ش کو دو جلدوں میں شائع ہوا۔

۲۲۔ محمد مراد ننگ کشمیری، سے یہاں محمد مراد بن محمد صادق کشمیری ہیں، جو نور ساطع یعنی ترجمہ بدایۃ الہدایۃ ہیں، ان کی دیگر کتب میں سے ''الاوزان والمقادیر'' بھی ہیں۔ (درایتی، مصطفیٰ: فہرستوارہ ۹۶۰/۱۱)

۲۳۔ رسالۂ آداب طریقۂ نقشبندیہ تالیف شاہ غلام علی دہلوی (ف ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) کا مخطوطہ غور سے پڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو آپ کا مشہور رسالہ ''ایضاح الطریقت'' ہے جو کئی بار طبع ہو چکا ہے، فہرست ساز دانش پژوہ نے اسے کسی شاہ غلام علی باطنی سے منسوب کر دیا تھا۔

۲۴۔ اپنے دوسرے سفر حج کے دوران شیخ الاسلام عارف حکمۃ کے ذخیرہ (مخزونہ مکتبۃ الملک عبدالعزیز، مدینہ منورہ میں جا کر دیکھے اور عکس حاصل کئے۔

۲۵۔ لمحات من نفحات القدس (مجموعہ کلیات خواجگان در اثبات ذکر جہر) مولفہ عالم شیخ صدیقی، مطبوعہ تاشقند ۱۳۲۷ھ (فہرست ذخیرہ مجددی ۲۴۸۱)

۲۶۔ فصل الخطاب مولفہ خواجہ محمد پارسا بخاری مطبوعہ بخارا کا یہ نسخہ زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا، بہت خوش ہوا، بعد میں یہی کتاب کئی قلمی نسخوں کی مدد سے ایک ایرانی محقق نے ایڈٹ کر کے تہران سے طبع کروا دی تھی، اب دونوں ایڈیشن میرے ذخیرہ کی زینت ہیں۔

۲۷۔ حضرت فضل الرحمن مجددی حضرت صدر المشائخ فضل عثمان مجددی بن حضرت نور المشائخ فضل عمر مجددی معروف بہ ملا شور بازار کابل مراد ہیں، جو اپنے والد حضرت فضل عثمان کی طرح، لاہور، پاکستان میں سٹیٹ گیسٹ آف پاکستان کی حیثیت سے رہتے تھے، جب افغانستان میں روس نے مداخلت کر کے اس پر سیاسی تسلط حاصل کر لیا اور حضرت ضیاء المشائخ محمد ابراہیم مجددی کو مع خانوادہ

شہید کردیا تو حضرت فضل الرحمن اپنے والد کے عرس کے موقع پر اپنے گھر (گلبرگ) لاہور میں روس اور افغانستان کے خلاف زبردست تقریریں کرنے لگے، تو افغانستان نے کسی افغان کو عقیدت مند بنا کر ان کے پاس بھیجا اور گولی مار کر شہید کردیا۔

۲۸۔ رسائل خواجہ محمد ہاشم کشمی بلخ میوزیم (مزار شریف حضرت علی رضی اللہ عنہ) کا یہی نسخہ ۲۵ سال پہلے افغان تاجر مخطوطات سر بلند خان پشاور کے پاس برائے فروخت موجود تھا، میری درخواست پر حضرت ابوالخیر عبداللہ جان، بازار گئے، متعلقہ تاجر سے ملے اور آٹھ ہزار روپے میں یہ خطی نسخہ خرید لیا، میں نے اُن سے اجازت لے کر اس کی فوٹو کاپی بنوالی اور گزشتہ سال امام ربانی کانفرنس کے موقع پر محترم ناظم بشیر نے اسے عکسی صورت میں شائع کردیا۔

۲۹۔ مزاراتِ کابل تالیف محمد ابراہیم خلیل، مطبوعہ کابل، ۱۳۳۹ ش

یہ کتاب عرصہ دراز سے کمیاب تھی، کئی افغان تاجر کتب افغانستان سے کتابیں لے کر لاہور آتے تھے، ہر ایک یہی کہتا تھا کہ یہ نایاب ہے اب نہیں ملتی، آج رب کریم کی عنایت سے مجھے ہم دست ہوگئی۔

۳۰۔ تحفۃ الزائرین (مزارات مدفونین بخارا) مطبوعہ بخارا مولفہ ناصر الدین بخاری، یہ تو بالکل ہی نایاب کتاب ہے خوش نصیبی سے مل گئی۔

۳۱۔ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی، بخط روح اللہ، اس کے ایک ورق پر یہ وضاحت کی گئی ہے کہ یہ قلمی نسخہ حضرت خواجہ محمد معصوم کے مطالعہ میں رہتا تھا اور آپ نے اس پر جا بجا تصحیح بھی کی ہے، اس کے تین اوراق کی فوٹو کاپی فوٹو گرافر کو گھر بلوا کر کروائی اور مجھے عنایت فرمائی تھی، جسے میں نے مقامات معصومی کی چوتھی جلد کے آخر میں عکسی طور پر شامل کردیا ہے۔

۳۲۔ حضرت خواجہ عبدالباقی بن حضرت شاہ صفی اللہ معصومی بن حضرت خواجہ غلام محمد معصوم ثانی بن خواجہ محمد اسماعیل بن خواجہ صبغۃ اللہ بن حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کی اس مہر اور دیگر مواہر کے عکس ہم نے ''مناقب مخدومین'' کے آخر میں شامل کردیے ہیں۔

۳۳۔ یہ قلمی رسالے حضرتِ شاہ صفی اللہ معصومی مذکورہ (حاشیہ نمبر ۳۷) کی تالیف ہیں، ان کے فوٹو

سٹیٹ اب میرے ذخیرہ کی زینت ہیں (فہرست مخطوطات ومصورات مجددی)

۳۴۔ مزارات ہرات (مقصد الاقبال سلطانیہ) تالیف امیر عبداللہ حسین صدر الدین واعظ ہروی مرتبہ فکری سلجوتی، اس مجموعہ میں رسالہ دوم مزارات ہرات تالیف عبداللہ ابوسعید ہروی بھی شامل ہے، رسالہ مزارات ہرات حصہ سوم تالیف اخوندزادہ محمد صدیق ہروی۔

۳۵۔ حافظ محمد یوسف سدیدی، پاکستان کے نامور خطاط تھے، کسی کے کہنے پر سعودی عرب چلے گئے، جہاں ایک سفر کے دوران حادثہ پیش آیا اور دماغ میں شدید ضرب لگی جس کے باعث ان کا دماغ بری طرح زخمی ہوا، عرصہ تک علاج کیا گیا لیکن جانبر نہ ہو سکے۔

۳۶۔ بورکوئی (Beaurecueil, S.D.L) نے پیر ہرات حضرت عبداللہ انصاری ہروی پر کام کیا تھا اور اس دوران افغانستان میں جو مخطوطات دیکھے تھے، ان کی فہرست فرانسیسی میں بنائی تھی، جو مجھے ڈاکٹر رچرڈ ائن نے ۱۹۷۶ء کو ہی افغانستان سے لا کر دی تھی، فہرست کا نام اسی طرح ہے:

Manuscripts D,Afghanistan Le Caire: France, 1964

۳۷۔ افسوس کہ اس شیخ احمد سرہندی مجددی کا نام نوٹ نہ کر سکا۔

۳۸۔ حاجی عبدالغنی قندھاری، تاجر کتب نادرہ ومخطوطات، ہر سال، قندھار سے کتابیں لے کر، لاہور آتے تھے اور ہم جیسے طالب علم ان کے تعاقب میں پھرتے تھے، ''قران السعدین'' (در حالات حاجی محمد سعید لاہوری ف ۱۱۴۵ھ) کا قلمی نسخہ ۱۹۷۰ء میں، لاہور میں انہی سے خریدا تھا جو اب امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور سے طبع ہو گیا ہے۔

۳۹۔ یہ تمام نادر مطبوعات افغانستان اب میرے ذخیرہ کی زینت ہیں۔

۴۰۔ غالباً یہ ملا فرخ وہی ہیں جن کے نام شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری (ف ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء) کے مکاتیب ان کے مجموعہ میں شامل ہیں۔

۴۱۔ مولانا زوار حسین شاہ، پاکستان میں دور آخر کے مشہور نقشبندی شیخ طریقت تھے، ان کے خلفاء میں ڈاکٹر محمد غلام مصطفیٰ بھی شامل تھے۔

۴۲۔ مواہب القیوم فی تائید الاحمد والمعصوم، تالیف شاہ فی الحال سرہندی (ف ۱۱۵۲ھ/۱۷۳۹ء)

۴۳۔ حجۃ الحق فی دفع اعتراضات شیخ عبدالحق، یہ بھی شاہ فی الحال کی تالیف ہے، بعد میں پاکستان آکر ان دونوں رسائل کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان سے حاصل کر لی تھیں، (فہرست مخطوطات ومصورات ذخیرۂ مجددی (R.209- AB)

۴۴۔ مجمع الغرائب...... قصص وحکایات پر مشتمل ایک کتاب ہے، نثاری بخاری نے مذکرا حباب میں اس میں سے کچھ عجیب داستانیں نقل کی ہیں (احمد گلچیں معانی: تاریخ تذکرہ ہای فارسی ۲/۲۳۱)

۴۵۔ تحفۃ الرضائیہ مولفہ شیخ محمد رضا بن محمد صالح لاہوری (عربی)

افسوس کہ اس مخطوطہ اوراس کے مولف کے بارے میں ہمیں کوئی معلومات نہیں ہیں۔

۴۶۔ خلاصۃ المعارف، مولفہ شیخ آدم بنوری، اس کے قلمی نسخے کے آخر میں یادگار کے طور پر اپنے دستخط کر کے ۲۸/ جولائی ۱۹۷۶ء کی تاریخ لکھ دی تھی، پہلے یہ خطی نسخہ کوئٹہ کے تاجران مخطوطات کے پاس دیکھا اور پھر وہی تاجر خلیل الرحمن داؤدی مرحوم کے پاس آکر فروخت کر گیا، لیکن ''تحفۃ الرضائیہ'' کہیں نہ دیکھی، انقلاب افغانستان کے منفی اثرات میں سب سے بڑا تکلیف دہ حادثہ وہاں کے کتب خانوں کا مہاجرین کے ہاتھوں لٹنا اوران کے کتابداروں کا تنخواہ نہ ملنے کے باعث انہیں خود فروخت کر دینا تھا

کاش پاکستان کی حکومت اپنی گاڑیاں بھیج کر وہ تمام مخطوطات منگوا لیتی اور پاکستان کے کتب خانوں میں محفوظ کر دیئے جاتے، یہاں تو سوائے جہالت کے کچھ نہیں ہے، اگر دو سو سال قبل لندن کے انڈیا آفس لائبریری میں یہاں کی ضبط شدہ کتابیں جمع ہو سکتی تھیں تو اب کیا بات مانع تھی؟ اصل وجہ لاپرواہی کے ساتھ جہالت ہے۔

اسی طرح اسلام آباد (پاکستان) میں افغانستان کے مشہور محقق وشاعر خلیل اللہ خلیلی نے بتایا کہ میں نے اپنے ذاتی ذخیرہ کی کتابیں پشاور کے فٹ پاتھ پر بکتی ہوئی دیکھیں تو مدتوں بے حال رہا، دراصل یہ کام پاکستان کے علماء اور یونیورسٹیوں کے استادوں کا تھا کہ وہ پاکستان کی حکومت کو اس طرف توجہ

دلاتے، لیکن انہیں تو بیش قرار تنخواہیں مل رہی ہیں، انہیں مخطوطات لے کر کیا کرنے تھے؟

۴۷۔ یہ فہارس اس وقت میرے ذخیرہ میں موجود ہیں۔

۴۸۔ پروفیسر عبدالحی حبیبی افغانستان کے سب سے بڑے محقق ومورخ تھے، ان کے مرتب کیے ہوئے فارسی متونِ طبقاتِ ناصری، طبقات الصوفیہ ہروی، فضائل بلخ اور زین الاخبار وغیرہ میرے مطالعہ میں رہتی ہیں۔

۴۹۔ رسالہ قدسیہ از خواجہ محمد پارسا بخاری (عربی)، اس رسالہ کا فارسی متن تو کئی بار طبع ہو چکا ہے لیکن اس کے عربی متن کا ہمیں تا حال علم نہیں ہے، معلوم نہیں افغانستان کے خونیں انقلاب کے زمانہ میں جہاں بہت سے کتب خانے لٹے وہاں حبیبی کا کتب خانہ بھی برباد ہو گیا اور یہ نسخہ اب کہاں ہے؟

۵۰۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات میں جہاں کہیں بھی رسالۂ قدسیہ کے اقتباسات دیئے ہیں وہ سب فارسی کے ہیں، عربی اقتباس کوئی نہیں ملا۔

۵۱۔ مناقب حاجی دوست محمد قندھاری سے مراد غالباً ''فضائل الباری فی مناقب حاجی دوست محمد قندھاری'' ہے جو آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے آپ کے خلیفہ رحیم بخش اجمیری ہرصوری نے جمع کیا تھا، اس کے ایک قلمی نسخہ کی ہم گذشتہ سال امام ربانی پبلی کیشنز سے عکسی طور پر اشاعت کر چکے ہیں۔

۵۲۔ ملفوظات خواجہ دوست محمد قندھاری سے یہاں مراد ہے ''جوہر ملفوظات'' ہے جو ''فضائل الباری'' کے مرتب معز الدین کو ہی نے جمع کیے تھے، اس کے کئی نسخے ہماری نظر سے گذرے ہیں۔

۵۳۔ عبدالحی حبیبی کے یہ خودنشت حالات رسالہ ''وحید'' میں شائع ہو چکے ہیں۔

۵۴۔ احمد ربانی بن مولوی محمد شفیع، اپنے والد کے علم کے وارث نہیں تھے بلکہ ان کے کردار کے منفی پہلو یعنی اکھڑ پن اور فرعونیت ان کے حصے میں آتے تھے، احمد ربانی پاکستان کے کئی کتب خانوں سے نادر مخطوطات پنجاب یونیورسٹی، لاہور لے جا کر مائیکرو فلمز بنوانے کے بہانے سے مستعار لے آتے تھے لیکن پھر کبھی واپس نہیں کیے، چنانچہ فہرست مخطوطات شفیع مرتبہ ڈاکٹر بشیر حسین کے آخر میں اُن

مخطوطات کی فہرست ہے جو احمد ربانی نے اِدھر اُدھر سے ہتھیائے تھے، خود ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کا بھی یہی حال تھا کہ اپنی ذاتی کتاب کبھی کسی کو مستعار نہیں دیتے تھے لیکن کسی سے کتاب لے کر کبھی واپس نہیں کرتے تھے، میرے قصبۂ مولود کے ایک بزرگ خواجہ غلام محی الدین قصوری کے نواسہ میاں سید شاہ محمد قصوری سے کئی مخطوطات مستعار لئے اور کبھی واپس نہیں دیئے، چنانچہ ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک رسید کا عکس ہم نے ارمغان ربانی کی جلد نہم میں شائع کر دیا ہے۔

۵۵۔ مکتوبات امام ربانی کے ان اوراق کا عکس ''مقاماتِ معصومی'' کی چوتھی جلد کے آخر میں شامل ہے۔ (رک حاشیہ نمبر ۳۶)

۵۶۔ افسوس کہ اگلے ہی سال یعنی ۱۹۷۷ء کو افغانستان کے حالات میں تیزی سے تبدیلی آئی، حضرت کو روس کی قابض فوجوں نے گرفتار کرلیا اور پھر شہید کر دیئے گئے۔

اسلام آباد و ہری پور

لاہور سے صبح چھ بج کر پچپن منٹ کی ریل کار سے ۸ر نومبر ۱۹۷۷ء کو راولپنڈی کے لئے روانہ ہوا، میرے عزیز طالب علم تنویر جون بھی میرے ہمراہ تھے، راستے میں وزیر آباد سے چند میل پہلے ایک گاؤں کی عورت ریلوے لائن عبور کرتی ہوئی اسی گاڑی کے نیچے آکر کچلی گئی، جس سے گاڑی ایک گھنٹہ تاخیر سے پہنچی، ہوٹل سے عارف نوشاہی صاحب کو اسلام آباد ٹیلیفون کیا کہ میں دو دن کے بعد اسلام آباد آؤں گا۔

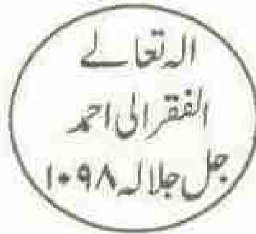
ہم سوا تین بجے لاری اڈہ سے ہری پور کے لئے روانہ ہوئے، چھ بجے کے قریب خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ ہری پور پہنچ گئے، صاحبزادہ عبدالدائم [۱] بن حضرت قاضی صدرالدین صاحب [۲] بڑے اخلاق سے ملے، رات کا کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے کتب خانہ دیکھا اور چند کتابیں عکس برداری کے لئے علیحدہ کیں، کہ صبح یہ کام کریں گے۔

میرے عزیزی طالب علم تنویر جون، جو کہ فوٹو گرافی سے دلچسپی رکھتے ہیں، نے بڑی محنت سے میری مطلوبہ قلمی کتب کے بعض اہم اوراق کی تصاویر تیار کیں، ان کے پاس دو کیمرے تھے، دونوں بیک وقت ٹھیک کام کرتے رہے، موسم خدا کے فضل سے بہت اچھا تھا۔

ہم نے صاحبزادہ عبدالدائم اور قاری محمد حمید صاحب [۳] مع راقم احقر ایک گروپ فوٹو بھی اتروایا، لطف یہ ہے کہ بانی خانقاہ و کتب خانہ ہذا حضرت قاضی صدرالدین مدظلہ، جو کہ اس وقت مفلوج ہیں، انہیں بھی چارپائی پر ڈال کر دھوپ میں لائے، میں نے تنویر کو سمجھایا کہ حضرت کی فوٹو خفیہ طور پر لے لو، اُن کی فوٹو لینے میں کامیابی ہوئی۔

محمد حسین تسبیحی صاحب (سابق کتابدار کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد) اور مولوی محمد اسرائیل صاحب نے اپنی مرتبہ فہارس مخطوطات خانقاہ ہذا کے بعض خطی نسخوں کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی ملکیت میں

دینے کا ذکر کیا تھا، لیکن بغور دیکھنے اور تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اُن مخطوطات پر جو مہریں



ثبت ہیں چونکہ یہ کتب خانہ حضرت مجدد کی اولاد سے منسوب ہے اس لئے اس مہر میں مذکور ''احمد'' سے حضرت کا اسم گرامی احمد سرہندی مجدد الف ثانی تصور کرلیا گیا، حالانکہ مہر میں سال ۱۰۹۸ھ صاف پڑھا جا رہا ہے جبکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ ۱۰۳۴ھ میں انتقال فرما گئے تھے، میرے دل میں ایک عرصہ سے یہ خلش تھی جو آج بحمداللہ دور ہوگئی۔

آتے ہوئے میں نے صاحبزادہ صاحب سے درخواست کی کہ مجھے دو قلمی کتب ''مناقب حضرت امیر حمزہ کشمیری'' ۴ اور ''تحفۂ فرقانیہ'' ۵ لاہور لے جا کر فوٹو سٹیٹ بنوانا ہیں تو انہوں نے بخوشی مستعار دے دیں۔

ہم خانقاہ شریف سے مدرسہ رحمانیہ گئے وہاں چند مخطوطات موجود تھے، اس کی فہرست اختر راہی صاحب شائع کر چکے ہیں، یہاں سے ہم احمد المدارس، سکندر پور (ہری پور) میں بھی گئے لیکن معلوم ہوا کہ وہاں کے کتب خانہ میں مخطوطات نہیں ہیں۔

ہم بذریعہ بس، ہری پور سے راولپنڈی کے لئے ڈیڑھ بجے روانہ ہوئے، تین بجے ہم راولپنڈی پہنچ گئے، سلاطین ہوٹل میں رات قیام کیا۔

۱۰ رنومبر ۱۹۷۷ء کو صبح نو بجے تنویر اور میں مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد پہنچے، احمد منزوی کتابدار کتابخانہ گنج بخش موجود نہیں تھے، اس لئے ہم نے ان کے بغیر ہی چند گروپ فوٹو لے لئے، عارف نوشاہی صاحب، محمد نذیر رانجھا صاحب اور میں ایک قطار میں کرسیوں پر بیٹھے اور تنویر نے تصویر بنائی، ایک تصویر عارف نوشاہی صاحب نے بنائی، جس میں تنویر ہمارے ساتھ تھے، تنویر لاہور کے لئے رخصت ہوگئے۔

میں نے اپنا علمی کام شروع کیا، مختلف کتب خانوں کی فہارسِ مخطوطات شام چھ بجے تک دیکھتا رہا، بڑی اہم معلومات ان سے جمع کیں۔

شام کو صاحبزادہ سید عارف نوشاہی سلمہٗ کے گھر میں قیام کیا، صبح انہیں کے ساتھ مرکزِ تحقیقاتِ فارسی میں چلا گیا، یہ سلسلہ سترہ نومبر تک جاری رہا۔

۱۴ رنومبر کو بارہ بجے اسلام آباد سیکرٹریٹ میں شعبۂ تعلیم (D Block) گیا کیوں کہ اپنے زیرِ تجویز سفر یورپ کے لئے ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب سے ملاقات نہایت ضروری تھی، ڈاکٹر صاحب بڑے تپاک سے ملے، ڈاکٹر صاحب علم اور تحقیق سے بہت دور جا چکے ہیں، میرے سفر یورپ کے بارے میں تعاون کرنے کا وعدہ کیا، وہ یکم دسمبر ۱۹۷۷ء کو یومِ اقبال کے سلسلہ میں لاہور جائیں گے تب یہ کام قدرے شروع ہو سکے گا۔

اس سارے سفر کے دوران میں صرف ایک دن کے لئے اسلام آباد یونیورسٹی گیا، اسی طرح صرف ایک دن کے لئے ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد جا سکا، باقی تمام دن صبح آٹھ بجے سے شام پانچ چھ بجے تک مرکزِ تحقیقاتِ فارسی میں مخطوطات اور مخطوطات کی فہارس دیکھتا رہا، تقریباً دو سو کے قریب قلمی نسخے دیکھے، ان میں چند بہت اہم تھے ان کی یادداشتیں الگ اوراق پر لکھی ہوئی ہیں۔

نومبر ۱۵، ۱۶ ردو دن حاجی محمد ارشد قریشی صاحب (مالک مکتبہ المعارف، لاہور) کے گھر واقع اسلام آباد میں رہا۔

۱۷ رنومبر ۱۹۷۷ء کو ساڑھے تین بجے والی ریل کار کے ذریعہ لاہور کے لئے روانہ ہو گیا۔

حواشی

۱۔ حضرت صاحبزادہ عبدالدائم دائم، اس وقت خانقاہِ نقشبندیہ مجددیہ، ہری پور میں صاحب سجادہ اور دعوت وارشاد میں مصروف ہیں، تبلیغ دین کا فریضہ بھی بطریق احسن انجام دے رہے ہیں۔

۲۔ حضرت قاضی صدرالدین نقشبندی (۱۹۰۲۔ ۲۸/ مارچ ۱۹۷۸ء) خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ، ہری پور، ہزارہ، پاکستان کے بانی، عالم اور شیخ طریقت تھے، ان کا روحانی تعلق حضرت ابوالسعد احمد خان خلیفہٗ حضرت سراج الدین دامانی خلیفہٗ حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی خلیفہٗ حضرت حاجی دوست محمد قندھاری (خانقاہِ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی) سے تھا۔ (حیات صدریہ مولفہ عبدالدائم دائم، ہری پور، ۱۴۰۲ھ)

۳۔ قاری قاضی محمد حمید فضلی بن قاضی عبداللہ فضلی شیرگڑھ، ایک صاحب علم بزرگ تھے، (ایضاً ۴۸۴۔۴۸۶) جب میں ۱۹۷۷ء کو خانقاہِ نقشبندیہ کا کتب خانہ دیکھنے کے لئے حاضر ہوا تو یہی بزرگ کتب خانہ کے مہتمم تھے۔

۴۔ مناقب شیخ حمزہ کشمیری (ف ۹۸۴ھ/ ۱۵۷۶ء) مولف کا نام معلوم نہیں ہو سکا (فہرست مشترک ۸۵۵/۱۱) اس کا یہ روٹوگراف (شمارہ R.339) ہمارے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) میں محفوظ ہے۔

۵۔ تحفۂ فرقانیہ، الہدایۃ الرحمانیہ الی طریق السادۃ الخرقانیہ، متعلق بہ عبداللہ قطب شیرازی مع چند مکاتیب قطب شیرازی، ایران سے ایک ضخیم جلد کی صورت میں طبع ہو چکی ہے، اس لئے اس کی فوٹو کاپی نہیں بنوائی گئی۔

اوچ (ریاست دیر)

میں اپنے علمی و تحقیقی کام کے سلسلہ میں کتب خانے دیکھنے کے لئے یکم جولائی ۱۹۷۷ء کو لاہور سے بذریعہ ریل کار صبح ساڑھے پانچ بجے روانہ ہوا، گیارہ بجے قبل دوپہر راولپنڈی بخیر و عافیت پہنچ گیا، یہاں ایک ہوٹل میں کھانا کھایا، وہاں سے، رحمٰن آباد صاحبزادہ عارف نوشاہی صاحب کے ہاں گیا، تین بجے بعد دوپہر، اسلام آباد سے، پشاور کی بس میں بیٹھ کر پونے چھ بجے پشاور پہنچا، پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب بھی حسب پروگرام خود ہی مجھ سے پندرہ منٹ بعد حضرت مولانا سید محمد امیر شاہ قادری، ساکن یکہ توت، پشاور کے ہاں پہنچ گئے، ایوب قادری صاحب تھک گئے تھے اس لئے میرے ساتھ سفر جاری رکھنے کے لئے تیار نہ ہوئے، میں نے اللہ کا نام لے کر، اوچ جانے کا پروگرام بنایا، ۲ر جولائی، صبح چار بجے بس پشاور سے، دیر جانے کے لئے مل گئی، اس نے تقریباً آٹھ بجے موضع بٹ خیلہ پہنچا دیا، راستہ دشوار گذار تھا، سڑکیں پہاڑوں کی بلندیوں پر بنی ہوئی ہیں اور بسیں ان میں بل کھاتی لہراتی ہوئی چلتی ہیں، بہت حسین منظر تھا۔

بٹ خیل سے بذریعہ ویگن اوچ گیا، وہاں کے سجادہ نشین ڈاکٹر جمیل احمد صاحب کے نام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (سابق صدر شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی) کا رقعہ میرے پاس تھا، وہ نہایت شفقت سے ملے، اس موضع میں حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں کے خلیفہ حضرت ملا نسیم [۱] کا مزار ہے اور موجود سجادہ نشین انہیں کی اولاد سے ہیں، ان حضرات کے مکتوبات کا ایک مجموعہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب نے لوائح خانقاہِ مظہریہ کے نام سے شائع کیا تھا، مسجد کے ایک بالا خانے پر کچھ تبرکات، مومبارک حضرت نبی کریم ﷺ، پوشاک شہادت حضرت مظہر اور دیگر تبرکات کے علاوہ مکتوبات حضرات مظہریہ کا ایک مجموعہ اور ایک الماری میں مخطوطات موجود تھے، مخطوطات میں نے دلچسپی سے دیکھے، ظہر کی نماز سے عصر کی نماز تک تمام مخطوطات دیکھ ڈالے، زیادہ تر درسی کتب تھیں، صَرف کی ایک کتاب پر ملا نسیم کی چار مہریں ثبت تھیں، اس کے علاوہ

سلسلہ مظہری کے حضرات کا ایک مجموعہ رسائل ملا جو بہت بیش قیمت تھا، یہ دونوں کتابیں میں فوٹوسٹیٹ بنوانے کے لئے اپنے ہمراہ لاہور (بطور مستعار) لے آیا، ڈاکٹر جمیل احمد صاحب کے والد آغا میر جان مرحوم کی ایک بیاض دیکھی جس میں خاندانی شجرات بھی تھے، ان شجرات کا انہوں نے فوٹوسٹیٹ بنوا کر بھیجنے کا وعدہ کیا، میں اگلی صبح یعنی ۳ر جولائی کو اوچ سے روانہ ہوا، ڈاکٹر جمیل احمد صاحب، گڑھی حضرت خیل، جو وہاں سے دس میل آگے ہے، اپنے سکوٹر پر چھوڑ گئے، یہاں میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے برادر حقیقی حضرت عبدالرزاق کی اولاد میں سے ایک معمر عالم مولانا عبداللہ جان مدظلہ سے ملا، اُن کے پاس مجددی سلسلہ کی چار قلمی کتابیں تھیں، جن میں سے تین ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب نے اُن سے لے کر چھاپ دی تھیں، ایک آج سے تقریباً سو سال پہلے لاہور سے چھپی تھی ''تحفۃ المرشد'' (در حالات حضرت فضل احمد پشاوری)

میں نے یہاں سے حضرت وحدت سرہندی کے مکتوبات کا مجموعہ ''گلشنِ وحدت'' کا قلمی نسخہ مستعار لیا اور تخت بھائی کے لئے روانہ ہو گیا، یہ گاؤں، مردان سے دس میل آگے ہے (از طرف پشاور)، میں یہاں تین بجے پہنچ گیا، خدا کا شکر ہے کہ یہاں قاضی عبدالحلیم اثر افغانی مل گئے، جن سے میں ملا انہوں نے بہت سی کتابیں دکھائیں اور اپنے علمی معارف سے محظوظ کیا۔

میں ان کے ہاں صبح سات بجے تک رہا، پھر اُسی وقت یعنی ۴ر جولائی ۱۹۷۷ء کو یہاں سے روانہ ہو کر پشاور آ گیا، پشاور دس بجے پہنچا، نہا کر پشاور یونیورسٹی گیا، پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب منتظر تھے، فوراً واپسی کا پروگرام بن گیا، پشاور سے ہم دونوں، حضرو پہنچے، یہاں بابا خان محمد حضروی متخلص بہ اسدؔ سے ملاقات کی، ان کے ہاں ایک رات قیام کیا، یہاں سے ویسہ گئے، وہاں چند قلمی کتابیں دیکھیں اور رات کو حضرو سے پروفیسر منظور الحق صدیقی کیڈٹ کالج، حسن ابدال کے ہاں گئے، وہاں دو راتیں اور ایک دن قیام رہا، ایوب قادری صاحب ان کے ہمراہ، حسن ابدال اور ٹیکسلا کے آثار دیکھنے کے لئے چلے گئے اور میں گڑھی افغانان (واہ) کا کتب خانہ دیکھنے کے لئے روانہ ہو گیا۔

یہ چھ جولائی کی خوشگوار صبح تھی، سجادہ نشین حضرت محمد اعظم بڑی خندہ پیشانی سے ملے، یہاں خواجہ

سلیمان تونسوی کے خلیفہ حضرت شاہ محمد فاضل مدفون ہیں، اس لئے یہ خانقاہ فاضلیہ کہلاتی ہے، [3] یہاں بیش قیمت مخطوطات ملے یعنی ''غایۃ الحواشی'' مولفہ شاہ عنایت قادری قصوری [4] دوسرا اہم مخطوطہ ایک منظوم فارسی تذکرہ [5] تھا جو حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کے بعد کے حالات پر مشتمل ہے، میرا گمان ہے کہ اس کے مصنف آصف جاہ لال ہیں، مصنف حضرت شاہ نظام الدین اور ان کے صاحبزادہ شاہ فخر الدین، دونوں کا معتقد معلوم ہوتا ہے، تاہم ساری کتاب کا مطالعہ تا حال نہیں کیا، حتمی نتیجہ بعد میں معلوم ہوگا، میں نے ان دونوں کا فوٹوسٹیٹ بنوانے کی خواہش ظاہر کی تو سجادہ نشین صاحب نے ساتھ ایک آدمی بھیج کر یہ کام کروادیا، فوٹوسٹیٹ پر ایک سو چالیس روپے خرچ ہوئے۔

یہاں سے میں بڑی تیزی کے ساتھ حسن ابدال کے لئے روانہ ہوا کیوں کہ میں نے وعدہ کیا تھا کہ ساڑھے تین بجے حسن ابدال پہنچ جاؤں گا اور ہم اکٹھے ہی ٹیکسلا دیکھنے جائیں گے، لیکن سڑک ایک حادثہ کی وجہ سے بند تھی اس لئے وہاں سے گذرنے میں کافی وقت لگ گیا، منظور صدیقی صاحب اور قادری صاحب جا چکے تھے۔

رات کو صدیقی صاحب نے میری درخواست پر وہ دو دستاویزات [6] اپنے کتب خانے سے تلاش کر لیں جو حضرت مظہر جان جاناں کی خانقاہ کے بارے میں تھیں اور انہوں نے آئندہ جمعرات یا ہفتہ کے دن ہمراہ لاہور لانے کا وعدہ کیا۔

ہم دونوں صبح سات بجے مورخہ ۷ر جولائی کو اسلام آباد کے لئے روانہ ہوئے، دس بجے کے قریب اسلام آباد پہنچے، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد کو میں نے اپنا ایک مقالہ ''مشائخ پنجاب کا ایک نادر تذکرہ'' [7] فکر ونظر میں اشاعت کے لئے دیا، یہاں ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب اور پاشاہ بیگم صاحبہ سے ملاقات ہوئی، شام کا کھانا اُن کے ساتھ کھانے کا وعدہ کیا، بعد میں مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد کے لئے روانہ ہوئے، (ا) تین گھنٹے یہاں گذارے، عملے سے ملاقات کی اور عارف نوشاہی صاحب کے ہمراہ لاہور کے لئے روانہ ہوئے، بس رات نو بجے کے قریب لاہور پہنچ گئی اور ہم بخیر وعافیت رات دس بجے گھر پہنچ گئے۔

ا۔ راولپنڈی سے لاہور کے اس سفر کی داستان ڈاکٹر نوشاہی صاحب نے تفصیل سے اپنے ایک مقالہ: محمد ایوب قادری...... تاریخ وتہذیب کے ترجمان، مشمولہ (رسالہ) تحصیل، کراچی، شمارہ ۳ میں لکھ دی ہے۔

حواشی

۱۔ حضرت اخوند نسیم، حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید کے مخصوص خلفاء میں سے تھے۔
(مقاماتِ مظہری ۳۹۸، ۴۳۲۔۴۳۳)

۲۔ مولانا عبداللہ جان مجددی، حضرت مجدد الف ثانی کے برادر حقیقی حضرت عبدالرزاق کی اولاد میں سے ہیں، ان کے ہاں سلسلۂ مجددیہ کے بعض نادر مخطوطات بھی تھے، جو ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے اُن سے لے کر طبع کروادیئے تھے، میں اُن سے ''گلشنِ وحدت'' کا قلمی نسخہ مستعار لے کر لاہور لے آیا کہ فوٹوسٹیٹ بنوا کر واپس کردوں گا، جو مقصد پورا ہونے کے بعد انہیں لوٹا دیا گیا۔
مولانا عبداللہ جان، مدت دراز تک شاہ فضل احمد پشاوری معصومی کے مزار واقع محلّہ فضل حق، پشاور پر سجادہ نشین رہے اور انہوں نے اس سلسلہ کی کئی کتابیں بھی تالیف کی تھیں، ''تحفۃ المرشد'' کا اُردو ترجمہ کروا کر طبع کروایا تھا۔

۳۔ خانقاہِ فاضلیہ، گڑھی افغانان (واہ) میں ہے، یہاں شاہ فاضل کا مزار ہے جو خواجہ سلیمان تونسوی کے خلیفہ تھے، اس لئے یہ خانقاہ فاضلیہ کہلاتی ہے۔

۴۔ شاہ عنایت قادری قصوری (۱۰۶۵۔۱۱۵۰ھ قیاساً)
ایک اجل عالم وصوفی بزرگ تھے، آپ کے نادر رسائل کے ایک مجموعہ کا عکس میں نے ایک مفصل مقدمہ کے ساتھ دارالاسلام، لاہور سے ۲۰۱۸ء کو شائع کیا ہے۔

۵۔ یہ فارسی تذکرہ ''فخریۃ النظام'' ہے جس کے مصنف غازی الدین نظام ہیں، جو مشہور کتاب ''مناقب فخریہ'' کے بھی مولف ہیں، یہ بہت نادر قلمی نسخہ ہے، جس کا عکس اب میرے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) میں ہے۔ (شمارہ R.247)

۶۔ یہ دو اہم فیصلے ہیں جو خانقاہِ حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید سے متعلق ہیں، پروفیسر صدیقی نے ان کی عکسی نقول فراہم کر دی تھیں، جو ہماری مرتبہ کتاب ''مقاماتِ مظہری'' کے ساتھ بصورت عکس شاملِ اشاعت ہو چکی ہیں۔

۷۔ یہ مقالہ فضلی لاہوری کی کتاب ''عین التصوف'' کے ایک باب در احوال علماء و مشائخ پر مبنی ہے جو فکر و نظر، اسلام آباد میں شمارہ ۳، ج ۱۵، ستمبر ۱۹۷۷ء کو شائع ہوا تھا، بعد میں میرا یہ مقالہ پڑھ کر حضرت پیر طاہر حسین صاحب سجادہ نشین منگانی شریف، ضلع جھنگ نے یہ پوری کتاب اُردو ترجمہ سمیت شائع کر دی تھی۔

خانقاہ سراجیہ کندیاں وموسیٰ زئی

احقر ۶ رجون ۱۹۷۷ء کو شام ساڑھے سات بجے ٹرین انڈس میں لاہور ریلوے سٹیشن سے سوار ہوا اور صبح ۷رجون ۱۹۷۷ء کو پانچ بجے کندیاں جنکشن پر اترا، یہاں سے بذریعہ بس واپڈا کالونی کے دروازے پر اتر کر سٹیشن خانقاہ سراجیہ تک پیدل آیا، وہاں سے تقریباً ایک میل بطرف مغرب خانقاہ سراجیہ ہے، سٹیشن مذکور سے خانقاہ تک تمام راستہ ریتلا ہے، پیدل چلنا میرے لئے خاصا دشوار تھا، تاہم وہاں خانقاہ کے مدرسہ کے طلبہ کے ہمراہ میں خانقاہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا، بہت عالی شان مسجد بنی ہوئی ہے۔

آٹھ بجے صبح خانقاہ کے موجودہ سجادہ نشین مولانا خان محمد مدظلہ سے ملاقات ہوئی، بہت خوش اخلاقی سے ملے، اپنا مقصد بیان کیا تو پوچھنے لگے کہ تم نے پہلے بھی کچھ لکھا ہے؟ اس پر میں نے اپنی دو کتابیں ''احوال وآثار عبداللہ خویشگی قصوری'' اور ''حدیقۃ الاولیاء'' ان کو دکھائیں، بہت خوش ہوئے اور دو گھنٹے صَرف کر کے اپنے کتب خانہ سے قلمی کتابیں نکال کر علیحدہ رکھیں، بہت عمدہ کتب خانہ ہے، قد آدم سولہ الماریاں بھری ہوئی تھیں اور بہت سی کتابیں ترتیب دینے کے لئے اِدھر اُدھر پڑی ہوئی تھیں۔

میں نے دس بجے کتابیں دیکھنا شروع کیں، رات بھر گاڑی میں جاگنے کی وجہ سے بدن تھکان سے چور چور ہوگیا تھا لیکن خدا کے فضل سے طبیعت بحال تھی، اس لئے دقت نہ ہوئی، اٹھارہ مخطوطات پر سرسری سی نظر دوڑائی اور دو مخطوطات یعنی ''تحقیقات'' تصنیف حضرت محمد مراد تنگ کشمیری اور ''چار چمن'' حضرت وحدت سرہندی کا بالاستیعاب مطالعہ کیا، ''تحقیقات'' کی دو نقلیں موجود ہیں، ایک ظہور احمد نے مدینہ منورہ کے کتب خانہ ''عارف حکمت'' [۱] سے ۱۳۶۸ھ میں نقل کی تھی، دوسرا نسخہ اسی مذکورہ نقل سے مولانا محبوب الٰہی مدظلہ ساکن لاہور نے نقل کر کے دیا تھا، مجھے اس کتاب کی اشد ضرورت تھی، فہارس مخطوطات کے ذریعہ مجھے اس نسخے کے مدینہ منورہ میں موجود ہونے کا علم تھا، لیکن ان فہرست ساز حضرات نے تو اسے حضرت وحدت

سرہندی (عبدالاحد شاہ گل وحدت بن حضرت خواجہ محمد سعید بن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہم) سے منسوب کر دیا تھا۔

پھر مخدومی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان مدظلہ (حیدرآباد، سندھ) نے تو اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر اسے حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی مذکور کی تصنیف لکھ دیا، [۲] (مکتوب ڈاکٹر صاحب بنام راقم) ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں اس کا خطی نسخہ میں نے دیکھا ہے، پھر مولانا محبوب الٰہی نے تو اسے نقل کرتے ہوئے ازافادات وملفوظات حضرت وحدت بتایا ہے۔ (سرورق وخاتمۂ کتاب)

لیکن اس کتاب کے بالاستیعاب مطالعہ سے یہ غلط فہمی دور ہوگئی کہ یہ نہ تو حضرت وحدت کی تصنیف ہے اور نہ ہی اُن کے والد حضرت خواجہ محمد سعید کی ہے، بلکہ حضرت وحدت کے ایک اجل خلیفہ حضرت شیخ محمد مراد ننگ کشمیری کی ہے، راقم نے اس کشمیری بزرگ کے احوال پر ایک مستقل کتاب ۱۹۷۱ء میں لکھی تھی [۳] جس میں اس کتاب کا تعارف اور تلخیص "فیض مراد" سے نقل کر کے اس میں شامل کی ہے، مجھے شروع سے ہی تشویش تھی کہ یہ کتاب مذکورہ دونوں سرہندی حضرات کی تصنیف نہیں ہے، بلکہ یہ اُن کے خلیفہ حضرت شیخ محمد مراد کی ہے، الحمدللہ! آج میری یہ تشویش یقین میں بدل گئی۔

کندیاں سے ۱۸؍جون ۱۹۷۷ء کو موسیٰ زئی شریف کے لئے روانہ ہوا، بس کے ذریعہ پہلے ڈیرہ اسماعیل خان آیا، ساٹھ میل کا فاصلہ سڑک خراب ہونے کے باعث بس نے چار گھنٹوں میں طے کیا، ڈیرہ اسماعیل خان سے دوسری بس کے ذریعہ موسیٰ زئی شریف کے لئے سوار ہوا تو معلوم ہوا کہ بس ایک گھنٹہ کے بعد روانہ ہوگی، پھر ایک مایوسی کی خبر ملی کہ بس موسیٰ زئی نہیں جاتی کیوں کہ سڑک کے راستے میں جو بڑی ندی سوانڑی ہے اس میں کوہ سلیمان پر رات بارش ہونے کی وجہ سے پانی آ گیا ہے، لہٰذا یہ بس صرف اڈہ ڈرابن تک جائے گی، چنانچہ میں اللہ کا نام لے کر اس میں سوار ہوا، مذکورہ ندی میں کمر تک پانی تھا لیکن بہاؤ خاصا تیز تھا، اس سے بیشتر میں نے کبھی اتنے گہرے پانی میں قدم نہیں رکھا، تاہم ذوق مطالعہ سے سرشار ندی میں داخل ہوا، تین مرتبہ ایسا جھٹکا لگا کہ محسوس ہوا ابھی یہ پانی مجھے بہا کر لے جائے گا، لیکن خدا کے فضل وکرم سے میں اس کو عبور کرنے میں کامیاب ہو گیا، ندی کے دوسرے کنارے سے پاؤں دھوتے ہوئے ایک نوجوان

نے مجھ سے پوچھا، تم کہاں جانا چاہتے ہو؟ کیونکہ میرا رنگ دہشت کی وجہ سے خاصا زرد پڑ چکا تھا، مجھے پریشان دیکھ کر اس نے تعارف کروایا کہ میں ڈیرہ اسماعیل خان میں لاء کا طالب علم ہوں، میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ کوئی میری بات سمجھنے والا نکل آیا ہے، میں نے اُسے بتایا کہ میں لاہور میں تاریخ کا پروفیسر ہوں اور خانقاہ شریف موسیٰ زئی میں کتب خانہ دیکھنے کے لئے لاہور سے آیا ہوں، اس نے یہ خوش خبری سنا کر جان ڈال دی کہ میں تو خانقاہ کے حضرات کا رشتہ دار ہوں اور موجودہ سجادہ نشین مولانا محمد اسماعیل میرے خالو ہیں، سچ ہے خدا مسافروں کی مدد ہر حال میں کرتا ہے۔

اڈہ ڈرابن پہنچ کر دم لیا، تو یہاں بس والوں نے آگے خانقاہ تک جانے سے انکار کر دیا کیونکہ راستے میں دو مزید چھوٹی ندیاں تھیں، ان میں بھی بارش کی وجہ سے پانی اور کیچڑ موجود تھا، سورج سوا نیزے پر تھا، دوپہر کا ایک بجا ہوگا، میں اس سے بہت گھبرایا، کیونکہ یہاں سے خانقاہ تک کا فاصلہ چار میل تھا، سخت حبس، گرمی اور تھکن نے رہا سہا دم توڑ کر رکھ دیا تھا، ہم نے اُسی دیہاتی ہوٹل میں ایک گھنٹہ آرام کیا اور دو بجے وہاں سے اللہ کا نام لے کر پیدل ہی چل پڑے، راستہ میرے لئے خاصا دشوار گزار تھا، ابھی چند فرلانگ ہی چلا تھا کہ سخت پیاس لگی، کہیں دور دور تک پانی کا نشان تک نہیں تھا، تاہم ہمت باندھے چلتے رہے، ایک بابا درخت کے نیچے بیٹھا تھا، ہم اس کے پاس گئے اور پانی طلب کیا، اُس نے فراخ دلی سے اپنی ساری بوتل ہمارے حوالے کر دی، پانی پی کر اس کا شکر ادا کیا، لیکن اس کے پندرہ منٹ کے بعد پھر سخت پیاس لگی، اب صبر کر کے چلتے رہے اور نصف راستے میں دونوں ندیوں کو عبور کیا، اس میں پانی بہت کم تھا نہ ہونے کے برابر، دس منٹ چلے تھے کہ پانی کا نل نظر پڑا، خوب سیر ہو کر پانی پیا اور دس منٹ درخت کے نیچے بیٹھ کر سستائے، اس طرح اس فرشتہ صفت معلم جس کا نام سعید الدین بن غلام محمد خان زمیندار ہے کی رہنمائی اور معیت میں چار میل کا فاصلہ چار گھنٹے میں طے کیا۔

جب موسیٰ زئی پہنچے تو پیاس اور گرمی سے برا حال ہو رہا تھا، برف موجود نہیں تھی، گھڑے کے پانی سے میزبان کے بھائی صاحبزادہ محمد نعمان صاحب نے شربت بنایا، ڈیڑھ جگ پی گیا، لیکن پیاس نہ بجھ سکی۔

اتنے میں خبر ملی کہ صاحبزادہ محمد سعد معروف بہ مرشد بابا سراجی صاحب بن حضرت مولانا محمد اسماعیل مدظلہما آج ہی ڈیرہ اسماعیل خان گئے ہیں، یہ خبر میرے لئے سب سے زیادہ وحشت ناک تھی، بے ہوشی سی

طاری ہوگئی، نڈھال ہوکر لیٹ گیا، کچا اور ندیوں کا گندا پانی پی پی کر پیٹ میں خاصا درد ہونے لگا تھا، پھر ڈیڑھ جگ پانی مزید پی لینے سے حالت غیر ہوگئی، تھوڑی دیر آرام کیا تو طبیعت کو کچھ سکون آیا، نہانے سے حالت زیادہ بہتر ہوگئی، پھر پاخانہ کی حاجت ہوئی تو پانی کی طرح پتلا مواد دو مرتبہ خارج ہوا جس سے خاصا ضعف ہو گیا، چکر آنے لگے، عشاء کی نماز کے بعد طبیعت مزید بگڑی، یہاں اس جنگل میں ڈاکٹر یا حکیم کا کیا سوال؟

تاہم یہ خانقاہ شریف بہت بابرکت اور انوار وتجلیات کا منبع ہے، میں فوراً حضرات کے مزارات پر فاتحہ خوانی اور زیارت کے لئے گیا، صحت کے لئے دعا کی جو اللہ کے فضل وکرم سے قبول ہوئی اور پیٹ کی حالت بہت جلد بہتر ہوگئی۔

یہ چھوٹا سا گاؤں ہے جو تحصیل کلاچی، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان، صوبہ سرحد (خیبر پختونخواہ) میں شامل ہے، پاکستان کو بنے ہوئے تیس سال ہوگئے لیکن گذشتہ سال یہاں پہلی مرتبہ بجلی پہنچی ہے، ریتلا علاقہ ہے، خوردنی چیزوں کی خاصی کمی ہے۔

یہاں حضرت خواجہ دوست محمد قندھاری خلیفہ اکبر حضرت شاہ احمد سعید مجددی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران حضرت شاہ احمد سعید نے، دہلی سے مدینہ منورہ ہجرت کی تو شاہ صاحب دہلی سے خانقاہ اور مریدین کو حضرت حاجی دوست محمد قندھاری کے سپرد کرنے کے لئے موسیٰ زئی شریف تشریف لائے تھے، جس کی تفصیل ''مناقب احمدیہ ومقاماتِ سعیدیہ'' ۴ مولفہ حضرت محمد مظہر بن شاہ احمد سعید اور ''ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین'' ۵ از حضرت شاہ محمد معصوم میں موجود ہے۔

اگلے روز یعنی ۱۵ رجون کو طبیعت بحال ہوگئی، میں سارا دن بے چینی اور اضطراب سے کتب خانہ کے انچارج محمد سعد سراجی مرشد بابا صاحب کا انتظار کرتا رہا، اسی دوران خبر ملی کہ ندی سوانڑی میں اب ایک منزل تک پانی بھر گیا ہے، راستہ بالکل بند ہو چکا ہے، اب نہ میں واپس جا سکتا ہوں اور نہ سعد صاحب آج پہنچ سکتے ہیں، ناچار آہیں بھرتا اور خانقاہ کے دروازے پر نظریں لگائے ہر آہٹ پر کان کھڑے ہوجاتے لیکن جس کی انتظار تھی وہ نہ آیا، اسی طرح سارا دن گزر گیا، رات بھی بیت گئی اور صبح یعنی ۲۰ رجون کو ایک اور آدمی ڈیرہ اسماعیل خان بھیجا کہ سعد صاحب کو میرے آنے کی اطلاع کرو، اب دس بج چکے ہیں لیکن حضرت سعد

صاحب تشریف نہیں لائے، اسی وقت ان کا ایک دوست ڈیرہ جا رہا ہے، ان سے پُرزور درخواست کی ہے کہ سعد صاحب جہاں بھی ہوں انہیں اطلاع کریں، خدا کرے وہ آج جلد پہنچ جائیں۔

اس خانقاہ شریف میں حضرت حاجی دوست محمد قندھاری، حضرت خواجہ محمد عثمان (خلیفہ حضرت حاجی صاحب)، حضرت سراج الدین بن حضرت محمد عثمان اور حضرت صاحبزادہ محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہم کے مزارات ہیں۔ ۶

مزارات مذکورہ خوبصورت ٹائیلوں سے بنے ہوئے ہیں، کہیں کوئی گندگی نہیں ہے، اس کے ساتھ ایک چھوٹی مسجد اور مدرسہ بھی ہے جہاں طلبہ ابتدائی دینی علم پڑھتے ہیں۔

میں ۱۸رتا ۲۰رجون تین دن تک صاحبزادہ محمد سعد سراجی صاحب کا انتظار کرتا رہا، آخر ان کے بڑے بھائی صاحبزادہ محمد نعمان صاحب کو میری حالت پر رحم آیا اور انہوں نے صبح یعنی ۲۱رجون کو کسی طریقے سے کتب خانہ کھولنے کا وعدہ کیا۔

چنانچہ فجر کی نماز کے بعد کتب خانہ کھولا گیا تو جان میں جان آئی، صاحبزادہ محمد نعمان کا کہنا ہے کہ یہ کتب خانہ پہلے ہمارے حضرات (حضرت خواجہ حاجی دوست محمد قندھاری، حضرت خواجہ محمد عثمان اور حضرت سراج الدین) کا تسبیح خانہ تھا، یعنی اس کمرہ میں منازلِ سلوک، مریدین سے ملاقات اور توجہ وغیرہ کے اعمال کئے جاتے تھے، اب اسے کتب خانہ میں بدل دیا گیا ہے۔

اب اس کمرہ میں سات الماریاں کتابوں سے بھری ہوئی ہیں، پانچ بڑی اور دو چھوٹی ہیں، کتابیں بغیر کسی ترتیب کے رکھی ہوئی ہیں، مخطوطات اور مطبوعات باہم ملی ہوئی ہیں، جس سے مجھے بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا، چنانچہ سب سے پہلے میں نے مخطوطات الگ کرنے شروع کیے، ایک الماری میں سے اڑھائی سو کے قریب مخطوطات نکلے جنہیں میں دوسرے کمرہ یعنی مہمان خانہ جو پہلے حضرت سراج الدین صاحب کا کمرۂ ارشاد تھا، میں لے گیا، وہاں ایک بجے تک تمام مخطوطات دیکھ ڈالے اور بالاستیعاب پڑھنے والے مخطوطات الگ کر لئے، باقی واپس لے جا کر اُسی الماری میں رکھ دیئے۔

اتنے میں صاحبزادہ محمد سعد سراجی مدظلہ بھی تشریف لے آئے، جنہیں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی اور بڑے

تپاک سے ملے، دیر تک مزاج پرسی اور مشفقانہ باتیں کرتے رہے۔

شام کو میں نے صاحبزادہ سعد صاحب سے مل کر دوسری الماریوں کے مخطوطات الگ کرنے شروع کیے، ایک الماری بصد مشکل نصف سے کچھ زیادہ دیکھی کیوں کہ اس کتب خانہ کے کمرہ میں شدید حبس تھا، کوئی کھڑکی کسی طرف بھی نہیں کھلتی تھی، بہت بدحال ہو گیا، اس میں سے کوئی خاص مخطوطات برآمد نہ ہو سکے، صرف چند مخطوطات لے جا کر مہمان خانہ میں رکھے کہ صبح دیکھوں گا۔

۲۲ رجون صبح نماز فجر کے بعد دوبارہ کتب خانہ کی طرف رخ کیا اور بارہ بجے تک صاحبزادہ صاحب کی مدد سے باقی تمام الماریاں دیکھ ڈالیں لیکن کوئی خاص اور اہم کتاب نہ ملی، تاہم میں جتنی کتابیں کل اور آج لایا تھا وہ شام تک ختم کر لیں اور اُن کے نام وغیرہ الگ فہرست میں نوٹ کر لئے، میرے لئے بعض قلمی کتابیں بہت قابل توجہ تھیں مثلاً:

(۱) کلمۃ الحق رسالۂ مولوی غلام یحییٰ در بارہ وحدت الوجود وشہود بفرمائش حضرت مظہر ۷

(۲) رسالہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی در احوال اولاد حضرت مجدد الف ثانی قدس اسرارہم ۸

(۳) راحت الارواح (در حالات شاہ عزیز اللہ لاہوری، ف ۱۰۸۴ھ) مولفہ محمد سعید ۹

(۴) مجموعہ حالات وملفوظات حضرت خواجہ دوست محمد قندھاری از معز الدین ۱۰

(۵) فتوح الاوراد از فتح محمد برہانپوری، اس کے سرورق پر حضرت شاہ محمد مظہر بن حضرت شاہ احمد سعید کی مہریں اور تحریر تھی جس کا عکس درکار تھا۔ ۱۱

یہ کتابیں میں نے نہایت دلچسپی سے پڑھیں اور ضروری اقتباسات لئے، لیکن دو کتابیں، جن کے اس کتب خانہ میں وجود کا مجھے مختلف ذرائع سے علم تھا وہ نہ مل سکیں، یعنی ''مقاماتِ معصومی'' ۱۲ از صفر احمد اور رسالہ در حالات حضرت خواجہ محمد معصوم از حاجی محمد عاشور ۱۳ یہ کتابیں میرے لئے نہایت ہی بیش قیمت مآخذ کا درجہ رکھتی ہیں، اول الذکر کتاب کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ ہمارے ایک معتقد مستعار لے گئے ہیں واپس آنے پر دکھا دیں گے، لیکن حاجی محمد عاشور کی مذکورہ کتاب کے وجود کا نام ونشان نہیں تھا، ممکن ہے ''مقاماتِ معصومی'' کے ساتھ مجلد ہو۔

صاحبزادہ محمد سعد صاحب نے بتایا کہ حضرت محمد مظہر بن شاہ احمد سعید نے شاہ احمد سعید کے حالات پر عربی میں ایک رسالہ لکھا تھا جس کا نام "رشحات عنبریہ" ہے، وہ کئی روز سے ہمارے کتب خانہ سے غائب ہے مل گیا تو تمہیں بھیج دیں گے۔

میں نے حضرت صاحبزادہ صاحب سے مذکورہ بالا پانچ کتب مستعار مانگیں تو موصوف نے نہایت فراخ دلی سے عنایت فرمادیں، چنانچہ میں نے ارادہ ظاہر کیا کہ صبح یعنی ۲۳ر جون ۱۹۷۷ء کو لاہور کے لئے روانہ ہو جاؤں گا، صاحبزادگان نے بہت اصرار کیا کہ مزید قیام کرو اور حقیقت ہے کہ جس قدر، شفقت خلوص اور مہمان نوازی کا مظاہرہ اس خانقاہ میں میرے ساتھ کیا گیا کسی مہذب سے مہذب شہر میں بھی ایسا ممکن نہیں۔

آخر صاحبزادگان نے اجازت دے دی کہ تم صبح چلے جانا، میں خاصا بیمار اور مضمحل سا ہو رہا تھا چنانچہ صبح سوا چار بجے کی بس میں صاحبزادہ محمد سعد صاحب نے مجھے خود سوار کیا اور ڈرائیور سے میرے آرام کا خیال کرنے کی ہدایت کی، چھ بجے کے قریب ڈیرہ اسماعیل خان پہنچ گیا، یہاں سے سات بجے کے قریب نہایت شاندار بس مل گئی جو لائل پور تک جاتی تھی، لیکن راستے میں ڈیرہ اسماعیل خان سے کندیاں تک سڑک خراب ہونے کی وجہ سے کافی وقت ضائع ہو گیا یعنی چھ گھنٹے اور یہ فاصلہ کل ۴۵ میل ہے، آخر خدا خدا کر کے پانچ بجے بعد دوپہر سرگودھا پہنچا۔

جسم میں گرمی کی وجہ سے سفر جاری رکھنے کی بالکل طاقت نہیں رہی تھا سوچا کہ دو تین گھنٹے آرام کر کے رات کی بس سے لاہور کے لئے رخت سفر باندھوں گا لیکن پھر دل نہ چاہا اور بغیر ایک لحہ آرام کئے لاہور کی بس میں جو خوش قسمتی سے تیار کھڑی تھی بیٹھ گیا، گرمی کی شدت میں دو گھنٹوں کے بعد کچھ کمی ہوئی، اتفاق سے اس بس میں ارشاد حسین شاہ صاحب کے صاحبزادے مل گئے جو میرے لئے مددگار ثابت ہوئے، رات پونے دس بجے لاہور پہنچا اور تانگے کے ذریعے گھر کی راہ لی۔

خداوند کریم کا شکر بے حساب و بے عدد ہے کہ میں اتنی گرمی میں اتنا طویل سفر جو کہ لاہور سے تقریباً چار سو میل دور ہے تہ کرلیا۔

حواشی

۱۔ شیخ الاسلام عارف حکمت کا ایک عظیم کتب خانہ مسجد نبوی شریف، مدینہ منورہ میں تھا، جو توسیع حرم کے دوران مسمار کر دیا گیا اور پھر اس کے مخطوطات اٹھا کر مکتبۃ الملک عبدالعزیز، عقب مسجد شریف میں منتقل کر دیا گیا، ہم نے شیخ حکمت پر ایک مختصر مقالہ لکھا ہے جو ارمغان امام ربانی کی دسویں جلد میں شامل ہے۔

۲۔ ہم نے ''لطائف المدینہ'' کے مقدمہ میں ایک غلط فہمی کا ازالہ کے عنوان سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کے اس سہو کی نشاندہی کی ہے۔

۳۔ ہم نے یہ کتاب فیض مراد کے مقدمہ کے طور پر شامل کر دی ہے۔

۴۔ مناقب احمدیہ و مقاماتِ سعیدیہ (در حالات حضرت شاہ احمد سعید مجددی) تالیف شاہ محمد مظہر مجددی مدنی، مطبوعہ اکمل المطابع، دہلی، ۱۲۸۱ھ یہی ایڈیشن ہمارے مختصر تعارفی نوٹ کے ساتھ دارالاسلام، لاہور سے ۲۰۱۷ء کو دوبارہ عکسی صورت میں شائع ہو گیا ہے۔

۵۔ ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین تالیف شاہ محمد معصوم رام پوری بن شاہ عبدالرشید بن شاہ احمد سعید مجددی، پہلے رام پور سے ۱۳۰۸ھ کو خود مولف نے شائع کروائی تھی، پھر یہ نادر الوجود مطبوعہ کتاب ہمارے مقدمہ اور تعلیقات کے ساتھ تنظیم الاسلام پبلی کیشنز، گوجرانوالہ سے ۲۰۱۷ء کو چھپ چکی ہے۔

۶۔ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف میں مدفون حضرات کے حالات مذکورہ کتب کے علاوہ فضائل الباری فی مناقب حاجی دوست محمد قندھاری (ملفوظات حاجی صاحب) جامع رحیم بخش اجمیری ہرصوری مرتب معزالدین کو بھی ہمارے مفصل مقدمہ کے ساتھ ۲۰۱۷ء کو امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور سے شائع ہو چکی ہے، میں مل سکتے ہیں۔

۷۔ کلمات الحق تالیف مولانا غلام یحییٰ بہاری (ف ۱۱۸۶ھ/۱۷۷۲ء) وحدت الشہود کی تائید میں ہے، مولف نے اسے ۱۱۸۴ھ کو حضرت مرزا مظہر کے امر پر تالیف کیا تھا، اس کے کئی خطی نسخے ملتے ہیں،

''کلمات الحق'' کا رد شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے ''دمع الباطل'' کے نام سے لکھا تھا، جسے مولانا عبدالحمید سواتی نے مرتب کر کے گوجرانوالہ سے شائع کر دیا تھا، انہوں نے اس کے دوسرے ایڈیشن کے ساتھ ''کلمات الحق'' بطور ضمیمہ شامل کردی تھی۔ (مقامات مظہری، طبع سوم ۳۸۷، ۴۲۱-۴۲۳)

۸۔ رسالہ در انساب اولاد حضرت مجدد الف ثانی مولفہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (ف ۱۲۲۵ھ) کے اسی خطی نسخہ کا عکسی ایڈیشن ہم نے ایک مقدمہ کے ساتھ امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور سے ۲۰۱۸ء کو شائع کر دیا ہے۔

۹۔ راحت الارواح مولفہ محمد سعید، شیخ عزیز اللہ (۱۰۴۷ھ-۱۰۸۴ھ/ ۱۶۳۷-۱۶۷۴ء) کی سوانح ہے، اس کے مختلف نسخوں کی تفصیل کے لئے دیکھئے: فہرست مخطوطات ومصورات ذخیرۂ مجددی، شمارہ R.332)

۱۰۔ رک حاشیہ نمبر ۶

۱۱۔ فتوح الاوراد، اس کے اس اہم ورق کا عکس ہم نے ''رشحات عنبریہ'' کے ساتھ شائع کر دیا تھا۔

۱۲۔ مقاماتِ معصومی، یہ میر صفر احمد معصومی (نواسۂ حضرت خواجہ محمد معصوم) کی تالیف ہے جو انہوں نے اپنے نانا اور حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادہ و جانشین حضرت خواجہ کے احوال پر لکھی ہے، اس کا یہ نسخہ بعد میں حضرت صاحبزادہ محمد سعد سراجی نے مجھے لاہور بھیج دیا جسے میں نے خانقاہِ مظہری، دہلی کے قلمی نسخہ کے ساتھ تقابل سے مرتب کر کے چار ضخیم مجلدات میں ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور سے ۲۰۰۴ء کو شائع کروا دیا تھا۔

۱۳۔ رسالہ در حالات حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی تالیف حاجی محمد عاشور بخاری، اس کا ذکر ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی نے اپنی کتاب کتابخانہ ہای پاکستان (۱/۱۷۴) میں کیا ہے کہ اس کا قلمی نسخہ کتابخانہ خانقاہِ احمدیہ سعیدیہ، موسیٰ زئی میں ہے، لیکن بعد میں ہمیں یہ تحقیق ہوا کہ ڈاکٹر تسبیحی کو غلطی فہمی ہوئی تھی، یہ دراصل مکتوبات خواجہ محمد معصوم کی جلد سوم ہے۔ (مقاماتِ معصومی ۴/۴۱۴)

۱۴۔ رشحات عنبریہ کے دو قلمی نسخے ملے تھے ایک تو ہم نے مقدمہ کے ساتھ شرقپور سے ۱۹۷۹ء کو اور دوسرا نسخہ بخط شیخ شیر محمد نقشبندی کا عکس بھی ارمغان امام ربانی کی جلد نہم میں شامل کر دیا ہے۔

راولپنڈی، اسلام آباد، گولڑہ شریف

احقر بروز منگل مورخہ ۴؍جولائی ۱۹۷۸ء بذریعہ ریل کار صبح ساڑھے چھ بجے لاہور سے راولپنڈی کے لئے روانہ ہوا، گاڑی خدا کے فضل وکرم سے ٹھیک بارہ بجے دوپہر راولپنڈی پہنچ گئی، یہاں ہوٹل الحیات میں کھانا کھایا، ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ صاحب کو ٹیلی فون کیا لیکن معلوم ہوا کہ وہ کراچی گئے ہوئے ہیں۔

مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران وپاکستان، اسلام آباد میں بھی ٹیلی فون کیا لیکن وہاں سے کوئی جواب نہ ملا، بذریعہ ویگن مرکزِ تحقیقات میں گیا تو اسے بند پایا، دو سے تین بجے تک احمد منزوی صاحب کا انتظار کیا، آخر وہ آگئے اور میں ان کی خوابگاہ میں آرام کرتا رہا، غسل کر کے محترمہ پاشاہ بیگم صاحبہ کے ہاں گیا، لیکن معلوم ہوا کہ وہ تو عرصہ دراز سے اسلام آباد میں نہیں آئیں۔

پھر پروفیسر ملک محمد اقبال صاحب [۱] کے گھر کی تلاش میں میلا دنگر، راولپنڈی کے لئے نکلا، ان کا گھر شہر سے بہت دور تھا، خاصی تگ ودو کے بعد معلوم ہوا کہ وہ تو وہاں سے نیا مکان بنا کر جابسے ہیں جو کٹاریاں (سیٹلائٹ ٹاؤن) میں واقع ہے، اب رات کے ساڑھے آٹھ بج چکے تھے، میں خاصا تھک گیا تھا، اب اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ میں ہوٹل تلاش کروں یا صاحبزادہ عارف نوشاہی صاحب کے ہاں جاؤں، آخر رات نو بجے کے قریب صاحبزادہ صاحب ک ہاں پہنچ گیا، بڑی محبت سے ملے، اُن کے ہاں رات رہا، کھانے کے بعد دلچسپ علمی گفتگو رہی۔

صبح ۵؍جولائی کو گولڑہ شریف جانا تھا اس لئے حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب کی ہدایت پر بشیر حسین ناظم صاحب [۲] سے وہاں کے لئے ایک تعارفی رقعہ بھی حاصل کرنا تھا، اب ناظم صاحب کی تلاش میں نکلا، وزارتِ مذہبی امور کے دفتر میں پہنچا تو انہوں نے کہا کہ یہاں تو وزارت مذہبی کے سات دفاتر ہیں اور ہر دفتر کے درمیان میل ڈیڑھ میل کا فاصلہ ہے، آخر ایک صاحب سے پتہ چلا کہ وہ تو دفتر آر اینڈ آر

ونگ R. and R wing میں کام کرتے ہیں، وہاں پہنچنا بھی دشوار تھا تاہم خدا کی مدد سے ڈیڑھ گھنٹہ کی تلاش کے بعد وہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا، ناظم صاحب کی مانوس آواز کانوں میں گونج رہی تھی، ان سے صاحبزادہ غلام نصیر الدین نصیر ؔ کے نام رقعہ لیا، رقعہ تمسخر آمیز تھا، رقعہ لے کر میں بذریعہ ویگن گولڑہ کے لئے روانہ ہوا، یہ گاؤں شہر راولپنڈی سے بارہ میل دور ہے، ویگن پشاور جانے والی سڑک پر چل پڑی، چند میل کے بعد اس نے دائیں طرف مڑنا شروع کیا، اس کے بعد چند منٹوں میں ہم گولڑہ پہنچ گئے، مختصر سا گاؤں ہے، یہ گاؤں حضرت پیر مہر علی شاہ چشتی گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے مسکن و مدفن ہونے کی حیثیت سے خاصا معروف ہے، بلکہ گاؤں کی سب سے مشہور جگہ تو انہیں حضرات کی حویلیاں اور خانقاہیں ہی ہیں، باقی اس گاؤں میں قابل ذکر مقام شاید نہیں ہے، یوں بھی میرے پاس وقت کی کمی تھی اس لئے گاؤں میں گھوم پھر کر نہ دیکھ سکا۔

خانقاہ شریف میں پہنچا تو وہاں قوالی ہو رہی تھی، سجادہ نشین اس سماع میں تشریف فرما تھے، میں نے ایک صاحب سے پوچھا کہ اس محفل میں صاحبزادہ غلام نصیر الدین کہاں ہیں؟ کسی نے بتایا کہ وہ نیچے کمرے میں ہوں گے، میں ان کے پاس گیا، انہوں نے رقعہ پڑھا، کسی قسم کی توجہ نہ دی، بلکہ کہا کہ اگر کتب خانہ دیکھنا ہے تو حضرت والد صاحب سے ملو، میں ہمت کر کے ان کے پاس گیا، عقیدت مندوں کا بڑا ہجوم تھا، نذر وفتوح کی بارش ہو رہی تھی، ان کو بات کرنے کی فرصت کہاں تھی، آخر جب ہجوم کچھ کم ہوا تو میں آگے بڑھا اور اپنا مدعا بیان کیا کہ مجھے علمی و تحقیقی کام کی غرض سے خانقاہ شریف کا کتب خانہ دیکھنا ہے، بولے کیوں دیکھنا چاہتے ہو؟ میں نے اپنا مقصد بتایا تو سمجھ نہ سکے کیوں کہ دست بوسی کرنے والوں کا اتنا ہجوم تھا کہ..........

آخر ایک صاحب بڑے بھنا کر بولے: میاں! تم کتب خانہ دیکھ کر کیا کرو گے، آخر حضرت صاحب کو رحم آیا اور انہوں نے انہیں صاحب کو میرے ساتھ کیا کہ ان کو کتب خانہ دکھاؤ، یہی صاحب کتب خانہ کے انچارج تھے، راستے میں انہوں نے پوچھا کہ تم کتاب لکھ کر کیا کرو گے، جب بڑے بزرگ سب کتابیں لکھ گئے ہیں تو اب لکھنے کا کیا فائدہ؟

اُن کا کہیں جانے کا پروگرام تھا میرے اچانک آٹپکنے سے مزید رنجیدہ ہوئے، تاہم میں ان کے ساتھ چلتا رہا، کتابوں کا رجسٹر منگوایا خدا کا شکر ہے کہ اس رجسٹر میں قلمی کتب یک جا ہی مندرج تھیں، چند کتابوں کے نام نوٹ کر کے مع نمبر اُن کو دیئے، وہ نکال لائے، اس سے بیشتر اس کتب خانہ کے فارسی مخطوطات کی فہرست مرکزِ تحقیقات فارسی، اسلام آباد میں دیکھ چکا تھا، اس میں نمبر درج نہیں تھے تاہم دس بارہ مخطوطات دیکھے، ان میں میرے لئے سب سے زیادہ قابل توجہ ایک مجموعہ رسائل مولانا محمد امین بدخشی ؎۴ تھا، جو حضرت شیخ آدم بنوڑی ؎۵ کے خلیفہ تھے، اس مجموعہ میں ان کے مختلف رسائل تھے، جن کا تعلق حضرت شیخ آدم بنوڑی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، یہ بیاض یا مجموعہ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، ایک جگہ مہر (محمد امین بدخشی غفرلہ) لگی ہوئی تھی، یہ وہی مہر اور خط ہے جو میرے پاس ان کے ایک دوسرے مجموعہ ''خلاصۃ المعارف مع رسائلِ دیگر'' پر ثبت ہے ؎۶ اور اس کا خط تو بالکل اسی مجموعہ سے مشابہ ہے، اب میرے لئے بہت دشواری کی بات یہ تھی کہ اس مجموعہ کا فوٹوسٹیٹ کیسے کروایا جائے، وہاں تو فوٹوسٹیٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جب ناظم کتب خانہ مولوی محمد فاضل چشتی سے فوٹوسٹیٹ کے لئے کہا تو انہوں نے کانوں کو ہاتھ لگائے اور کہا کہ حضرت تو کتاب کتب خانہ سے باہر نہیں لے جانے دیتے، تاہم تم بات کرلو، ممکن ہے تمہاری قسمت ساتھ دے اور وہ مان جائیں، لیکن اس وقت تک حضرت خواب گاہ میں جا چکے تھے، پانچ بجے آئیں گے، اس وقت دو بجے تھے، تین گھنٹے کون انتظار کرے۔

مولوی محمد فاضل نے کہا کہ اگر ان کے چھوٹے بھائی اجازت دے دیں تو راولپنڈی تک میں کوئی آدمی بھیج دوں گا تا کہ فوٹو کاپی بن سکے، اب میں اُن کی نشست گاہ میں گیا، معلوم ہوا تین بجے آتے ہیں لیکن وہ تین کی بجائے چار بجے آئے، پاؤں چومنے والوں اور تعویذ لینے والوں کی بڑی کثرت تھی، میں نے اپنا مافی الضمیر بیان کیا تو فرمایا مطمئن رہو، بڑے حضرت آنے والے ہیں، ان کی اجازت کے بغیر یہ کام انجام نہیں پا سکتا۔

اب ایک ایک منٹ حضرت کی راہ تک تک کر گزارا، پانچ بج گئے لیکن حضرت نہ آئے، آخر خدا خدا کر کے پونے چھ بجے تشریف لائے، آتے ہی جماعت کے ساتھ نماز ادا کی، اور لوگوں سے ملنا شروع کیا، مجھ

سے پوچھا کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا کہ ایک کتاب کا فوٹوسٹیٹ درکار ہے، بولے یہاں تو انتظام نہیں ہے، میں نے کہا کہ آپ میرے ساتھ کوئی آدمی راولپنڈی تک بھیج دیں، تھوڑے تامل کے بعد کہنے لگے ہم خود ہی راولپنڈی جارہے ہیں، تم ہمارے ساتھ چلو، وہاں سے فوٹوسٹیٹ بنوا لینا، میں نے راستے میں مخطوطہ پر اوراق کے نمبر لگائے، کل اوراق چوراسی بنے، صدر میں فوٹوسٹیٹ خاصا مہنگا تھا تاہم مجبوری تھی، حضرت کو آگے نہیں جانا تھا، چوراسی کاپیوں کے بارہ آنے فی کاپی کے حساب سے اس نے تریسٹھ روپے لئے، جب کہ لاہور میں اسی کے کل پچیس روپے ہوتے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ناظم صاحب کا رقعہ جس صاحبزادے کے پاس لے کر گیا تھا وہ صاحب تو فوٹوسٹیٹ کے نام سے کانپ اُٹھے، اس باب میں مدد کرنا تو درکنار انہوں نے صاف انکار کر دیا، میں انہیں عالم صاحبزادہ سمجھ کر ان کے نام کا رقعہ لے کر گیا تھا لیکن انہوں نے تو دو جملے بھی زبان سے ہمدردی یا تعارف کے طور پر حضرت سے جا کر نہ کہے، صاحب علم ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ میرے ساتھ خود راولپنڈی چلے جاتے اور صبح ہی اس کا فوٹو بنوا کر واپس آجاتے، شام سات بجے تک صرف حضرت سے اجازت لینے کے لئے بیٹھا رہا۔

میں حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پُر انوار کی زیارت کے لئے بھی گیا، دیر تک دعا کرتا رہا، اللہ تعالیٰ ہم سب کا ایمان سلامت رکھے، آمین

رات نو بجے ہوٹل سلاطین، راولپنڈی آکر سو رہا، صبح اُٹھا تو بارش ہو رہی تھی، اب بھی کبھی ہلکی اور کبھی تیز بارش جاری ہے۔

اسلام آباد یونیورسٹی اور مرکزِ تحقیقات جانے کا ارادہ ہے۔

۶ رجولائی، شدید بارش میں ہی چار روپے ایک تانگہ والے کو دے کر ڈیڑھ فرلانگ کا فاصلہ طے کیا، وہاں سے بذریعہ ویگن، اسلام آباد پہنچ گیا، مرکزِ تحقیقات فارسی میں جا کر لباس تبدیل کیا اور قائداعظم یونیورسٹی چلا گیا، دراصل وہاں سے ذخیرۂ ایس ایم اکرام ۷ (کتب خانہ سوشل سائنس) سے ایک نادر مخطوطہ "گلزار ابرار" ۸ مولفہ محمد غوثی مانڈوی کا فوٹوسٹیٹ بنوانا تھا، خدا کا شکر ہے کہ پروفیسر فاروق بٹ

صاحب ۹ رجسٹرار یونیورسٹی کے تعاون سے مخطوطہ مل گیا اور میں نے، اسلام آباد سے اس کی فوٹوسٹیٹ بنوالی، کل اوراق چار سو آٹھ تھے، تین گھنٹے فوٹوسٹیٹ والے نے لئے، وہاں سے چار بجے کے قریب مرکزِ تحقیقاتِ فارسی میں پہنچ گیا، فہرست ساز احمد منزوی صاحب نے اصرار کیا کہ باقی وقت تم مرکز میں ہی قیام کرو، چنانچہ میں چھ اور سات تاریخ کو مسلسل مرکز میں علمی کام میں مصروف رہا اور کہیں بھی جانا نہ ہوا، انگنت فہارس دیکھ ڈالیں، اور بے شمار نادر خطی نسخوں کی موجودگی کا علم ہوا۔

۸ر جولائی، صبح عارف نوشاہی صاحب جلد ہی مرکزِ تحقیقات میں پہنچ گئے، میں نو بجے کے قریب ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد گیا، وہاں ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب ۱۰ اور احمد خان صاحب ۱۱ لائبریرین خوب تپاک سے ملے۔

ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب نے بتایا کہ گذشتہ چار ماہ میں اُن پر بہت سے مصائب نازل رہے، ان کا حادثہ بھی ہوا جس میں وہ شدید زخمی ہو گئے، ہسپتال داخل رہے، ان کی زیرِ تحقیق کتاب ''العباب'' ۱۲ از حسن صغانی، قاہرہ میں چھپ رہی ہے اس کی پہلی جلد کے سو صفحات چھاپ چکے ہیں۔

یہاں سے سیدھا سیکرٹریٹ، اسلام آباد گیا، بی اے شیخ جوائنٹ ایجوکیشنل ایڈوائزر سے ملاقات کی ڈاکٹر یار محمد خان صاحب کا بھی حوالہ دیا، لیکن وہ میرے سفر یورپ ۱۳ کے بارے کوئی مدد نہ کر سکے، نبی بخش بلوچ صاحب کسی اسلامی کانفرنس میں شرکت کے لئے کراچی گئے ہوئے تھے اس لئے یہاں سے ناکام واپس لوٹا۔

سیکرٹریٹ سے جلد ہی مرکزِ تحقیقات میں واپس آ گیا، سوا ایک بجے عارف نوشاہی صاحب گھر کے لئے روانہ ہوئے، ان کے گھر سے مجھے مجلہ آریانا کابل کے لئے فائل دکھانا تھے اور اس میں بھی کامیابی ہوئی اور ٹیکسی مل گئی جس کی مدد سے میں اڑھائی بجے ریلوے سٹیشن راولپنڈی پہنچ گیا، ریل کار لاہور کے لئے تین بج کر پچاس منٹ پر روانہ ہوئی۔

حواشی

۱۔ پروفیسر ملک محمد اقبال، گورنمنٹ کالج، راولپنڈی کے شعبۂ علومِ اسلامیہ سے وابستہ تھے، ۱۹۷۵ء کو انہوں نے حضرت خواجہ محمد پارسا بخاری کا رسالہ قدسیہ کے فارسی متن کی تصحیح کی تھی جو مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد سے شائع ہوا۔

۲۔ بشیر حسین ناظم فارسی، اُردو اور پنجابی میں شعر کہتے تھے، نعت بھی اچھے طریقہ سے پڑھتے تھے، بڑے غیر سنجیدہ قسم کے انسان تھے، مولوی شمس الدین مرحوم، تاجر کتب نادرہ، لاہور کے ہاں آکر گھنٹوں بیٹھے گپ بازی میں مصروف رہتے تھے، ان کی زبان سے لڑکپن سے لے کر اُن کی وفات تک کبھی کوئی علمی بات نہیں سنی تھی۔

۳۔ صاحبزادہ غلام نصیر الدین نصیر عربی، فارسی، اُردو میں شعر کہتے تھے اور گولڑہ شریف کے صاحبزادگان میں سے تھے، انتقال ہو چکا ہے۔

۴۔ شیخ محمد امین بدخشی، حضرت شیخ آدم بنوری کے خلیفہ، سوانح نگار اور کئی اہم کتابوں کے مولف تھے، ہم نے ان کی مرتبہ کتاب ''خلاصۃ المعارف'' تالیف شیخ آدم بنوری پر اپنے مفصل مقدمہ میں اُن کے احوال پر وآثار پر روشنی ڈالی ہے۔

۵۔ حضرت شیخ آدم بنوڑی، (ف ۱۰۵۳ھ) حضرت مجدد الف ثانی کے سب سے مشہور خلیفہ تھے، شیخ بدخشی نے آپ کے احوال پر تین جلدوں میں ''نتائج الحرمین'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جس کے خطی نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔ (خلاصۃ المعارف، مقدمہ)

۶۔ شیخ بدخشی کی یہ مہر ''خلاصۃ المعارف'' کے ہمارے عکسی ایڈیشن اور اس میں شامل ''الفاضلہ اور کرامات آدمیہ'' پر بھی ثبت ہے۔

۷۔ ڈاکٹر ایس ایم اکرام (ف ۱۷ جنوری ۱۹۷۳ء) کئی تاریخی کتابوں کے مولف تھے، ان کا ذاتی کتب خانہ ان کے عزیز پروفیسر شیخ رشید کے ساتھ ہی قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد کو اُن کے پسماندگان نے فروخت کر دیا تھا۔

ایس ایم اکرام، عقائد کے اعتبار سے آزاد خیال قسم کے فرد تھے، ہمارے ایک استاد ظفر علی قریشی مرحوم عرصہ دراز سے نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ پر مستشرقین کے اعتراضات کے جواب لکھنے میں مصروف تھے، تنخواہ بہت کم تھی جو اس کام کے لئے ناکافی تھی، وہ ایک مرتبہ ایس ایم اکرام کے پاس گئے جو محکمہ اوقاف کے سربراہ اور پھر ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور کے منتظم بھی رہ چکے تھے کہ مجھے اس کام کے لئے کچھ وظیفہ دیا جائے تاکہ میں کام جاری رکھ سکوں، ڈاکٹر اکرام نے یہ بات سن کر بڑے تند لہجہ میں کہا کہ ''ہمیں اس پرانے نبی کی اب ضرورت نہیں ہے اب کسی ماڈرن پروفٹ کو آنا چاہیے'' یہ بات پروفیسر قریشی نے ہمیں اسلامیہ کالج سول لائنز، لاہور میں اسلامیات کی کلاس کے دوران بتائی تھی، اسی طرح وہ راسخ العقیدہ مسلم علماء وصوفیہ کے بھی مخالف تھے، حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف منصوبہ بندی کے تحت بہت کچھ لکھا، انہوں نے اپنی کتاب دربارِ ملی میں دور وسطیٰ کی تواریخ کے معاشرتی پہلو کے حوالہ سے پوری توزک جہانگیری میں سے صرف وہ اقتباسات نقل کئے ہیں جن میں بادشاہ جہانگیر نے حضرت کے خلاف بے ہودہ گوئی سے کام لیا ہے، یہ حال تھا ہمارے ملک کے نامور مورخ اور محکمہ اوقاف وادارہ ثقافت اسلامیہ کے ڈائریکٹر کا۔

۸۔ گلزارِ ابرار (تذکرہ صوفیہ) تالیف محمد غوثی مانڈوی، اس کا فارسی متن اس وقت تک شائع نہیں ہوا تھا اور مجھے اپنے کارہای علمیہ کے لئے اس کی ضرورت رہتی تھی، بعد میں کتابخانہ مانچسٹر سے بھی اس کا عمدہ نسخہ دیکھنے کے لئے مل گیا، پھر خدا بخش لائبریری، پٹنہ، بہار سے اس کا فارسی متن طبع ہو گیا۔

۔ پروفیسر فاروق بٹ، میرے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور میں نفسیات کے پروفیسر تھے، چونکہ مذہباً دہریہ تھے، اس لئے ذوالفقار علی بھٹو کے زمانہ میں انہیں نوازا گیا اور وہ قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد کے رجسٹرار بنا دیئے گئے تھے، انہیں کی سفارش سے مجھے ایس ایم اکرام کے ذخیرہ کے قلمی

نسخہ ''گلزارِ ابرار'' کی فوٹو کاپی حاصل ہوئی۔

۱۰۔ ڈاکٹر پیر محمد حسن (ف ۱۹/اگست ۱۹۹۹ء) عربی زبان وادب کے فاضل ترین اساتذہ میں سے تھے، انہوں نے میری زیرِ تالیف کتاب ''مآثر المعاصرین'' میں اپنے قلم سے اپنے حالات لکھ کر دیئے تھے۔

۱۱۔ ڈاکٹر احمد خان، لائبریرین، ڈاکٹر حمید اللہ لائبریری، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد کا عربی زبان و ادب کے ماہرین میں شمار ہوتا ہے، ڈاکٹر پیر محمد حسن مذکور سے مذکورہ لائبریری میں خوب علمی نشست رہتی تھی، ڈاکٹر عارف نوشاہی نے معارف، اعظم گڑھ (اکتوبر ۲۰۱۷ء) میں ان کی فہرست سازی کی خدمات پر مقالہ لکھا ہے۔

۱۲۔ العباب، ایک عربی لغت ہے جو امام حسن صغانی لاہوری کی تالیف ہے، اس کی پہلی جلد ڈاکٹر پیر محمد حسن نے اشاعت کے لئے قاہرہ بھیجی تو ایک عرب نے اسے اپنے نام سے شائع کر دیا، جس پر بہت دل برداشتہ ہوئے، پھر جس قدر مخطوطہ میسر تھا بہت عرق ریزی سے ایڈٹ کیا جس کی پہلی چار جلدیں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد نے شائع کر دی ہیں۔

۱۳۔ سفر یورپ تو دور کی بات ہے ۱۹۸۶ء میں اپنے خرچ پر صرف انگلینڈ کا سفر ہی کر سکا، جس کی روداد الگ لکھی گئی ہے۔

سندھ و کراچی

اسلام آباد سے واپسی کے بعد ۱۱ر جولائی ۱۹۷۸ء کو بذریعہ سُپر ریل لاہور سے حیدرآباد کے لیے روانہ ہوا، ریل کی روانگی کا وقت بعد دوپہر ساڑھے چار بجے تھا لیکن کسی وجہ سے پونے دو گھنٹے کی تاخیر ہوگئی اس کو اگلے روز یعنی ۱۲ر جولائی کو صبح ساڑھے سات بجے حیدرآباد سندھ پہنچنا چاہیے تھا لیکن پونے گیارہ بجے پہنچی، میں ریلوے سٹیشن سے سیدھا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب سابق صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی حیدرآباد کے ہاں گیا، ڈاکٹر صاحب جو خود پیر طریقت ہیں نہایت تپاک سے ملے بڑی محبت کا اظہار فرمایا دیر تک باہمی دلچسپی کے امور پر علمی گفتگو ہوتی رہی انہوں نے حال ہی میں حضرت عبدالاحد وحدت سرہندی کی تالیف ''سبیل الرشاد'' شائع کی ہے جس کا نسخہ انہوں نے مجھے دیا پھر انہوں نے اپنے خاندانی حالات پر ایک کتاب ''تاریخ اسلاف'' بھی عنایت کی۔

انہوں نے بتایا کہ مولوی حلیم الدین صاحب خانقاہِ حضرت شاہ رؤف احمد رافت مجددی [1] رحمۃ اللہ علیہ شہر بھوپال سے آئے ہوئے ہیں وہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی کی ایک تالیف رسالہ دراحوال ومقامات و معارف حضرت امام ربانی [2] قدس سرہ کا خطی نسخہ ہمراہ لائے ہیں انہوں نے مجھے وہ نسخہ دکھایا، اگرچہ اسکے متعدد خطی نسخے میری نظر سے گزر چکے تھے لیکن اس نسخہ کا انتساب ایک ایسی ہستی کی خانقاہ سے تھا جو خود ذی علم اور مصنف تھے اس لیے اسے اشتیاق سے دیکھا پہلے خالی ورق پر ایک مہر نظر آئی جس کے الفاظ یہ تھے:

واللہ رؤف
۱۲۳۱
ف
بالعباد

اس سے اندازہ ہوا کہ یہ خود حضرت شاہ رؤف احمد رافت مجددی کی مہر ہے اس امر سے بہت خوشی ہوئی، یہ مہر اسی طرح پڑھی گئی ہے۔

ظہر کی نماز ڈاکٹر صاحب کی اقتداء میں ادا کی اسکے بعد تقریباً ایک گھنٹہ تک سویا رہا جب ذرا سا ہوش آیا تو ڈاکٹر صاحب چائے لئے ہوئے خود موجود تھے تھوڑا سا پانی پی کر چائے پی اور عصر کی نماز پڑھ کر ڈاکٹر احمد بشیر صاحب ۳ سے ملنے کے لیے ان کے گھر گیا جو ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب کے گھر سے نزدیک ہی رہتے تھے۔

ڈاکٹر احمد بشیر صاحب سے تقریباً ایک گھنٹہ علمی گفتگو ہوتی رہی۔

اس کے بعد میں وہاں سے چلا آیا میرا ارادہ تھا کہ میں رات کو ہی ٹنڈو سائیں داد پہنچ جاؤں اور حضرات سرہند کا کتب خانہ جو یہاں محفوظ ہے دیکھ سکوں چنانچہ میں شب عشاء کی نماز کے قریب صاحبزادہ عبدالحمید جان بن حضرت غلام علی جان مجددی کے ہاں پہنچ گیا، صاحبزادہ صاحب نہایت محبت سے پیش آئے اور صبح کتب خانہ دکھانے کا وعدہ کیا، میں عشاء کی نماز کے بعد سو گیا، صبح فجر کی نماز کے بعد باہر نکل کر ذرا سی چہل قدمی کی، ان حضرات کی بڑی بڑی حویلیاں نظر آئیں۔

۱۴ر جولائی، اس وقت صبح کے سات بج چکے ہیں لیکن صاحبزادہ صاحب تا حال گھر سے مہمان خانہ میں تشریف نہیں لائے۔

آخر صاحبزادہ صاحب تشریف لائے، ناشتہ کے بعد کتب خانہ کھولا تو دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی کہ کتابیں نہایت خراب حالت میں پڑی ہوئی تھیں، مخطوطات و مطبوعات باہم ملی ہوئی تھیں، تقریباً دو گھنٹے کی تگ و دو کے بعد مخطوطات الگ کئے اور انہیں مہمان خانہ میں لے جا کر دیکھنا شروع کیا، جب انہیں مصلیٰ پر رکھا تو ان گنت کالی چیونٹیاں اُن کے اندر جانے لگیں جو اس بات کا بین ثبوت تھا کہ ان مخطوطات میں زندہ دیمک موجود ہے، صاحبزادہ صاحب نے بتایا کہ اس سے پہلے سامنے والے کمرے میں الماریوں میں یہ کتابیں رکھی ہوتی تھیں کہ بارشوں سے چھت گر گئی، اس وقت سے اس چھوٹے کمرے میں انہیں منتقل کیا گیا ہے، گویا کتب خانہ ۵ حضرات مجددیہ کی نہایت ابتر حالت تھی، اس میں فارسی کی تقریباً دس کتابوں کی میں نے فہرست تیار کی کہ فہرست ۶ زیر ترتیب احمد منزوی، مرکز تحقیقات فارسی، ایران و پاکستان، اسلام آباد کے کام آسکے۔

لنواری شریف کی نقشبندی خانقاہ کے بانی حضرت شاہ محمد زمان کے حالات پر ایک مستقل کتاب "فردوس العارفین" ۷ قلمی مل گئی جو بہت اہم کتاب تھی، "صقائل الضمائر" سے خاصی پہلے کی تالیف ہے، مخطوطہ "شرح الصدور" لسیوطی پر حضرت حاجی فضل اللہ صاحب عمدۃ المقامات اور حضرت عبدالرحمٰن مجددی (جد اعلیٰ حضرات سرہند ٹنڈو سائیں داد) کی مہریں ثبت تھیں اور "تذکرۃ الصلحاء" تالیف مولانا حسن جان مجددی مرحوم کے دو مطبوعہ نسخے ملے، باقی مطبوعات تو صاحبزادہ صاحب نے مجھے بلا قیمت دے دیں لیکن تذکرۃ الصلحاء ۸ نہ دیا، میں نے "فردوس العارفین" اور صفحاتِ مواہر اور "تذکرۃ الصلحاء" کے حیدرآباد جا کر فوٹوسٹیٹ بنوائے اور کتابیں جو آدمی ہمراہ آیا تھا اس کو واپس کر دیں، میں ساڑھے چار بجے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کے ہاں حیدرآباد پہنچ گیا، عصر کی نماز کے بعد کمبائنڈ ملٹری ہسپتال (C.M.H)، حیدرآباد کے عقب میں حضرت پیر غلام محی الدین مجددی سرہندی ۹ بن شیخ غلام صادق بن خواجہ غلام محمد معصوم ثانی بن شیخ محمد اسماعیل بن شیخ صبغۃ اللہ بن خواجہ محمد معصوم سرہندی کے مزارات کی زیارت کے لئے گیا، سجادہ نشین دیدار صاحب موجود نہیں تھے، مغرب کی نماز تک انتظار کیا، دو اصحاب ملے، ایک نے حضرت پیر غلام محی الدین مذکور کے ہاتھ کی تین تحریروں کا عکس دیا اور دوسرے صاحب مسمّیٰ بہ لاہوتی، جنہوں نے حضرت کے حالات پر ایک تعارفی کتابچہ لکھا تھا، بھی ملے، انہوں نے بتایا کہ اس درگاہ شریف کے بارے میں بہت سی قلمی کتابیں شکار پور میں اُن کے آبائی کتب خانہ میں محفوظ ہیں، میں عشاء کی نماز کے وقت ڈاکٹر صاحب کے گھر لوٹ گیا، نماز کے بعد گہری نیند آ گئی، صبح چھ بجے کے قریب اٹھا۔

۱۴ر جولائی، ناشتہ کے بعد ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب سے مشورہ کیا کہ اب کہاں جانا چاہیے، اُن سے بہت سے پتے دریافت کئے، آخر فیصلہ کیا کہ ٹھٹھہ پہلے جانا چاہیے کیوں کہ ٹھٹھہ کے مفتی شہر صرف جمعہ کے دن ملتے ہیں اور اُن کے پاس مخطوطات ہیں، میں آٹھ بجے صبح ٹھٹھہ کی بس میں بیٹھا، آدھ گھنٹہ کے بعد بس چلی اور سوا گیارہ بجے میں اللہ کے فضل و کرم سے ٹھٹھہ پہنچ گیا، مسجد شاہ جہانی کے خطیب کے گھر میں اس وقت بیٹھا ہوا ہوں اور اُن کی آمد کا منتظر ہوں کیوں کہ وہ اس وقت آرام فرما رہے ہیں، ایک بجے اٹھیں گے، خدا کرے کہ تعاون علمی سے گریز نہ کریں، آمین۔

مولوی عبداللطیف سوا ایک بجے آئے، بارش ہو رہی تھی، میں نے اپنا تعارف کروایا اور مولانا ابراہیم جان مجددی (گلزارِ خلیل) کا بھی حوالہ دیا، لیکن وہی ہوا جس کا ڈر تھا، نہایت درشت آواز میں بولے کہ نہیں میاں یہ کوئی وقت ہے، میں نے عرض کیا جمعہ کی نماز کے بعد آجاؤں گا، کہا نہیں مجھے دس پندرہ دن دو تا کہ میں قلمی کتب نکال سکوں، میں نے جمعہ کی نماز انہیں کی اقتداء میں جامع مسجد شاہ جہانی میں پڑھی، بڑی عالی شان مسجد ہے، لاہور کی بادشاہی مسجد سے رقبہ میں اگرچہ نصف ہوگی لیکن اپنی خوبصورتی اور نفاست کے اعتبار سے جاذبِ نظر ہے، اس کے نقش و نگار کو دوبارہ درست کیا گیا ہے۔

میں جمعہ کی نماز کے بعد مولوی صاحب سے مسجد ہی میں ملا اور کہا کہ مجھے آپ سے صرف چند منٹ کے لئے گفتگو کرنا ہے، تلملا اٹھے اور رنجیدہ ہو کر بولے کہ تم لوگوں کو خطیب کی جمعہ کے دن کی مصروفیات کا علم ہی نہیں، کوئی اور دن مقرر کر کے آئیں، انہوں نے مجھے جھڑکنے میں مسجد کے احترام کو بھی ملحوظ نہ رکھا، میں نے دیکھا کہ لوگ جاہل ان کے اس عقیدت سے ہاتھ پاؤں چومتے ہیں جیسا ہندو اپنے پنڈتوں کے اور مولوی صاحب بھلا انہیں منع کیوں کریں، وہ تو ٹھہرے شاہی مسجد شاہ جہانی کے خطیب، جس نے ان کے نفس کو بہت موٹا کر دیا ہے، میں بارش ہی میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدرس مدرسہ مجددیہ عثمانیہ، ٹھٹھہ شہر سے ملنے کے لئے چل پڑا، مدرسہ چند قدموں کے فاصلہ پر تھا، مولانا موجود نہیں تھے لیکن اُن کے شاگردوں نے احترام سے بٹھایا، پونے چھ بجے وہ مکلی سے آئے، ہلکی بارش جاری تھی، نہایت تپاک سے ملے، میں نے عرض کیا کہ مجھے مولانا محمد ابراہیم جان صاحب نے بھیجا ہے، ان کا نام سنتے ہی باغ باغ ہو گئے، بار بار ان کی صحت کا مجھ سے پوچھتے رہے۔

میں نے علمی سوالات کئے لیکن مقصودِ اصلی یعنی ٹھٹھہ میں سلسلۂ نقشبندیہ کے مخطوطات کی موجودگی کا علم نہ ہو سکا، انہوں نے سارے سندھ میں مدفون و مقیم نقشبندی حضرات کی فہرست علاقہ کے اعتبار سے املا کروائی، رات دیر تک گفتگو ہوتی رہی، میں نے انہیں رجالِ ٹھٹھہ پر کام کرنے کی ترغیب دلائی، رات مسجد میں سو رہا، صبح اٹھا تو بارش ہو رہی تھی، پریشانی ہوئی کہ کوہِ مکلی جیسا تاریخی مقام کیسے دیکھ سکوں گا؟ تاہم رات انہوں نے ایک طالب علم کو مقرر کیا تھا کہ ان کے ساتھ مکلی جا کر انہیں مزارات دکھا دینا، وہ طالب علم

سات بجے آئے گا۔

۱۵؍ جولائی، صبح کو ٹھ مکلی بارش ہی میں چل پڑا، چونکہ موسم خراب تھا اس لئے مکلی کے صرف تین مزارات یعنی حضرت مخدوم آدم عرف آدو ٹھٹھوی [۱۰] خلیفۂ حضرت خواجہ محمد معصوم، مخدوم ابوالقاسم [۱۱] خلیفہ حضرت خواجہ سیف الدین اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی [۱۲] کے مزارات کی زیارت کی اور وہاں سے فوراً بذریعہ رکشا بس سٹینڈ پر آ گیا اور حیدر آباد جانے والی بس میں بیٹھا، بس نے دو گھنٹے کے بعد یعنی گیارہ بجے حیدر آباد پہنچانا تھا لیکن راستے میں بس کے پنکچر ہو جانے سے ساڑھے بارہ بجے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کے ہاں پہنچ گیا، انہیں ٹھٹھہ کی روداد سنائی، کھانا کھایا اور تقریباً آدھا گھنٹہ آرام کر کے ٹنڈو قیصر کی بس پکڑنے کے لئے نکلا تو معلوم ہوا کہ براہِ راست کوئی بس وہاں نہیں جاتی، اتنے میں ہلکی سی بارش ہوئی تو وہاں جانے کا ارادہ ترک کر کے ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب [۱۳] صدر شعبۂ اُردو سندھ یونیورسٹی، حیدر آباد کے گھر، لطیف آباد نمبر ۶ میں گیا، وہ گھر پر مل گئے، دیر تک علمی گفتگو ہوتی رہی، انہوں نے سندھی ادبی بورڈ کے مخطوطات کی فہرست بنائی ہے جس کا مسودہ میں نے دیکھا، اس کے بعد انہوں نے دو نادر مخطوطات دکھائے، مثلاً ''راحت الارواح'' [۱۴] (در حالات شاہ عزیز اللہ لاہوری ثم دہلوی) ناقص الطرفین اور بیاض منسوب بہ عماد الملک غازی الدین خان نظام، [۱۵] میں وہاں سے C.M.H کے عقب میں واقع مزارات حضرات سرہند میں گیا، آج بھی سجادہ نشین صاحب نہ مل سکے، وہاں سے فوراً ڈاکٹر احمد بشیر صاحب کے ہاں آیا، ان کے ساتھ ایک گھنٹہ علمی گفتگو رہی، پھر رات عشاء کی نماز کے وقت میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کے ہاں چلا گیا، عشاء کی نماز پڑھ کر سو گیا، تھکن کی وجہ سے جلد نیند آ گئی اور صبح دیر تک سوتا رہا، سوا آٹھ بجے کی بس سے مجھے گلزارِ خلیل جانا تھا۔

۱۶؍ جولائی، صبح سوا آٹھ بجے ڈاکٹر احمد بشیر صاحب کے ہاں اپنا سامان رکھا اور میر پور خاص کی بس میں بیٹھ کر دس بجے میر پور خاص پہنچ گیا، یہاں سے اب سامارو جانا تھا، خدا کے فضل سے بس پہلے ہی جانے کے لئے تیار تھی، میں فوراً اس میں جا گھسا اور میر پور سے سامارو تک صرف چھتیس میل کا فاصلہ تین گھنٹوں میں طے کیا، جب سامارو پہنچا تو معلوم ہوا کہ گوٹھ پیر سرہندی (گلزارِ خلیل) یہاں سے چار میل دور ہے اور

چونکہ راستہ کچا ہے اور بارش کی وجہ سے کیچڑ اور جگہ جگہ پانی کھڑا ہے اس لئے بس نہیں جاسکتی، صرف گھوڑا گاڑی ہی جاسکتی ہے، گھوڑا گاڑی والے نے بیس روپے میں لے جانے کے لئے کہا، میں نے بھی رضامندی کا اظہار کیا اور چل پڑا، دو گھنٹوں کے دشوار گزار اور نہایت خراب راستے کے طے کرنے کے بعد دو بجے میں گلزارِ خلیل پہنچنے میں کامیاب ہوگیا، حضرت صاحب ظہر کی نماز کے لئے نکلے یعنی مولانا محمد ابراہیم جان مجددی خلیل صاحب [۱۶] سے ملاقات کے بعد عرض داشت کی، بہت شفقت فرمائی اور قلمی کتابیں لانا شروع کیں، پہلی گٹھڑی میں صرف چار کتابیں تھیں، ایک ''مخزن الانوار احمدی'' [۱۷] دو نسخے اور ''جواہرِ نفیسہ'' [۱۸] (درحالات شاہ غلام جان ف ۱۳۱۵ھ) اور ایک نہایت بیش قیمت بیاض [۱۹] جس میں بہت سے رقعات خود لکھنے والوں یعنی حضرت شاہ صفی اللہ معصومی، حضرت شاہ فضل اللہ (صاحب عمدۃ المقامات)، حضرت شاہ عبدالقیوم، حضرت شاہ غلام معصوم ثانی، حضرت شاہ عبدالرحمٰن مجددی، حضرت شاہ محمد حسن مجددی وغیرہ کے خطوط تھے، میں انہیں بار بار اور نہایت دلچسپی سے دیکھتا رہا، اُن میں بعض نادر رسائل بھی ہیں، اُن سب کی فوٹو سٹیٹ بنوانے کا ارادہ ہے۔

۱۷ر جولائی، حضرت نے کہا کہ باقی کتب صبح لائیں گے، چنانچہ ناشتہ کے بعد ساڑھے نو بجے کے قریب حضرت ایک کپڑے میں باندھی ہوئی چند کتابیں لائے جن میں جلالین شریف باحواشی از حضرت شاہ عبدالرحمٰن مجددی [۲۰] (ف ۱۳۱۵ھ) نہایت قابل توجہ تھی، اس میں جگہ جگہ محشی نے بعض حواشی دیئے ہیں، صاحبزادے محمد حسن جان مجددی کو بھی املا کروائے تھے، اور سادہ خط کے حواشی بقول مولانا محمد ابراہیم جان مدظلہ خود محشی کے قلم سے ہیں۔''

چار بجے تک یہ کتابیں دیکھتا رہا، ان کے چھوٹے بھائی آغا عبدالمجید جان بھی اپنی نشست میں تشریف لائے اور ان کی خدمت میں پہنچا، کتابوں کی درخواست کی، انہوں نے لانے کا وعدہ کیا، لیکن بارہ سے پانچ بجے بعد دوپہر تک انتظار جاری ہے، انہوں نے اب تک مہربانی نہیں فرمائی، خدا خیر کرے، ان کے پاس کثیر تعداد میں قلمی کتب ہیں، شام کو آغا صاحب نے کتابوں کی فہرست لاکردی، دیکھا تو ان میں کوئی خاص کتابیں نہیں تھیں، صرف امید علی کی ''قیومیات'' قابل توجہ تھی، نیز دیگر دو کتابوں کے لئے ان سے کہا گیا تو

انہوں نے کہا کہ اب کتابیں تو صبح ہی نکال سکوں گا کیونکہ اندھیرا ہو گیا ہے اور کتابوں والے کمرے میں بہت گرمی ہے، پہلے تو اس کا تالا ہی نہیں کھل رہا تھا، اس کے ساتھ کشتی کر کے کھولا ہے، تقریباً پانچ سال سے کتابوں والا کمرہ بند پڑا ہے، اُن حضرات کو کتابوں سے کوئی دلچسپی نہیں، دو عدد بیگمات، بے شمار بچے، تین بنگلے، اٹھارہ سو ایکڑ زمین، کتابوں سے دلچسپی ان کے لئے لاحاصل چیز ہے۔

جب میں نے حضرت آغا محمد ابراہیم جان صاحب سے کہا کہ میں تین کتابوں کی فوٹوسٹیٹ بنوانا چاہتا ہوں تو فرمایا کہ ہم نے اپنے لئے بھی بنوانی ہیں، تمہیں بھی بنوا کر بھجوا دیں گے، لیکن میں نہ مانا، اصرار کیا تو فرمانے لگے کہ مجھے کل صبح کی پہلی گاڑی سے میرپور خاص جانا ہے، تم بھی چلو اور بنوا لو، میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور رات سو گیا، جلد ہی نیند اکھڑ گئی، طبیعت سخت خراب ہے۔

۱۸ر جولائی صبح ساڑھے پانچ بجے حضرت صاحب گھر سے باہر نکلے اور بیل گاڑی میں بیٹھ کر ہم ریلوے سٹیشن پہنچے، گاڑی صبح پونے نو بجے میرپور خاص پہنچ گئی، یہاں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اولاد میں سے کئی افراد رہتے ہیں، سب سے پہلے میں حکیم عبدالغفور سرہندی صاحب کے پاس گیا لیکن اُن کو نہ تو اپنے اجداد سے دلچسپی تھی نہ علم سے، البتہ لایعنی قسم کے علوم میں دلچسپی کا اظہار کرتے رہے، تاہم میرے علمی کام سے بڑی مسرت ظاہر کی، اُن کے ہاں سے ناشتہ کر کے میں بازار فوٹوسٹیٹ میں پہنچا تو عجیب منظر تھا، ایک روپیہ صفحہ سے کم کوئی نہیں لیتا تھا، آخر ایک نے بارہ آنے میں کر کے دینے کا وعدہ کر لیا، اس سے دو کتابیں فوٹوسٹیٹ کروائیں، تیسری کی تقطیع چھوٹی تھی، وہ دوسری مشین والے سے ۳۵ر پیسے فی ورق میں چالیس روپے میں یہ کتاب بن گئی، اس طرح یہ تین کتابیں تقریباً ڈیڑھ سو روپے میں بنیں، جب کہ لاہور سے ساٹھ روپے میں سارا کام ہو جاتا تھا۔

میں حضرت ... کے مخطوطات واپس کر کے سیدھا حضرت آغا اسحٰق جان سرہندی ؒ کے بنگلہ واقع میرپور خاص پہنچا، حضرت ابراہیم جان صاحب کا رقعہ دکھایا، صاحبزادگان بڑے اخلاق سے ملے، پانچ بجے تک کتابیں دیکھتا رہا، لیکن کوئی بھی میرے مطلب کی کتاب نہ مل سکی۔

یہاں سے روانہ ہو کر بذریعہ بس میں حیدرآباد گیا، حیدرآباد سے بذریعہ ویگن سولہ میل مٹھانی بستی

معلوی (ٹیاری) چلا گیا، یہاں حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد میں سے ایک فرد حضرت آغا غلام رسول جان مدظلہ ۲۲ سے ملاقات ہوئی، بڑے اخلاق اور محبت سے ملے، میں نے ہاتھ چوما تو جواب میں میرا بھی ہاتھ چوم لیا، مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ یہ حضرت تو پیر ہوتے ہوئے ''بوئے پیر'' سے خالی ہیں، کھانا کھلایا، رات بارہ بجے تک مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی، فرمایا کہ ہمارے پاس ہمارے اجداد کی علمی کتب بالکل نہیں ہیں، صبح چند کتابیں دکھائیں اور رخصت کر دیا۔

۱۹رجولائی، صبح آٹھ بجے کی ویگن میں بیٹھ کر حیدرآباد پہنچا، ڈاکٹر احمد بشیر صاحب کے ہاں جا کر کپڑے بدلے اور نہایا پھر سندھ یونیورسٹی، سندھی ادبی بورڈ اور سندھیالوجی کے شعبوں میں گیا، جہاں سے ان کی مطبوعات خریدیں اور واپس ڈاکٹر صاحب کے گھر آ کر کھانا کھایا، خاصا تھکا ہوا تھا، تھوڑی دیر کے لئے سو گیا، پانچ بجے بیدار ہو کر کراچی جانے کا قصد کیا، کیوں کہ مولانا محمد ابراہیم، ایک جلسہ میں شرکت کے لئے کراچی گئے ہوئے تھے، نیز اس جلسہ میں بڑے مشائخ آئے ہوئے تھے، اُن سے بھی ملاقات مقصود تھی۔

میں بذریعہ بس حیدرآباد سے دس بجے شب کراچی پہنچا، معلوم ہوا کہ جہاں جلسہ ہے وہ مدرسہ مفتی عبداللہ صاحب ملیر کالونی میں ہے جو شہر سے بہت دور ہے، بس میں ایک گھنٹہ لگتا ہے، چنانچہ میں بس سے اترا تو آگے جانے والی بس پہلے ہی تیار کھڑی تھی، میں اس میں گھس گیا اور گیارہ بجے جلسہ گاہ میں پہنچا، بڑا ہجوم تھا، خدا کا شکر ہے کہ حضرت آغا ابراہیم جان موجود تھے، میرا اُن سے ملنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ ان کو لے کر مولانا محمد ہاشم جان مرحوم کے بنگلہ میں جاؤں کیونکہ وہاں ایک اچھا ذخیرہ مآخذ سلسلۂ نقشبندیہ ہے۔

چنانچہ رات دو بجے تک تو تقریریں ہوتی رہیں، پھر طلبہ نے سندیں لیں، پھر نعت خوانی شروع ہوئی رساری رات اسی طرح گزر گئی، مجھے بالکل نیند نہ آئی، صبح میری طبیعت بہت خراب تھی۔

۲۰رجولائی، جب یہ معلوم ہوا کہ آج ٹیکسیوں کی ہڑتال ہے تو مزید طبیعت بگڑی، لیکن خدا کے فضل سے مولوی عبداللہ صاحب کی جیپ موجود تھی جو ہمیں نو بجے کے قریب بنگلہ پیر ہاشم جان مرحوم پر چھوڑ گئی، آغا محمد ابراہیم جان صاحب نے حضرت محمد ہاشم جان کے فرزند عابد جان کو بلا کر میرے کام کی اہمیت

سمجھائی، انہوں نے ہر طرح تعاون کا وعدہ کیا، یہ سارے سفر میں میرے لئے خوشی کا پہلا موقع تھا ورنہ ہر جگہ سے مایوسی ہو رہی تھی، جب حضرت چلے گئے تو انہوں نے کتابوں کی الماری کھولی تو تمام کتابیں نہایت قرینے سے بجی ہوئی تھیں، لوہے کی مضبوط الماری تھی، اسی حالت میں ڈگمگاتے ہوئے کتابیں دیکھنا شروع کیں تو کافی قیمتی کتابیں ہاتھ آگئیں، ان کو ایک طرف رکھتا گیا، لیکن دو مخطوطات یعنی کشف الغطاء اور بہجۃ الانظار نظر نہ پڑیں، بڑا تعجب ہوا آخر سب سے آخری خانہ دیکھنا شروع کیا تو نصف تک دیکھا چکا لیکن پھر بھی مطلوبہ کتب موجود نہیں تھیں، غم اور دل کی دھڑکن تیز ہوگئی، آخر ایک قطار میں ڈبڈباتی نظروں سے ایک مجموعہ کو دیکھا تو مطلوبہ دونوں نام درج پائے، لرزتے ہوئے ہاتھوں سے اُسے اٹھایا اور ساری تھکن دور ہوگئی۔

معلوم ہوا کہ صاحبزادہ صاحب کی کتب تین جگہ، کراچی، کوئٹہ اور ٹنڈو سائیں داد میں ہیں، وہ کل خود غلام علی جان مرحوم کے سالِ وفات کے تقریب کے سلسلہ میں ٹنڈو سائیں داد جا رہے ہیں، مجھے کیا چاہیے تھا، میں نے بھی ساتھ جانے کی حامی بھر لی اور تھکان سے چکر آنے لگے تھے اس لئے جلد ہی سو گیا۔

۲۱ر جولائی صبح ساڑھے چھ بجے پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب کے گھر سے حیدر آباد کے لئے روانہ ہوا، کیونکہ میں رات ہی اُن کے گھر چلا گیا تھا، ناشتہ میں دیر ہوگئی، گرومندر کے بس سٹاپ پر بس کا تقریباً ایک گھنٹہ انتظار کیا، لیکن تمام بسیں بھری ہوئی آرہی تھیں، اس لئے وہاں سے بذریعہ ویگن بسوں کے سٹاپ پر گیا، وہاں سے بس مل گئی، پونے بارہ بجے دوپہر حیدر آباد پہنچ گیا، یہاں سے بذریعہ بس آدھے گھنٹہ میں ٹنڈو سائیں داد آیا، کیوں کہ آغا عابد جان ابن مولانا محمد ہاشم جان مرحوم نے کہا تھا کہ ہمارے کتب خانہ کا نصف حصہ ٹنڈو سائیں داد میں ہے، جب میں آیا تو وہ موجود تھے، جمعہ کی نماز کے بعد معلوم ہوا کہ وہ کسی کام سے ٹنڈو محمد خان گئے ہیں، خدا کرے کہ جلد آجائیں اور میں کتب خانہ سے استفادہ کر سکوں۔

آخر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا یعنی آغا عابد جان صاحب واپس نہ آئے اور میں نہایت بے چینی اور اضطراب کی ایسی کیفیت سے جسے میں بیان نہیں کر سکتا، سارا دن انتظار کرتا رہا، رات پڑ گئی، اب سونا بھی دشوار ہو گیا، پریشانی اور بے چینی کے عالم میں آنکھیں بند کرتا تو اوپر سے مچھروں کا حملہ ہوتا، اُف بہت ہی

مچھر تھے، رات کئی مرتبہ آنکھ لگی اور کھلی، ایک مرتبہ تو بالکل دن کا دھوکہ ہوا اور اُٹھ کر مسجد میں گیا وقت دیکھا تو بارہ بجے تھے، پھر لیٹ گیا، سونا کیا تھا اونگھتا رہا۔

۲۲ر جولائی، اسی طرح صبح کی اذان ہوگئی، اُٹھ کر وضو کیا اور نماز کے بعد لوگوں سے پوچھنا شروع کیا، آغا عابد جان صاحب کی قیام گاہ (جسے وہاں کی زبان میں اُطاق کہتے ہیں) ایک آدمی کو ساتھ لے کر گیا تو معلوم ہوا کہ وہ رات کو یہاں نہیں آئے تھے، وہیں سے حیدرآباد کے لئے چل پڑا، ایسی حالت میں ناشتہ کیا کرتا، میں تو نیم جان ہو چکا تھا، بیگ میں سیب تھے ایک سیب کھایا اور بس میں سوار ہو گیا، حیدرآباد پہنچ کر چائے پی، بہت چکر آرہے تھے، اسی حالت میں کراچی جانے والی بس میں سوار ہو گیا، ساڑھے دس بجے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کراچی پہنچا اور ساڑھے گیارہ بجے حافظ محمد ہاشم جان مرحوم کے گھر آیا تو معلوم ہوا کہ آغا عابد جان صاحب تو رات ہی کراچی آگئے تھے اور کسی کام سے بازار گئے ہیں، حضرت محمد ہاشم جان مرحوم کی بیوہ نے پردہ میں رہ کر مجھ سے بات کی، نہایت ہمدرد اور مادرانہ شفقت سے بات کرنے لگیں اور کتابیں دکھانے کا وعدہ کیا، میں نے کہا کہ نہا کر کتابیں دیکھنا شروع کروں گا، چنانچہ میں نہا چکا تو پھر کتابیں آگئیں، بہت اہم کتب تھیں، ایک کتاب ''مناقب مخدومین'' ۲۳؎ تالیف محمد امین چھوڑائی کے خطی نسخہ کے بارے میں علم ہوا تھا کہ وہ مولانا محمد ہاشم جان مرحوم کے گھر ہے، میں اُن کے گھر میں موجود ساری کتابیں دیکھ چکا تھا لیکن وہ ہاتھ نہیں آئی، اب جب بغور مخطوطات دیکھنے شروع کیے تو اس کا نسخہ بھی ہم دست ہو گیا، حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔

اس کے ساتھ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کی سوانح مولف مخدوم عبداللطیف فرزند ۲۴؎ صاحب سوانح کا بھی ناقص الآخر نسخہ ہے، اول الذکر کتاب کا میرے پاس ایک ایسا نسخہ ہے جو خود مولف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ نسخہ میرے والے نسخہ ہی کی نقل ہے کیوں کہ جو بیاض اس میں ہے وہی اس میں بھی پائے جاتے ہیں، تاہم چند مخطوطات مفصلہ ذیل فوٹو سٹیٹ کے لئے منتخب کئے:

(۱) مناقب مخدومین مع سوانح مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی

(۲) چہار چمن حضرت وحدت سرہندی ۲۵؎ مع رسالہ شیخ محمد نعمان در سلوک ۲۶؎

(۳) معدن الجواہر سوانح شیخ محمد صبغۃ اللہ سرہندی ۲۷

(۴) قیومیہ تالیف سید امید علی ہالائی ۲۸

(۵) رسالہ دررد مخالفین حضرت مجدد ۲۹

(۶) کشف الغطاعن اذہان الاغبیا لمولانا محمد فرخ مجددی ۳۰

(۷) بہجۃ النظار فی براءت الابرار لملا معین ٹھٹھوی ۳۱

جب مرحوم محمد ہاشم جان کی بیوہ صاحبہ سے ان کے فوٹوسٹیٹ لینے کی اجازت مانگی تو انہوں نے خوشی اجازت دے دی، چنانچہ میں نے نہایت محنت کر کے صبح نو بجے سے تین بجے بعد دوپہر تک بازار صدر کراچی سے ان کے فوٹوسٹیٹ بنوائے، خدا کے فضل سے فوٹوسٹیٹ والے نے ایک کاپی کے تیس پیسے لینے پر آمادگی ظاہر کر دی، اس طرح ساڑھے چھ سو کاپیاں بنیں، ایک سو اٹھہتر روپے کچھ پیسے خرچ ہوئے، میں ساڑھے تین بجے مرحوم کے گھر پہنچا، سب لوگ کھانا کھا چکے تھے، جب طلب کیا تو معلوم ہوا کہ کھانا اب ختم ہو چکا ہے، صبر کر کے سو رہا، کیونکہ یہاں سے بازار بہت دور ہیں، اب جسم میں حرکت کرنے کی بھی طاقت نہیں رہ گئی تھی، فوٹوسٹیٹ کے لئے ۲۳ رجولائی کی صبح کو گیا تھا۔

واپسی پر کچھ دیر اونگھتا رہا، حضرت حافظ محمد ہاشم جان مرحوم کے دونوں فرزندوں سے کوشش کے باوجود ملاقات نہیں ہو سکی، شاید عابد جان صاحب اب مجھ سے ملنا پسند نہ کریں۔

رات آٹھ بجے تک فوٹوسٹیٹ کی پڑتال کرتا رہا، اتنے میں مذکورہ لڑکوں کے ماموں آگئے، حسن اتفاق سے وہ تعلیم یافتہ تھے، میرے کام کی اہمیت کو سمجھ گئے اور مولانا محمد ہاشم جان مرحوم کی بیوہ سے کھل کر بات کی تو انہوں نے بتایا کہ ٹنڈو سائیں داد میں ہمارے حصہ کی جو کتابیں موجود ہیں وہ ان دنوں دیکھنا ممکن نہیں ہے کیونکہ ہمارے خاندان کے دوسرے ورثاء نے ہم پر دعویٰ کیا ہوا ہے اور وہ اس پر زبردستی متصرف ہیں، اور رہا کوئٹہ کا کتب خانہ تو اس کے دیکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، انہوں نے بتایا کہ ہم ستمبر میں کوئٹہ جائیں گے، تم بھی آجانا، گویا اب بات اپنی آخری منزل پر پہنچ چکی تھی، میں نے حامد جان صاحب سے کہا کہ مجھے اپنی گاڑی میں پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب کے گھر چھوڑ آئیں، چنانچہ کھانا کھانے کے بعد میں اُن کے

ہمراہ روانہ ہوگیا، قادری صاحب گھر پر موجود تھے، طبیعت خاصی خراب اور تھکان کا انتہائی غلبہ، رات جلد ہی سوگیا۔

۲۴ر جولائی، صبح نو بجے نیشنل میوزیم، کراچی کے لئے روانہ ہوا، کیٹلاگ دیکھے تو معلوم ہوا کہ ۱۹۷۵ء میں جس حال میں نامکمل کیٹلاگ دیکھ کر گیا تھا اب تک اُسی حال میں ہے کوئی مزید کام نہیں ہوا، دوبارہ دیکھنے سے چندنئی چیزیں معلوم ہوئیں جو اس وقت سمجھ میں نہ آسکی تھیں، سب سے اہم ایک مفردات معصومی (طب) کی کتاب تھی جس کی کتابت حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے مرشد و استاد حضرت حافظ محمد محسن ۳۲ سیالکوٹی نے کی تھی۔

جب نمبر لکھ کر مرزا نظام الدین بیگ صاحب کو دیئے تو معلوم ہوا کہ وہ سخت علیل ہیں اور کتابیں نکال کر نہیں لا سکتے، چنانچہ انہوں نے کل بارہ بجے آنے کو کہا، میں وہاں سے نور محمد تاجران کتب کے ہاں گیا ان سے طبقات الصوفیہ سلمی ایک سو روپے میں خریدی اور فہرست مخطوطات خزائن تیموریہ بہ قیمت ۱۴۵ر روپے رکھوادی کہ کل یا پرسوں آکر لے لوں گا، یہاں سے بذریعہ بس ایوب قادری صاحب کے گھر گیا، ایک گھنٹہ بات چیت کے بعد سوگیا۔

۲۵ر جولائی، صبح ساڑھے پانچ بجے ایوب قادری صاحب کے ہمراہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب ۳۳ سے ملنے کے لئے گیا، بہت دور جانا پڑا تاہم ایک گھنٹہ بسوں میں صَرف ہوا، خدا کا شکر ہے مسعود صاحب گھر پر مل گئے، میں گیارہ بجے تک اُن کے ہاں رہا، سیرت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا مسودہ دیکھا، بے شک اُردو زبان میں حضرت مجدد کے حالات پر ایسی کتاب نہیں لکھی گئی، جو حصے دیکھے اُن میں چند تسامحات تھے وہ ان کے نوٹس میں لایا، بہت خوش ہوئے، مولانا محمد ہاشم جان مرحوم کی دیر تک باتیں ہوتی رہیں، حضرت قاضی احمد لواری شریف ۳۴ کے مکتوبات اور شوق نامہ دو کتابیں (قلمی) اُن کے پاس دیکھیں، انہوں نے مصنف کے حالات پر اچھا کام بھی کیا تھا، یادداشت کے طور پر اُن کے نام لکھ لئے۔

گیارہ بجے اُن کے گھر سے روانہ ہو کر نیشنل میوزیم پہنچا تو معلوم ہوا کہ مرزا بیگ صاحب کی طبیعت آج کچھ زیادہ ہی خراب ہے، ناچار وہاں سے ایک بجے نکل آیا کہ پرسوں پھر آؤں گا، یہاں سے ایک قریبی

مسجد میں نماز پڑھی اور کچھ دیر پنکھے کے نیچے دراز رہا، اور اب ارادہ ہے کہ ساڑھے تین بجے جناب مشفق خواجہ صاحب ۳۵ سے ملنے کے لئے جاؤں گا کیوں کہ انہوں نے ٹیلیفون پر پانچ بجے ملنے کا وقت دیا ہے، پانچ بجے بذریعہ بس خواجہ صاحب کے ہاں پہنچا، بہت بڑے کتب خانے کے مالک ہیں شاید ہی کوئی اتنا بڑا ذاتی کتب خانہ ہو۔

رات آٹھ بجے تک علمی گفتگو ہوتی رہی، اُن کا میدان اُردو شعراء کی تذکرہ نویسی ہے، تاریخی معلومات زیادہ نہیں رکھتے، نہ کتب تاریخ ان کے ہاں زیادہ ہیں، اُردو ادب کی تاریخ کے سلسلہ میں ۹۰ فیصد کتب اُن کے ہاں موجود ہیں۔

میں آٹھ بجے بذریعہ بس ایوب قادری صاحب کے گھر پہنچ گیا اور کھانا کھانے کے بعد سو گیا۔

۲۶ / جولائی، صبح ساڑھے سات بجے کراچی یونیورسٹی کے لئے نکلا، بارش ہو رہی تھی جو یونیورسٹی کے قریب پہنچ کر تیز ہوگئی، دس بجے ڈاکٹر ریاض الاسلام صاحب ۳۶ سے ملا، ان سے مل کر طبیعت بہت خوش ہوئی، نہایت خلیق اور منکسر مزاج آدمی ہیں، پاکستان میں علم تاریخ کے ماہرین میں اس وقت اُن کا نام سرفہرست ہے، ماوراء النہر کی تاریخ پر تحقیقی متون چھاپنے کے لئے ایک ادارہ:

Institute of Western and Central Asian Studies

بنایا ہوا ہے جس سے اب تک چار متن چھپ چکے ہیں، دو میرے پاس تھے، دو انہوں نے مزید دے دیئے اور بلا قیمت، میری ان سے صرف سنٹرل ایشیاء کے بارے میں علمی گفتگو رہی، ڈاکٹر صاحب بے شک سیاسی تاریخ کے تو عالم ہیں لیکن علماء وصوفیہ کے بارے میں ان کی معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں اگرچہ دو تین مقالات ملفوظ لٹریچر پر لکھ چکے ہیں۔ ۳۷

اس کے بعد شعبۂ اُردو کے ڈاکٹر اسلم فرخی ۳۸ سے ملاوہ بھی نہایت احترام سے ملے، انہوں نے بتایا کہ میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کا مرید بھی ہوں، نیز انہوں نے نصر اللہ خویشگی کے احوال پر کتاب بیاض جانفزا ۳۹ کا سراغ لگا کر بتانے کا وعدہ کیا، کراچی یونیورسٹی سیل ڈپو سے "تاریخ مخزن افغانی" کی دوسری جلد مل گئی پہلی میرے پاس موجود تھی۔

یونیورسٹی سے بارش ہی میں بذریعہ ویگن انجمن ترقی اُردو کا کتب خانہ دیکھنے کے لئے چل پڑا، سوا دو بجے وہاں پہنچ کر بہت حیرت ہوئی کہ انجمن کے اوقات کار صبح ۹ بجے سے ساڑھے چار بجے تک ہیں لیکن آج بارش کی وجہ سے عملہ دو بجے ہی چلا گیا ہے۔

وہاں سے کتابوں کی دکانوں پر گیا، چند پرانی کتب مل گئیں، خصوصاً، حیدر آباد، دکن کے ریکارڈ کا ایک عکسی نسخہ [۴۰] مل گیا۔

شام چھ بجے بارش میں بھیگتا ہوا ایوب قادری صاحب کے گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ ان کا بچہ زیادہ بیمار ہوگیا تھا اس لئے اُسے ہسپتال لے کر گئے ہیں اور رات وہیں رہیں گے، میں جلد ہی سو گیا۔

۲۷؍ جولائی، صبح ناشتہ کر کے انجمن ترقی اُردو کے کتب خانہ خاص میں گیا، گیارہ بجے تک کتابیں دیکھتا رہا، فہرست کتب خانہ مدرسہ محمدیہ [۴۱] بھی موجود تھی اور ''تحفۃ السلام'' [۴۲] (در حالات شیخ عبدالسلام کشمیری نقشبندی) مطبوعہ بھی قابل توجہ تھی، فہرست مدرسہ محمدیہ پہلے بیس صفحات اور تحفہ پورا فوٹوسٹیٹ کروانے کی درخواست دی، جو انہوں نے منظور کر لی، پرسوں یہ کام کرنے کا وعدہ کیا۔

میں وہاں سے نیشنل میوزیم گیا، آج بھی مرزا نظام الدین بیگ موجود نہیں تھے، بڑی پریشانی ہوئی، آخر لائبریرین عبداللطیف صاحب سے ملا، انہوں نے اس پر معذرت کی اور پرسوں کتابیں نکال کر دکھانے کا وعدہ کیا، میں نے ایک قریبی مسجد میں آرام کیا اور سوا پانچ بجے غالب لائبریری گیا، جس میں امداد صابری (دہلی) کے اعزاز میں ایک تقریب ہے، تاکہ اُن سے مل سکوں۔

امداد صابری صاحب اُردو صحافت کے بارے میں خاصی معلومات رکھتے ہیں، ان کے ساتھ دو گھنٹے صحبت رہی، میرے علمی ذوق کو اُن سے مل کر قطعاً تسکین نہ ہو سکی، البتہ کراچی کے چند نوجوان مصنفین اور شائقین کتب سے وہاں ملاقات ہوگئی، میری مراد ڈاکٹر معین الدین عقیل [۴۳] اور ابو سلمان شاہجہان پوری [۴۴] سے ہے، اُن سے مل کر طبیعت خوش ہوئی دیر تک مختلف موضوعات پر علمی گفتگو رہی، رات سوا نو بجے کے قریب ایوب قادری صاحب کے گھر پہنچ گیا، قادری صاحب تقریب میں نہ آئے، کیوں کہ ان کا بچہ ہسپتال میں زیر علاج ہے۔

۲۸/ جولائی، دیر تک سوتا رہا، بارہ بجے کے قریب اُٹھا، بدن تھکان سے چور چور تھا، دوپہر کا کھانا کھا کر چودھری عبدالعزیز صاحب ۴۵؎ سے ملنے کے لئے نکلا، چودھری صاحب ان دنوں اپنی ہمشیرہ کے ہاں مقیم ہیں، چودھری صاحب متقدمین صوفیہ کے افکار سے خاصی دلچسپی رکھتے ہیں اور مشرق و مغرب کے فضلاء سے تعلق بھی ہے، اُن سے شام چار بجے ملاقات ہوگئی، دیر تک مختلف علمی موضوعات زیرِ بحث رہے، میں نے اپنی کتاب ''ملفوظات شریفہ'' کا ایک نسخہ پیش کیا، تو انہوں نے ایک بیش قیمت کتاب:

Cat. Arabic Manuscripts By E.J.Brill

دی جس سے میں بہت خوش ہوا، شام آٹھ بجے وہاں سے چلا اور نو بجے قادری صاحب کے ہاں پہنچ گیا، رات جلد ہی سو گیا۔

۲۹/ جولائی، صبح امداد صابری صاحب کے پاس گیا تا کہ اُن سے تاریخِ صحافت اُردو کی چوتھی جلد لے سکوں لیکن انہوں نے کہا کہ آج نہیں، کل ملے گی، وہاں سے میں کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو گیا، فوٹوسٹیٹ (مذکورہ کتب) کروانے کے لئے روانہ ہوا، وہاں سے فارغ ہو کر میوزیم گیا، مرزا نظام الدین بیگ آج بھی نہیں تھے تو میوزیم کے سپرنٹنڈنٹ صاحب سے ملا، انہوں نے بیگ صاحب کو بلانے کے لئے اپنی گاڑی بھیجی لیکن وہ پہلے ہی آ گئے، آخر انہیں رحم آ گیا اور انہوں نے میری مطلوبہ کتب کی تلاش شروع کی، نو کتب میں سے تین ہم دست ہو سکیں، باقی وہ تلاش نہ کر سکے، ایک کتاب ''تنبیہ الغافلین'' ۴۶؎ کا فوٹوسٹیٹ بنوایا وہاں سے پانچ بجے فارغ ہو کر کتابوں کی دکانوں پر گیا لیکن کچھ نہ مل سکا، جلد ہی بذریعہ بس قادری صاحب کے ہاں آ گیا، قادری صاحب ہسپتال میں تھے۔

۳۰/ جولائی، صبح ساڑھے سات بجے امداد صابری صاحب سے مطلوبہ کتاب لینے کے لئے گیا، لیکن انہوں نے معذرت کی، وہاں سے سید کتب خانہ محکمہ آثارِ قدیمہ کے لئے روانہ ہو گیا، ایوب قادری صاحب نے جو پتہ بتایا تھا، وہ دو سال پرانا تھا، ان کا کتب خانہ شہید ملت روڈ پر واقع ہے، وہاں سے میں بذریعہ رکشا وہاں پہنچ گیا، کتابدار محمود بیگ نہایت خندہ پیشانی سے ملے لیکن افسوس کہ لائبریری بارشوں کے سیلاب کی وجہ سے بند تھی، تمام کتابیں گٹھڑوں میں باندھ کر منتقل کرنے کے لئے تیار تھیں، وہاں رسائل کا

ایک ذخیرہ ہے، میں وہاں سے سوا گیارہ بجے بذریعہ ویگن میوزیم پہنچ گیا، مرزا نظام الدین بیگ موجود نہیں تھے آخر وہ بارہ بجے کے قریب آئے لیکن ان پر تو ایرانی نمائش کا بھوت سوار تھا، میری کوئی مدد نہ کی، میں ساڑھے تین بجے تک ان کا رجسٹر دیکھتا رہا، چار بجے نور محمد تاجر کتب سے کتاب فہرس خزائن تیموریہ کی چار جلدیں خریدیں اور پانچ بجے بذریعہ بس مشفق خواجہ صاحب کے ہاں پہنچ گیا اور دیر تک رسائل دیکھتا رہا، انہوں نے نہایت مہربانی سے کتاب ''خازن الشعراء'' ۴۷ کے متعلقہ ۴۸ اوراق فوٹو سٹیٹ کے لئے دے دیئے، اتنے میں ڈاکٹر عقیل آ گئے، ان کے ساتھ غالب لائبریری تک گیا، ان سے یہ طے پایا کہ یکم اگست کو میں اُن کا کتب خانہ دیکھوں گا۔

وہاں سے میں تھکا ماندہ ایوب قادری صاحب کے گھر پہنچ گیا، اور سفر کی یہ چند سطور بطور روداد کے لکھتے ہی سو گیا۔

۳۱/جولائی، صبح آٹھ بجے مدرسہ مظہر العلوم ۴۹ کھڈہ، کراچی کے لئے روانہ ہوا، وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ان دنوں مدرسہ میں دو ماہ کے لئے تعطیلات ہیں، کتب خانہ کے مہتمم بھی کبھی کبھار آتے ہیں، ان کے گھر کا پتہ دریافت کیا تو نہ مل سکا، آخر دفتر والوں نے کہا کہ وہ ڈیڑھ بجے یہاں نماز پڑھاتے ہیں، تم اس وقت آ جاؤ، شاید دکھا دیں، میں وہاں سے انجمن ترقی اُردو کے کتب خانۂ خاص میں چلا گیا، وہاں ساڑھے بارہ بجے تک کتابیں دیکھتا رہا، اس کے بعد بذریعہ ویگن کھڈہ پہنچا، مولوی غلام محمد سربازی ناظم کتب خانہ خلاف معمول آج نماز کی امامت کے لئے نہ آئے، میں بہت گھبرایا کہ پورا دن ضائع ہو جائے گا لیکن جب اِدھر اُدھر سے معلوم کروایا تو پتہ چلا کہ وہ کتب خانہ میں موجود ہیں، میں فوراً اُن کے پاس گیا اور بتایا کہ میں لاہور سے آیا ہوں اور یہاں کے مخطوطات دیکھنا ہیں، خیر معمولی سی خوشامد کے بعد وہ مان گئے اور قلمی کتابوں کی الماری کھول دی، مجھے یہاں مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹھوی کے مخطوطات سے دلچسپی تھی کیوں کہ ان کے حالات پر ایک خطی نسخہ ''مناقب مخدومین'' مجھے ایڈٹ کرنا ہے، خاص طور سے اُن کے دو رسائل ''رسالہ املاء'' (در مسئلہ حربی و دار الحرب) اور ''رسالہ در طریقہ'' کے فوٹو سٹیٹ لینے تھے لیکن یہ دونوں رسائل اس الماری میں نہ ملے، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حافظ محمد اسماعیل صاحب مالک مدرسہ ہذا کے دفتر میں

خاص المماری میں محفوظ ایک کتاب ''الرضیٰ'' کے ساتھ مجلد ہیں، اب اُن کی خدمت میں ایک خط لکھ کر
بھیجا کہ میں لاہور سے آیا ہوں اور یہ کتاب دیکھنا ہے، مہربانی کر کے آپ مدرسہ میں تشریف لے آئیں، وہ
ایک گھنٹہ بعد آ گئے، کتاب دیکھی تو اس کے ساتھ واقعی وہ مجلد رسائل تھے جن کی تلاش تھی، ۵۱ اب مسئلہ
ذرا اور دشوار تھا یعنی اُن کے فوٹو سٹیٹ کروانا، خدا کے فضل سے اس کی بھی اجازت مل گئی، ناور پر فوٹو سٹیٹ کا
انتظام ناقص تھا، وہاں سے بذریعہ رکشا میٹروپول گئے، ایک آدمی انہوں نے ساتھ بھیج دیا تھا، الحمدللہ فوٹو
جلدی بن گئے اور کتابیں میں نے اس آدمی کے حوالے کر دیں۔

وہاں سے بذریعہ ویگن بولٹن مارکیٹ آیا، ایس ایم میر بک سیلر کے پاس گیا، لیکن دکان بند پائی، اس
کے بعد پلاسٹک کے لفافے خریدے اور ریلوے سٹیشن سے گاڑی کی روانگی (بسمت لاہور) کا صحیح وقت
دریافت کرنے کے لئے گیا، سہ پہر ساڑھے چار بجے چلنے کا وقت ریلوے والوں نے بتایا لیکن تسلی نہ ہوئی،
ایوب قادری صاحب کے ہاں رات ساڑھے نو بجے پہنچا، خوش و خرم تھا کہ کھڈہ والوں نے کتب خانہ دکھا دیا
ہے۔

یکم اگست ۱۹۷۸ء، صبح آٹھ بجے ابوخالد صدیقی صاحب گاڑی میں مجھے لینے آئے کیوں کہ آج
ان کے ساتھ ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب کے ہاں کورنگی میں جا کر ان کا کتب خانہ دیکھنا تھا، صدیقی
صاحب کو اسلامیہ کالج میں کچھ کام تھا دو گھنٹے وہاں لگ گئے، اسی کالج کے احاطہ میں دو قابل قدر اشخاص کے
مزارات پر فاتحہ خوانی کے لئے گیا، اول علامہ سید سلیمان ندوی ۵۲ دوم مولانا شبیر احمد عثمانی ۵۳ اس
کے بعد صدیقی صاحب کے ساتھ ڈاکٹر عقیل صاحب کے پاس گیا، ڈاکٹر صاحب ایک اچھے کتب خانے کے
مالک ہیں، پندرہ ہزار مطبوعات اور ایک چھوٹا صندوق مخطوطات کا بھی ہے، کم عمری میں انہوں نے خاصی رقم
خرچ کر کے یہ کتابیں جمع کی ہیں، ہم وہاں سوا چار بجے تک رہے، اس کے بعد ریلوے کینٹ سے گاڑی کی
روانگی کا دوبارہ پتہ کرتے ہوئے زبیدہ حال میں گئے کیوں کہ یہاں مولانا امداد صابری کے اعزاز میں ایک
تقریب تھی لیکن مولانا نہ آئے، وہاں سے سات بجے میں ایوب قادری صاحب کے ہمراہ اُن کے گھر
آ گیا۔

مجھے اپنے گھر سے خط آیا تھا کہ تمہارے کتب خانہ کا تالا توڑ کر ہم نے کتابوں کو دیکھا ہے کہ برسات میں کہیں نقصان تو نہیں ہو رہا، اس خط نے مجھے خاصا پریشان کر دیا کیوں کہ تالا توڑنے سے مزید خرابی کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، ایک غم ہے جو مجھے کھائے جا رہا ہے کہ کہیں کوئی میری کتابوں کے کمرے میں گھس کر اُن کو نقصان نہ پہنچائے، تاہم اس غم میں ساری رات نیند نہ آسکی۔

۲راگست آج صبح ساڑھے سات بجے ایوب قادری صاحب کے ہمراہ حاجی محمد اعلیٰ صاحب سے ملنے کے لئے گیا، اس کے بعد مولانا امداد صابری صاحب کے ہاں گئے لیکن دونوں جگہ کوئی کتاب نہ مل سکی، وہاں سے میں جلد ہی واپس آ گیا کیوں کہ لاہور جانے کے لئے تیاری کرنی ہے، سامان باندھا اور آرام کرنے کے لئے چارپائی پر دراز ہو گیا، خداوند کریم اپنے فضل و کرم سے بخیر و عافیت گھر پہنچا دے، آمین۔

۳راگست ۱۹۷۸ء شام پانچ بجے گاڑی لاہور ریلوے سٹیشن پر پہنچ گئی، الحمد للہ، یہ سفر اپنی بہت سی دشواریوں اور ناکامیوں کے باوجود خاصا معلوماتی اور حصولِ مآخذ کے نقطۂ نظر سے تو بہت ہی کامیاب قسم کا تھا۔

حواشی

۱۔ شاہ رؤف احمد راف مجددی (ف ۱۲۴۹ھ/ ۱۸۳۳ء) حضرت مجدد الف ثانی کے فرزند اصغر حضرت شاہ محمد یحیٰی کی اولاد میں سے ہیں اور ذی علم بزرگ و مولف تھے، حضرت شاہ غلام علی دہلوی سے خلافت تھی.....ذکر السعیدین

۲۔ رسالہ در احوال و مقامات...... کے کئی نسخے ہماری نظر سے گذرے ہیں، لیکن اس نسخے پر خود شاہ رؤف احمد رافت کی مہر ثبت تھی، اس ورق کی فوٹو کاپی بھی بنوالی گئی تھی۔

۳۔ ڈاکٹر احمد بشیر، سندھ یونیورسٹی، جام شورو کے شعبۂ تاریخ کے سربراہ تھے، لندن یونیورسٹی سے Akbar and His Religion کے موضوع پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا تھا، جو انہوں نے خود ہی قصور سے شائع کیا تھا، اس کے علاوہ انہوں نے اپنے توطن و مولد قصور کی تاریخ پر بھی انگریزی میں ایک کتاب لکھی تھی، جو وہ شائع نہیں کر سکے۔

۴۔ ''حضرات سرہند'' سے مراد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی وہ اولاد ہے، جو پہلے سرہند کی سکھوں کے ہاتھوں تباہی اور ان کی افغانستان کی طرف ہجرت اور قیام، پھر وہاں کی حکومت کے ساتھ ان کا مذہبی بنیادوں پر اختلاف اور وہاں سے پھر واپس ہندوستان آکر پاکستان کے مردم خیز خطہ سندھ میں قیام پذیر ہوا ہے، ان حضرات کے جو بزرگ پہلے یہاں آئے وہ حضرت شیخ عبدالرحمٰن مجددی قندھاری تھے، جن کی اولاد سندھ کے مختلف علاقوں ٹنڈو سائیں داد، ٹنڈو محمد خان وغیرہ میں مقیم اور دعوت وارشاد میں مصروف رہی، ان حضرات کے مدفن ایک مقام ٹکھڑ میں ہے۔ (انیس المریدین، مونس المخلصین وغیرہ میں تفصیلات مل سکتی ہیں)

۵۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے جب سرہند سے ہجرت کی تو اپنے کتب خانوں کی کچھ کتابیں

بھی ساتھ لے گئے ہوں گے، بعد میں اضافات ہوتے رہے، پھر جب افغانستان سے سندھ آئے تو ان کی کتب بھی ہمراہ تھیں، حضرت شاہ آغا نے ''مونس المخلصین'' میں اپنے آبائی کتب خانہ کی بعض نادر کتب خطی کا تذکرہ جس طرح کیا ہے، اس سے اس کتابخانہ کی عظمت اور اس میں موجود نادر مخطوطات کے وجود کا علم ہوتا ہے، یہ تباہ شدہ مخطوطات اسی کا حصہ تھے، پھر بزرگوں کی وفات کے بعد یہ کتب خانہ وراثت کے ساتھ تقسیم ہوا تو جو کتاب جس کے حصے میں آئی لے گیا، مجھے ان علاقوں میں ان حضرات کے کتب خانے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، ہر جگہ تباہی و بربادی کے آثار نمایاں تھے، میرپور خاص، گلزارِ خلیل اور مٹیاری میں یہی حالات دیکھنے میں آئے تھے، اب تک تو ان کے نشانات بھی مٹ گئے ہوں گے۔

۶۔ یہ زیرِ ترتیب فہرست احمد منزوی کی کوشش سے فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی ہے جو وقفہ وقفہ سے چودہ جلدوں میں مرکزِ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد سے شائع ہوتی رہیں، یہ آج علمی دنیا میں پاکستان کی ایک نمایاں پہچان ہے۔

۷۔ فردوس العارفین (حالات خواجہ محمد زمان نقشبندی لواری، سندھی (ف ۱۱۸۸ھ/ ۱۷۷۵ء) مولفہ بلوچ خان، کی روٹوگراف ہمارے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) میں شمارہ R.334 میں محفوظ ہے، اس کا سندھی ترجمہ بھی طبع ہو چکا ہے، شیخ کے احوال کے لئے ملاحظہ ہو: معارف سلطان الاولیاء خواجہ محمد زمان، سندھی ترجمہ محمد رمضان مھیسر، تحقیق و تعلیق عبدالغفار سومرو

۸۔ صفال الضمائر، شرح الصدور، عمدۃ المقامات اور تذکرۃ الصلحا، یہ تمام کتب طبوعہ ہیں اور کتب خانوں میں موجود ہیں۔

۹۔ حضرت غلام محی الدین مجددی سرہندی (ف ۱۷۹۰ء)

۱۰۔ مخدوم آدم ٹھٹھوی (رک مقاماتِ معصومی)

۱۱۔ مخدوم ابوالقاسم، حالات کے لئے ملاحظہ ہو:

امداداللہ سرہندی: خورشیدِ مکلی مخدوم ابوالقاسم نقشبندی، کراچی ۲۰۱۵ء

۱۲۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی، رک مخدوم عبداللطیف: مناقب مخدوم محمد ہاشم، امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۸ء

۱۳۔ ڈاکٹر نجم الاسلام (ف ۱۳ر فروری ۲۰۰۱ء) سابق صدر شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی، مدیر (مجلہ تحقیق، شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کے شاگردوں میں سب سے زیادہ شہرت انہی کو نصیب ہوئی۔

۱۴۔ راحت الارواح مولفہ محمد سعید (رک حواشی روداد سفر موسیٰ زئی، حاشیہ نمبر ۹)

۱۵۔ عمادالملک غازی الدین خان، نظام، (رک مقامات مظہری)

۱۶۔ پیر محمد ابراہیم خلیل (ف ۴ر جون ۲۰۰۲ء) بن حضرت پیر محمد اسماعیل روشن سرہندی بڑے ذی علم بزرگ تھے۔

۱۷۔ مخزن الانوار احمدی تالیف شاہ صفی اللہ معصومی (ف ۱۲۱۲ھ) حالات کے لئے ملاحظہ ہو:

مناقب مخدومین مولفہ محمد امین چھوڑائی، امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۸ء

۱۸۔ جواہر نفیسہ (درحالات شاہ غلام جان ف ۱۳۱۵ھ) تالیف شیخ محمد اسماعیل مجددی کابلی، اس کا روٹوگراف ہمارے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) میں تحت شمارہ R.137 محفوظ ہے۔

۱۔ اس بیش بہا بیاض میں سے کچھ دستاویزات ''مقامات معصومی''، ''تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند'' کی جلد دوم کے آخر میں بصورت عکس شائع کر دی گئی ہیں۔

۲۰۔ شیخ عبدالرحمٰن مجددی قندھاری ثم سندھی (ف ۱۳۱۵ھ) بڑی بزرگ شخصیت کے مالک تھے، احوال و مناقب کے لئے ملاحظہ ہو:

محمد حسن مجددی: انیس المریدین، مطبوعہ امرتسر، مطبع مجددی ۱۳۲۸ھ

۲۱۔ آغا اسحق جان سرہندی (۱۹۱۲۔ ۷ر دسمبر ۱۹۷۵ء) بن حضرت محمد اسماعیل روشن کے پاس اپنے آبائی کتب خانہ کی اچھی کتابیں ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ عدم توجہی کے باعث ضائع ہوگئی ہوں گی۔

۲۲۔ آغا غلام رسول جان سرہندی، ٹنڈو میاری (مضافات حیدر آباد، سندھ) یہ حضرات حضرت بی بی صاحبہ (ف ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء) کی اولاد سے تھے، ان کے فرزند شاہ ضیاء الحق (ف ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۹ء) ان کے بیٹے شیخ عبدالرحیم ٹنڈو میاری اور ان کے جانشین شاہ عبدالحلیم کی اولاد میں سے ہیں، اس وقت حضرت پیر غلام مجدد سرہندی وہاں کے سجادہ نشین ہیں۔

۲۳۔ مناقب مخدومین معظمین (درحالات شاہ صفی اللہ معصومی اور مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹھوی) مولف میاں محمد امین چھوڑائی، یہ نادر الوجود خطی نسخہ مع نسخہ دیگر بخط مولف میں نے مفصل مقدمہ کے ساتھ امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور سے ۲۰۱۸ء کو عکسی صورت میں شائع کر دیا ہے۔

۲۴۔ یہ کتاب بھی ''مناقب مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی'' کے نام سے مذکورہ ادارہ نے اسی سال طبع کروائی ہے۔

۲۵۔ ''چہار چمن وحدت'' (عبدالاحد سرہندی) ف ۱۱۲۶ھ

۲۶۔ یہ رسالہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے طبع کروایا تھا۔

۲۷۔ معدن الجواہر، مشمولہ ارمغان امام ربانی، جلد نہم

۲۸۔ قیومیہ، (درحالات شیخ عبدالقیوم قندھاری سرہندی)

۲۹۔ یہ دونوں رسائل یک جلد تھے، رسالہ اول الذکر کے مولف کے نام کا علم نہیں ہے۔

۳۰۔ کشف الغطا (دردفاع حضرت مجدد الف ثانی) تالیف علامہ فرخ مجددی

۳۱۔ بہجۃ النظار فی براۃ الابرار (دردفاع حضرت مجدد الف ثانی) تالیف مخدوم محمد معین ٹھٹھوی، مطبوعہ امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۷ء

۳۲۔ حافظ محمد محسن سیالکوٹی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی (ف ۱۰۵۲ھ/ ۱۶۴۲ء) کی اولاد میں سے تھے (معمولاتِ مظہریہ ۱۸، مقاماتِ مظہری، فصل خلفاء)

۳۳۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد (ف ۲۰۰۸ء) بن شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کے شاگرد تھے، سندھ کے مختلف کالجوں میں اُردو کے استاد رہے، سلسلۂ نقشبندیہ کے شیخ طریقت تھے، ان کا آخری کام حضرت مجدد الف ثانی پر مختلف رسائل میں شائع ہونے والے مقالات کا مجموعہ ''جہانِ امام ربانی''

ہے جو ۱۴ر جلدوں میں طبع ہوا تھا۔

۳۴۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: معارف سلطان الاولیاء، شیخ محمد زمان لواری وارو

یعنی یہ کتاب خانوادۂ لواری شریف کے افراد سے متعلق اہم معلومات سے مالا مال ہے۔

۳۵۔ مشفق خواجہ (ف ۲۰۰۵ء) پاکستان کے چند نامور دانشمندوں میں سے تھے، اُردو زبان وادب کے محققین، ادباء اور شعراء میں ان کا شمار تھا، ایک عمدہ اور بڑے کتب خانہ کے مالک تھے، جواب ہمدرد یونیورسٹی، کراچی کے قریب امریکہ کے ایک وقفی بورڈ کے ذریعہ محفوظ ہے، کئی کتابوں کے مولف و مرتب تھے، ان کے خطوط کے بھی کئی مجموعے طبع ہو چکے ہیں۔

۳۶۔ ڈاکٹر ریاض الاسلام (ف ۱۳ر اگست ۲۰۰۷ء) استاد شعبۂ تاریخ کراچی یونیورسٹی، کراچی دورِ وسطیٰ کی تاریخ پاکستان و ہند کے استاد تھے، اس عہد پر ان کی اعلیٰ درجہ کی تحقیقی کتابیں انگریزی میں بین الاقوامی شہرت رکھتی ہیں، مجھ عاجز سے بہت اچھے علمی مراسم تھے، مراسلت بھی تھی، میں اپنے ذخیرہ میں سے مرحوم کے خطوط جمع کر رہا ہوں کہ وہ شائع کر دیئے جائیں۔

۳۷۔ ڈاکٹر ریاض الاسلام مرحوم کے یہ مقالات اور دیگر معلومات پر مشتمل ان کی کتاب:

Sufism in South Asia: Impact on 14th Century Muslim Society, Oxford University Press, karachi, 2002

۳۸۔ ڈاکٹر اسلم فرخی (ف ۱۵ر جون ۲۰۱۶ء)، مولف محمد حسین آزاد (احوال و آثار)، ہمیشہ بہار خویشگی وغیرہ ان کی تالیفات و مرتبات میں سے ہیں۔

۳۹۔ بیاض جانفزاء دراصل بیاض دلکشاء (درحالات شاہ عبدالعلیم لوہاروی متوفی ۱۳ر محرم ۱۲۶۶ھ) مولفہ حکیم نصر اللہ خویشگی خورجوی، مطبوعہ مطبع فتح الاخبار، کول (علی گڑھ) قبل ۱۸۵۷ء اس کا اردو ترجمہ مولوی فرید احمد غازی پوری (خلیفہ نصر اللہ مذکور) نے درِ فرید کے نام سے کیا تھا جو میرٹھ سے ۱۳۱۸ھ کو طبع ہوا، پھر اس کی ایک ملخص شکل بیاض جانفزا کے نام سے بھی مرتب ہوئی، ڈاکٹر فرخی نے اس کے حوالہ تذکرہ ہمیشہ بہار کے مقدمہ میں دیئے تھے، جس کی مجھے اب تک تلاش ہے۔

۴۰۔ اس سے مراد ڈاکٹر یوسف حسین خان (۱۹۰۲۔۱۹۷۹ء) کی مرتبہ کتاب:

Farmans and Sanads of the Deccan Sultans (1408-1687)

Hyderabad, Deccan 1980

ہے جس میں اہم دستاویزات ہیں یہ میرے ذخیرہ میں شمارہ 5579 کے تحت پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور میں محفوظ ہے۔

۴۱۔ فہرست کتب خانہ مدرسہ محمدیہ، بمبئی مطبوعہ ہے۔

۴۲۔ تحفۃ السلام (اخوند عبدالسلام کشمیری (۱۰۸۶۔۱۱۷۱ھ/ ۱۶۷۵۔ ۱۷۵۸ء) کے احوال پر ہے، جو مولوی عبدالحسن محمد حسنی نے فارسی نثر میں لکھی تھی اور یہ کتاب مطبع نولکشور سے طبع ہوئی تھی۔ (مقامات معصومی ۱/ ۳۱۷۔۳۱۸)

۴۳۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل، ایک صاحب ذوق و علم استاد ہیں اُردو زبان و ادب ان کا موضوع تحقیق ہے، بہت عمدہ اور بڑی لائبریری کے مالک ہیں جو اب انہوں نے کیوٹو یونیورسٹی، جاپان کو دے دی ہے، جس کے صلہ میں انہیں جاپان کا سب سے بڑا سول ایوارڈ ملا ہے، ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں انہیں یہ کتاب پیش کی گئی ہے: جنوب مغربی ایشیاء کا علمی تناظر تاریخ، تہذیب اور ادب، ارمغانِ مقالات بہ پیش خدمت معین الدین عقیل مرتبین جاوید احمد خورشید اور خالد امین، کراچی ۲۰۱۶ء

۴۴۔ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہانپوری، مولانا ابوالکلام آزاد کے بارے میں معلومات کے دائرۃ المعارف کی حیثیت رکھتے ہیں، اوراس کے متعلقات پر ان کی درجنوں کتب شائع ہو چکی ہیں۔

۴۵۔ چودھری عبدالعزیز، انکم ٹیکس، سندھ کے محکمہ سے ریٹائر ہوئے تھے، عربی بھی جانتے ہیں، متقدمین صوفیہ کے متون پر ان کی اچھی معلومات ہیں۔

۴۶۔ تنبیہ الغافلین، حضرت مجدد الف ثانی کے دفاع میں لکھی گئی ایک عمدہ کتاب ہے، اس کے مولف کا نام کتاب کے آغاز و انجام سے معلوم نہیں ہو سکا، البتہ اتنا معلوم ہوا ہے کہ وہ حضرت میرزا مظہر جانِ

جانان شہید (ف ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۱ء) کے حوزۂ معتقدین میں سے تھے، اس کا روٹو گراف ہمارے ذخیرہ میں شمارہ R.217 محفوظ ہے۔

۴۷۔ خازن الشعراء (تذکرہ شعرائے فارسی ہندوستانی و ایرانی) مولفہ سید علی کبیر عرف محمد میرن جان اللہ آبادی اجملی، ایک بہت اہم تذکرہ ہے، جس کے قلمی نسخہ کی عکسی نقل مشفق خواجہ نے انڈیا آفس لائبریری، لندن سے منگوائی تھی، اب یہ تذکرہ ایران سے طبع ہو گیا ہے۔

۴۸۔ متعلقہ اوراق سے مراد اس تذکرہ میں شامل شیخ عبدالاحد وحدت سرہندی کے حالات سے ہے۔

۴۹۔ مدرسہ مظہر العلوم، کھڈہ، کراچی، یہ مدرسہ مولوی عبداللہ مرحوم نے بنایا تھا، جو میاں محمد امین چھوڑائی (خلیفۂ مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹھوی ف ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ء) کی اولاد میں سے تھے۔ (مناقب مخدومین، مقدمہ ۸۔۱۱)

۵۰۔ مناقب مخدومین کا خود نوشت نسخۂ مولف میاں محمد امین چھوڑائی مذکور میرے پاس ہے، لیکن میں بعض ناگزیر وجوہ سے یہ کام نہیں کر سکا، آخر ۲۰۱۸ء کو اس کا عکس ایک مفصل مقدمہ کے ساتھ امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور سے شائع کروا دیا۔

۵۱۔ اب یہ تمام رسائل بخط مولف علامہ مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹھوی ''مناقب مخدومین'' کے مذکورہ ایڈیشن کے ساتھ عکسی صورت میں بطور ضمیمہ شامل کر دیئے گئے ہیں۔

۵۲/۵۳۔ علامہ سید سلیمان ندوی اور علامہ شبیر احمد عثمانی، قیام پاکستان کے بعد پاکستان اس لئے چلے آئے تھے کہ یہاں آکر انہیں ان کی علمیت کے باعث سر آنکھوں پر بٹھایا جائے گا لیکن یہاں تو ان کو کوئی پوچھنے والا ہی نہیں تھا، سید حسام الدین راشدی کے مقالات میں ان حضرات کے پاکستان آنے پر ان کے ساتھ جو سلوک کیا گیا، کی صحیح تصاویر نظر آتی ہیں۔

کوئٹہ، بلوچستان

راقم احقر یکم نومبر ۱۹۷۸ء کو لاہور سے بذریعہ چلتن ایکسپریس پونے تین بجے بعد دوپہر، کوئٹہ کے لئے روانہ ہوا، گاڑی کل یعنی ۲ر نومبر کو ساڑھے چھ بجے شام کوئٹہ پہنچی، چھبیس گھنٹوں کا یہ انتہائی دشوار اور تکلیف دہ سفر خدا کے فضل وکرم سے تہ ہو گیا۔

اس سفر کا مقصد اور محرک حضرت مولانا محمد ہاشم جان مجددی مرحوم کا کتب خانہ کا وہ حصہ دیکھنا ہے، جو کوئٹہ میں محفوظ ہے، یہ وہ کتب خانہ ہے جو مرحوم کے دادا حضرت شاہ عبدالرحمٰن مجددی قندھار سے ہجرت کے دوران ہمراہ لائے تھے اور ٹنڈو سائیں داد سے رکرم کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہاں منتقل کر دیا تھا۔

راستے میں کوئٹہ کے ایک فرشتہ صفت انسان میجر قمر صاحب مل گئے، پہلے کبھی ان سے واقفیت نہیں تھی، وہ مجھے اپنے ساتھ رکشے میں بٹھا کر مولانا ہاشم جان مرحوم کی بیوی کے دیئے ہوئے پتہ حاجی سکندر محمد خان، میزان پرچون سٹور علی بھائی روڈ، کوئٹہ لے گئے، معلوم ہوا کہ وہ دکان بند کر کے جا چکے ہیں، مرحوم کی بیوی تو شاہ بوکلی میں رہتی ہیں، فیصلہ ہوا کہ وہ کل میرے ساتھ ریلوے ریزرویشن کے بعد مذکورہ گاؤں تک خود ہی پہنچا دیں گے، اس وقت میں ان کے اسرار پر اُن کے دولت خانہ پر آ گیا، میجر صاحب نہایت ہی اعلیٰ اوصاف کے آدمی ہیں، میں نے سُن رکھا تھا کہ ملٹری کے لوگ بڑے کرخت اور روکھے قسم کے ہوتے ہیں لیکن یہ تو سراپا اخلاق اور تعاون نکلے، رات کا کھانا انہیں کے ہاں کھایا، طویل سفر کے بعد رات گہری نیند سویا رہا، صبح فجر کی نماز کے بعد سفر نامہ کی یہ چند سطر لکھیں۔

۳ر نومبر، صبح ناشتہ سے فارغ ہو کر میجر قمر صاحب کے ساتھ ریلوے سٹیشن گیا تا کہ واپسی کے لئے سیٹ مل جائے لیکن معلوم ہوا کہ گیارہ نومبر تک کوئی سیٹ نہیں ملے گی، تاہم میجر قمر صاحب نے بتایا کہ ہم آپ کو واپس بھجوانے کا خود انتظام کر دیں گے، فکر نہ کریں، وہاں سے میں میجر صاحب کے سکوٹر پر اُن کے

ساتھ ہی حضرت محمد ہاشم جان مرحوم کے گاؤں شاہ بوکلی آ گیا، یہاں کے لوگ بہت خوش اخلاق ہیں، مرحوم کی بیوی بھی بہت اچھے اخلاق کی مالکہ اور مہربان قسم کی خاتون ہیں، انہوں نے نہایت مہربانی کر کے مجھے، لاہور بذریعہ خط اطلاع دی تھی کہ ہم عید کے موقع پر کوئٹہ جا رہے ہیں تم آ کر ہمارا کوئٹہ والا کتب خانہ دیکھ لو، چنانچہ میں فوراً ہی وہاں سے چل پڑا اور کوئٹہ پہنچ گیا۔

اُن کے ایک عزیز غلام فرید صاحب نے فوراً چابی سے کتب خانہ کا دروازہ کھولا اور بتایا کہ صرف یہ دو الماریاں ہیں جن میں قلمی کتب ہیں، حضرت محمد حسن جان مرحوم [۱] نے نہایت دانشمندی کا ثبوت دیا اور ٹنڈو سائیں داد (سندھ) سے کتابیں یہاں منتقل کر دی تھیں، کیوں کہ وہاں دیمک اس کثرت سے ہے کہ قلمی کتاب نہیں بچ سکتی، میں نے کتابیں دیکھنا شروع کیں اور شام تک کتابیں نکالتا رہا، میرا اندازہ تھا کہ یہاں بہت زیادہ کتابیں ہوں گی کیوں کہ ''مونس المخلصین'' میں لکھا ہے کہ ان کے جد امجد حضرت شاہ عبدالرحمٰن نے جب قندھار سے ہجرت کی تھی تو اپنے ساتھ اپنا آبائی کتب خانہ لے آئے تھے، [۲] لیکن یہاں آ کر معلوم ہوا کہ صرف ایک ہی الماری میں قلمی کتابیں ہیں، دوسری میں زیادہ تر مطبوعہ کتب ہیں، بہت جستجو کے بعد تین نہایت نادر مخطوطات مطالعہ میں آئے یعنی:

(۱) اوج مورد اسرار نقشبند ۱۲۲۸ھ تالیف حضرت نظام الدین مجددی سرہندی شکارپوری [۳]

(۲) ردّ شبہات (در ردّ سعد الدّین انصاری کابلی) تالیف ایضاً ۱۲۳۲ھ [۴]

(۳) مجالس الابرار (ملفوظات شیخ عبداللہ شطاری) تالیف عبداللہ الصوفی شطاری [۵]

ان تین کتابوں کو دیکھ کر میں بہت محظوظ ہوا اور اگلے روز ان کے فوٹو سٹیٹ بازار سے کروا لئے، جب میں نے مرحوم محمد ہاشم جان کا کتب خانہ کا، کراچی والا حصہ دیکھا تو مجھے اندازہ ہوا تھا کہ میرے موضوع یعنی ''تاریخ سلسلۂ نقشبندیہ'' کی زیادہ کتابیں وہ اپنے شہر کراچی ہی لے گئے تھے، پھر بھی خلش تھی کہ نہ جانے کوئٹہ میں کیا کیا ہوگا، تاہم سلسلۂ نقشبندیہ کی کوئی خاص کتب سوائے مذکورہ بالا دو مخطوطات کے، اور کوئی کتاب نہیں تھی، عمومی اور مروجہ مخطوطات تین سو کے قریب ہیں، جن میں فارسی کے سب مخطوطات میں نے نکال کر الگ کئے کہ مرکزِ تحقیقاتِ فارسی، اسلام آباد کے لئے ان کی فہرست بنا لوں گا۔

۴ رنومبر، صبح کتابیں لے کر عبدالواحد صاحب کے ہمراہ کوئٹہ یونیورسٹی گیا تا کہ مذکورہ تین کتابوں کے فوٹوسٹیٹ بنوالوں لیکن پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہاں فوٹوگرافر بہت دیر سے آتا ہے، نیز اس کی قیمت فی کاپی وہی ہے جو بازار میں ہے یعنی پچاس پیسے، پھر وہاں سے میں نندماری کے بازار آگیا، یہاں ارم فوٹوسٹیٹ سروس والا اچھا آدمی ثابت ہوا، اس نے تین کتابوں کے فوٹو بہت احتیاط سے بنائے اور چالیس پیسے فی کاپی کے حساب سے رقم لی جو ایک سو باسٹھ روپے بنی۔

یہاں سے میں میجر قمر صاحب سے ملنے کے لئے ان کے گھر گیا لیکن وہ اور ان کے نوکر وغیرہ کوئی بھی نہیں تھے، اس لئے میں نے وہاں سے رکشا لیا اور سیدھا شاہ بوکلی آگیا، یہاں آکر فہرست سازی میں مصروف رہا، اسی طرح رات پڑگئی اور عشاء کی نماز پڑھ کر سوگیا۔

۵ رنومبر، صبح ساڑھے آٹھ بجے میں عبدالرحمٰن صاحب، برادر زوجہ [۶] حضرت محمد ہاشم جان کے ساتھ سکوٹر پر کوئٹہ کے چند مقامات دیکھنے کے لئے گیا۔

سب سے پہلے ہم حضرت شاہ ابوالخیر مجددی دہلوی [۷] کے ہاں گئے، کیوں کہ ان کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت بلال کا ۲۶ راکتوبر ۱۹۷۸ء کو انتقال ہوگیا تھا، ان کے بیٹے سے ملے اور فاتحہ خوانی کی، کتب خانہ دیکھنے کی درخواست کی تو فرمایا کہ ابھی تو کتب خانہ متنازعہ فیہ ہے جیسے ہی فیصلہ ہوجائے گا تو دکھائیں گے۔

یہاں سے ہم حضرت شاہ ابوالخیر صاحب کے دوسرے صاحبزادے حضرت ابوسعد سالم مجددی صاحب [۸] سے ملنے گئے، اُن پر فالج کا حملہ ہوچکا ہے، تاہم تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے اندر بلایا اور نہایت مہربانی سے بات چیت کی، کتب خانہ دیکھنے کی درخواست کی تو نہایت فراخ دلی سے فرمایا کہ دیکھو اور اپنے صاحبزادے کو دکھانے کا حکم دیا، میں تقریباً ایک گھنٹہ تک کتب خانہ دیکھتا رہا، نہایت شوق سے اعلیٰ قسم کی الماریوں میں کتابیں سجا کر رکھی ہیں، اعلیٰ جلدیں ہیں، ''فصل الخطاب'' کا ایک ایسا قلمی نسخہ دیکھا جس کے آخری حصہ کی کتابت حضرت مولانا حاجی محمد عاشور [۹] خلیفۂ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی و جامع مکتوبات معصومی نے کی تھی، انہوں نے اس کے ترقیمہ میں لکھا ہے کہ مجھ سے پہلے والی کتابت حضرت

مصنف نے خود کی ہے، خط سے مجھے بھی اندازہ ہوا کہ یہ تو حضرت خواجہ محمد پارسا سے مشابہہ ہے، کئی دوسرے مخطوطات بھی میں نے دیکھے، بہت اچھا ذخیرہ ہے، تفصیل سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

حضرت ابوسعد سالم صاحب کے صاحبزادگان نہایت خوش اخلاق ہیں اور صاحب علم ہیں، کوئی جاہل نہیں ہے، اعلیٰ اوصاف کے مالک ہیں۔

انہوں نے مجھے حضرت زید ابوالحسن فاروقی بن حضرت شاہ ابوالخیر کی تصانیف بھی بطور تحفہ دیں، یہاں ہم مشن روڈ پر جناب محمد یوسف، قاسم کیمسٹ کے پاس گئے تاکہ ان کا کتب خانہ دیکھ سکیں لیکن وہ کہیں گئے ہوئے تھے۔

وہاں سے ہم مکتبہ اسلامیہ، میزان مارکیٹ گئے، یہ بھی دکان بند تھی، وہاں سے ایک دو کتابوں والی دکانیں دیکھیں تو معلوم ہوا کہ ان کے پاس بھی کوئی اہم کتابیں نہیں ہیں، ایک دکان سے معلوم ہوا کہ آغا سید صادق علی جناح روڈ، کوئٹہ عرصہ دو سال ہوا انتقال ہو گیا ہے، یہاں سے ہم پھر میجر قمر صاحب کے گھر گئے تو معلوم ہوا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں اور نہ ہی ان کا نوکر ہی مل سکا۔

وہاں سے ہم پھر شاہ بوکلی واپس گئے تقریباً ایک بجے ہم گاؤں پہنچ گئے، یہاں کتب خانہ والے کمرے کی صفائی ہو رہی تھی، اس لئے فہرست سازی کا کام رک گیا، اور میں مہمان خانہ میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔

چار بجے کے قریب کتب خانہ میں طلب کر لیا گیا، عشاء کی آذان تک مخطوطات کی فہرست ۱ میں مصروف رہا، اس کے بعد نماز پڑھ کر سو گیا۔

۶ر نومبر، فجر کی نماز کے بعد سے فہرست سازی میں مصروف ہو گیا اور ظہر کی نماز تک تمام فارسی مخطوطات کی فہرست بنالی۔

سوا چار بجے عبدالرحمٰن صاحب کے ہمراہ میزان مارکیٹ گیا، اور ملا اسماعیل مالک مکتبۂ اسلامیہ کے ہاں سے کتابیں خریدنے گیا، معلوم ہوا کہ تصوف کی تمام کتابیں بک چکی ہیں، ان کے ہاں کسی زمانہ میں فتاویٰ نقشبندیہ مولفہ ''ملا معین خاوندی'' اور ''خلاصۃ المعارف'' از حضرت شیخ آدم بنوڑی قلمی موجود تھیں، لیکن اب یہ بھی فروخت ہو چکی تھیں، افسوس ہوا، وہاں سے قاسم کیمسٹ کے مالک محمد یوسف صاحب کے ہاں

آیا، ان کے بارے میں محمد حسین تسبیحی صاحب کی کتاب، کتابخانہ ہای پاکستان میں لکھا ہوا ہے کہ ان کے پاس مخطوطات ہیں، انہوں نے بھی ہمدردی کی اور مجھے اپنے گھر لے گئے، تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ہم کتابیں دیکھتے رہے، قدامت اور حسنِ خط کے اعتبار سے چند اہم مخطوطات تھے لیکن موضوع کے لحاظ سے کوئی بھی مخطوطہ قابل توجہ نہیں تھا، صوفیہ کے تذکروں میں سے بھی ان کے پاس کچھ نہیں تھا اور سلسلۂ نقشبندیہ کے بارے میں اُن کے ہاں مواد موجود نہیں ہے۔

یہاں سے ساڑھے سات بجے شب میں روانہ ہو کر میجر سید قمر الحسن صاحب کے ہاں بذریعہ رکشا پہنچ گیا، میجر صاحب گھر پر موجود تھے، ان سے درخواست کی کہ مجھے کل واپس لاہور جانا ہے اس لئے ریل کا بندوبست کروا دیں، انہوں نے یقین دلایا اور ایک آدمی جو مظفر آباد تک جا رہا تھا، وہ بھی یہیں آ گیا، اب دو ساتھی ہو گئے ہیں، میں رات انہیں کے ہاں سو گیا اور صبح جلد ہی بیدار رہوا۔

۷ر نومبر، میجر صاحب کے ہاں ناشتہ کیا، گاڑی سوا ایک بجے دوپہر چلے گی، میجر صاحب رخصت ہو گئے اور میں گرم پانی سے نہا کر بستر پر دراز ہو گیا، خداوند کریم اپنے فضل و کرم سے بزرگانِ دین کے طفیل بخیر و عافیت مجھے لاہور اپنے گھر پہنچا دے، آمین۔

ریلوے اسٹیشن پر پہنچے تو مسافروں کا اتنا ہجوم تھا کہ خدا سے پناہ مانگی، عید الاضحیٰ کی وجہ سے لوگ کوئٹہ سے باہر اپنے گھروں مثلاً پنجاب، سرحد، سندھ وغیرہ جا رہے تھے، بصد مشکل و سفارش ہمیں ڈاک کے ڈبہ میں جگہ ملی، جو رات ڈیڑھ بجے روہڑی پہنچ کر الگ کر دیا گیا، اب ہم رات گئے وہاں بیٹھے رہے تو معلوم ہوا کہ لاہور کو جانے والی تمام گاڑیاں بھری ہوئی ہیں، واپس بذریعہ ٹرین سکھر پہنچے اور رات اڑھائی بجے بہاولپور ایکسپریس میں جا کر گھس گئے، جسے صبح سوا پانچ بجے چلنا تھا، اس کے باوجود اس میں اتنا ہجوم تھا کہ مشکل سے صرف بیٹھنے والی سیٹ مل سکی، اس گاڑی کو لاہور پہنچنے میں خاصا وقت لگ گیا یعنی صبح سوا پانچ بجے چلی اور رات ساڑھے نو بجے لاہور بخیر و عافیت پہنچ گئے، طویل اور تکلیف دہ سفر نے طبیعت کو بہت زیادہ مضمحل اور کسلمند بنا دیا ہے، اس وقت جبکہ مجھے گھر پہنچے ہوئے چوبیس گھنٹوں سے زیادہ ہو گئے مسلسل چکر آ رہے ہیں اور بیمار پڑ گیا ہوں، اللہ تعالیٰ جلد صحت یاب فرمائے، آمین۔

حواشی

۱/۲۔ حضرت محمد حسن جان سرہندی اور حضرت شاہ عبدالرحمٰن مجددی قندھاری کے احوال سابقہ حواشی میں ملاحظہ کریں۔

۳۔ اوج موردا سرار نقشبند (رک حواشی سفر کوئٹہ، بلوچستان)

۴۔ ردشبہات تالیف شیخ نظام الدین مجددی شکار پوری

یہ دراصل میاں سعدالدین کابلی انصاری کے رسالہ ردحضرت مجدد الف ثانی کے جواب میں لکھا گیا ہے جس کا نام ''ردشبہات نابکار پلید'' ہے، اس کی فوٹو کاپی بھی ہمارے ذخیرہ میں ہے۔

۵۔ مجالس الابرار (ملفوظات شیخ عبداللہ شطاری (ف ۱۰۱۰ھ/ ۱۶۰۱ء) اس میں ۹۹۸ھ سے لے کر ۱۰۱۰ھ تک کے ملفوظات ہیں، اس کا روٹوگراف بھی ہمارے ذخیرہ میں شمارہ R.286 کے تحت محفوظ ہے۔

۶۔ زوجۂ حضرت حافظ محمد ہاشم جان مجددی

یہ حافظ صاحب کی زوجۂ ثانیہ ہیں، جو حافظ صاحب کے فرزند اکبر عابد جان کی بیوی کی بہن ہیں، اس زوجۂ ثانیہ کے بطن سے ایک فرزند اور ایک صاحبزادی تھیں، حافظ صاحب ان دونوں کے کردار سے بہت پریشان رہے، عابد جان جواری اور شرابی تھے، جب کہ زوجۂ ثانیہ کے بیٹے ریس کھیلنے کے شوقین تھے، گمان ہے کہ عابد جان نے اپنے بزرگوں کے تمام مخطوطات فروخت کر کے اپنی ضروریات پوری کرتے رہے ہوں گے۔

۷۔ حضرت ابوالخیر مجددی (ف ۱۹۲۳ء) بزرگ اور عالم تھے، آپ کی دو خانقاہیں تھیں اول خانقاہ مظہری (دہلی) کے متولی تھے اور دوسری خانقاہ ابوالخیر، کوئٹہ میں تھی، حضرت گرمی کا موسم کوئٹہ میں گزارتے اور

سردی کے دنوں میں دہلی چلے جاتے تھے۔ (مقاماتِ خیر............)

۸۔ حضرت ابوالسعد سالم، جامعہ ازہر، قاہرہ، مصر کے فارغ التحصیل تھے، اپنے برادر گرامی حضرت ابوالحسن زید فاروقی کے ہمراہ قاہرہ گئے تھے۔ (مقاماتِ خیر ۷۳۲۔۷۳۵)

۹۔ حاجی محمد عاشور بخاری (ف ۱۱۰۷ھ) حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے خلیفہ اور مکتوبات معصومیہ کی جلد ثالث کے مرتب و جامع بھی تھے، ان کا خط بہت پاکیزہ تھا، فصل الخطاب کے ناقص الآخر نسخہ کی تکمیل کی ہے جو حضرت سالم کے کتب خانہ، کوئٹہ میں ہے اور اسی طرح خانقاہِ نقشبندیہ سراجیہ کندیاں، ضلع میانوالی میں ''انیس الطالبین'' کا خطی نسخہ بھی انہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ (مقاماتِ معصومی ۴/۴۱۰۔۴۱۴)

۱۰۔ میری مرتبہ یہ فہرست مخطوطات کوئٹہ اب احمد منزوی کی فہرست مشترک میں شامل ہے۔

راولپنڈی و اسلام آباد

راقم اپنے علمی سفر پر ۵ر جولائی ۱۹۸۰ء کو بذریعہ ریل کار روانہ ہوا، گاڑی صبح ساڑھے پانچ بجے، لاہور ریلوے سٹیشن سے روانہ ہوئی اور بخیر وعافیت ساڑھے بارہ بجے راولپنڈی پہنچ گئی۔

اترتے ہی ۱۰ر جولائی ۱۹۸۰ء کی سیٹ ریزرو کروائی، تاکہ واپس اسی گاڑی سے لاہور جاسکوں، یہاں سے بزریعہ ٹیکسی مرکزِ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان (P-46 ۔ راولپنڈی، سیٹلائٹ ٹاؤن) پہنچا تو صاحبزادہ سید عارف نوشاہی صاحب، احمد منزوی صاحب اور نذیر رانجھا صاحب سے ملاقات ہوئی، حسب دستور صاحبزادہ عارف نوشاہی صاحب کے ہاں قیام کیا، شام پانچ بجے مرکزِ تحقیقات کا کتب خانہ دیکھنا شروع کیا، رانجھا صاحب بھرپور تعاون فرماتے رہے، دس بارہ مخطوطات نکال دیئے۔

وہاں سے تین بجے اسلام آباد ہوٹل پہنچے کیوں کہ پندرہویں صدی ہجری کی تقریبات کا آغاز ہوچکا تھا اور ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب بڑے تپاک سے ملے، رات نو بجے تک ہوٹل میں رہے، آٹھ بجے تک مقالات کا سلسلہ جاری رہا، بعض مقالات خاصے مفید تھے اور مسلم تہذیب وتمدن، تاریخ پر گوناگوں تقاریر سننے کا موقع ملا، اکثر مقالات انگریزی زبان میں تھے، پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری صاحب سے بھی ملاقات ہوئی، ان کا قیام مختصر تھا۔

رات، مرکز سے مخطوطات دیکھنے کے بعد عارف نوشاہی صاحب کے ہاں چلا گیا۔

۶ر جولائی، صبح شدید بارش ہوئی، ہم تقریبات میں شرکت کے لئے کافی دیر سے پہنچے، آج تاریخ کے بڑے بڑے فضلاء سے ملاقات کا موقع ملا، اُن میں ڈاکٹر احمد حسن دانی، ڈاکٹر رضی واسطی، شیخ عبدالرشید، ڈاکٹر سید معین الحق وغیرہ ڈھاکہ یونیورسٹی (بنگلہ دیش) کے ڈاکٹر سید محمد امام الدین ا سے بھی ملاقات ہوئی، موصوف کئی کتابوں کے مصنف اور محنتی آدمی ہیں، ان کے مرتبہ متون تاریخ میں سے مجھے

تاریخ شیر شاہی از عباس خان سروانی درکار تھی، ان سے درخواست کی تو وہ دینے کے لئے رضامند ہو گئے اور مجھے ہمراہ لے کر اپنے جائے قیام پر جانے کے لئے روانہ ہوئے، وہاں سے پہلے بک فاؤنڈیشن گئے کیوں کہ پیپن پر ان کی کتاب یہاں زیرِ غور تھی، ایک بجے تک اسی چکر میں رہے، ڈیڑھ بجے مرکزِ تحقیقات میں پہنچے، امام الدین صاحب کو ابن بطوطہ کے سفرنامہ کا فارسی ترجمہ درکار تھا، یہاں مل گیا تو فوٹوسٹیٹ کروانے کے لئے رضامند ہو گئے اور وعدہ کیا کہ وہ کل فوٹوسٹیٹ لینے کے مرکز آئیں گے تو آتے ہوئے میرے لئے تاریخ شیر شاہی بھی لے آئیں گے، میرے اسرار پر انہوں نے تاریخ شیر شاہی کے فارسی متن کی قیمت پچیس روپے لے لی لیکن اس کا انگریزی ترجمہ بلا قیمت دیا، اوراس کے ساتھ اپنا مرتبہ متن تاریخ بنگالہ از منشی سلیم اللہ بھی بہ قیمت اسی روپے عنایت کیا۔

۷؍جولائی، میں صبح ہی ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد چلا گیا، یہاں سے ''مجمع الاولیاء'' ؒ از بدرالدین سرہندی (خطی نسخہ انڈیا آفس لائبریری) کے روٹوگراف سے فوٹوسٹیٹ بنوانے کے لئے لائبریرین احمد خان صاحب سے درخواست کی لیکن ان سے بات چیت کرتے کرتے اتنی دیر ہوگئی کہ آفس کا وقت ختم ہوگیا، طے پایا کہ کل ہمارا آدمی ساتھ جا کر فوٹوسٹیٹ بنوالائے گا۔

میں واپس مرکز تحقیقات آگیا، دوپہر کھانا کھا کر دو گھنٹے آرام کیا اور شام کو مرکز کی لائبریری میں آکر مخطوطات دیکھے اور کلیات حضرت خواجہ باقی باللہ کا ایک خطی نسخہ لے کر فوٹوسٹیٹ کے لئے گئے، وہاں دیر تک کام ہوتا رہا، شام آٹھ بجے ہم واپس مرکز میں آئے اور مزید مخطوطات دیکھے۔

۸؍جولائی، صبح ہی ادارۂ تحقیقات اسلامی کے کتب خانہ سے ''مجمع الاولیاء'' کا روٹوگراف لے کر فوٹوسٹیٹ بنوانے چلا گیا، افسوس کہ کوئی مشین اس کا صحیح پرنٹ نہ نکال سکی، بڑی تکلیف اٹھانا پڑی پھر تسلی بخش فوٹوسٹیٹ بنوا کر واپس عارف نوشاہی صاحب کے ہاں چلا گیا، رات مرکز کے کتب خانہ میں جاکر مزید مخطوطات دیکھے اور چھ مخطوطات منتخب کئے کہ ان کے کل فوٹوسٹیٹ بنوائیں گے۔

۹؍جولائی، صبح سات بجے میں قائداعظم یونیورسٹی کے لئے روانہ ہوا، صرف شعبۂ تاریخ میں دو گھنٹے گزارے، ان کا کتب خانہ دیکھا، یہاں پروفیسر شیخ عبدالرشید اور ایس ایم اکرام کے ذخیرۂ ہای کتب موجود

ہیں لیکن درجہ اول کی نادر مطبوعات کا نہایت فقدان ہے۔

یہاں سے گیارہ بجے کے قریب واپس مرکزِ تحقیقات آیا اور صاحبزادہ سید عارف نوشاہی صاحب کے ہمراہ مرکز کے کتب خانہ سے منتخب مخطوطات یعنی رسائل شیخ احمد کاسانی، رسائل حضرت مجدد، خزینۃ المعارف، سلسلۃ العارفین، ۔ وغیرہ کے فوٹوسٹیٹ بنوائے اور شام آٹھ بجے اس کام سے فارغ ہو کر صاحبزادہ صاحب کے ہاں قیام کیا، رات پھر مرکز کے کتب خانہ میں جا کر کام کیا۔

۱۰ر جولائی، صبح سات بجے ہی میں مرکز کے کتب خانہ میں آ گیا اور دو بجے تک نادر خطی نسخے خصوصاً سلسلۂ نقشبندیہ کے لیے مواد جمع کرتا رہا، صاحبزادہ عارف نوشاہی صاحب کے ہاں دوپہر کا کھانا کھایا اور تین بجے سہ پہر صاحبزادہ صاحب کے ہمراہ، لاہور کے لئے ریلوے سٹیشن پر آیا، نوشاہی صاحب چلے گئے اور میں بذریعہ ریل کار راولپنڈی سے چل دیا، ٹرین میں بہت رش تھا، رات دس بجے گاڑی بخیر وعافیت اللہ کے فضل سے لاہور پہنچی تو سکھ کا سانس آیا، یہ سفر نہایت کامیاب رہا۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر احمد حسن دانی، ڈاکٹر رضی واسطی، شیخ عبدالرشید، ڈاکٹر سید معین الحق اور ڈاکٹر امام الدین خوب معروف شخصیات کے مالک ہیں، ان کے احوال و آثار کتابوں میں عام طور پر مل جاتے ہیں۔

۲۔ مجمع الاولیاء، تالیف شیخ بدرالدین سرہندی، خلیفہ و سوانح نگار حضرت مجدد الف ثانی کی روٹوگراف کاپی ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد میں ہے، اس سے مجھے اپنے کام کے لئے ایک کاپی بنوانا تھی، جو بعد میں بنوالی گئی۔

۳۔ کلیات حضرت خواجہ باقی باللہ، (ف ۱۰۱۲ھ) جامع شیخ اسماعیل رشدی کا ایک قدیم نسخہ مکتوبہ ۱۰۴۶ھ کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد میں ہے، اس کی فوٹو کاپی بھی بنوالی۔

۴۔ رسائل شیخ احمد کاسانی، رسائل حضرت مجدد الف ثانی، خزینۃ المعارف اور سلسلۃ العارفین کے روٹوگراف اب میرے ذخیرہ کی زینت ہیں۔

پاک پٹن

راقم ۱۹؍ مارچ ۱۹۸۱ء، دوپہر دو بجے اپنے برادر عزیز محمد سلیم کے سسر میاں عبدالرشید مرحوم کے چہلم میں شرکت کے لئے ان کے ہمراہ، لاہور سے حویلی لکھا کے لئے روانہ ہوا، بھائی صاحب ان کی اہلیہ اور بچے تو اپنے گاؤں حویلی لکھا میں اتر گئے، میں رات نو بجے کے قریب پاک پٹن اسی گاڑی میں پہنچ گیا۔

اسی رات یعنی ۱۹؍ مارچ ۱۹۸۱ء کو مخدومی حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب کے بھائی صاحب حکیم شمس الدین، جو اسی متبرک خطہ میں رہتے ہیں، انہیں کے ہاں قیام پذیر ہوا، حکیم صاحب تو موجود نہیں تھے، وہ دیوان صاحب کے ہمراہ شکار پر گئے ہوئے تھے، ارادہ ہے کہ صبح حضرت بابا فرید گنج شکر قدس سرہ کے مزار مبارک کی زیارت کے بعد سید مسلم نظامی صاحب کے ہاں جا کر اُن کے کتب خانہ میں محفوظ مخطوطات سے استفادہ کروں، خدا کرے کہ وہ دکھا دیں اور تاریخ تصوف کے سلسلہ کی بعض اہم چیزیں دستیاب ہو جائیں۔

۲۰؍ مارچ صبح ناشتہ سے فراغت کے بعد حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضری دی، زیارت، فاتحہ خوانی اور دعائیں کرنے کے بعد حکیم شمس الدین صاحب کے ملازم کے ہمراہ سائیکل پر جناب مسلم نظامی سے ملنے کے لئے گیا۔

ان سے مل کر بڑا تعجب ہوا کہ موصوف سن رسیدہ، سنجیدہ اور تنہائی پسند قسم کے آدمی ہیں، فرمایا میں تو آخرت کی تیاری اور قبر میں خود کو سکون پہنچانے کے لئے دن رات وظائف کرتا رہتا ہوں، کسی سے نہیں ملتا، تم نے لاہور سے آنے اور عزیز دوست حکیم محمد موسیٰ صاحب کا حوالہ دیا اس لئے ذرا سی بات کر لی ہے، میں نے بہت دلائل سے بات کی لیکن ایک نہ مانی اور علمی گفتگو سے انکار کر دیا، بے شک اسلام اور علماء نے ایسی عبادت سے منع کیا ہے، غالباً صوفیہ نے جس انفرادی نجات سے نفرت کا اظہار کیا ہے وہ یہی ہے، تاہم حسنِ

اتفاق سے نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد مزار حضرت بدرالدین اسحٰق خلیفۂ حضرت بابا صاحب پر ان سے ملاقات ہوگئی تو صبح کے اپنے طرزِ عمل سے معافی چاہی، ان سے چند منٹ گفتگو رہی تاریخ تصوف کے بارے میں بہت کم اور سطحی معلومات کے مالک ہیں، ان کی کتاب ''انوارالفرید'' کا تازہ ایڈیشن چھپا ہے لیکن رعائتی قیمت پر نہ مل سکا، تاہم انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ تلاش کر کے اس کا نسخہ لاہور بھجوادیں گے۔

صبح جب مسلم نظامی صاحب سے مایوسی ہوئی تو حضرت عبداللہ علمدار معروف بہ شیخ عبدالعزیز مکی (بانی سلسلۂ قلندریہ) کے مزار کی زیارت کے لئے گیا، ان کے بارے میں مسلم نظامی صاحب سے گفتگو رہی، وہ اس بارے میں میرے کسی سوال کا جواب نہ دے سکے۔

وہاں سے واپس مطب حکیم شمس الدین میں آ گیا اور پھر مزار حضرت بابا کے باہر واقع کتابوں کی چھوٹی چھوٹی دکانوں پر گیا، کوئی کتاب دستیاب نہ ہو سکی، البتہ لاہور سے طبع ہونے والی بعض کم یاب کتابوں کو یہاں دیکھ کر جی للچایا کہ خریدوں، وہ 33% پر دینے کے لئے رضامند ہو گیا تو اسی روپے کی کتابیں خریدیں، یہاں سے فارغ ہو کر میں حضرت میاں علی محمد خان صاحب کا کتب خانہ دیکھنے کے لئے ان کے گھر گیا، اتفاق سے ان کے نواسے مسعود احمد، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی (نیو کیمپس)، لاہور گھر پر ہی تھے، مل کر بہت خوش ہوئے، گیارہ بجے سے دو بجے تک میں یہاں کتب خانہ کی مختلف کتابیں دیکھتا رہا، لیکن کوئی ایسی نادر کتاب نظر نہ آئی جو پہلے سے استعمال نہ کی ہو۔

پروفیسر مسعود احمد ان کتابوں کے بارے میں خود کچھ نہیں جانتے، ایک کاغذ پر بعض مخطوطات کے نام لکھے، ان میں ایک شرح فصوص الحکم از مبارک بن مخدوم جہانیاں اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے حالات پر ایک مجموعہ مناقب بغور دیکھتا رہا، حضرت بابا صاحب کے مزار پر واقع مسجد میں نماز جمعہ ادا کی اور بذریعہ بس پاک پٹن سے حویلی لکھا پہنچا، یہاں چہلم ہونا تھا، مرحوم کے پسماندگان نے اس کا وقت بدل کر گیارہ بجے کرلیا تھا، تاہم میں ان سے ملا، رات انہیں کے ہاں قیام کرنا ہے اور صبح چار بجے والی ٹرین سے لاہور کے لئے روانہ ہونے کا ارادہ ہے، یہ پروگرام ہے کہ قصور میں چند گھنٹے قیام کے بعد لاہور جاؤں گا۔

۲۱ر مارچ، تیاری کے لئے صبح تین بجے بیدار ہوئے، ناشتہ کیا اور ریلوے اسٹیشن تک جانے کے

لئے کوئی سواری نہ مل سکی اور اڈے پر جا کر تانگہ لیا، افسوس کہ پہلی گاڑی سپر ہمارے جانے سے پہلے ہی روانہ ہو چکی تھی تاہم پانچ بجے والی ٹرین سے میں اور برادر عزیز محمد سلیم روانہ ہوئے، میں راستے میں ساڑھے آٹھ بجے قصور اتر پڑا اور سیدھا ڈاکٹر احمد بشیر صاحب کے گھر گیا، کیوں کہ کتاب: Akbar and Religion کا سارا اسٹاک اُن کے گھر میں محفوظ ہے، جو انہوں نے خود طبع کروایا تھا، اس سلسلہ میں کوشش کرنا تھی کہ کواپرا بک شاپ، لاہور والے خرید لیں، بہت علمی گفتگو رہی، میں نے پہلی مرتبہ سیاسی امور پر گفتگو کی، افغانستان کی صورت حال اور حالیہ طیارۂ پاکستان اغوا بھی زیر بحث رہا، دو گھنٹے ان کے ساتھ گذارے اور پھر اُخت العزیزہ الکبریٰ کے ہاں گیا، وہاں سے حضرت مولانا خواجہ غلام محی الدین قصوری قدس سرہ کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے بھی حاضر ہوا اور ماموں کے گھر سے ہوتے ہوئے بذریعہ بس لاہور کے لئے روانہ ہو گیا۔

پھر سندھ میں

راقم ۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء کو بذریعہ ٹرین سپر ایکسپریس، لاہور سے، سندھ کے علمی سفر پر روانہ ہوا، صبح ۱۸ر جولائی کو خدا کے فضل و کرم سے بحفاظت تمام حیدرآباد پہنچ گیا، سیدھا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب ۱ سے ملاقات کے لئے اُن کے گھر پہنچا، ان کے ایک خادم بہت عجیب خصلت کے مالک نکلے، دروازے پر ہی کہہ دیا کہ وہ آرام کر رہے ہیں، شام پانچ بجے ملیں گے، میں نے اپنا سامان رکھنے کی درخواست کی تو صاف انکار کر دیا کہ ہم ان کی اجازت کے بغیر سامان بھی نہیں رکھتے، میں نے لاکھ کہا کہ صاحب! میں لاہور سے آیا ہوں لیکن ایک نہ سنی، آخر میں نے ڈاکخانہ میں جا کر کہا کہ میں لاہور سے آیا ہوں اور نیو کیمپس جانا ہے، مہربانی فرما کر میرا سامان رکھ لیں، انہوں نے میری التجا سنی اور سامان رکھ لیا، میں نے سندھی ادبی بورڈ، جام شورو سے تقریباً چھ سو دس روپے کی کتابیں خریدیں جن میں اکثر وہ کتابیں ہیں جو مجھے ایران بھیجنا ہیں۔ ۲

وہاں سے میں نے آدھی کتابیں اٹھائیں تو ڈاکخانے سے سامان لیتے ہوئے بذریعہ بس ٹنڈو سائیں داد پہنچ گیا، شدید گرمی تھی، یہاں دو تین گھنٹے آرام کیا، عصر کی نماز کے وقت آغا عبدالحمید جان بن حضرت غلام علی جان بن حضرت شاہ آغا (عبداللہ جان) بن حضرت محمد حسن جان مجددی ۳ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے اپنے صاحبزادے سے کہا کہ ان کو کتب خانہ دکھاؤ، ان کی مہربانی سے عشاء کی نماز کے وقت ایک قدیم دلی آرزو پوری ہوئی یعنی حضرت حافظ محمد ہاشم جان مرحوم بن حضرت محمد حسن جان مجددی مذکور کے کتب خانے کا وہ حصہ جو یہاں ٹنڈو سائیں داد میں ہے کی زیارت کرنے کا موقع مل گیا، یہ کتب خانہ اس وقت تین مختلف جگہوں پر پڑا ہوا ہے، ایک حصہ ان کے مکان، کراچی میں، دوسرا کوئٹہ میں اور تیسرا ٹنڈو سائیں داد میں، پہلے دونوں حصے میں آج سے پانچ چھ سال پہلے دیکھ چکا تھا، اور پانچ سال

سے دلی تمنا تھی کہ نہ معلوم ٹنڈو سائیں داد والے حصے میں کیا جواہرات پڑے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے میری یہ آرزو بھی پوری کردی، اس حصے میں زیادہ تر مطبوعات ہیں، مرحوم نے یہ نیکی کی تھی کہ سلسلۂ نقشبندیہ سے متعلق تمام نادر مخطوطات یکجا کراچی والے حصے میں منتقل کردیئے تھے، پھر بھی کوئٹہ والے حصے میں چند اہم اور نادر مآخذ دستیاب ہوئے، یہاں ٹنڈو سائیں داد میں ان کا کتب خانہ چار بڑی الماریوں پر مشتمل ہے، جن میں انہوں نے بتایا کہ گذشتہ دنوں بہت سی کتابوں اور رسالوں کو کیڑا لگ گیا تھا جنہیں بوریوں میں ڈال کر ایک گودام میں رکھا ہوا ہے، یہاں سے بھی جھانک کر دیکھا تو بہت بری حالت کا احساس ہوا، یقیناً چند ماہ کے بعد وہ انہیں پھینک دیں گے، ان میں قلمی کتابوں کے اوراق بھی نظر آئے، پورے کتب خانے سے چند قلمی کتابیں نکلیں، جن میں سے تین کتابیں میں نے بغور دیکھیں، ان میں ایک کسی سندھی بزرگ کے ملفوظات کا ناقص الاول مجموعہ ہے، جس کی جلدی میں نشاندہی نہیں ہوسکی، یاداشتوں کی مدد سے بعد میں اس پر تحقیق کی جائے گی، سات سے گیارہ بجے تک اس کام میں مصروف رہا، رات قدرے نیند آگئی، ورنہ ۱۶ ار سے ۱۸ ار جولائی تک سفر کی وجہ سے مطلق نیند نہیں آئی تھی، حضرت عبدالحمید جان صاحب کے صاحبزادے نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے حصے کا کتب خانہ صبح دکھائیں گے۔

۱۹ ار جولائی ۱۹۸۳ء، صبح فجر کی نماز کے بعد صاحبزادہ صاحب سے درخواست کی، انہوں نے کتب خانہ کی چابی بہت تلاش کی لیکن نہ مل سکی، آخر فیصلہ کیا کہ وہ تالا توڑ ڈالیں گے، اگرچہ یہ کتب خانہ پہلے دیکھا ہوا ہے، لیکن پھر بھی دیکھنے کی تمنا ہے، خدا پوری کردے، آمین۔

وہی ہوا جس کا ڈر تھا، صاحبزادہ صاحب نے تالا نہ توڑا اور کتابخانہ دیکھے بغیر ہی واپس جانا پڑا، آٹھ بجے ٹنڈو سائیں داد سے حیدر آباد کے لئے روانہ ہوا، ڈاکخانہ سے ایران کے لئے دو پارسل روانہ کئے، اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان سے ملنے کے لئے گیا، وہ ان دنوں سخت علیل ہیں، صرف عصر کے وقت ملتے ہیں، میں یہاں سے نیو کیمپس، جام شورو چلا گیا، ایک صاحب عبدالرحمٰن کنبو صاحب، جو امرتسر کے باشندے ہیں، یہاں سندھی ادبی بورڈ میں ملازم ہیں، وہ مجھے سندھی ادبی بورڈ میں لے گئے اور سیکرٹری صاحب سے متعارف کروایا، وہ بڑی خندہ پیشانی سے ملے اور دریافت کیا کہ پنجاب میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی طرف

سے جو کتابیں چھپی ہیں ان میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے خلاف مواد کیوں موجود ہے؟ میں نے اسے بعض ہندوستانی ذہنوں کی پیداوار قرار دیا، بورڈ کی گاڑی کے ذریعے شعبۂ تاریخ میں گیا، لیکن وہاں تعطیلات کے باعث کوئی استاد بھی نہ مل سکے، وہاں سے شعبۂ سندھالوجی میں چلا گیا، یہ اتنا بڑا شعبہ ہے کہ سارے پاکستان میں ایسا شاندار شعبہ نہیں ہے، اصل تحقیقی کام یہیں پر ہو رہا ہے، بہت سے نادر مخطوطات بھی ہیں، جن کی فہرست کی ایک جلد چھپ چکی ہے، باقی جلدیں زیر طبع ہیں، اس کے صدر ڈاکٹر جی اے الانہ ہیں، بہت محنتی اور قومی جذبے سے سرشار آدمی ہیں، شعبہ کی بہت بڑی لائبریری ہے، خاص طور سے علاقۂ سندھ کی تاریخ، تہذیب، زبان و ادبیات کے بارے میں بیش بہا مواد موجود ہے، یہاں سے کچھ کتابیں خریدیں اور واپس سندھی ادبی بورڈ میں پہنچ گیا، جہاں، ایران اور لاہور کے لئے پارسل بنا کر تیار رکھے تھے، چھ پارسلوں پر میں نے پتے لکھے اور بورڈ کی گاڑی میں بیٹھ کر جنرل پوسٹ آفس آگیا، چھ پارسلوں پر ایک سو روپے ڈاک خرچ آیا، ڈاک خرچ نے تو انتہا کر دی ہے، یہاں سے چار بجے فارغ ہو کر ہوٹل میں گیا، آج سٹار ہوٹل میں قیام ہے، کل صبح یونیوسٹی سے ٹنڈو قیصر خان جانا ہے کیوں کہ وہاں حضرت شاہ صفی اللہ معصومی کے مکتوبات ؒ کا ایک مجموعہ ہے، خدا کرے کہ اس کی فوٹوسٹیٹ کاپی مل جائے۔

۲۰ر جولائی کی صبح سندھ یونیورسٹی پہنچا اور سیدھا ادبی بورڈ میں اپنا سامان رکھ کر سنٹرل لائبریری میں گیا، یہاں کتب خانہ کا نظام بہت خراب ہے، فہرست مخطوطات میں سے چند نام نوٹ کر کے لائبریری کے سیکشن انچارج کو دیئے لیکن کوئی کتاب نہ مل سکی، انہوں نے بتایا کہ تین سال پہلے ان کتابوں کو کیڑا لگ گیا تھا، ان کی جلدیں پھاڑی گئیں تو ورق آپس میں مل گئے ہیں، نمبر بھی غائب ہو گئے اور ان پر بڑی آفتیں آئیں۔

یہاں سے میں شعبہ سندھالوجی میں پہنچا، الانہ صاحب موجود نہیں تھے، میں ان کے شعبہ کی لائبریری میں چلا گیا، ان کا نظام بہت اچھا ہے، مخطوطات کی فہرست دیکھی، پی ایچ ڈی اور ایم فل کے مقالات کی فہرستیں بھی دیکھیں تو حیرت ہوئی کہ سندھیوں نے سندھ کے بہت سے اصحاب علم و فضل پر عمدہ مقالات لکھے ہیں، ان میں بعض مقالات سندھ کے مجددی حضرات کے بارے میں بھی ہیں، جن کے نام ایک فہرست

کے طور پر نوٹ کر لئے، واپس سندھی بورڈ آیا، سامان وہیں رکھا اور دوپہر کا کھانا کھا کر ٹنڈو سائیں داد چلا گیا، رات میں نے ٹنڈو سائیں داد میں بسر کی، مچھر اور نیچے سے چیونٹیاں کاٹتی رہیں، نیند رات بھر نہ آسکی۔

۲۱ / جولائی کو میں سیدھا مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب مدیر الرحیم شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدر آباد، سندھ کے پاس پہنچا، بڑی شفقت سے ملے اور میرے ساتھ آج ہی ٹنڈو قیصر چلنے کا وعدہ کرلیا، اتفاق سے جناب غلام ربانی سیکرٹری سندھی ادبی بورڈ کا ٹیلیفون خراب تھا، آخر میں خود ہی بورڈ جا پہنچا، ربانی صاحب موجود تھے، انہوں نے کہا کہ ہم بھی ہمراہ چلیں گے، اس طرح تقریباً چار بجے مولانا قاسمی، ربانی صاحب اور احقر محمد اقبال مجددی بورڈ کی گاڑی میں بیٹھ کر ٹنڈو قیصر پہنچ گئے، راستے میں مولانا قاسمی سے بڑے علمی سوالات کرتا رہا، موضوع مخدوم محمد معین ٹھٹھوی اور مخدوم ابراہیم ٹھٹھوی کے حالات اور ان کی تصانیف تھا، ان کے بارے میں مولانا نے نہایت دلچسپ معلومات مہیا کیں۔

جب ٹنڈو قیصر میں مرحوم شیر محمد نظامانی کے گھر پہنچے اور قاضی فتح رسول بن قاضی فتح محمد کا کتب خانہ دیکھنے کے لئے انہیں وہاں بلایا تو معلوم ہوا کہ وہ پیر جھنڈو گئے ہوئے ہیں، گویا ہم سب پر مایوسی کے آثار ظاہر ہوئے، لیکن نظامانی مرحوم کے صاحبزادے بہت ملنسار اور مہمان نواز قسم کے آدمی ہیں، خوب خاطر مدارت کے بعد رات کے کھانے کے لئے اصرار کیا تو تقریباً دس بجے کھانا تیار ہوا، شام سات بجے سے رات دس بجے تک مولانا قاسمی سے بڑی دقیق علمی گفتگو رہی، ان کا پسندیدہ موضوع حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریات کا مطالعہ اور ان کی تشریح ہے، دیوبندی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں بڑے سرگرم عمل ہیں، بیک وقت رسائل ''الرحیم'' اردو، سندھی ماہانہ و سہ ماہی بھی نکالتے ہیں، ان دنوں مالی مجبوریوں کے باعث ان کے رسائل بند ہیں، ''الولی'' بھی وہ نکالتے تھے۔

میں رات بارہ بجے ناکام ٹنڈو قیصر سے ان حضرات کے ہمراہ واپس حیدر آباد پہنچا تو ایک ہوٹل میں سب سے اوپر والی منزل پر ایک کمرہ ملا، تیس روپے ایک دن کا کرایہ لیا اور اندر اتنی شدید گرمی کہ داخل ہونے کو جی نہیں چاہتا تھا، باہر چارپائی نکالی اور شدید تھکان کے باعث جلد ہی سو گیا، صبح تک ہوش و حواس قائم نہیں تھے۔

۲۲ر جولائی، آج جمعہ شریف ہے، تمام ادارے بند ہیں، میں نے باہر جا کر ناشتہ کے بعد ادھر اُدھر سے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ آج میوزیم کھلا ہوا ہے، میوزیم پہنچا تو صرف ایک گیلری کھلی تھی، اصل شعبہ یعنی میوزیم کا کتب خانہ اور لائبریری شمس العلماء داؤد پوتہ تھی، میں نے وہ گیلری دیکھی اور دوپہر گیارہ بجے ہوٹل واپس آ گیا، شام پانچ بجے مولانا قاسمی صاحب کا ذاتی کتب خانہ دیکھنا مقصود ہے۔

شام پانچ بجے مولانا قاسمی کے پاس پہنچا، انہوں نے بڑی شفقت سے میری مطلوبہ کتابیں دکھائیں اور مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کا وہ مخطوطہ بھی دکھایا جو بقول مولوی دین محمد وفائی حضرت ابوالقاسم نقشبندی سندھی کے مطالعہ میں رہ چکا تھا، لیکن اس پر کوئی تحریر یا سنہ موجود نہیں ہے، محض روایت ہے، مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹھوی کے بعض رسائل بھی دیکھے جو انہوں نے کتب خانہ پیر جھنڈو سے نقل کروائے تھے۔

اتنے میں شدید بارش شروع ہو گئی، آٹھ بجے کے قریب ان کے گھر سے نکلا، ہوٹل پہنچا اور پھر مولانا قاسمی سے مستعار لی ہوئی کتاب "انوار القدسیہ فی سعادۃ النقشبندیہ" ۵ کی فوٹوسٹیٹ بنوائی اور رات بارہ بجے سونے کے لئے بستر پر دراز ہوا، ٹریفک کے شور سے نیند نہ آ سکی۔

۲۳ر جولائی، صبح ناشتے کے بعد مولانا قاسمی صاحب کی اکیڈمی (شاہ ولی اللہ اکیڈمی) گیا، وہاں سے مطلوبہ رسائل اور مکتوبات حضرت مجدد کے مذکورہ قلمی نسخہ کے چند اوراق کی فوٹوسٹیٹ کروائی اور دس بجے کے قریب مولانا کی گاڑی میں سندھ میوزیم پہنچ گیا، وہاں ایک گھنٹے میں ہی مخطوطات کے سارے رجسٹر دیکھ ڈالے، صرف ایک مخطوطہ "معیار الکشوف" ۶ فوٹوسٹیٹ کے لئے منتخب کیا، میوزیم والوں نے بلاتردد اجازت دے دی، ان کے ایک ملازم کے ساتھ شہر آ کر فوٹوسٹیٹ بنوائی اور وہاں سے کراچی کے لئے روانہ ہو گیا، رات آٹھ بجے ڈاکٹر پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب کے گھر پہنچا، تھکن کے باعث جلد نیند آ گئی۔

۲۴ر جولائی، صبح جناب مشفق خواجہ سے قادری صاحب نے فون پر بات کی اور میرے آنے کی اطلاع بھی دی، میں قادری صاحب کے ہمراہ دس بجے خواجہ صاحب کے ہاں پہنچا، بڑی محبت سے ملے، ان کے ہاں ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب بھی آ گئے، میں خواجہ صاحب سے تعارفی رقعہ لے کر نیشنل میوزیم کا کتب خانہ دیکھنے کے لئے گیا، میوزیم پہنچا تو کمال صاحب اور کاظم صاحب مل گئے، انہوں نے مجھ سے مطلوبہ

مخطوطات کی فہرست مانگی جو میں نے انہیں تیار کر کے دے دی، اور پرسوں یعنی ۲۶ رجولائی کو آنے کے لئے کہا، وہاں سے فارغ ہو کر میں جونا مارکیٹ چلا گیا، یہاں عربی کتب مطبوعہ بکثرت ملتی ہیں لیکن پہلے نور محمد، میر محمد وغیرہ کے ہاں گیا، وہاں سے ''المسالک والممالک'' کے اہم موضوع پر نادر عربی مطبوعات خریدیں، رات آٹھ بجے قادری صاحب کے ہاں پہنچا، رات دیر تک علمی گفتگو رہی۔

۲۵ رجولائی، صبح ساڑھے نو بجے جامعہ بنوری ٹاؤن کی لائبریری دیکھنے کے لئے گیا، ایک الماری میں تقریباً بیس مخطوطات دیکھے لیکن ان میں حضرت شیخ آدم بنوڑی سے متعلق کوئی مخطوطہ نہ مل سکا، پھر حاجی عبدالغنی قندھاری صاحب کے گودام میں جا کر، افغانستان کی مطبوعات دیکھیں اور ایک سو ستر روپے کی کتابیں خرید کر ان کے پاس ہی رکھ دیں، وہاں سے سیدھا جونا مارکیٹ گیا، یہاں عربی کتب فروشوں کی دکانیں ہیں، ان میں اسحاقیہ، نذیریہ اور عباسی پر عربی کتب دیکھیں صرف عباسی کتب خانہ پر ''الضوء اللامع'' نظر آئی، قیمت مع رعایت/1050 روپے، یہ صاحب بہت زیادہ گراں فروش ہیں، میں وہاں سے حاجی محمد اسرائیل کے پاس پہنچا کہ شاید اس کے پاس ایک سیٹ موجود ہو لیکن وہاں بھی نہ مل سکا، وہاں سے پانچ بجے کے قریب نکلا اور جناب مشفق خواجہ کے ہاں چلا گیا، اُن سے دیر تک مختلف علمی موضوعات پر گفتگو رہی، رات ساڑھے نو بجے قادری صاحب کے ہاں گیا تو تاخیر سے پہنچنے پر وہ فکرمند تھے، آج شدید تھکن کا احساس ہو رہا تھا اور پھر قادری صاحب کو سارے دن کی روداد بھی سنانی تھی، یہی سناتے سناتے سو گیا۔

۲۶ رجولائی، صبح ساڑھے نو بجے انجمن ترقی اُردو کے دفتر میں گیا، ان کا کتب خانہ خاص نادر کتابوں پر مشتمل ہے، لیکن مجھے مطلوبہ کتابوں میں کوئی بھی نہ مل سکی، سوا دس بجے نیشنل میوزیم پہنچ گیا، مشفق خواجہ صاحب کے رقعہ پر کاظم صاحب اور کمال صاحب نے میرے مطلوبہ مخطوطات نکال دیئے، مخطوطات کے نمبر تو صحیح تھے لیکن ان کے مصنفین کوئی اور نکلے، ایک ''شرح فصوص الحکم'' از حضرت خواجہ محمد پارسا بخاری اور رسالہ حضرت خواجہ محمد نقشبند ثانی قدس سرہما، جن کی بہت تلاش تھی کے نمبر غلط ہو گئے تھے۔

اس کے بعد میں نے ان سے درخواست کی کہ ان میں سے صرف ایک نسخہ یعنی ''لطائف المدینہ'' ہی نکال لائیں، خدا کے فضل سے وہ نسخہ ان کے ہاتھ آ گیا اور اس کی فوٹوسٹیٹ بنوانے کی اجازت بھی مل گئی،

فوٹو بنوانے کے بعد میں پھر میوزیم گیا اور مخطوطات کی گیلری دیکھی، اچھے مصور نسخے ہیں لیکن میرے کام سے متعلق مخطوطات یہاں بھی نہ ملے، وہاں سے فارغ ہو کر جامع نیوٹاؤن گیا، سلسلہ آدمیہ کے مخطوطات کے لئے کوشش کی لیکن انہوں نے کہا کہ تم صبح آنا، وہاں سے ادارہ مجددیہ کے لئے روانہ ہوا، مہتمم حاجی محمد اعلیٰ صاحب ملے، پہچان لیا، ایک گھنٹہ ان کے پاس بیٹھا رہا، ''مکتوبات معصومیہ'' (اردو ترجمہ) اور ''انوارِ معصومیہ'' تحفۃً دیں، وہاں سے سیدھا غالب لائبریری گیا، جہاں ڈاکٹر محمد ایوب قادری، ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری اور ڈاکٹر عقیل بھی حسبِ وعدہ پہنچ گئے، دیر تک مصروف گفتگو رہے، علمی سوالات بھی کئے گئے، میں رات آٹھ بجے قادری صاحب کے گھر پہنچا۔

۲۷/جولائی، صبح ساڑھے نو بجے ایوب قادری صاحب کے ہمراہ ثناء الحق صاحب کے ہاں سے چائے پی کر سیدھا جامع ومدرسہ بنوری ٹاؤن گیا، وہاں مولانا محمد یوسف بنوڑی مرحوم کے صاحب زادے محمد بنوڑی مل گئے، ان سے درخواست کی کہ مجھے حضرت شیخ آدم بنوڑی سے متعلق مخطوطات دکھائیں، انہوں نے وعدہ کیا کہ یہاں سے اُٹھ کر گھر چلیں گے لیکن وہ بارہ بجے تک مصروف رہے، آخر خدا خدا کر کے ان کے گھر گئے تو صرف ''نکات الاسرار'' ۹ کا ناقص الآخر قلمی نسخہ دکھایا اور باقی دو کتابوں یعنی ''نتائج الحرمین'' ۱۰ اور ''خلاصۃ المعارف'' ۱۱ سے لاعلمی کا اظہار کیا، کئی علماء کے نام بتائے کہ مدرسے میں ان کے پاس ہوں گے، ان سب سے رابطہ قائم کیا لیکن کام نہ بن سکا اور مسلسل چار دن کی تگ ودو کے باوجود وہ لوگ بے حس رہے، خدا اُن کے حال پر رحم کرے، وہاں سے سیدھا حاجی محمد اسرائیل قندھاری کتب فروش کے ہاں گیا، وہاں آج بھی کچھ نہ ملا، وہاں سے ایس ایم میر کتاب فروش کے پاس جانا تھا وہاں بھی میرے مطلب کی کوئی کتاب نہیں تھی، بذریعہ بس جونا مارکیٹ آیا اور کتب خانہ عباسی سے کتاب ''الضوء اللامع'' 1050/ روپے میں خریدی، بہت گراں کتاب ہے، مدت سے تلاش تھی، خدا کا شکر ہے کہ مل گئی، یہاں سے صدر پہنچا تو ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب منتظر تھے، ان کے ہمراہ بہت سی دکانیں دیکھیں خاص طور سے Indus بک سیلر کے ہاں بہت نادر کتابیں موجود ہیں، وہاں دیگر کتابوں کے علاوہ ''الکواکب السائرہ فی اعیان مائۃ عشرہ'' ۱۲ کی پہلی اور تیسری جلد مل گئی، ڈاکٹر عقیل صاحب اور میں جب اس

دکان پر پہنچے جہاں کتابیں رکھوائی تھیں تو وہ پہلے ہی دکان بند کر گیا تھا، ناچار میں نہایت تھکا ہوا قادری صاحب کے گھر پہنچا، ابھی آرام کے لئے بستر پر دراز ہوا ہی تھا کہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہانپوری ملاقات کے لئے آگئے، ان سے دیر تک علمی معاملات پر گفتگو رہی، انہوں نے چند کتابیں اور شربت کی ایک بوتل بطور تحفہ دیں، رات گیارہ بجے کے قریب نیند آئی، جسم خاصا تھک گیا ہے، صبح پھر اسی طرح کی جدوجہد کرنا ہے۔

۲۸ر جولائی، صبح ساڑھے آٹھ بجے قادری صاحب کے گھر سے نکلا اور جناب مشفق خواجہ کے ہاں گیا تا کہ ان کا کتب خانہ دیکھ سکوں، وہاں سوا گیارہ بجے تک کام کیا اور دو کتابیں ''فارسی ادب بعہد اورنگ زیب'' اور ''مخزن الغرائب'' جلد سوم فوٹوسٹیٹ کے لئے ان سے مستعار لیں، پہلے شیخ شوکت اینڈ سنز پر گیا تا کہ ''ریاض الانشاء'' وغیرہ خرید سکوں، وہاں سے بذریعہ رکشا صدر گیا، وہاں فوٹوسٹیٹ بنوائے اور کتاب ''الضوء اللامع'' للسخاوی اٹھائی اور بذریعہ رکشا قادری صاحب کے گھر پہنچا، وہاں سے سامان اٹھا کر تین بجے ریلوے اسٹیشن، کراچی آیا، جہاں سے بذریعہ سپر ایکسپریس لاہور کے لئے روانہ ہو گیا، خداوند کریم اپنے فضل سے منزل مقصود تک پہنچائے، آمین۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (۱۹۱۲۔۲۰۰۵ء) بزرگ استادوں میں سے تھے، فارسی اور اُردو میں پی ایچ ڈی تھے، پرانی وضع کے صاحب علم استاد تھے، پاکستان آنے کے بعد ساری عمر سندھ یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو میں استاد رہے، پاکستان میں سندھ کے سرہندی حضرات کے بعد سلسلۂ نقشبندیہ کے فارسی متون کی اشاعت کا آغاز انہوں نے ہی کیا تھا، مولانا نور احمد امرتسری کے مرتبہ مکتوبات امام ربانی کی تینوں جلدوں کو عکسی صورت میں پہلی بار آپ نے ہی شائع کیا، اسی طرح ان کے مرتبہ ''مکتوباتِ معصومیہ'' کی تیسری جلد بھی عکسی صورت میں طبع کروائی لیکن علمی زیادتی یہ کی کہ ان کے سرورق پر سے مولانا امرتسری کا نام بحیثیت مصحح نکال دیا، جس پر میں نے سخت ناراضی کا اظہار کیا تو جواب میں فرمایا کہ ان کا نام آخر میں تو موجود ہے، اس سے پہلے ڈاکٹر صاحب مرحوم نے بڑے مشفقانہ خطوط مجھ عاجز کو لکھے تھے، جو میں نے حواشی کے ساتھ ارمغان امام ربانی میں شائع کر دیئے ہیں، ڈاکٹر احمد مسرور زئی نے ان کی علمی خدمات پر سندھ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ کر سند فضیلت لی ہے، جو شائع ہو چکا ہے۔

۲۔ ایران کے ایک کتب فروش مصطفیٰ موسوی کے ساتھ میرا کتابوں کا تبادلہ شروع ہوا تو انہوں نے مجھ سے سندھی ادبی بورڈ کی فارسی مطبوعات طلب کی تھیں، جن کے لئے میں نے یہ کتابیں خریدی تھیں۔

۳۔ ان سرہندی مجددی حضرات کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:

(۱) محمد حسن جان مجددی: انیس المریدین، امرتسر، مطبع مجددی

(۲) شاہ آغا: مونس المخلصین (حالات حضرت محمد حسن جان مجددی)، کراچی

۴۔ حضرت شاہ صفی اللہ معصومی (ف ۱۲۱۲ھ) کے مکتوبات ہیں جس کے جامع مکتوبات نگار کے خلیفہ علامہ

مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹھوی ہیں، ہم نے اس مجموعہ مکتوبات کی فوٹو کاپی حاصل کر لی اور مناقب مخدومین کے ساتھ بطور ضمیمہ شامل کر کے امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور سے شائع کروادیا ہے۔

۵۔ الانوار القدسیہ فی مناقب السادۃ النقشبندیہ مولفہ یٰسین بن ابراہیم السنہوتی، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۴۴ھ یہ نقشبندی صوفیہ کا اچھا تذکرہ ہے، اس میں حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے عرب خلفاء کے مختصر حالات بھی ہیں، میں اس سے اپنی کتابوں کے حواشی میں بطور ماخذ نقل و اقتباس کر چکا ہوں۔

۶۔ معیار الکشوف (در رد حضرت مجدد الف ثانی) تالیف سعد الدین انصاری کابلی ہے، اس کا بہت عمدہ رد شیخ نظام الدین مجددی شکارپوری (ف ۱۲۷۳ھ) بن شیخ غلام محی الدین سرہندی نے رد شبہات پلید نابکار ۱۲۳۲ھ کو لکھا تھا، جب شیخ شکارپوری کابل کی سیر کے لئے گئے تو انصاری سے ملنے کے لئے اُن کے زاویہ میں گئے اور اس کتاب کے دیکھنے کی خواہش کی تو اس نے صاف انکار کر دیا کہ میں نے تو اس طرح کی کوئی کتاب لکھی ہی نہیں ہے، لیکن مولانا شکارپوری ایک سفر میں کشمیر پہنچے تو یہ بتائے بغیر کہ میں حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد میں سے ہوں، انصاری کے ایک مرید سے ملے اور "معیار الکشوف" دیکھنے کے لئے کہا، اس نے وہ کتاب دکھائی تو انہوں نے اس کا یہ رد وہیں لکھا۔
(ارمغانِ امام ربانی جلد ششم......)

۷۔ الضوء اللامع لاہل القرن التاسع تالیف حافظ امام سخاوی، بارہ جلدوں میں ہے اور نویں صدی ہجری کے علماء و محدثین کے حالات پر نہایت قابل قدر کتاب ہے، یہ بیروت سے عکسی صورت میں قدیم طباعت سے طبع کی گئی ہے۔

۸۔ لطائف المدینہ (احوال حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی ف ۱۰۷۱ھ) تالیف شیخ عبدالاحد وحدت سرہندی، اس رسالہ کی خوبی یہ ہے کہ مولف نے اسے اپنے سفر حرمین کے دوران صاحب سوانح کے حینِ حیات عربی میں لکھا ہے، چونکہ اس کا اب تک ایک ہی نسخہ ہمیں معلوم ہے اس لئے ۲۰۰۴ء کو حوزۂ نقشبندیہ، لاہور و شرقپور سے ملخص اُردو ترجمہ اور مفصل مقدمہ کے ساتھ عکسی طور پر شائع کر دیا تھا۔

۹۔ نکات الاسرار حضرت شیخ آدم بنوڑی کی تالیف ہے۔

۱۰۔ نتائج الحرمین حضرت شیخ آدم مذکور کے احوال پر تین جلدوں میں کتاب ہے، جو آپ کے خلیفہ شیخ محمد امین بدخشی نے مکہ مکرمہ میں فارسی میں لکھی تھی۔

۱۱۔ خلاصۃ المعارف بھی شیخ آدم بنوڑی کی تالیف ہے، یہ کتاب ہم نے شیخ بدخشی کی مواہر سے مزین عکسی صورت میں امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور سے ۲۰۱۶ء کو دو جلدوں میں شائع کر دی تھی، باقی مخطوطات کے عکس بھی حاصل کر کے میرے تحقیقی امور کا مدار کار بن چکے ہیں۔

۱۲۔ الکواکب السائرہ فی اعیان مایۃ عشرہ، دسویں صدی ہجری کے علماء و محدثین کا ایک نادر تذکرہ ہے، یہ دونوں حصے فی الفور خرید لئے، دوسری جلد کی فوٹو کاپی، لاہور آکر پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے لے کر فوٹو کاپی کروالی۔

رحیم یار خان

راقم مورخہ ۲۳؍ اگست ۱۹۸۴ء کو ہمشیرہ زادہ محمد ریاض کی رسم منگنی میں شرکت کے لئے لاہور سے بذریعہ تیز رو (گاڑی) رات نو بجے روانہ ہوئے، برادری کے دیگر افراد بھی شریک سفر تھے، صبح ۲۴؍ اگست بروز جمعہ اس رسم کا آغاز ہوا، اور ہم رسوم زدہ لوگوں کو اس بات کا احساس بھی نہ رہا کہ ایک ذرا سے کام کے لئے سارا دن برباد ہو جائے گا، تاہم میں پریشان حال رات نو بجے وہاں سے اجازت لے کر ایک دینی مدرسے میں جا کر مقیم ہو گیا اور اگلی صبح ۲۵؍ اگست کو چھ بجے والی ٹرین چناب ایکسپریس کے ذریعے بہاولپور کے لئے روانہ ہوا، وہاں ایک روز گذارنے کا ارادہ ہے۔

دس بجے خدا کے فضل و کرم سے بہاولپور پہنچ گیا، سیدھا اسلامی یونیورسٹی چلا گیا، شعبۂ تاریخ میں پہنچ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ کسی استاد کا کوئی علمی کام بھی نہیں ہے، کبھی کوئی عام مضمون کسی اخبار یا رسالے میں دے دیتے ہیں، صدر شعبہ کی بھی اب تک کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی ہے، وہاں سے شعبۂ عربی میں آیا تو مزید بددلی ہوئی، کہ یہاں بھی کسی استاد نے کوئی کام نہیں کیا، صرف ایک نوجوان استاد سلیم طارق صاحب اپنے پی ایچ ڈی کے لئے کام کر رہے ہیں، انہوں نے سراج الدین عمر بن اسحاق بن احمد الہندی الغزنوی [۱] (ف ۷۷۳ھ) کی کتاب ''زبدۃ الاحکام فی اختلاف الائمہ الاعلام'' [۲] کے خطی نسخے کو ایڈٹ کیا ہے، ڈاکٹر ظہور اظہر صاحب اورینٹل کالج، لاہور کی رہنمائی میں وہ یہ کام کر رہے ہیں، یہاں سے یونیورسٹی کے سیل ڈپو میں پہنچا تو متعلقہ شخص اس دن چھٹی پر تھا۔

وہاں سے سینٹرل لائبریری، بہاولپور (سابق سٹیٹ لائبریری) پہنچا، لائبریری کے کتابدار بڑے نیک اور صاحب ذوق آدمی ہیں، کتب خانے کو مختلف شعبوں میں تقسیم کر رکھا ہے، شعبۂ اطفال کی عمارت حال ہی میں تعمیر ہوئی ہے، دو الماریوں کے بقدر مخطوطات بھی ہیں، ان کی تعداد ایک سو دس کے قریب ہوگی، آج تک کوئی کتاب بھی لائبریری سے گم نہیں ہوئی ہے، مخطوطات میں سے صرف ایک مخطوط ''مرآۃ الغفور'' [۳]

(درحالات مشائخ سلسلۂ قادریہ نوشاہیہ) از امام بخش لاہوری کی فوٹوسٹیٹ بنوانے کی درخواست کی تو بصد حجت آمادہ ہوئے، تاہم ڈیڑھ گھنٹے کی محنت سے بازار سے اس کی فوٹوسٹیٹ کاپی بنوائی اور بذریعہ رکشا جناب سیٹھ عبیدالرحمٰن ۴ (سابق چیئرمین بلدیہ، بہاولپور) کے گھر آ گیا، مخدومی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ کی وساطت سے اُن کے ساتھ پہلے سے تعارف تھا، مل کر بہت خوش ہوئے، دیر تک علمی بحث رہی، درویش صفت آدمی ہیں، بڑی لائبریری کے مالک ہیں، جن میں نادر مطبوعہ کتابیں بھی موجود ہیں، ان کا موضوع تحقیق سرائیکی زبان وادب ہے، پنجاب کی تاریخ سے دلچسپی کا یہی سبب ہے، ان کے صاحبزادے کے ہمراہ ایک کتابوں کی دکان پر گیا لیکن وہاں سے کوئی کتاب نہ مل سکی، وہاں سے اخبار الہام کے مدیر مسعود حسن شہاب دہلوی صاحب ۵ کے پاس گیا، ایک گھنٹے تک ان کے ساتھ نشست رہی، انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ ''ید بیضا'' ۶ از آزاد بلگرامی ۷ (قلمی نسخہ مخزونہ گیلانی لائبریری، اوچ) کی فوٹوسٹیٹ بنا کر لاہور بھیج دیں گے، ۸ جس پر میں نے ان کا شکریہ ادا کیا، اوران سے ان کی دو تالیفات ایک تاریخ اوچ اور دوسرے تکملہ سیر الاولیاء ۹ کا اُردو ترجمہ لے کر واپس سیٹھ عبیدالرحمٰن صاحب کے ہاں آ گیا، وہ اپنے ڈیرے پر جا چکے تھے، کھانا کھا کر ان کے ڈیرے میں گیا تو رات دس بجے تک ان سے علمی موضوعات پر گفتگو رہی، تھکن کی وجہ سے ساڑھے دس بجے ہی سو گیا، لیکن صبح ٹریفک کے شور کے باعث ساڑھے تین بجے ہی نیند اچاٹ ہو گئی۔

آج ۲۶/ اگست کو بہاولپور میں پروگرام مختصر سا ہے یعنی پہلے یونیورسٹی جانا ہے، وہاں سے گورنمنٹ پرنٹنگ پریس اور پھر بہاولپور میوزیم دیکھنے کا اشتیاق ہے، وہاں سے سیٹھ عبیدالرحمٰن صاحب کے ہمراہ مبارز الدولہ پیر ابراہیم خویشگی قصوری کی کتابیں دیکھنے کے لئے جانا ہے۔

سیٹھ عبیدالرحمٰن صاحب کے ہمراہ دس بجے محبوب عالم کے ہاں پہنچا، انہیں واقعی بہاولپور کی تاریخ پر عبور ہے، ان سے صرف پیر ابراہیم خویشگی قصوری ۱۰ کی مختصر کتاب:

Memories of Peer Ibrahim, London 1854

کی فوٹوسٹیٹ کاپی مل سکی، اس پر سے میں نے بھی اپنے لئے فوٹو کاپی بنوالی، یہ ہنوز ناقص الاول ہے،

یہاں سے بذریعہ اباسین ٹرین میں بارہ بجے ملتان کے لئے روانہ ہوا، دو بجے ملتان پہنچ کر سیدھا بذریعہ بس اسد نظامی صاحب [۱۱] سے ملنے کے لئے ان کے گاؤں 114/10-R تحصیل خانیوال ڈاکخانہ منڈی جہانیاں، ضلع ملتان روانہ ہو گیا، ڈیڑھ گھنٹے کے سفر کے بعد وہاں پہنچا لیکن وہ گھر پر موجود نہیں تھے، معلوم ہوا کہ تونسہ تشریف لے گئے ہوئے ہیں، فیصلہ کیا کہ میں بھی کل علی الصبح ان کے پیچھے تونسہ شریف جا کر وہاں کے کتب خانے دیکھوں گا، وہاں سے شبا شب واپس ملتان آ گیا تا کہ صبح پہلی گاڑی سے تونسہ جا سکوں، یہاں ہوٹل میں قیام کیا۔

آج مورخہ ۲۷ راگست کو صبح پانچ بجے کی بس سے تونسہ شریف کے لئے روانہ ہوا لیکن بس راستے میں قدرے خراب ہوئی، کوٹ ادو پہنچ کر ٹھیک کی گئی، ساڑھے دس بجے تونسہ شریف خدا کے فضل وکرم سے بخیریت پہنچ گیا، بس میں ایک طالب علمی (زرعی یونیورسٹی، فیصل آباد) مل گیا، انہوں نے اپنے ایک عزیز مولوی عبداللطیف سے تعارف کروایا، انہوں نے جب تک میں تونسہ شریف میں رہا، بہت تعاون کیا، وہی مجھے مولوی میاں رحیم بخش چشتی سلیمانی کے پاس لے گئے، جب میں نے بتایا کہ میں قلمی کتابیں دیکھنے آیا ہوں اور تین مطلوبہ کتب کے نام بتائے (جو بزبانی جناب اسد نظامی ان کی ملکیت ہیں) تو صاف انکار کر دیا کہ میرے پاس ایسی کوئی کتاب نہیں ہے، پہلے تو وہ یہ بات ماننے کو تیار ہی نہیں تھے کہ وہ اسد نظامی نام کے کسی شخص کو جانتے ہیں، خانقاہِ محمودیہ [۱۲] کا کتب خانہ شہرت رکھتا ہے لیکن سجادہ نشین کی اجازت کے بغیر دیکھنے کی اجازت نہیں ہے، تاہم خدا بھلا کرے مولوی عبداللطیف صاحب کا کہ وہ لائبریری انچارج مولوی کلیم اللہ کے پاس مجھے لے گئے، بہت سی باتیں اور خوشامد کے بعد وہ بصد حیلہ کتب خانہ سجادہ نشین کی اجازت کے بغیر دکھانے پر رضامند ہوئے، بڑے انتظار کے بعد وہ کوئی چار بجے گھر سے تشریف لائے میں نے پندرہ منٹوں میں ہی ساری فہرست دیکھ لی، چند مخطوطات نکلوا کر دیکھے لیکن کوئی نادر یا متعلقہ مخطوطہ یہاں موجود نہیں ہے۔

یہاں تونسہ میں حضرت خواجہ سلیمان تونسوی [۱۳] رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے، دوسرا مزار جو انہیں کے قریب ہے، خواجہ محمود صاحب کا ہے جو آپ کے جانشین تھے، یہ حضرات دو متحارب گروپوں میں تقسیم ہو چکے

ہیں، ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں، تاہم میں علمی طور پر بری طرح ناکام یہاں سے پانچ بجے کی بس میں بیٹھ کر واپس ملتان رات کو نو بجے پہنچ گیا۔

رات تھکان کی وجہ سے بدن بری طرح نڈھال تھا، صبح اٹھا نہیں جاتا تھا، خداوند کریم کا شکر ہے کہ میں بخیر و عافیت اتنا طویل سفر ایک ہی دن میں طے کر کے واپس ملتان پہنچ گیا۔

۲۸ / اگست صبح سات بجے کے قریب ناشتہ اور معمولات سے فارغ ہو کر آٹھ بجے اولڈ کیمپس گیا اور سوا نو بجے والی بس کے ذریعہ شعبۂ تاریخ نیو کیمپس (حضرت بہاء الدین زکریا یونیورسٹی) چلا گیا، وہاں ایک بجے تک شعبہ کے اساتذہ اور خصوصاً صدر شعبہ ڈاکٹر عاشق محمد خان ۱۴ درانی سے دوپہر ایک بجے تک صحبت رہی، ملتان کے بارے میں میرے کسی سوال کا کوئی جواب نہ مل سکا، وہاں سے سیدھا اولڈ کیمپس آ گیا، یہاں سے محلہ گل گشت میں گھوما پھرا، ایک شخص حسین ارسطو جاہی ۱۵ کی تلاش کی معلوم ہوا کہ وہ تو فوت ہو چکا ہے، اس کا بیٹا یہاں کی عدالت میں ایڈوکیٹ ہے، ان سے بھی ملا لیکن معلوم ہوا کہ ان کی لائبریری جو بچی تھی، اب جھنگ میں منتقل ہو چکی ہے، یہاں سے سیدھا میں حسین گردیزی صاحب کے پاس محلہ شاہ گردیز میں پہنچا، موصوف بڑے تپاک سے ملے، اپنا کتب خانہ دکھایا، کئی مرتبہ اُٹھ کر اندر سے اپنے خاندان کے بارے میں مخطوطات لینے کے لئے کتابخانے میں گئے، تین کتابیں فوٹوسٹیٹ کروانے کی اجازت دے دی، ایک تذکرۃ الملتان از سید محمد یوسف گردیزی (یہ دورِ آخر کے بزرگ ہیں) ایک شجرہ انساب سادات گردیزاں مولفہ صاحب علی گردیزی اور تیسری کتاب اوراق پریشان اور ایک بڑے سائز کا شجرہ ایک آدمی ساتھ بھیجا ہم نے بڑے اطمینان سے فوٹو کاپیاں بنوائیں، اس شجرے میں انہوں نے حضرت مخدوم رابع سید محمد یوسف گردیزی کے نام کے ساتھ ان کے مختصر حالات میں یہ تسلیم کیا ہے کہ وہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہ کے خلیفہ تھے اور بڑے واضح لفظوں میں یہ تسلیم کیا کہ ہم مخدوم رابع تک سنی مذہب تھے ۱۶ وہ میرے اس سوال کا جواب نہ دے سکے کہ آخر یہ خاندان کب اور کیوں شیعہ ہوا؟ فوٹوسٹیٹ بنوا کر واپس آیا تو سید عباس صاحب نے خود اپنا کتب خانہ دکھایا، بے شک ملتان کے ذاتی کتب خانوں میں یہ سب سے اہم کتب خانہ ہے، بڑے نادر مخطوطات یہاں موجود ہیں لیکن افسوس کہ ان کی کوئی

فہرست نہیں ہے۔

یہاں سے فارغ ہو کر میں حضرات گردیزیوں کے مزارات کی زیارت کے لئے گیا، عباس گردیزی ہمراہ تھے، انہوں نے مخدوم یوسف دوم اور مخدوم رابع کے مزارات کی نشاندہی کی، اسی طرح مخدوم رابع کے بیٹے سید ابراہیم کے مزار کی بھی نشاندہی کر دی، جن کو ایک نقشہ کے ذریعہ میں نے مرتب کر لیا، یہاں سے میں سید حسن رضا گردیزی کے پاس گیا، انہوں نے از خود سادات گردیزیہ کے شیعہ مذہب قبول کر لینے کا ذکر کیا، جب میں نے استفسار کیا کہ آپ کے مخدوم رابع تو حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے خلیفہ تھے تو یہ کہتے ہوئے ماننے سے انکار کر دیا کہ وہ تو زیدی شیعہ تھے جو اپنے مذہب میں انتہائی متعصب ہوتے ہیں، پھر یہ خود بادشاہ تھے، انہیں کسی دوسرے کا مرید بنانا گناہ کے برابر ہے، ان عجیب خیالات کو میں یہودیت سے تعبیر کروں تو عجب نہیں ہوگا، ان کے مقابلہ میں سید عباس گردیزی حقائق کو تسلیم کرنے میں فراخ دل واقع ہوئے ہیں۔

یہاں سے فارغ ہو کر میں سید سجاد گردیزی سے ملنے گیا لیکن وہ نہ مل سکے، معلوم ہوا کہ ان کے پاس مخدوم رابع کے بارے میں مواد ہے، رات آٹھ بجے ڈاکٹر مہر عبدالحق صاحب سے ملنے کے لئے گیا، بڑے خوش ہوئے، کچھ قلمی کتابیں دکھائیں، جن میں ''حضرات القدس'' کا دفتر دوم اور ''مکتوباتِ معصومیہ'' کی جلد سوم قابل ذکر ہیں، ''حضرات القدس'' کا نسخہ اسی علاقے کا مکتوبہ ہے (یعنی ۱۱۲۹ھ) جس کے ابتدائی اوراق پر اہم یادداشتیں اور سنین وفات ہیں، ان میں ایک سنہ مخدوم رابع سید محمد یوسف گردیزی کا بھی ہے یعنی ۱۰۹۳ھ، یہ صحیح معلوم ہوتا ہے، جس سے اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے کہ یہ سادات گردیزی نقشبندی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے اور حضرات سرہند کے حلقہ بگوش تھے، یہاں سے میں واپس ہوٹل آ کر رات بسر کرنے کے لئے سو گیا۔

۲۹ راگست، صبح سات بجے حضرت بہاء الدین زکریا، حضرت شیخ صدرالدین عارف اور حضرت شاہ رکن عالم ملتانی قدس سرہم کے مزارات کی زیارت کے لئے گیا، ایک گھنٹے تک ان مزارات اور ان کے طرز تعمیر کو دیکھتا رہا، سلاطین دہلی کے عہد کے پر شکوہ مزارات ہیں، ان کا طرز تعمیر وسطی ایشیا کا ہے، خصوصاً

حضرت شاہ رکن عالم کا مزار دنیا کے عجائبات میں سے ہے، یہاں سے ڈاکٹر عبدالحق صاحب کے ہاں گیا، وہاں سے ''حضرات القدس'' جلد دوم اور مکتوبات معصومیہ جلد سوم کے قلمی نسخے لے کر ان کے طرفین میں شامل زائد اوراق کے فوٹو سٹیٹ بنوائے، اور لائبریری باغ لانگے خان کے لئے روانہ ہوا، یہ کتب خانہ ۱۸۸۶ء میں قائم ہوا تھا، مختصر سا کتابخانہ ہے، اپنی عمارت کے لحاظ سے اتنی کتابیں نہیں رکھتا، جتنی کہ ہونی چاہیے تھیں۔

یہاں سے جناب عتیق فکری ۱۸ کے ہاں گیا، بڑے تپاک سے ملے، مولوی شمس الدین مرحوم تاجر کتب نادرہ، لاہور کے ہاں پرانی محفلوں کو یاد کیا، دیر تک گفتگو ہوتی رہی، انہوں نے اپنی نئی کتاب ''نقش ملتان'' کا ایک نسخہ بھی مجھے دیا، انہیں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے بارے میں کوئی خاص معلومات نہیں ہیں لیکن شیخ ابن عربی کے عاشق ہونے کے باوجود حضرت مجدد کا احترام کرتے ہیں، ان کے ہمراہ ان کے محلہ حسین آگاہی میں واقع آثار دیکھنے کے لئے گیا، یہیں فارسی کے مشہور شاعر سعید قریشی ملتانی کا مزار ہے، جس پر سال وفات ۱۰۸۸ھ کا کتبہ لگا ہوا ہے، انہوں نے مسجد محمد بن قاسم بھی دکھائی، جس پر اس وقت کا کتبہ اور سلطان علاء الدین کے عہد میں اس میں کی جانے والی توسیع کا ذکر ہے، ان سے مل کر بارہ بجے دوپہر واپس ہوٹل آیا اور ایک بجے کے قریب ریلوے سٹیشن آ گیا تا کہ بذریعہ اباسین ٹرین، لاہور واپس جاسکوں، گاڑی پونے تین بجے چلی، خداوند کریم خیر و عافیت سے منزل مقصود پر پہنچائے، آمین۔

حواشی

۱۔۲ قاضی سراج الدین عمر بن اسحٰق بن احمد بن محمد بن اسحٰق بن احمد بن محمود الغزنوی اصل الہندی الحنفی، قاہرہ (مصر) میں ۷؍رجب ۷۷۳ھ/۱۳۷۲ء کو فوت ہوئے، یوم جمعہ ۲۲؍رجب (الوفیات تقی الدین سلامی ۲/۳۸۹) حاجی خلیفہ: **سلم الوصول الی طبقات الفحول** ۲/۴۱۱ میں قاضی سراج الدین کی دیگر تصانیف کے اسماء درج ہیں، اور اس کے مصحح نے حاشیہ میں تمام اہم مآخذ کی نشاندہی کردی ہے، متن میں زیر بحث کتاب زبدۃ الاحکام کا بھی ذکر آیا ہے، لیکن محشی نے اس پر کوئی حاشیہ نہیں دیا، اسی مولف کی ایک کتاب الغرۃ المنیفۃ فی ترجیح مذہب الامام ابی حنیفہ کے دو قلمی نسخے پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور میں ہیں، (فہرست مخطوطات عربیہ، مجمل شمارہ ۲۳۳۔۲۳۴)

۳۔ مراۃ الغفوریہ (تذکرہ مشائخ سلسلۂ نوشاہیہ) تالیف امام بخش لاہوری (بسال ۱۱۹۰ھ/۱۷۷۷ء) اس کتاب میں سلسلہ نوشاہیہ کے صوفیہ خصوصاً حافظ قائم الدین محمد برقندازی پاک پٹنی (ف ۱۱۵۵ھ/ ۱۷۴۲ء) اور شیخ عبدالغفور انصاری جالندھری (ف ۱۱۸۶ھ/۱۷۷۲ء) کے حالات ہیں، اس کا روٹوگراف ہمارے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) شمارہ R.292 کے تحت محفوظ ہے اور اس کا فارسی متن ڈاکٹر معین نظامی نے مرتب کیا جو مرکز تحقیقات فارسی، ایران و پاکستان، اسلام آباد سے ۲۰۰۰ء کو طبع ہوا۔

۴۔ سیٹھ عبیدالرحمٰن، بہاولپور کے صاحبِ علم اور علم دوست تھے، کئی کتابوں کے مولف بھی، سرائیکی زبان و ادب کے فروغ کے لئے بھی تاحیات کوشاں رہے۔

۵۔ مسعود حسن شہاب دہلوی (۱۹۲۲۔۲۹؍اگست ۱۹۹۰ء) بہاولپور کے ممتاز شاعر، ادیب اور مولف تھے، اُردو اکادمی بہاولپور کے بانی بھی تھے، ہفت روزہ "الہام" کے مدیر بھی، اس کے علاوہ ایک علمی رسالہ الزبیر بھی مرتب کرتے تھے، جو اب تک شائع ہو رہا ہے، کئی شعری مجموعے اُردو میں طبع ہو چکے

ہیں، ان کی تالیفات میں سے مشاہیرِ بہاولپور، خواجہ غلام فرید (حیات و شاعری)، خطۂ پاک اوچ، بہاولپور کی سیاسی تاریخ، بہاولپور میں اُردو وغیرہ شہرت رکھتی ہیں۔ (وفیات اہل قلم پاکستان ۲۲۸)

۶۔ ید بیضا مولفہ آزاد بلگرامی، یہ فارسی شعراء کا تذکرہ ہے جو ۱۱۴۵ھ میں تالیف ہوا اور ۱۱۴۸ھ تک اس میں مولف اضافات کرتے رہے، یہ تذکرہ تا حال شائع نہیں ہوا، قلمی نسخوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: گلچین معانی، احمد: تاریخ تذکرہ ہای فارسی ۱/ ۳۱۸۔۳۲۰

۷۔ غلام علی آزاد بلگرامی (ف ۱۲۰۰ھ) کئی تذکروں کے مولف تھے، جن میں سے مآثر الکرام، سروِ آزاد، خزانۂ عامرہ وغیرہ شائع ہو کر خوب متداول ہیں۔

۸۔ شہاب دہلوی مرحوم کو تذکرہ ید بیضا کی فوٹو کاپی کے لئے کئی خطوط لکھ کر یاد دہانی کروائی گئی لیکن وہ یہ کام نہ کر سکے۔

۹۔ تکملہ سیر الاولیاء مولفہ گل محمد احمد پوری، یہ سلسلۂ چشتیہ کے اولیاء کے مشہور تذکرہ سیر الاولیاء مولفہ میر خرد کرمانی کا تکملہ ہے، اس کا فارسی متن مطبع رضوی، دہلی سے ۱۳۱۲ھ کو طبع ہوا تھا، شہاب صاحب نے اس تکملہ کا اُردو ترجمہ اپنی اکادمی سے شائع کیا تھا۔

۱۰۔ مبارز الدولہ پیر ابراہیم خان خویشگی قصوری، قصور میں ۱۷۹۴ء کو پیدا ہوا، ۱۸۰۸ء کو قصور پر رنجیت سنگھ کے قبضہ کے بعد وہ اپنے والد اور اعزہ کے ساتھ ممدوٹ ہجرت کر گیا، ۱۸۱۷ء کو وہ رنجیت سنگھ کی ملازمت میں داخل ہوا، اُسے مناسب مقام نہ مل سکا تو وہ دہلی چلا گیا، جہاں اس نے طب پڑھی، ۱۸۳۷ء کو اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کر لی، ۱۸۴۰ء کو وہ بہاولپور کے دربار میں برطانوی حکومت کی طرف سے ایجنٹ مقرر رہا، پہلی انگریز سکھ جنگ کے دوران اس نے کمپنی کی قابل قدر خدمات انجام دیں، جس کے صلے میں اُسے خان بہادر کا خطاب ملا، ۱۸۴۸ء کو ملتان میں مولراج نے جو انگریزوں کے قتل کے بعد محصور ہو گیا تھا، کے خلاف کامیاب کاروائی کی، ایڈورڈز نے اپنی کتاب A year on the Punjab Frontier (1848-9) میں خویشگی کو بہت اچھے الفاظ میں یاد کیا ہے، ۱۸۵۱ء کو اس نے انگلینڈ کا سفر اختیار کیا لیکن صحت کی خرابی کے باعث

اُسے اگلے ہی سال واپس ہندوستان آنا پڑ گیا، جونہی وہ بہاولپور آیا تو اُسے انگریزوں کی طرف سے مبارز الدولہ کا خطاب دیا گیا، وہ ۱۸۵۶ء کو فوت ہوا۔

اس نے اپنے سفر انگلستان کے حالات فارسی میں سیرستان کے نام سے لکھے، اس کی خودنوشت سوانح فارسی سے ای بی ایسٹ وک نے جنوری ۱۸۵۲ء کو ترجمہ کیا۔

اس نے کپٹن کننگھم کے کہنے پر تاریخ بہاولپور بھی لکھی تھی، جس میں نواب بہاول خان کے حالات ہیں، جس کا انگریزی ترجمہ (ملخص) لندن سے ۱۸۴۸ء کو شائع ہوا تھا، اس کا سفرنامہ سیرستان، ملتان سے ۱۸۵۴ء کو طبع ہوا۔ (سٹوری: ادبیات فارسی، ۱/۲/۱۱۰۳، ۱/۱/۶۶۱-۶۶۳)

۱۱۔ اسد نظامی، ایک درویش صفت بہت ہی سادہ انسان تھا، تعلیم بالکل معمولی سی تھی، کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا، جہاں سے جو بھی مل جاتا لے لیتا تھا، کئی کتب خانوں سے کتابیں چراتے ہوئے بھی پکڑا گیا تھا، اس کی وفات کے بعد اس کا جمع شدہ ذخیرہ کتب اس کے پسماندگان نے فروخت کردیا۔

۱۲۔ خانقاہ محمودیہ، تونسہ کا کتب خانہ اپنے نادر مخطوطات کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا لیکن افسوس کہ سجادہ نشین حضرات کی جہالت اور لالچ کے باعث برباد ہوگیا، بہت سے نادر مخطوطات مقامی لوگوں نے چوری کر کے بیچ دیئے، سب سے زیادہ اسد نظامی مذکور نے ہاتھ صاف کئے، فہرست کے دیکھنے سے کوئی بھی نادر مخطوطہ نہ مل سکا۔

چند سال پیشتر لاہور کے مشہور تاجر مخطوطات جناب خلیل الرحمٰن داؤدی مرحوم کے پاس افغان مہاجر تونسہ کے چشتی بزرگوں کے ملفوظات کے کئی مجموعے فروخت کے لئے لائے تھے، جو مجھے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔

۱۳۔ راقم عاجز نے تونسہ شریف سے وابستہ بعض چشتی بزرگوں کے احوال لکھے تھے، جو میری کتاب تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند کی پہلی جلد میں شامل ہیں۔

۱۴۔ ڈاکٹر عاشق محمد خان درانی، شعبۂ تاریخ حضرت بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان کے صدر تھے، ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ Multan Under the Afghans شائع ہو چکا ہے۔

۱۵۔ حسین ارسطو جاہی، ان کے پاس بہت ہی نادرالوجود مخطوطات تھے، جن میں آئینِ اکبری کا ایک مصور نسخہ بھی تھا، ایک قلمی نسخہ عوارف المعارف کا تھا، جو حضرت خواجہ محمد صادق سرہندی (ف ۱۰۲۵ھ) بن حضرت مجدد الف ثانی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، یہ صاحب یہ دونوں قلمی نسخے فروخت کرنے کے لئے مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد لائے تھے، میں نے عوارف کی عکسی کاپی (مائیکروفلم) بنوالی تھی لیکن افسوس کہ فوٹوگرافر نے بے توجہی سے کام کیا اور ساری فلم خراب ہوگئی، یہ حسین ارسطو جاہی ایسٹ انڈیا کمپنی کے مشہور منظور نظر مولوی رجب علی خان بہادر کی اولاد میں سے تھا، میں نے عوارف کے آخری ورق کا عکس مقاماتِ معصومی کی جلد چہارم کے آخر میں دے دیا تھا۔

۱۶۔ مخدوم محمد یوسف رابع گردیزی، حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی (ف ۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸ء) کے خلیفہ تھے، میں نے اس سفر کے بعد مقاماتِ معصومی مرتب کی تو اس سفر کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی معلومات اس کی تعلیقات (۴/۳۷۶۔۳۸۱) میں جمع کر دی تھیں۔

۱۷۔ حضرات القدس (جلد دوم) تالیف شیخ بدرالدین سرہندی، اس کے وفیات والے ورق کا حوالہ مقاماتِ معصومی ۴/۳۷۶ میں دیا ہے۔

۱۸۔ عتیق فکری، اشراقی فکر رکھنے والے تھے، تاریخ ملتان کے حوالہ سے دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے، جو اس فن سے لاتعلقی کا اظہار کرتی ہے، موصوف کو علم تاریخ پر دسترس نہیں تھی، محض قصے کہانیاں جمع کر دی ہیں۔

۱۹۔ سعید ملتانی، مشہور منصب دار اور فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے، یہ دیوان پی ایچ ڈی کے لئے شعبۂ فارسی پنجاب یونیورسٹی، اورینٹل کالج، لاہور کے لئے مرتب کیا تھا، جو یونیورسٹی نے ۲۰۰۸ء کو شائع کر دیا تھا۔

سندھ کا تیسرا سفر

راقم آج بروز منگل بتاریخ ۲۶ر نومبر ۱۹۸۵ء اپنے بھانجے محمد ریاض سلمہ کی شادی میں شرکت کے لئے اپنے خانوادے سمیت لاہور سے روانہ ہوا، مدعوین کو میرے آبائی قصبہ قصور سے روانہ ہونا تھا، اس لئے پہلے قصور اکٹھے ہوئے، وہاں سے رات گیارہ بجے گاڑی کے ذریعہ رحیم یار خان کے لئے روانہ ہوئے، گاڑی بفضل خدا صبح نو بجے رحیم یار خان پہنچ گئی، برخوردار محمد ریاض کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی، لڑکی والے بڑے امیر لوگ ہیں، پیشہ میں حلوائی ہیں، یہ برات اُسی گاڑی سے واپس رات دس بجے قصور جانے کے لئے چل پڑی، میں وہیں رحیم یار خان میں رُک گیا، رات ایک ہوٹل میں یعنی لاہور ہوٹل میں بسر کر کے صبح ۶ بجے بذریعہ ٹرین شاہین ایکسپریس، خیر پور جاؤں گا تا کہ وہاں کے کتب خانوں سے استفادہ کرسکوں، خاص طور پر پبلک لائبریری، خیر پور کے مخطوطات میں سے چند ایسے نادر قلمی نسخے میرے علم میں آئے کہ ان کے بغیر میری علمی زندگی میں خاصا خلا نظر آنے لگا، مثلاً ''زادالمعاذ'' ۱ (درحالات حضرت خواجہ حسام الدین بدخشی خلیفہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہما) تالیف خواجہ عبیداللہ بن حضرت خواجہ باقی باللہ اور ''مسلسلۃ العارفین'' (درحالات حضرت خواجہ عبیداللہ احرار) از مولانا محمد قاضی وغیرہ، اول الذکر ''زادالمعاذ'' کا تو شاید یہ دنیا کا واحد ۲ نسخہ ہے کیوں کہ ابھی تک اس کے کسی دوسرے نسخے کا سراغ نہیں ملا، خدا کرے یہ صبح خیر پور پہنچ کر مل جائے اور میں ان نادر نسخوں کے فوٹو سٹیٹ بنوا سکوں، ان شاء اللہ، گویا دو روز ۲۶۔۲۷ر نومبر تو اسی شادی کی رسوم کی نذر ہو گئے ہیں۔

۲۸ر نومبر، صبح پانچ بجے ہوٹل سے تیار ہو کر چھ بجے ریلوے سٹیشن پہنچا، گاڑی سات بجے آئی تو خدا کے فضل و کرم سے ساڑھے دس بجے قبل دوپہر خیر پور میں پہنچ گیا، جناب محمد صدیق بھٹی کے ہاں گیا لیکن وہ سکھر گئے ہوئے تھے، وہاں سے سیدھا پبلک لائبریری پہنچ گیا، لائبریرین بڑے تپاک سے ملے، مخطوطات

کا رجسٹر منگوایا، چند ہی منٹوں میں سارے مطلوبہ مخطوطات مل گئے، جن میں وہ نادرالوجود خطی نسخہ ''زادالمعاد'' بھی ہے، جس کی طلب شدید کا اظہار سابقہ ورق میں کر چکا ہوں، خداوند کریم کے اس کرم پر دلی شکریہ بجالایا اور لائبریرین نے بہت ہی تعاون کیا، ایک آدمی کو مقرر کیا کہ مجھے ان مخطوطات میں سے جس قدر کتابوں کے فوٹوسٹیٹ درکار ہوں ہمراہ جا کر شہر سے بنوانے میں مدد کرے، چنانچہ آج ''زادالمعاد'' اور ''سلسلۃ العارفین'' ؁ ازمولانا محمد قاضی کے فوٹوسٹیٹ بنوائے اور شام پانچ بجے بھٹی صاحب کے گھر آگیا، وہ ابھی تک نہیں لوٹے تھے، تاہم میں اُن کے گھر میں بیٹھ گیا، بھٹی صاحب شام سات بجے آئے، رات نو بجے تک اُن سے عمومی گفتگو ہوتی رہی، رات کا کھانا کھا کر دس بجے تک میں سو گیا۔

۲۹/نومبر، آج صرف میرے لئے پبلک لائبریری کھولی گئی ہے ورنہ جمعہ کی وجہ سے تعطیل ہے، آج بھی یہاں سے مخطوطات منتخب کر کے فوٹوسٹیٹ بنواؤں گا اور دس بجے کے قریب جامع راشدیہ پیر جو گوٹھ، خیرپور جانے کا پروگرام ہے، چار کتابیں فوٹوسٹیٹ والے کو دے کر خود جامع راشدیہ چلا گیا، مفتی محمد رحیم صاحب بڑی خوش اخلاقی سے ملے، کتب خانے کی فہرست دکھائی اس میں ایک مجموعے میں ۶۶/رسائل شیخ اکبر ابن عربی، ''ینابیع الحیاۃ الابدیہ'' از شیخ ابوالحسن ڈاہری نکلوا کر دیکھی اور تین بجے واپس خیرپور کے لئے روانہ ہوا، ساڑھے چار بجے پبلک لائبریری پہنچا، جمعہ کی تعطیل کے باوجود لائبریری میرے لئے کھولی گئی اور میں شام چھ بجے تک کام کرتا رہا، لائبریرین صاحب بڑے ملنسار اور صاحبِ ذوق آدمی ہیں، میرے لئے ہر طرح کا تعاون ملحوظ رکھا، رات محمد صدیق بھٹی صاحب کے ہاں قیام کیا، صبح بذریعہ عوامی ایکسپریس پونے نو بجے حیدرآباد کے لئے روانہ ہوا۔

۳۰/نومبر، عوامی ایکسپریس کو بفضل خداوند کریم سوا بارہ بجے حیدرآباد پہنچنا ہے، یہاں دو تین روز کا قیام رہے گا، پھر کراچی جانا ہے، لیکن گاڑی دو بجے حیدرآباد پہنچی، وہاں سے میں سیدھا ٹنڈو سائیں داد چلا گیا، وہاں رات بسر کی، صاحبزادہ عبدالحمید جان کے لڑکے عبدالوحید نے ایم اے عربی کیا ہے اور پی ایچ ڈی کرنا چاہتے ہیں، میں نے مشورہ دیا کہ اپنے ہی خاندان کے کسی بزرگ مصنف پر علمی مقالہ لکھ لیں تو وہ حضرت خواجہ محمد حسن جان پر کام کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے، صبح انہوں نے شیخ محمد خلیل بدخشی کی دو تصانیف

''معارف العلوم اور ''مسئلہ اموات'' پر ایک (رسالہ) یک جلد دکھایا، یہ مصنف حدود ۱۱۱۵ھ کے ہیں، یہ دونوں کتابیں خواجہ محمد حسن جان رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ کی کتابت کی ہوئی ہیں، اس اعتبار سے خاص اہمیت رکھتی ہیں۔

یکم دسمبر، صبح ماسٹر غلام محمد صاحب کے ہمراہ، ٹنڈو سائیں داد سے چلے، سامان حیدر آباد آ کر ٹریننگ کالج میں رکھا اور سندھ یونیورسٹی، جام شورو چلے گئے، پہلے شعبۂ تاریخ میں گئے وہاں ڈاکٹر مبارک علی صاحب سے ملا، وہ بڑی خوشی سے ملے اور ۲۸ ردسمبر کو لاہور آنے کا پروگرام بتایا، میرے موضوع سے متعلق وہ کوئی خاص بات نہ بتا سکے، وہاں سے شعبۂ عربی و اسلامک کلچر گئے، صدر شعبہ بڑی محبت سے ملے، تھوڑی دیر اُن حضرات سے علمی گفتگو رہی، وہاں سے شعبہ اُردو میں گئے تو اتفاق سے ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب مل گئے، بہت ملنسار اور نیک آدمی ہیں، بڑی الفت سے گفتگو کرتے رہے، وہاں سے سندلاجی کے شعبے میں گئے، یہ بہت بڑا شعبہ ہے، کروڑوں روپے سالانہ گرانٹ ہے، یہاں کی ڈائریکٹر ایک خاتون راشدی ہیں، اچھے اخلاق کی مالکہ ہیں، میرے لئے ہر طرح کی آسانی پیدا کی، شعبہ کی چند مطبوعات خریدیں تو ۵۰ فیصد رعایت دی، آتے ہوئے شعبہ کی لائبریری میں سید سعید اللہ کا پی ایچ ڈی کا مقالہ مقدمہ ''فتوحات الغیبیہ'' لشاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری کے کچھ حصے کے فوٹوسٹیٹ کی درخواست کی اور اس کا معاوضہ سو روپیہ بھی جمع کروادیا، یہ فوٹو خود بخود بذریعہ ڈاک، لاہور روانہ کردیں گے۔

سندلاجی سے پیدل ہی جانا پڑا، سندھی ادبی بورڈ وہاں سے خاصے فاصلے پر تھا، وہاں پہنچا تو صرف پندرہ منٹ بعد ہی وہ بند ہوگیا، البتہ مطلوبہ چند کتابیں خریدیں اور انہیں کی گاڑی میں یونیورسٹی سے شہر پہنچ گئے، خریدشدہ کتابیں بذریعہ ڈاک لاہور روانہ کردیں۔

ساڑھے چار بجے پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب سے ملا، وہ بہت ہی ضعیف ہو چکے ہیں، بغیر سہارے کے اٹھ نہیں سکتے، انہوں نے اپنے مقالات کا ایک مجموعہ ''ہمارا علم وادب'' کے نام سے دیا، میں واپس ٹریننگ کالج آ گیا، وہاں سے مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی مدیر شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدر آباد سے ملنے کے لئے ان کے گھر چھ بجے شام گیا، موصوف بڑے تپاک سے ملے، ذی علم بزرگ عالم ہیں، شاید پاکستان بھر

میں اتنا بڑا عالم کوئی نہیں ہوگا، دیوبندی مکتبہ فکر کے علم بردار ہیں، آٹھ بجے واپس کالج پہنچ کر رات بسر کرنے کا پروگرام بنایا لیکن دو تین طالب علم، جو ایم اے اور ایم فل کے لئے مقالات لکھ رہے تھے آئے اور ان کی رہنمائی کے لئے رات گیارہ بجے تک اُن سے گفتگو کرتا رہا، رات اچھی طرح نیند نہ آئی۔

۲ر دسمبر صبح ناشتے سے فارغ ہو کر سندھ یونیورسٹی کے لئے روانہ ہوا، بڑی مشکلوں سے ساڑھے نو بجے یونیورسٹی پہنچا، سندلاجی سے اپنی رقم ۸۶ روپے واپس لی اور ٹریننگ کالج سے اپنا سامان اٹھا کر سیدھا شاہ ولی اللہ اکیڈمی میں گیا، مولانا قاسمی موجود تھے، ان سے چند کتابیں خریدیں اور ریلوے اسٹیشن پہنچ کر کراچی ایکسپریس کے ذریعہ کراچی کے لئے ساڑھے دس بجے روانہ ہوا، گاڑی ڈیڑھ بجے پہنچنے کی بجائے تین بجے پہنچی، مشفق خواجہ صاحب کے ہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ ابھی انڈیا سے واپس نہیں آئے ہیں، وہاں سے ڈاکٹر پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم کے ہاں گیا، ان کے بچے بڑی محبت سے ملے اور گھر میں بٹھایا، سات بجے شام ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب کا فون آیا کہ وہ نو بجے رات وہاں قادری صاحب کے گھر آکر مجھے لے جائیں گے، اس طرح نو بجے میں اُن کے ہمراہ ڈاکٹر پروفیسر ظفر اقبال صاحب ؎ استاد شعبۂ اُردو، کراچی یونیورسٹی کے ہاں مہمان کی حیثیت سے پہنچا دیا گیا، ان کا مکان کراچی کے ایک پرآسائش مقام پر ہے، ڈاکٹر عقیل صاحب اور ڈاکٹر ظفر صاحب کے ساتھ رات گیارہ بجے تک علمی گفتگو رہی، پھر ڈاکٹر عقیل صاحب چلے گئے اور میں رات بارہ بجے کے قریب سو گیا، آج نیند قدرے زیادہ آئی۔

۳ر دسمبر، صبح دس بجے نیشنل میوزیم، کراچی جانے کے لئے ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب کے ہمراہ روانہ ہوا، اُن کی گاڑی میں چند منٹوں میں وہاں پہنچ گئے، ڈاکٹر ظفر صاحب نے بڑی سخت کوشش سے میری مطلوبہ قلمی کتابیں نکلوائیں، انہوں نے دوپہر دو بجے کا وقت دیا کہ اُن سے آکر استفادہ کرلیں، ہم بارہ بجے سے دو بجے تک آرام باغ کی کتب فروشی کی دکانوں میں گھومتے رہے، فہرست ابن خیر، جو ۱۹۸۳ء میں رقم کی کمی کے باعث یہاں سے نہیں خرید سکا تھا، خوش قسمتی سے مل گئی، ''کتاب الانساب'' السمعانی طبع مارگولیتھ کا عکس بھی یہاں دیکھا لیکن قیمت 350/ روپے سے کم پر دینے کے لئے آمادہ نہ ہوا تو وہاں سے چل دیئے، ظفر صاحب نے بھی اپنے لئے چند کتابیں خریدیں، دو بجے سے ساڑھے چار بجے تک میوزیم میں

مخطوطات سے استفادہ کیا، مخطوطات کا انچارج ان کے فوٹوسٹیٹ دینے کے لئے آمادہ ہوگیا اور کہا کہ کل دس بجے آ کر ان کے فوٹو بنوالیں، شام ساڑھے پانچ بجے تک ظفر صاحب کے ساتھ ان کے گھر پہنچ گیا، آٹھ بجے شب ڈاکٹر عقیل صاحب ملنے آئے، بڑے ملنسار اور مشفق قسم کے آدمی ہیں، ان سے کل میوزیم سے فراغت کے بعد انجمن ترقی اُردو کے دفتر میں ملاقات کے لئے جانا ہے، رات دس بجے تک ڈاکٹر ظفر صاحب کا ذاتی کتب خانہ دیکھا اردو ادب سے متعلق اچھی کتابیں جمع کر رکھی ہیں، خاص طور پر مطبوعات ہندوستان کا ان کے پاس اچھا ذخیرہ ہے۔

۴ر دسمبر، صبح دس بجے بازار سے فوٹوسٹیٹ کا کاغذ لیتے ہوئے ہم میوزیم پہنچے، چند منٹوں کے بعد ہی فوٹوسٹیٹ کا کام شروع ہوگیا، سوال و جواب داراشکوہ وصوفی احمد شطاری ۵ (رسالہ)، تاریخ شاکر خانی، ٦ فتح پٹیالہ ۷ اور زبدۃ المقامات ۸ کے ایسے نسخے کی فوٹوسٹیٹ بنوائی جس کی کتابت ۱۰۸۵ھ میں ہوئی ہے اور کاتب شیخ عبداللہ مرید حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی قدس سرہما تھے، یہ چند اوراق نہایت خستہ حال تھے، فوٹو کے قابل نہیں تھی پھر بھی فوٹو بنوالیا، لیکن چند اوراق پھر بھی رہ گئے، پونے دو بجے میوزیم سے نکل کر انجمن ترقی اُردو کے دفتر پہنچے، آج بھی حسب سابق ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب ہمراہ تھے، چند منٹوں میں ہم ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہانپوری صاحب کے پاس بالائی منزل پر جا کر بیٹھ گئے، اتنے میں ڈاکٹر عقیل صاحب بھی پہنچ گئے، ایک گھنٹہ مختلف عنوانات کے علمی مباحث رہے پھر وہاں سے سیدھے صدر کی طرف بڑھے، کتابفروش صفدر کی دکان بنام ''انڈس'' کے پاس گئے اور شام سات بجے تک وہاں کتابیں دیکھتے رہے، یہاں سے بہت عمدہ و علمی کتابیں دستیاب ہوئیں، ایک قلمی نسخہ ''مجمع الکرامات'' ۹ تصنیف امام الدین رام پوری در حالات حضرت شاہ درگاہی رام پوری ملی، جس سے بڑی خوشی ہوئی، ''صبح الاعشیٰ'' ۱۰ مولفہ قلقشندی کی نو جلدیں ڈیڑھ سو روپے میں مل گئیں، اسی طرح ''تذکرۃ الملوک'' ۱۱ مطبوعہ ایران بھی دستیاب ہوا، آج تھکن سے برا حال ہو رہا تھا، سیدھا ظفر اقبال صاحب کے ہاں پہنچ کر بستر میں لیٹ گیا، صبح کراچی یونیورسٹی جانے کا پروگرام ہے۔

۵ر دسمبر، صبح دس بجے کراچی یونیورسٹی جانے کے لئے ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب کے ہمراہ روانہ ہوا،

ڈاکٹر عقیل صاحب شعبۂ اُردو میں موجود تھے، وہاں سے اٹھ کر ہم مختلف شعبوں میں گھومتے رہے، شعبۂ عربی میں بڑی مایوسی ہوئی کہ وہاں کوئی کچھ بھی نہیں جانتا تھا، وہاں سے شعبۂ تاریخ میں گئے، شعبہ کے صدر ڈاکٹر صابر صاحب مجھ غریب کے کسی بھی سوال کا جواب نہ دے سکے، وہاں سے یونیورسٹی کی لائبریری میں ایک گھنٹہ گزارا، مائیکروفلمز بھی دیکھیں اور ان کا کیٹلاگ لیا، پھر شعبۂ تاریخ کے ڈاکٹر علی محسن صدیقی سے ملے، تقابلِ ادیان پر اُن کا خاصا مطالعہ ہے، شہرستانی کی ''ملل والنحل'' کا اُردو میں ترجمہ حال ہی میں کیا ہے، لیکن تصوف کے مخالف نظر آئے، انہوں نے مجھ سے حضرات مجددیہ کے نظریۂ قومیت کے بارے میں مواد طلب کیا تو میں نے اُن کو اِرسال کرنے کا وعدہ کرلیا، وہاں سے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب سے ملنے گئے، سخت مایوسی اور کوفت ہوئی، موصوف کسی علمی قابلیت کے آدمی نہیں ہیں بلکہ ٹائپ مشین کی ایجاد کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، اُردو ٹائپ رائٹر بھی بنالیا ہے۔

وہاں سے ڈاکٹر عقیل صاحب مجھے ظفر اقبال صاحب کے ہاں چھوڑ گئے پھر دوبارہ شام سات بجے آئے اور ساحلِ سمندر کی سیر کے لئے لے گئے، ہم دیر تک گھومتے رہے، یہ کلفٹن کا علاقہ خاصا معروف اور امراء کے طبقے کا مسکن ہے، عورتیں مارکیٹوں اور کھلے ہوٹلوں میں سرِعام مردوں کے ساتھ کھاتی پیتی نظر آئیں، ان کے لباس نیم عریاں قسم کے تھے، ایک مارکیٹ میں بہت سی دکانیں V.C.R کی فلمیں کرائے پر دینے کے لئے بنائی گئی ہیں، جس سے ہماری قوم کے موسیقی اور فلم زدہ ہونے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، رات دس بجے کے قریب ظفر صاحب کے ہاں واپس آکر آرام کیا۔

۶ /دسمبر، آج جمعہ ہے، ہم صبح دس بجے پروفیسر شیخ عبدالرشید صاحب سے ملاقات کے لئے نکلے، بذریعہ رکشا جلد ہی ان کے گھر کے قریب اتر گئے، لیکن تلاش کرنے میں بڑی دشواری ہوئی، شیخ صاحب بڑی کشندہ پیشانی سے ملے، علمِ تاریخ پر بڑی علمی گفتگو ہوتی رہی، انہوں نے فاطمہ بلگرامی کا پی ایچ ڈی کا مقالہ [۱۲] Qadria Order in India دکھایا، جس کے دیباچے میں معاونین کی فہرست میں میرا نام بھی درج ہے اور کئی مقامات پر اپنی تالیفات کے حوالے بھی دیکھے، شیخ صاحب سے رخصت ہو کر ظفر صاحب کے ہمراہ اُن کے گھر آیا کھانا کھا کر تین بجے پھر نکلے، سید ھے مولانا محمد ہاشم جان مجددی مرحوم [۱۳]

کے ہاں گئے، ان کی اہلیہ ہسپتال جا رہی تھیں اس لئے ناکام واپس آ گئے، وہاں سے ایک کتابفروش مصطفیٰ عابدی کے ہاں گئے، اس کے والد حکیم مظفر حسین ۱۴ (مرتب مرقع دہلی) کا کتب خانہ دیکھنے کے لئے سفر کیا، وہ گھر پر ہی مل گیا بڑی نادرالوجود کتابیں دیکھیں، ان میں میر عبدالجلیل بلگرامی کی ''کشکول'' اور مراسلت مابین ہمایوں وشاہ اسماعیل کے قلمی نسخے دیکھے، مطبوعات بھی بہت نادرالوجود تھیں لیکن افسوس کہ انہوں نے ان کی اتنی قیمت مانگی کہ دوبارہ آنے کا کہہ کر اُٹھ آئے۔

۷ر دسمبر، صبح دس بجے میوزیم پہنچا، کمال الدین صاحب سے دوبارہ قلمی نسخے دیکھے اور بارہ بجے میر محمد (بن نور محمد) تاجر کتب آرام باغ کی دکان پر جا کر عربی کی بہت ہی نادرالوجود کتابیں خریدیں ۱۵ جن میں حافظ سیوطی کی ''نظم العقیان فی اعیان الاعیان'' (تراجم نویں صدی ہجری) بھی شامل ہے، وہاں سے پانچ بجے شام ڈاکٹر ظفر صاحب کے گھر پہنچ گیا، رات ڈاکٹر عقیل صاحب تشریف لائے، ان کے ہمراہ پروفیسر حسنی صاحب ۱۶ سے ملاقات کے لئے گیا، اُردو ادب کے صاحب ذوق استاد ہیں، میرے موضوع سے متعلق مواد بہت کم ہے، سید احمد بریلوی کے خاندان سے تعلق ہے لیکن اس خانوادے سے متعلق ان کے پاس کوئی کتاب نہیں ہے، رات نو بجے کے قریب واپس قیام گاہ پہ آ گئے۔

۸ر دسمبر، صبح ساڑھے دس بجے دارالمصنفین، اعظم گڑھ، بھارت کے ناظم مولانا صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب ۱۷ سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم ہو گیا، ایک موٹر کار کے ذریعہ ڈاکٹر ظفر صاحب کے ہمراہ میں مولانا سے ملاقات کے لئے ملیر گیا، تقریباً بیس میل کا فاصلہ آدھے گھنٹے میں طے ہو گیا، موصوف بڑے تپاک سے ملے، دارالمصنفین کی نئی مطبوعات اور آئندہ کے پروگرام پر گفتگو ہوتی رہی، معلوم ہوا کہ علامہ سید سلیمان ندوی ادارہ کے لئے دائرہ کار کے طور پر ایک جامع پروگرام بنا کر دے گئے تھے، جن پر دارالمصنفین کام کر رہا ہے، ڈاکٹر ظفر صاحب نے اپنے پی ایچ ڈی مقالے ''اُردو میں تاریخ نویسی'' ۱۸ پر موصوف سے گفتگو بھی کی اور کہا کہ اس مقالے میں آپ کی تصانیف کو بھی زیرِ بحث لایا گیا ہے، انہوں نے منشی ذکاء اللہ کی ''تاریخ ہندوستان'' کی خوبیاں بیان کیں اور اس کی جدید تحقیقی اشاعت پر زور دیا، موصوف نے کہا کہ اس کا سبب کیا ہے کہ برصغیر پاکستان و ہند میں انہیں اپنے خطوں کی تاریخ کے مطالعے کا عوام میں

ذوق کیوں نہیں ہے؟ انہوں نے علامہ شبلی کی ''اورنگ زیب پر ایک نظر'' کتاب کا خاص طور پر ذکر کیا، اور کہا کہ اس کے بہت کم ایڈیشن نکلے ہیں لیکن جب میں نے بتایا کہ صرف لاہور میں اس کے تقریباً دس ایڈیشن میری نظر سے گزرے ہیں تو انہیں تعجب ہوا پھر یہ بھی وضاحت کی گئی کہ یہ کتاب ایم اے تاریخ کے نصاب میں شامل ہے تو اور بھی خوش ہوئے، موصوف نہایت قانع اور درویش منش آدمی ہیں، ان کی دارالمصنفین میں چالیس روپے ماہوار تنخواہ کا آغاز ۱۹۳۷ء میں ہوا تھا اور اب صرف بارہ سو روپے ماہوار ہے، جب کہ پاکستان میں لاہور جیسے چھوٹے شہر میں حکومت کی طرف سے بارہ سو روپے تو یونیورسٹی پروفیسر کو مکان کا کرایہ ملتا ہے، موصوف نے دارالمصنفین کی بہت سی نئی کتابوں کا ذکر کیا، مسلمانوں کی رواداری پر تین جلدیں، اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر پانچ جلدیں اور اسی نوعیت کی بہت سی کتابیں زیر طبع بھی ہیں، جب ڈاکٹر ظفر صاحب نے اپنے ہاں موصوف کو مدعو کیا تو بخوشی قبول کر لیا، تاریخ دعوت کا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ پندرہ دسمبر تک کراچی میں یوم علامہ سید سلیمان ندوی کے سلسلے میں مصروف ہیں لیکن جب انہیں میں نے بتایا کہ مجھے دس دسمبر کو واپس لاہور جانا ہے تو میری خاطر کل ہی کی دعوت قبول کر لی، مولانا موصوف سے فارغ ہو کر بذریعہ کار لیاقت میموریل لائبریری پہنچے، تقریباً ایک گھنٹہ وہاں رہے، وہاں ایک کتاب ''تذکرۃ الاصفیاء'' اور ایک بیاض باسطی دیکھی، تذکرہ چشتی سلسلے کی عمومی معلومات کا حامل ہے لیکن دسویں صدی ہجری کی تصنیف ہے، مولف کا نام معلوم نہیں ہے ناقص الاول ہے، اس میں مشائخ کے بعض ان ملفوظات کے حوالے بھی مقدمہ میں درج ملے جو محض منسوب ہیں، لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ کتاب کے سال تالیف تک اس سلسلے کے مصنفین میں یہ بات عام طور پر مشہور نہیں ہوئی تھی، بیاض باسطی بھی اہم کتاب ہے، اس پر مجلّہ ''علوم اسلامیہ''، علی گڑھ میں ایک اہم مقالہ چھپ چکا ہے، لائبریری سے، ہم سب اقبال والے کے پاس اڑھائی بجے پہنچے وہیں ڈاکٹر عقیل بھی آ گئے، ساڑھے چار بجے تک وہاں کتابیں دیکھتے رہے، ان کی قیمتیں بہت زیادہ ہو چکی ہیں، صرف تین کتابیں جو کم قیمت کی تھیں خریدیں، وہاں سے ڈاکٹر عقیل صاحب کی گاڑی میں غالب لائبریری آ گئے، چند منٹ بیٹھے، ادارۂ مجددیہ گئے لیکن اُسے بند پا کر لوٹ گئے، ایک غالی شیعہ مصطفیٰ عابدی بن حکیم مظفر حسین ۱۹ (مرتب مرقع دہلی درگاہ قلی خان) اپنا کتب خانہ بیچ

رہا ہے، وہاں کچھ کتابیں نکال کر پرسوں رکھی تھیں تاکہ ان کی قیمتیں لگا دیں، جب ان کی قیمتیں سنیں تو حیران رہ گئے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ عابدی صاحب پاگل ہیں، ''صبح الاعشیٰ'' کی صرف جلد ثالث کی قیمت تین ہزار روپے بتائی جب کہ ہم نے اس کی دس جلدیں ڈیڑھ سو روپے میں صرف دو سال پہلے کراچی سے ہی خریدی تھیں، اسی طرح دوسری کتابوں کی قیمت چار چار ہزار، اٹھارہ ہزار وغیرہ، وہاں سے مایوس ہو کر ہم تینوں دوست ڈاکٹر پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم کے گھر پہنچے کیوں کہ وہاں آج رات ہماری کھانے کی دعوت تھی، ثناء الحق صاحب بھی آئے ہوئے تھے، یہاں تقریباً ایک گھنٹہ بیٹھے، رات ساڑھے دس بجے گھر لوٹے، گویا بارہ گھنٹے مسلسل علمی سیاحت میں مصروف رہے۔

۹ ردسمبر، صبح ڈاکٹر ظفر صاحب کے ہمراہ اُردو ڈکشنری بورڈ کی طرف گئے، ظفر صاحب یونیورسٹی چلے گئے اور میں بورڈ میں اس کے ناظم اعلیٰ فرقان فتح پوری سے ملا تو انہوں نے اُردو ڈکشنری پر پچاس فیصد سے زیادہ رعایت دینے سے صاف انکار کیا، تاہم میں نے اس کی شائع شدہ چھ جلدوں کا آڈر دے دیا اور وہاں سے جونا مارکیٹ کے لئے چل پڑا، جلد ہی مارکیٹ پہنچ گیا، وہاں سے عمدہ اور نادر کتابیں ہاتھ آئیں، ''صبح الاعشیٰ'' کی دو مزید جلدیں یعنی دوم اور ہشتم دستیاب ہوگئیں، اب صرف تین جلدیں باقی ہیں، جامع مفیدی کی جلد اول بھی مل گئی، چھ نادر کتابیں نوے روپے میں ملیں، وہاں سے تین بجے نکلا تو کتابخانہ خاص انجمن ترقی اُردو میں گیا، کچھ رسائل خریدے اور آزاد بلگرامی کی ''روضۃ الاولیاء'' کے فوٹو سٹیٹ کے لئے کہا، تو انہوں نے فوٹو بنوا کر ارسال کرنے کا وعدہ کرلیا، وہاں سے آرام باغ کے پاس کتابوں کی دکانوں پر پھرا، لیکن آج کوئی کتاب وہاں سے نہ ملی، ساڑھے پانچ بجے تک قیام گاہ پر پہنچ کر کچھ دیر آرام کیا۔

مولانا صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب، جو آج یہاں مدعو تھے، ڈاکٹر ظفر صاحب کے ہمراہ پہنچ گئے ان کے ساتھ رات ساڑھے گیارہ بجے تک نہایت علمی گفتگو ہوتی رہی، موصوف نہایت متین، سنجیدہ اور بڑی موثر شخصیت کے مالک ہیں، حاضرین کے سوالات کے جوابات بڑے اطمینان اور اعتماد کے ساتھ دیتے رہے، شرکاء میں ڈاکٹر عقیل، ڈاکٹر ظفر، ڈاکٹر حسنی (اساتذہ شعبۂ اُردو کراچی یونیورسٹی) اور ظفر صاحب کے برادر بزرگ شامل تھے، ابتداء ہندوستان میں اُردو کے مستقبل اور موجود رجحان سے ہوئی، میں نے بہت

سے ہندوستانی اُردو اخبارات کا ذکر کیا، انہوں نے بتایا کہ ہر ہفتے تقریباً دس اُردو کی کتابیں تبصرے کے لئے دارالمصنفین میں موصول ہوتی ہیں، ناول اور افسانے ان کے علاوہ ہیں، یہ صرف سنجیدہ لٹریچر کی تعداد ہے، انہوں نے کہا کہ حکومتِ ہند کی طرف سے اُردو کی سرپرستی تو ہوتی ہے لیکن محض نمائش کی خاطر ہے، لیکن اس زبان کا مستقبل خطرے میں نہیں ہے۔ [۲۰]

گفتگو کا دوسرا موضوع ہندوستان کے مسلمانوں کی حالتِ زار کے بارے میں تھا، انہوں نے بتایا کہ ہمیں کوئی خاص قانونی رعایت حاصل نہیں ہے، اگر کوئی رعایت ملے بھی تو ہندو شور مچاتے ہیں، مثلاً طلاق کا قانونی حق وغیرہ، مسلمانوں کی حالت دیگر اقوام کے مقابلے میں کسی طرح بھی بہتر نہیں ہے، انہوں نے بتایا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد سب مسلم ممالک سے زیادہ ہے پھر بھی یہ خستہ حال ہیں اور ہندوستان کے قانون میں انہیں کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔

میں نے سوال کیا کہ ہندوستان میں دائرۃ المعارف العثمانیہ کی طرح کے کتنے ادارے ہیں تو انہوں نے نفی میں جواب دیا کہ صرف عربی کتابوں کا یہی ایک ادارہ ہے جو حکومت ہند کی سرپرستی میں چل رہا ہے، میں نے شکایت کی کہ چار سال پہلے میں نے ''معارف'' کے لئے ایک مضمون بعنوان ''حضرت مجدد کے دفاع میں لکھی جانے والی کتابیں'' اشاعت کے لئے بھیجا تھا اور ایک سال پہلے ''مقاماتِ مظہری'' تبصرے کے لئے، لیکن اب تک نہ تبصرہ چھپا ہے اور نہ ہی مقالہ، انہوں نے اسے جلد شائع کرنے کا وعدہ کیا، ڈاکٹر ظفر صاحب نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے کے لئے مولانا سے اُن کے حالاتِ زندگی دریافت کئے تو بڑے انکسار کے ساتھ کچھ بتایا کہ میری عمر اس وقت تقریباً ستر سال ہے، اس حساب سے ان کا سالِ پیدائش حدود ۱۹۱۴ء قرار دیا جائے گا، انہوں نے بتایا کہ اب تک میری ۳۵ر کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور تقریباً دس عدد مسودات کی صورت میں پڑی ہوئی ہیں، یہ نہایت خوش کن علمی محفل رات کے آڑے آجانے سے ساڑھے گیارہ بجے ختم ہو گئی، ہم مولانا کو نیچے والی منزل تک چھوڑنے آئے۔

۱۰ر دسمبر، صبح سات بجے ڈاکٹر ظفر صاحب کے ہمراہ نکلا اور ساڑھے سات تک ابو معاویہ نعمت اللہ قادری مرحوم کے گھر جہاں ان کا گودام ہے کتابوں کی تلاش کے لئے پہنچا، دس بجے تک گودام سے تین سو

روپے کی بڑی اہم کتابیں خریدیں، وقت کی کمی کی وجہ سے پورا گودام نہ دیکھ سکے، پھر بھی بعض بہت اہم کتابیں مل گئیں، جن میں ''مراۃ الزمان'' سبط ابن جوزی کی ایک جلد اور اس کا ذیل دو جلدوں میں دستیاب ہوا، وہاں سے ادارہ مجددیہ پھر گئے لیکن معلوم ہوا کہ وہ عمرہ کرنے کے لئے گئے ہوئے ہیں، وہاں سے سیدھے گھر کی راہ لی، سامان باندھا، کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کیا اور چار بجے چائے پی کر ریلوے اسٹیشن کے لئے چل پڑا، حسب پروگرام ڈاکٹر ظفر صاحب ہمراہ تھے، گاڑی تیز گام پورے وقت پر پانچ بجے روانہ ہوئی، یہ کل دوپہر لاہور پہنچے گی، خداوند کریم خیر وعافیت سے پہنچادے، آمین۔

حواشی

۱۔ زادالمعاد (حالات حضرت خواجہ حسام الدین احمد، خادم خاص حضرت خواجہ باقی باللہ) تالیف شیخ عبیداللہ خواجہ کلال بن حضرت خواجہ باقی باللہ، یہ نہایت نادرالوجود قلمی نسخہ ہے۔

۲۔ جی ہاں! میں ۱۹۸۵ء تک ''زادالمعاد'' کو دنیا کا واحد خطی نسخہ ہی سمجھتا تھا لیکن اس سے اگلے ہی سال یعنی ۱۹۸۶ء کو جب علمی تحقیقات کے لئے پہلی بار انگلستان پہنچا تو ذخیرۂ دہلی، انڈیا آفس لائبریری، لندن میں اس کا مکمل نسخہ دستیاب ہو گیا، میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، میں اسے فوری طور پر مرتب کرنا چاہتا تھا لیکن بہت سی دیگر مصروفیات پھر فرائض منصبی نے عرصہ تک اس کی مہلت ہی نہ دی اور اس کے ٹھیک تیس سال بعد جا کر ۲۰۱۵ء کو اس کی اشاعت عمل میں آئی، جو بالکل ''مقاماتِ معصومی'' کی طرز پر مرتب کی گئی، یعنی ایک جلد (سوم) میں اس کا فارسی متن، چوتھی جلد میں اس پر تعلیقات اور دوسری جلد میں اس کا اردو ترجمہ کیا گیا، پھر اس پر جب مفصل مقدمہ لکھا تو اس کی بھی پوری جلد بن گئی، یہ تنظیم الاسلام پبلی کیشنز، گوجرانوالہ سے مذکورہ سنہ میں شائع ہو کر عنداللہ مقبول ہوئی۔

۳۔ سلسلۃ العارفین (احوال حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ) تالیف مولانا محمد قاضی، یہ نسخہ تو قدیم معلوم ہوتا ہے لیکن ناقص الآخر ہے، پھر یہ چند سال پہلے مرتب ہو کر ایران سے چھپ بھی گئی ہے۔

۴۔ پروفیسر ڈاکٹر ظفر اقبال (سابق وائس چانسلر وفاقی اُردو یونیورسٹی، کراچی اور سابق صدر شعبۂ اُردو، کراچی یونیورسٹی) ایک بہت ہی مخلص دوست ہیں، ان کے پاس کتب حوالہ کا ایک عمدہ ذاتی کتب خانہ ہے، جہاں جاتے ہیں کتابیں خریدتے رہتے ہیں، ان کا گھر میرے لئے جنت سے کم نہیں ہوتا تھا، ایک ایسے طالب علم کو جو علمی تحقیقات کی غرض سے گھر سے نکلا ہو اس کی ضروریات وہ بطریق احسن بھلے اور پوری کرتے تھے، ان دنوں متقاعدانہ زندگی بسر کر رہے ہیں، کراچی میں ہی قیام ہے،

لاہور برابر آتے رہتے ہیں، کئی کتابوں کے مولف ہیں، جن میں ''فہرست مخطوطاتِ اُردو نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی'' خاص اہمیت رکھتی ہے۔

۵۔ رسالہ سوال و جواب داراشکوہ و صوفی احمد شطاری

شاہ جہان کے فرزندوں کے مابین جنگ تخت نشینی (۱۰۶۸ھ/ ۱۶۵۸ء) سے پہلے ہی داراشکوہ مختلف صوفیہ سے ملتا اوران سے تصوف کے بارے میں سوالات کیا کرتا تھا، صوفی احمد شطاری بابالال بیراگی کے مکتبہ فکر (صلح کل) کے پیروکار تھے، اس لئے دارا انہیں پسند کرتا تھا، انہوں نے دارا کے ۱۲/ سوالات کے جواب دیئے ہیں، جو اتحاد و حلول سے متعلق ہیں۔ (فہرست مخطوطات و مصورات ذخیرۂ مجددی R.37-B، مقاماتِ معصومی ۱/ ۸۸)

۶۔ تاریخ شاکرخانی، اس میں بنگال کے نوابوں کی مرکزی حکومت کے ساتھ آویزشوں اوران کی آپس کی لڑائیوں کی دلچسپ داستانیں درج ہیں، اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم، لندن میں بھی ہے۔ (تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند ۱/ ۱۲۴۔۱۲۷)

۷۔ فتح پٹیالہ، اس میں اٹھارہویں صدی میں ہندوستان کی مرکزی حکومت اور نوابان پٹیالہ کے درمیان جھڑپوں کی تفصیلات ہیں۔ (ایضاً R.37-C)

۸۔ زبدۃ المقامات (احوال حضرت مجدد الف ثانی، مولفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی، اس کا فارسی متن کئی بار طبع ہو چکا ہے لیکن نیشنل میوزیم کا یہ نسخہ شیخ عبداللہ مرید خواجہ سیف الدین سرہندی کا کتابت کیا ہوا ہے، جس کو انہوں نے ۱۰۸۵ھ میں لکھا تھا۔

۹۔ مجمع الکرامات (درحالات شاہ درگاہی رام پوری ف ۱۲۲۶ھ/ ۱۸۱۱ء) مولفہ امام الدین خان انور (فہرست مخطوطات و مصوراتِ ذخیرۂ مجددی MS.No.95)

۱۰۔ صبح الاعشیٰ فی صناعۃ الانشاء مولفہ ابی العباس احمد بن علی قلقشندی، مطبوعہ قاہرہ، اس کی چودہ جلدیں ہیں، ان میں سے چند جلدیں غائب تھیں، جو مجھے بعد میں اپنے سفرِ قاہرہ ۱۹۸۶ء کے دوران مل گئیں۔

۱۱۔ تذکرۃ الملوک، یہ ایران کے صفوی عہد کے حکمرانوں کی تاریخ ہے جسے دبیر ساقی نے مرتب کیا اور تہران سے ۱۳۳۲ ش کو شائع ہوئی۔

۱۲۔ فاطمہ زہرہ بلگرامی نے شعبۂ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے سلسلۂ قادریہ پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ کر یہ ڈگری حاصل کی تھی، ان کا یہ مقالہ بعد میں ادارۂ ادبیات دلی، دہلی سے ۲۰۰۵ء کو بعنوان:

History of Qadiri Order in India (16-18 Century)

شائع ہو گیا تھا، اس میں محترمہ نے میری کتابوں خصوصاً ''حدیقۃ الاولیاء'' کے متعدد مقامات پر حوالے دیئے ہیں۔

۱۳۔ مولانا محمد ہاشم جان مجددی (رک حواشی سفر سندھ، ۱۹۸۳ء)

۱۴۔ حکیم مظفر حسین، حیدرآباد، دکن میں رہتے تھے، تقسیم ہند کے وقت پاکستان آ کر کراچی میں مخطوطات کا کاروبار شروع کر دیا تھا، پبلک لائبریری، خیر پور میں ان کے فروخت کیے ہوئے کئی خطی نسخے ہیں، جن پر اُن کے نوٹس میں اُن کا نام لکھا ہوا ہے، جن میں سے ایک بہت ہی بیش بہاء مخطوطہ ''زادالمعاد'' کا ہے، جس کی فوٹو کاپی میں نے گذشتہ سفر سندھ (۱۹۸۵ء) کے دوران بنوائی تھی اور اسے مرتب کر کے چار حصوں میں شائع کیا تھا۔

۱۵۔ میر محمد بن نور محمد تاجر کتب، کراچی نے ''تذکرہ مشاہیرِ سندھ'' کے مولف مولوی دین محمد وفائی کی وفات کے بعد ان کا کتب خانہ خرید لیا تھا، افسوس کہ مجھے اس وقت پتہ چلا جب اس میں سے سب اہم کتابیں فروخت ہو چکی تھیں تاہم ان میں سے بھی جو کتب خریدیں وہ بہت ہی عمدہ تھیں، جو آج میرے ذخیرہ کی زینت ہیں۔

۱۶۔ پروفیسر یونس حسنی، شعبۂ اُردو، کراچی یونیورسٹی کے اُستاد ہیں، بہت شریف النفس اور سادہ انسان ہیں، سید احمد بریلوی کی اولاد میں سے ہیں، انہوں نے مشہور شاعر اختر شیرانی پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا تھا، جو انجمن ترقی اُردو، کراچی سے طبع ہو چکا ہے۔

۱۷۔ مولانا صباح الدین عبدالرحمٰن، دارالمصنفین، اعظم گڑھ سے وابستہ تھے، عرصہ دراز تک اس کے

ڈائریکٹر بھی رہے، ''معارف'' کے مدیر بھی ہوئے اور دارالمصنفین کی ترقی کے لئے آخری سانس تک سرگرم رہے، لکھنؤ گئے تو ندوۃ العلماء سے مولانا مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی سے ملاقات کے لئے سائیکل رکشہ پر جارہے تھے کہ ایک پاگل گائے نے رکشے کو ٹکر ماری جس سے رکشہ الٹ گیا، مولانا کے سر میں شدید چوٹ لگی جس سے اُن کا انتقال ہوگیا، معارف میں اُن کی وفات پر کئی مضامین شائع ہوئے، ان کی وفات ۱۸ر نومبر ۱۹۸۷ء کو ہوئی۔

۱۸۔ اُردو میں تاریخ نویسی پر ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب کا پی ایچ ڈی کا مقالہ تاحال شائع نہیں ہوسکا۔

۱۹۔ رک حاشیہ نمبر ۱۴

۲۰۔ یہاں مولانا صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے اپنے ملک ہندوستان کی ترجمانی کی ہے، ورنہ ہندوستان میں مسلم دشمنی کی طرح اُردو دشمنی بھی پورے عروج پر ہے، وہاں کے مسلمان بے چارے بہت ہی پسماندہ ہیں، وہ ہندو مسلم اتحاد کا مظاہرہ نہ کریں تو ہندو جو بہت بڑی تعداد میں ہیں انہیں کچل کر رکھ دیں، (یہ قول مولانا رضا فرنگی محلی کا ہے) دارالمصنفین کا رسالہ ''معارف'' اور اس کے شذرات ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت زار سے بھرے پڑے ہیں۔

انگلستان

راقم احقر، انگلستان کے علمی سفر پر جانے کے لئے ۱۰ر جون ۱۹۸۶ء کو رات نو بجے روانہ ہوا تا کہ بذریعہ ہوائی جہاز کراچی پہنچ سکوں، ہوائی جہاز رات ایک بجے روانہ ہوا اور پونے تین بجے کراچی کے ہوائی اڈے پر اترا، رات یہیں کرسی پر بیٹھا رہا، صبح چھ بجے کے قریب پروفیسر ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب کو ٹیلی فون پر اطلاع دی، وہ ساڑھے آٹھ بجے ہوائی اڈے پر آئے اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے، آج ہی یعنی ۱۱ر جون کو میں نے ڈاکٹر عقیل صاحب کی مدد سے سفر کے لئے اہم کام نپٹا لئے، یعنی مصری ایئر لائن کی ٹکٹ کی تصدیق اور زرمبادلہ کے لئے مجھے سترہ ہزار روپے پاکستانی کے برابر پونڈز کے ٹریول چیک بنا دیئے گئے، وہاں سے تین بجے ڈاکٹر عقیل صاحب کے ہاں پہنچ گیا، دوپہر کا کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کیا اور پھر مشفق خواجہ صاحب کے ہاں چلا گیا، رات وہیں بسر کی، کراچی میں رات کو بہت گرمی ہوتی ہے، مجھے رات اچھی طرح نیند نہ آئی، صبح جناب محمد اویس قریشی نے گاڑی بھیج دی میں پہلے اُن سے ملا پھر وہاں سے انہیں کی گاڑی میں پاک امریکن والوں کے ہاں گیا وہاں سے انگریزی کی چند کتابیں خرید کر ڈاکٹر عقیل صاحب کے ہاں رکھوا دیں، دوپہر کا کھانا مشفق خواجہ صاحب کے ہاں ہی کھایا اور کچھ دیر کے لئے سو گیا، شام مغرب کے وقت ڈاکٹر عقیل صاحب آ گئے، رات کا کھانا ہم نے باہر ہی ہوٹل میں کھایا اور رات ڈاکٹر عقیل صاحب کے ہاں بسر کی، اس طرح ۱۲ر جون بھی خیر و عافیت سے گذر گیا۔

۱۳ر جون، لندن جانے کے لئے صبح آٹھ بجے ڈاکٹر عقیل صاحب کی گاڑی میں ہوائی اڈے پہنچا، مصر ایئر لائن کا جہاز دیر سے آیا، یہاں کسٹم والوں نے رشوت لینے کی انتہا کر رکھی تھی مجھ سے پوچھا کہ کتنی رقم ہمراہ لے جا رہے ہو؟ میں نے صاف کہہ دیا کہ میرے پاسپورٹ پر رقم کا اندراج دیکھ لیا جائے، وہ اندراج دیکھنے کے بعد مجھ سے سوال کیا کہ پاکستانی رقم کتنی ہے؟ میں نے تین چار سو روپے بتائے اور بیگ میں چند

پونڈز پڑے ہوئے تھے جن میں سے بیس پونڈ نکال کر کسٹم کے رشوت خور نے خود اپنی جیب میں رکھ لئے، جبکہ سارا راستہ مجھ سے کسی مقام پر اور لندن اور قاہرہ وغیرہ کہیں بھی کچھ نہیں پوچھا گیا بلکہ میرے نام کے ساتھ ''پروفیسر'' لکھا ہوا دیکھ کر ہر جگہ عزت کی گئی۔

ہوائی جہاز لندن کے لئے ساڑھے بارہ بجے روانہ ہوا، یہ بعد دوپہر چار بجے کے قریب قاہرہ پہنچ گیا، رات ہمیں یہیں بسر کرنا تھی، ہمیں اچھے ہوٹل میں ٹھہرایا گیا لیکن یہاں کا کھانا بالکل کھانے کے قابل نہیں تھا، کچا گوشت، کچی سبزیاں، بھوکے ہی سو گئے، صبح مصری وقت کے مطابق ساڑھے آٹھ بجے ہوائی جہاز ہمیں لے کر قاہرہ سے لے کر لندن کے لئے روانہ ہوا، برطانوی وقت کے مطابق یہ جہاز بارہ بجے دوپہر خدا کے فضل و کرم سے بخیر و عافیت لندن پہنچ گیا، یہاں بہت ڈر تھا کہ لندن کا ویزا تو نہیں ملا تھا اب لندن میں انٹری کیسے ہوگی؟ تاہم میرے پاس حق باہو ٹرسٹ برمنگھم کی طرف سے سپانسر موجود تھا اگر وہ طلب کرتے تو میں دکھا دیتا، لیکن میرے پاس موجود سرکاری کاغذات کی فائل دیکھ کر کوئی اعتراض نہ کیا اور تین ماہ کا ویزا لگا دیا، میں ان کا شکریہ کہہ کر چلا آیا، ایئرپورٹ پر مولانا ریاض احمد صمدانی صاحب موجود تھے، جو مجھے لینے کے لئے آئے تھے، مولانا مجھے اپنے گھر لے گئے، گھر پہنچ کر ہوائی جہاز کے چکر آنے شروع ہو گئے اور تین دن تک یہ چکر نہیں اتر سکے، اس طرح یہ احقر خدا کے فضل و کرم سے ۱۴ر جون کو لندن پہنچا، دوپہر کا کھانا کھا کر آرام کیا، صبح چار بجے میں بیدار ہو گیا۔

۱۵ر جون، آج اتوار ہے اور برطانیہ بھر میں اتوار کے روز تعطیل ہوتی ہے، ہم بعد دوپہر علامہ احمد سعید کاظمی صاحب [۱] کے وصال کے موقع پر ایک تعزیتی اجلاس میں شرکت کے لئے گئے، راستے میں لندن کا نظارہ بھی دیکھتے رہے، اس اجلاس میں میں نے مختصر سی تقریر کی، جس کی روداد اگلے روز اخبار میں آئی، شام کے قریب گھر پہنچ کر بستر پر ایسا دراز ہوا کہ ہوش نہ رہا۔

۱۶ر جون کو صبح ایک رہنما کے ساتھ برٹش لائبریری گیا، قاضی محمود الحق صاحب [۲] سے ملا، خندہ پیشانی سے ملے اور ایک سال کے لئے لائبریری کا ریڈر ٹکٹ بنوا دیا اور ہر قسم کی مدد کا وعدہ کیا، وہاں سے انڈیا آفس لائبریری اینڈ ریکارڈز کے لئے روانہ ہوا، ایک گھنٹے کی کوشش کے بعد وہاں پہنچ گیا،

جناب سلیم الدین قریشی ۳؎ خوش اخلاقی سے پیش آئے اور ہر قسم کے تعاون کا وعدہ کیا، یہاں کا ریڈر ٹکٹ بھی بنوالیا، یہاں ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی ۴؎ کو مصروفِ مطالعہ پایا، بڑی خوش اخلاقی سے ملے، چار بجے تک وہاں رہا پھر واپس روانگی کے لئے اُسی راستے سے روز بری کے لئے چل پڑا، پانچ بجے تک گھر پہنچ گیا، دیر تک سوتا رہا۔

۱۷/جون، آج صبح ہی انڈیا آفس لائبریری میں پہنچ کر کام شروع کر دیا، فہرست ذخیرۂ دہلی ۵؎ منگوا کر دیکھی، بہت بڑی بڑی چھ جلدوں میں یہ فہرست ہے، پہلے فارسی مخطوطات کی تین جلدیں مطالعے کے لئے منگوائیں، مطالعہ شروع کیا، فہرست کسی جاہل آدمی نے بنائی ہے، بہت سی غلطیاں پائی جاتی ہیں، میں اس میں سے نمبر نوٹ کرتا رہا، شام پانچ بجے اٹھا تو چکر آرہے تھے، گھر کا راستہ لیا، کھانا کھا کر جلد ہی سو گیا۔

۱۸/جون، آج پہلے سکول آف اورینٹل سٹڈیز، لندن یونیورسٹی گیا، وہاں ڈاکٹر زوار حسین زیدی صاحب ۶؎ سے ملاقات نہ ہوسکی، پھر برٹش لائبریری میں گیا، اس کے سامنے ایک کتابوں کی دکان پر بے شمار نایاب کتابیں فروخت کے لئے موجود تھیں لیکن ان کی قیمتیں بہت زیادہ تھیں، مثلاً ایک معجم جغرافیائی ترکی بہت پسند آئی، لیکن اس کی قیمت ۳۵/پونڈز بتائی گئی تو بڑی مایوسی ہوئی، بعد کوشش دکان کی مالکہ عورت نے ۲۵/پونڈز تک دینے کا وعدہ کیا لیکن یہ قیمت بھی ہمارے ملک کے ساڑھے سات سو روپے کے برابر بنتی ہے، ناچار اس کا خیال چھوڑ دیا اور برٹش لائبریری میں جا بیٹھا، چار مخطوطات نکلوا کر دیکھے، فہرست ساز Owens ۷؎ نے ایک نسخے کے بارے میں لکھا کہ ''مبداء ومعاد'' تصنیف شیخ محمد باقر لاہوری ۸؎ یہ نکلوا کر دیکھی تو معلوم ہوا کہ یہ تو اس مصنف کی مشہور کتاب ''کنز الہدایات'' ہے، شروع میں حضرت مجدد الف ثانی کے رسالہ ''مبداء ومعاد'' کا چونکہ حوالہ آیا ہے لہٰذا فہرست ساز یہ سمجھا کہ یہ اس کتاب کا نام ہے، اتنے میں قاضی محمود الحق صاحب بھی آگئے، ان سے دیر تک بات چیت رہی، وہ یہاں کی لائبریریوں کے حالات مجھے بتاتے رہے۔

۱۹-۲۴/جون، میں نے اپنا معمول یہ بنایا کہ صبح ساڑھے آٹھ بجے گھر سے نکلتا اور شام سات آٹھ

بجے تک وہاں کام کرتا رہتا تھا، پہلے پانچ بجے تک انڈیا آفس لائبریری میں مسلسل بیٹھ کر کام کرتا اور پھر کتب فروشوں کی دکانوں پر گھومتا، اس دوران چھ نادر کتابوں کا ایک پیکٹ بذریعہ بحری ڈاک روانہ کیا تو سات پونڈ ۹۷ پنس ڈاک خرچ لگا، فیصلہ یہ کیا کہ اب تمام کتابیں بذریعہ ہوائی جہاز کارگو سے روانہ کریں گے۔

۲۵ ر جون، کل شام ہی میں نے برطانیہ کے مشہور مورخ Peter Hardy ۹ سے ملاقات کے لئے وقت طے کر لیا تھا، انہوں نے مجھے سکول آف اورینٹل سٹڈیز میں دوپہر تین بجے کا وقت دیا، میں ٹھیک وقت پر اُن کے پاس پہنچا، پورا ایک گھنٹہ گپ شپ رہی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا، کسی سوال کے مناسب جواب نہ دے سکے، میرے سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ نظریہ وحدت الشہود کس طرح بتدریج حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ تک پہنچا، اس کی ترقی کے مراحل کیا تھے؟ ہندوستان میں اس کے رد و قبول کا سلسلہ کیسے شروع ہوا؟ لیکن اس سوال کے جواب سے انہوں نے صاف طور پر معذرت کی کہ وہ کچھ نہیں جانتے، انہوں نے مجھے سائمن ڈگبی ۱۰ سے ملاقات کی ہدایت کی لیکن وہ تو ان دونوں کسی دوسرے ملک میں قیام پذیر ہیں، میں وہاں سے چار بجے اُٹھا اور کتب فروشوں کی دکانوں پر پہنچا، لیوزک اینڈ کو پر بھی گیا لیکن ان کے پاس اب نادر کتب نہیں ہیں، سٹوری کی ببلیوگرافی کا پوچھا تو معلوم ہوا کہ اُن کے حصوں کی بہت قیمت ہے، جو جلدیں مجھے درکار ہیں ان کی قیمت ۸۱ پونڈ کے مساوی تخمینہ ہے، یہاں دو پونڈ میں ایک اہم تحقیقی کتاب یعنی صوبہ بہار کی معاشرتی، مذہبی اور معاشی تاریخ ۱۰۰۰ء تک خریدی، اس دکان کے اندر ہی ایک اور دکان ہے جہاں پرانی نادر کتابیں موجود ہیں مثلاً گب میموریل سیریز کی کوئی کتاب ۲۵ پونڈ سے کم قیمت پر نہیں تھی، شام تھکا ماندہ گھر پہنچا، نماز پڑھی اور کھانا کھا کر سو رہا۔

۲۶ ر جون، آج صبح حسب معمول گھر سے نکلا اور شام پانچ بجے تک انڈیا آفس لائبریری میں کام کیا، آج ذخیرۂ دہلی کے تمام اہم مخطوطات کا جائزہ مکمل کیا، اس میں سے تقریباً بیس خطی نسخوں کی مائیکروفلمز درکار ہیں، فلم کے لئے درخواست دے دی ہے۔

۲۷ ر جون، آج بھی انڈیا آفس لائبریری میں سارا دن کام کیا، ذخیرۂ دہلی کے بعد اب توجہ کا مرکز ایتھے کی فہرست نسخہ ہای خطی ہے جس کے مطلوبہ نمبر، لاہور میں ہی نوٹ کر لئے تھے، ان کو نکلوا کر دیکھنا

شروع کیا، شام پانچ بجے تک یہی شغل رہا، پھر گھر لوٹ کر سو رہا۔

۲۸ ر جون، آج ہفتے کو یہاں سرکاری ادارے جلد ہی بند ہو جاتے ہیں، ایک بجے میں اور عزیز دوست جناب اکرام الحق جنجوعہ انڈیا آفس لائبریری سے بادل نخواستہ اٹھے اور کتب فروشوں کے ہاں چلے گئے، کوئی مطلوبہ کتاب دستیاب نہ ہو سکی، شام جلد ہی گھر آ گیا، عصر کی نماز پڑھی، کھانا کھایا اور دیر تک سوتا رہا۔

۲۹ ر جون، آج اتوار ہے اور سارے برطانیہ میں مکمل تعطیل، دن بھر گھر میں آرام کیا اور کل کے کام کے لئے تیاری کی۔

۳۰ ر جون سے ۱۴ ر جولائی تک مسلسل انڈیا آفس لائبریری، برٹش لائبریری اور اس دوران رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی لائبریری میں بھی گیا، مخطوطات میں سے نوٹس لیتا اور معمول کے طور پر کام کرتا رہا۔

۱۵ ر جولائی کو علمی کام کی غرض سے برطانیہ کے مشہور قدیم علمی مرکز او کسفورڈ گیا، وہاں مولانا صمدانی صاحب کے ایک دوست حاجی محمد سرور قریشی صاحب کے ہاں قیام کیا، پہنچتے ہی ڈاکٹر پروفیسر ریاض الاسلام [۱۱] صاحب کو فون کیا جو St. Anthony College میں مہمان پروفیسر کی حیثیت سے قائداعظم چیئر پر آئے ہوئے ہیں اور تین سال سے یہاں مقیم ہیں، ۳۰ ر جولائی کو واپس وطن یعنی کراچی، پاکستان جانے کا ارادہ رکھتے ہیں، بڑی خوش اخلاقی سے بات کی اور بروز جمعہ مجھے اپنے گھر رات کے کھانے پر مدعو کرنے کے لئے کہا جسے میں نے بخوشی قبول کر لیا۔

۱۶ ر سے ۱۹ ر جولائی تک اوکسفورڈ میں میرا یہی معمول رہا کہ صبح بوڈلین لائبریری میں جاتا اور شام تک وہاں بیٹھ کر کام کرتا، اس دوران ہفتے کے روز یعنی ۱۹ ر جولائی کو ڈاکٹر فرحان نظامی [۱۲] بن پروفیسر خلیق احمد نظامی سے ملاقات کے لئے اُن کے گھر گیا، انہوں نے بڑی تواضع کی، بتایا کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی ۹ یا ۱۰ ر اگست کو برطانیہ آرہے ہیں، میں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا کہ میں اُن سے ملاقات کے لئے ضرور آؤں گا، فرحان نظامی صاحب سے مل کر میں تھوڑی دیر کے لئے انڈین انسٹی ٹیوٹ کی لائبریری میں گیا، یہاں ہندوستان کی تاریخ کے متعلق بہت بڑا ذخیرہ موجود اور محفوظ ہے، نہایت حفاظت سے رکھا گیا ہے، افسوس کہ

ہمارے ملک پاکستان کے ادب اور افکار کے متعلق یہاں کی یونیورسٹی میں کوئی شعبہ نہیں ہے۔

ہاں! اکسفورڈ کے قیام کے دوران اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت سی نہایت عمدہ قیمتی کتابیں بازار سے دستیاب ہو گئیں، زیادہ کتب کتابفروش Thoranton براڈ سٹریٹ سے ملیں، سیمیوف کی مرتبہ فہرست ۱۳ نسخہ ہای خطی فارسی انسٹی ٹیوٹ اوزبکستان کی دس جلدوں سے پانچ جلدیں، مجلّہ فرہنگ ایران زمین ۱۳ کی پہلی بیس جلدیں، E J Bril کی نہایت مہنگی کتابیں سستے داموں مل گئیں، جن کا وزن تقریباً چالیس کلو تھا، اوکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے ستر پونڈ کی کتابیں خریدیں، یہ سب کتابیں بذریعہ ڈاک لندن روانہ کر دیں تاکہ انہیں باندھ کر لاہور بذریعہ ہوائی جہاز روانہ کیا جا سکے، وہاں سے نپٹنے کے بعد دوپہر ساڑھے سات بجے والی ٹرین سے برمنگھم کے لئے روانہ ہوا، صاحبزادہ سلطان فیاض الحسن صاحب ۱۵ سے ملاقات مقصود تھی، ان کے ہاں عالمی دعوت اسلامی کے مرکز میں ایک تقریب منعقد ہوئی تھی، اس میں پاکستان سے سردار عبدالقیوم خان صدر آزاد کشمیر، کوثر نیازی سابق رکن پیپلز پارٹی، وغیرہ شریک تھے، مجھے تو سیاست دانوں اور میلوں ٹھیلوں سے سخت نفرت ہے، محض سلطان فیاض الحسن صاحب سے کئے ہوئے وعدہ پر شرکت کے لئے حاضر ہوا تو مجھ سے یہ کہا گیا کہ تم یہ تجویز ہمارے جلسے میں پیش کرو کہ اس ادارے میں ایک شعبۂ تحقیق و تصنیف و نشر و اشاعت بھی ہونا چاہیے، میں نے دس منٹ کی تقریر میں اپنی تجاویز پیش کر دیں۔

۲۰ ر جولائی بعد دوپہر ساڑھے چھ بجے والی ٹرین سے لندن کے لئے روانہ ہو گیا۔

۲۱ ر جولائی، صبح انڈیا آفس لائبریری گیا تو وہاں مائیکروفلمز کے لئے جو درخواست دی تھی اس پر انہوں نے لاگت کا تخمینہ یعنی 1026 پونڈ بتایا تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی کہ اتنی رقم کون دے گا؟ وہاں سے سیدھا برٹش لائبریری میں بھی گیا تو انہوں نے بھی مائیکروفلمز کا تخمینہ تیار کر رکھا تھا، ان کی لاگت بھی 365 پونڈز بتائی گئی، گویا اب دونوں بڑے کتب خانوں سے تقریباً ۳۵ مخطوطات کی فلم 1426 پونڈز میں ملے گی، میں سخت پریشان ہوا کہ اتنی رقم کہاں سے آئے گی؟ خدا بھلا کرے مولانا ریاض احمد صمدانی صاحب کا، انہوں نے کہا کہ جناب غلام السیدین ورلڈ اسلامک مشن کے صدر سے میں نے بات کر لی ہے، وہ یہ رقم

اپنی طرف سے بطور علمی معاونت کے دیں گے، خدا کرے وہ اس مشکل میں مدد کردیں، آمین۔

۲۲ر جولائی، صبح مولانا صمدانی صاحب نے بتایا کہ میں نے اپنے ایک عزیز دوست مفتی محمد یونس کاشمیری صاحب کے ساتھ بعد دوپہر مسلم کالج، لندن میں غلام السیدین صاحب ۱۶؎ سے ملاقات کا اہتمام کیا ہے، میں دن بھر لائبریری (S.O.A.S) میں کام کرنے کے بعد ساڑھے پانچ بجے میجر احمد رضا صدیقی بن پروفیسر منظور الحق صدیقی ۱۷؎ سے ان کے دفتر پاکستان ایمبسی میں ملاقات کے لئے گیا، اور اُن سے چار سو پونڈ کی رقم قرض لی، وہاں سے مسلم کالج کے لئے روانہ ہوا، وہاں ایک شیعہ کا لکچر تھا، شعیت پر یہ لکچر سن کر طبیعت سخت رنجور ہوئی کہ میں نے تو کبھی اس قسم کے لکچر نہیں سنے تھے، خیر چند منٹ تو میں اس کی باتیں سنتا رہا، پھر بے توجہی سے بیٹھ گیا، لکچر دو گھنٹے تک جاری رہا، طبیعت سخت بے زار ہوئی، کالج کے پرنسپل، جو سعودی عرب سے تعلق رکھتے ہیں، یعنی مسٹر بداوی سے بھی ملاقات کی اور اُن سے اپنے قاہرہ جانے کا ذکر کیا تو موصوف نے وعدہ کرلیا کہ وہ قاہرہ میں کسی کے نام تعارفی خط دیں گے، وہاں سے اُٹھ کر میں مفتی صاحب کے ساتھ ایک مسجد میں چلا گیا جہاں جناب غلام السیدین نے پہنچنے کا وعدہ کیا تھا، وہ رات گیارہ بجے مسجد میں پہنچے، ایک ہوٹل میں جا کر کھانا کھایا، اس موقع پر میں نے دونوں لائبریریوں کے بل نکال کر رکھے تو انہوں نے کہا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں یہ رقم بطور علمی معاونت کے اپنی طرف سے ادا کردوں گا، خدا اُن کا بھلا کرے، وہاں سے رات دو بجے مفتی صاحب کی گاڑی میں بیٹھ کر مولانا صمدانی صاحب کے گھر پہنچا، رات پوری طرح نیند نہ آسکی۔

۲۳ر جولائی، صبح کیمبرج یونیورسٹی جانے کا ارادہ تھا لیکن غلام السیدین صاحب نے مذکورہ رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا کہ تم منگل یا بدھ کو مجھ سے ملنا تو میں نے کیمبرج کا پروگرام ملتوی کر کے مانچسٹر کا پروگرام بنایا، آج S.O.A.S کے کتب خانے میں کام کر کے دو بجے مانچسٹر کے لئے روانہ ہوا، بوسٹن سے گاڑی تین بجے چلی اور ٹھیک پونے چھ بجے قبل شام مانچسٹر اللہ کے فضل سے بخیریت پہنچ گیا، جناب محمد الیاس قادری نوشاہی کے ہاں قیام کیا، انہوں نے مجھے اپنے دوسرے مکان میں ٹھہرایا جس میں دو دن تک ٹھہرا رہا۔

۲۴ر جولائی، صبح دس بجے جان رائیلنڈ لائبریری، ڈینز گیٹ گیا، اُن کے ساتھ ۲۸ر جولائی کا وعدہ

تھا لیکن لائبریری کے عملے نے کمال خوش اخلاقی سے آج ہی مطلوبہ مخطوطات دکھانے شروع کر دیئے، فارسی مخطوطات کی تعداد بہت کم ہے جن میں سے مطلوبہ مخطوطات میں نے منگوا کر جلد ہی دیکھ لئے، اُن میں گلزار ابرار کا نسخہ بہت قیمتی ۱۸ ہے، اس کی فوٹو کاپی کے لئے ۲۵ پونڈز کی رقم جمع کروادی، دوسرا رنجیت سنگھ کے رقعات کا ایک ذی قیمت نسخہ بھی موجود ہے، کبھی اس کی نقل بھی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی، یہاں خلافِ توقع کتب فروشوں کے ہاں علوم شرقیہ کی کتابیں نہ مل سکیں، صرف مغل ہندوستان سے متعلق دو کتابیں ملیں، جو میں نے خرید لیں۔

۲۵ر جولائی، آج صبح مانچسٹر یونیورسٹی لائبریری پہنچا، بہت مختصر قیام رہا، صرف حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ پر پروفیسر محمد اسلم کا ایم فل، فارسی کا مقالہ ۱۹ دیکھا اور کتابوں کی مختلف دکانوں پر گھومتا ہوا قادری صاحب کے گھر پہنچا تھکن سے چور چور تھا، آج میں نے مانچسٹر میں اپنا کام مکمل کر لیا، صبح لندن واپس جانا ہے۔

۲۶ر جولائی صبح جلد ہی اُٹھ بیٹھا تا کہ واپسی کی تیاری کر سکوں، جلدی کھانا کھا کر آٹھ بجے والی ٹرین سے لندن کے لئے روانہ ہو گیا، محمد الیاس قادری صاحب سے چار سو پونڈ قرض بھی لئے، سوا گیارہ بجے قبل دوپہر گاڑی خدا کے فضل وکرم سے بخیریت لندن پہنچ گئی، کتابوں کی دکانوں پر گھومتا رہا اور صرف ایک کتاب Sufism and Shariah by A.Ansari خریدی، یہ کتاب جماعتِ اسلامی کے ایک ادارہ اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر نے شائع کی ہے، یہ کتاب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے افکار سے متعلق ہے، کوئی اہم تحقیقی کتاب نہیں ہے، فہرست مآخذ میں بھی قابل ذکر منابع کا وجود نہیں ہے، مطالعہ کے بعد رائے قائم کی جائے گی شام جلد ہی گھر واپس پہنچ گیا، مولانا صمدانی صاحب سے مختصر سی گفتگو کے بعد نماز پڑھی اور سونے کی تیاری کرنے لگا۔

۲۷ر جولائی، آج اتوار ہے اور برطانیہ بھر میں تعطیل ہے، میں دن بھر بستر پر لیٹا آرام کرتا رہا کیوں کہ مسلسل کام کی وجہ سے اس قدر تھکان ہو گئی ہے کہ دن بھر دل کی دھڑکن کافی تیز رہی، رات گیارہ بجے کے قریب عشاء کی نماز پڑھی اور سو گیا۔

۲۸؍جولائی، آج صبح نو بجے تیار ہو کر برطانیہ کے مشہور علمی مرکز کیمبرج شہر جانے کے لئے بس سٹاپ پر گیا، بارہ بجے دوپہر بس روانہ ہوئی اور پونے دو بجے بعد دوپہر کیمبرج پہنچی، یہاں بالکل ناواقفیت تھی لیکن اس کے باوجود کوئی دقت پیش نہیں آئی، بس سے اتر کر ایک پبلک لائبریری میں گیا تا کہ وہاں سے معلوم کرسکوں کہ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کہاں واقع ہے؟ انہوں نے فوراً ایک نقشہ میرے لئے مہیا کیا اور اس پر نشان لگا کر مجھے سمجھا دیا، میں پوچھتا ہوا جلد ہی وہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا، لائبریری کا عملہ نہایت مستعد اور معاون ہے، جلد ہی میرا ریڈر ٹکٹ بنا دیا گیا اور میں تین گھنٹے تک وہاں کام کرتا رہا، ایک تذکرہ گنج فیاضی [۲۰] (درحالات شیخ قمر الحق ابی الفیاض غلام رشید ارشد محمد رشید مصطفیٰ عثمانی جونپوری) تالیف غلام شرف الدین (نمبر ۸۱۶) دیکھا بہت اہم کتاب ہے، اس کی مائیکرو فلم کے لئے درخواست دے دی، ایک اور کتاب ''ریاض الاولیاء'' [۲۱] کے نام سے براؤن کی فہرست مخطوطات میں درج ہے، شوق سے نکلوا کر دیکھی تو افسوس اور تعجب ہوا، کہ یہ کتاب ''ریاض الاولیاء'' نہیں ہے بلکہ یہ تو مشہور کتاب ''اخبار الاخیار'' تالیف حضرت شیخ محدث ہے، جو عام اور مطبوعہ صورت میں ملتی ہے، لائبریری کے عملے سے بات کی، انہوں نے بہت کوشش کی کہ اصل ''ریاض الاولیاء'' تلاش کریں لیکن وہ نہ مل سکی، نمبر ۱۲۶؍ بالکل صحیح تھا اور اس نمبر پر ''اخبار الاخیار'' تھی، آخر انہوں نے یہ بات مان لی کہ براؤن سے غلطی ہوئی ہے۔

(Supl. Hand List Muhammadan MSS. Cat. P.119)

علوم شرقیہ کی کتابوں کی دکانوں کا پتہ کیا، چند نام معلوم ہوئے جب دکان پر گیا تو وہ بند ہو گئی تھی، ناچار بس سٹاپ کی طرف لپکا کیوں کہ بارش شروع ہو چکی تھی، پونے سات بجے بس آئی، کل سات مسافر تھے اور بس بہت بڑی، میں پہلے تو پریشان ہوا کہ کب بس بھرے تو روانہ ہو لیکن اس کی روانگی کا وقت ہی پونے سات بجے تھا، اس نے ایک لمحہ انتظار کئے بغیر سفر شروع کر دیا، نہایت آرام دہ بس تھی، ٹھیک ساڑھے سات بجے لندن شہر میں داخل ہو گئی اور آٹھ بجے وکٹوریا سٹیشن پر پہنچ گیا، رات نو بجے کے قریب گھر پہنچا، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھ کر سو گیا۔

۲۹؍جولائی، صبح دس بجے سکول آف اورینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز، لندن یونیورسٹی (S.O.A.S)

کی لائبریری میں پہنچا، ایک گھنٹہ کام کرنے کے بعد جناب غلام السیدین کے پاس اُن کے دفتر میں گیا، انہوں نے کمال مہربانی سے انڈیا آفس لائبریری اور برٹش لائبریری، دونوں کے مائیکروفلمز کے بل ادا کر دیئے اوراس ادائیگی کے لئے ایک بھاری رقم کے دو چیک دیئے یعنی 1426.83 پونڈ کی خطیر رقم یقیناً کوئی سگا بھائی بھی نہیں دے سکتا، لیکن انہوں نے علمی کام کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے یہ رقم ادا کر دی، جناب سیدین ورلڈ اسلامک مشن کے سربراہ ہیں اور مدت سے لندن میں مقیم ہیں اور حضرت خوجہ معین الدین چشتی اجمیری کی اولاد میں سے ہیں، برطانیہ میں مقیم پاکستانی پیروں اور مولویوں کے اعمال سے سخت بے زار ہیں، انہیں سمجھاتے رہتے ہیں لیکن بے سود، سیدین صاحب کے مرحمت کردہ دونوں چیکوں کی فوٹو کاپی اور لائبریریوں سے ان چیکوں کی ملنے والی رسیدیں اس سفرنامے کے آخر میں شامل ہیں، آج لائبریری میں زیادہ کام نہ کیا جا سکا، گھنٹہ بھر برٹش میوزیم کے سامنے کتابوں کی دکانوں میں اپنے موضوع کی کتابیں تلاش کرتا رہا، ساڑھے پانچ بجے وہاں سے گھر جانے کے لئے چل پڑا، تھکن زیادہ محسوس ہو رہی تھی، گھر پہنچ کر مخدومی حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب کو خط لکھا کہ وہ جناب غلام السیدین کو مالی معاونت پر شکریہ کا خط لکھیں اور معمولات کے بعد سو گیا، صبح جلد ہی کیمبرج کے لئے روانہ ہونے کا پروگرام ہے۔

۳۰ر جولائی، صبح چھ بجے اٹھا، معمولات کے بعد باورچی خانہ میں جا کر خود ناشتہ تیار کیا اور سات بجے تک کیمبرج کے لئے روانہ ہو گیا، وکٹوریہ سٹیشن سے کوچ میں سوار ہو کر کیمبرج کے لئے چل پڑا، بس پونے گیارہ بجے کیمبرج پہنچی، تو سیدھا کتابوں کی دکانوں پر گیا، جہاں نادر قدیم کتابوں کی بہت کمی ہے، علوم شرقیہ کی نادر کتابیں یہاں بالکل نہیں ملتیں، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پر Baljon ؒ کی نئی کتاب یہاں دیکھی، اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں شاہ ولی اللہ کے بارے میں یورپین مآخذ کی نشاندہی کی گئی ہے، افسوس! کہ اظہر عباس رضوی کے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ پر اعتراضات کا جواب بھی ایک یہودی فریڈ سان یوحنا نے دیا تھا اور اسی طرح ایک دوسری عظیم شخصیت پر اعتراضات کا جواب بھی ایک غیر مسلم (بلیان) نے دیا، وہاں سے بارہ بجے کے قریب میں یونیورسٹی لائبریری میں پہنچ گیا، وہاں شام چھ بجے تک کام کرتا رہا، حضرت شیخ عبدالحق محدث پر ایم لٹ کا مقالہ (تالیف ریاض احمد) بھی دیکھا یہ

مقالہ پی ایچ ڈی کے لئے پیش کیا گیا تھا لیکن اس پر ایم لٹ کی ڈگری دی گئی، آربری اس کے نگران تھے، مقالہ کوئی خاص اہمیت یا نادر معلومات کا حامل نہیں ہے، ایک مقالہ محمد عبدالرحمٰن ابراہیم ڈوی کا شاہ محب اللہ الہ آبادی پر بھی نکلوایا، اول الذکر مقالہ کی طرح یہ بھی چنداں درجہ اول کا تحقیقی شاہکار نہیں ہے، لیکن اس پر یونیورسٹی نے پی ایچ ڈی کی ڈگری دی ہے، مثلاً شاہ محب اللہ کی صلح کل کی تحریک کے خلاف ہمارے حضرات سرہند کی اسلام دشمنوں کے خلاف صف آرائی کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے، داراشکوہ اور اس کے حواریوں کا شاہ محب اللہ کے افکار کی روشنی میں تفصیلی ذکر ہے، شاہ محب اللہ کی تالیفات جو انڈیا آفس، لندن میں ہیں، ان کا ذکر تفصیل سے ہے [۲۳] لیکن دنیا کے دیگر کتب خانوں مثلاً پاکستان، ہندوستان کے کتبخانوں میں جا کر استفادہ نہیں کیا گیا، شام پونے سات بجے والی بس کے ذریعے سوا آٹھ بجے خدا کے فضل و کرم سے بخیریت لندن پہنچ گیا، تھکن سے چور چور ہو چکا تھا، کھانا کھا کر نماز پڑھی اور سو گیا۔

۳۱ر جولائی، صبح آٹھ بجے گھر سے روانہ ہوا، فریڈمان یوحنا [۲۴] کو اپنی تالیفات کا ایک سیٹ اور خط روانہ کیا، سکول آف اورینٹل سٹڈیز، لندن کے کتب خانے میں دن بھر کام کیا، لیکن تھکن کی شدت اب بھی بری طرح محسوس ہو رہی تھی، چند مقالات کی فوٹوسٹیٹ کاپیاں بنوائیں، پونے سات بجے گھر پہنچا اور جلد ہی سونے کی تیاری کرنے لگا۔

یکم اگست، آج مسٹر قاضی محمود الحق صاحب کی وساطت سے برٹش لائبریری میں جناب غلام السیدین کا دیا ہوا چیک برائے مائیکروفلمز جمع کروادیا، اس کے بعد سکول آف اورینٹل سٹڈیز کی لائبریری میں کام کیا، پھلکیاں سٹیٹ کے گزیٹر میں سے سرہند شریف کے متعلق مواد کی فوٹوسٹیٹ کاپی بنوالی، ایک بہت اہم کتاب ۹ مجلدات میں ہے جس کا نام ہے: Panjab Notes andQuaries اس کی تمام جلدوں کا انڈیکس جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۹۰۸ء میں چھپا تھا خوش قسمتی سے یہ اشاریہ بھی مل گیا، ۱۴۴ر صفحات ہیں، یہ مکمل انڈیکس فوٹوسٹیٹ بنانے کا خیال ہے، آج برٹش لائبریری کے سامنے واقع کتابوں کی ایک دکان نائٹس برج پر ساڑھے چار بجے گیا اور ایک گھنٹہ وہاں کتابیں دیکھتا رہا، پھر جلد ہی گھر واپس لوٹ آیا۔

۲راگست، آج بھی حسب معمول سیدھا سکول آف اورینٹل سٹڈیز کی لائبریری میں صبح نو بجے ہی پہنچ گیا، آج ہفتہ ہے اور یہاں کے تمام دفاتر ساڑھے بارہ بجے بند ہو جاتے ہیں، اس لئے میں دوپہر کو کتابوں کی دکانوں پر پہنچ گیا، Probsthain بک سیلر کے ہاں گیا، وہاں جو کتابیں خریدنے کے لئے انتخاب کر کے رکھی تھیں ان کی قیمت مع رعایت سو پونڈ بنی، انہیں ایک طرف رکھوا دیا کہ جونہی رقم کا بندوبست ہوا خرید لی جائیں گی، بہت ہی اہم کتابیں ہیں ان میں بلیان کی کتاب شاہ ولی اللہ پر، تمل کی خواجہ میر درد، گب میموریل کا نیا ایڈیشن "حدود العالم"، بار برا میٹکاف کی "دیوبند" وغیرہ قابل توجہ ہیں، Hollister کی کتاب "شیعت ہندوستان میں" بھی مل گئی ہے، لیکن نہایت گراں قیمت پر، ۲۵ شام جلد گھر آ گیا، صبح مولانا صمدانی صاحب کے ہمراہ برمنگھم ان کے پیر صدیقی صاحب ۲۶ سے ملاقات کے لئے جانے کا پروگرام ہے۔

۳راگست، آج صبح دس بجے مولانا صمدانی صاحب کے ہمراہ کار میں ان کے پیر علاء الدین صدیقی صاحب کے جد بزرگ حضرت محی الدین غزنوی ۲۶ کے عرس میں شرکت کے لئے برمنگھم گیا، تین گھنٹے صرف جانے میں صَرف ہوئے، راستہ بھر شدید بارش ہوتی رہی، عرس کا پروگرام بہت طویل ہو گیا، صرف ایک عالم مولانا سید محمد مدنی (از اولاد حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ) کی تقریر عالمانہ تھی، باقی تقریریں یونہی چلتی چلاتی رسمی نوعیت کی تھیں، پروگرام کے اختتام پر میں نے مولانا مدنی سے بات کی کہ آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت سید اشرف جہانگیر ۲۷ نے وحدت الشہود کی بابت کیا بحث کی ہے؟ تو انہوں نے اس سوال کے جواب کے لئے ڈاکٹر وحید اشرف ۲۸ کا حوالہ دیا کہ اُن سے رجوع کرو، دیگر اسی نوعیت کے سوالات کئے گئے لیکن کسی سوال کا جواب نہ دے سکے، رات دس بجے برمنگھم سے روانہ ہوئے، رات ایک بجے گھر پہنچے اور جلد ہی سونے کے ارادے سے لیٹ گیا۔

۴راگست، سفر کی شدید تھکان کے باعث آج دیر سے اٹھا، نماز پڑھی، مختصر سے ناشتے کے بعد لائبریری لندن یونیورسٹی کی طرف چل پڑا، لیکن تھکن سے بدن اس قدر متاثر ہوا تھا کہ کچھ کام نہ ہو سکا، کتابیں تلاش کر کے رکھیں کہ انہیں آ کر کل مطالعہ کروں گا، برٹش لائبریری میں ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ مل

گئے، اُن کے ساتھ سکول آف اورینٹل سٹڈیز کی لائبریری میں گیا، علمی کام میں انہیں مہارت ہونے کے باوجود حوالوں کی تلاش کا ملکہ بہت معمولی ہے، محنت اور مشقت سے جی چراتے ہیں، میں جلد ہی گھر واپس آ گیا، نو بجے تک نیند کا شدید غلبہ ہو چکا تھا، نماز پڑھی اور سو گیا۔

۵راگست، آج صبح آٹھ بجے معمولات سے فراغت کے بعد سکول آف اورینٹل سٹڈیز کی لائبریری میں پہنچ گیا، ڈاکٹر بلوچ نے صبح ساڑھے نو بجے لائبریری آنے کا وعدہ کیا تھا لیکن وقت پر نہیں پہنچے، میں اُن کا انتظار کیے بغیر ہی کام میں لگ گیا، دو کتابوں یعنی:

1- Index of the Panjab Notes and Quaries

2- Contribuitions on Akbar and the Parsis

کی فوٹو سٹیٹ بنائی، اتنے میں ڈاکٹر بلوچ آ گئے تو انہیں سکول آف اورینٹل سٹڈیز کے بلیٹن کی الماریوں کے پاس چھوڑ کر خود کام میں لگ گیا، آج کام کافی کر لیا، ڈاکٹر محمود الحق قاضی صاحب سے بھی ملاقات ہوگئی اور ان کی وساطت سے برٹش لائبریری کی چند مطبوعات رعایتی قیمت پر خرید لیں، انڈیا آفس کی مطبوعات بعد میں دلوانے کا وعدہ کیا، رات گھر پہنچ کر یادداشتوں کو چیک کرتا رہا پھر سو گیا۔

۶راگست تا ۱۰راگست یہ معمول رہا کہ روزانہ سکول آف اورینٹل سٹڈیز کی لائبریری میں جا کر رسائل اور متعلقہ نایاب کتابوں میں سے اپنے موضوع کے متعلق مواد کی فوٹو کاپیاں بناتا رہا، کبھی وقت سے پہلے فراغت نہ ہو سکی، ۱۰راگست کو صبح ضیاء الدین لاہوری صاحب گھر پر ملاقات کے لئے آئے، دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔

۱۱راگست صبح سوا سات بجے ڈاکٹر زیدی صاحب کو فون کیا، وہ مراکو سے واپس پہنچ چکے تھے، مجھ سے یونیورسٹی میں تین بجے بعد دوپہر ملنے کے لئے کہا، صبح ہی سکول آف اورینٹل سٹڈیز کی لائبریری میں پہنچ گیا، گیارہ بجے تک کام کیا تھا کہ ڈاکٹر بلوچ آ گئے، پھر دن بھر کوئی کام نہ کر سکا اور اُن کے لئے فوٹو کاپیاں بناتا رہا، تین بجے ڈاکٹر زیدی صاحب سے ملا تو انہوں نے خوشخبری سنائی کہ انہوں نے لندن یونیورسٹی سے یہ بات منوالی ہے کہ وہ مائیکروفلم ریڈر مجھے دلوائیں گے بلکہ انہوں نے فوٹو کاپی ریڈر روم میں لے جا کر مجھے

مائیکروفلم ریڈر دکھایا، بہت عمدہ آلہ تھا، تقریباً چودہ پندرہ سو پونڈز کا ہوگا، افسوس کہ ہمارے مسلمان بھائیوں کو طالب علموں کی مدد کرنے کا کوئی خیال نہیں ہے، لندن کے بڑے پیر سلطان فیاض الحسن سے میں نے کہا تھا کہ مجھے مائیکروفلم ریڈر خریدنا ہے تو انہوں نے اس کے لئے رقم فراہم کرنے کا وعدہ کیا لیکن افسوس کہ توجہ دلانے کے باوجود انہوں نے اس کام کی اہمیت نہ سمجھی اور ساتواں حج کرنے کے لئے ۹ راگست کو حرمین الشریفین چلے گئے، شام سخت تھک کر گھر پہنچا اور کل اس آلے کو گھر لانے کا کوئی طریقہ اختیار کروں گا۔

۱۴ راگست ۱۹۸۶ء کل رات دس بجے جناب ڈاکٹر فرحان نظامی بن پروفیسر خلیق احمد نظامی (علی گڑھ) کا ٹیلی فون آیا کہ میرے والد (پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب) ہندوستان سے اوکسفورڈ پہنچ گئے ہیں، میں نے وعدہ کیا کہ صبح پہلی بس سے اوکسفورڈ کے لئے روانہ ہو جاؤں گا، چنانچہ آج صبح ساڑھے چھ بجے گھر سے نکلا اور آٹھ بجے والی بس کے ذریعے دس بجے آکسفورڈ پہنچ گیا، پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب سے ملا تو نہایت گرمجوشی سے ملے، بڑی شفقت ومحبت سے باتیں کرتے رہے، میری دلی تمنا تھی کہ دورِ وسطیٰ کی تاریخ ہند کے سب سے ماہر اس استاد سے ملوں، سو خدا کے فضل وکرم سے وہ دلی خواہش پوری ہوگئی، موصوف واقعی گہرے مطالعے اور فکرِ راسخ کے مالک ہیں، ان کی گفتگو کا ایک ایک حرف سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لائق تھا، بات چیت کے آغاز کے بعد پہلی بحث اس پر ہوئی کہ انہوں نے علی اکبر اردستانی پر انسائیکلوپیڈیا آف ایران میں ایک مقالہ لکھا تھا اور فہرست نگاروں کی تقلید میں کتاب ''مجمع الاولیاء'' کو علی اکبر اردستانی ۱۰۳۱ھ سے منسوب کر کے اس پر مقالہ سپردِ قلم کر دیا تھا میں نے بتایا کہ خود شیخ بدرالدین سرہندی نے ''حضرات القدس'' اور ''سنوات الاتقیاء'' میں واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ ''مجمع الاولیاء'' میری تالیف ہے اور پھر ''سنوات الاتقیاء'' میں تو وضاحت فرما دی ہے کہ علی اکبر نام کا ایک کروڑی سرہند مجھ سے ایک احسان کے بدلے یہ کتاب لے گیا اور اس میں تحریف کر کے اپنے نام سے شہرت دی، (رک حسنات الحرمین، مقدمہ) اس پر پروفیسر نظامی بہت متعجب ہوئے اور خوشی کا اظہار کیا کہ تم نے اس غلطی کو دنیا پر واضح کر دیا ہے، انہوں نے بہت سی کتابوں کے بارے میں بتایا کہ اب یہ ہندوستان میں چھپ رہی ہیں، پروفیسر صاحب اب، علی گڑھ سے ریٹائر ہو گئے ہیں، میں دو بجے اُن سے رخصت ہو کر واپس لندن

جانے کے لئے بس میں سوار ہوا، چار بجے بعد دوپہر لندن پہنچا، سیدھا ٹریول ایجنٹ (SAL) کے پاس گیا کہ میری کتابوں کو پیک کرو لیکن انہوں نے ڈبوں کی عدم موجودگی کا عذر کیا تو میں نے کہا کہ میں خود ہی ڈبے لے کر آجاؤں گا، رات تھکن کی وجہ سے جلد ہی سو گیا۔

۱۵/اگست بروز جمعہ صبح ہی گھر سے نکلا، دن بھر S.O.A.S کی لائبریری میں کام کیا، فوٹو کاپیاں بنائیں اور چار بجے کے قریب گھر کی طرف چل پڑا، راستے میں مختلف دکانوں سے ڈبے لئے اور گھر آکر کتابیں خود ہی پیک کیں، چھ بڑے ڈبے کتابوں سے بھر گئے جن کا وزن سو کلو سے بھی زیادہ ہے، اب مسئلہ مائیکروفلم ریڈر کے لے جانے کا ہے اس پر سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ مولانا صمدانی صاحب نے بتایا کہ ایک ایجنٹ نے کہا کہ وہ خود ہی اس کی پیکنگ کا انتظام کرے گا، رات گھر میں دیر تک کتابیں پیک کیں، دس بجے کے قریب عشاء کی نماز پڑھ کر سو گیا۔

۱۶/اگست، آج لندن میں ہم مسلمان عیدالاضحیٰ منا رہے ہیں، میں صبح پونے سات بجے مولانا صمدانی صاحب کے ہمراہ ان کی مسجد میں نماز عید کے لئے گیا، پونے آٹھ بجے تک فارغ ہو کر گھر پہنچا، ناشتہ کیا اور انڈیا آفس لائبریری کی طرف چل پڑا ٹھیک نو بجے وہاں پہنچ گیا، گیارہ بجے تک وہاں کام کیا، دو قلمی نسخے ایک غلام حسن شمین کا ''شرائف عثمانی'' ۳۲ اور ایک احمد اللہ کا ''مسجلات'' ۳۳ دیکھے، یہ دونوں کتابیں آزاد بلگرامی کی ''مآثر الکرام'' ۳۴ کی غلطیوں کی نشاندہی کے لئے لکھی گئی ہیں، بہت اہم کتابیں ہیں کاش انہیں کوئی ایڈٹ کر کے چھاپ دے، وہاں سے جلد ہی لندن یونیورسٹی کے لئے چل پڑا کیوں کہ یونیوسٹی نے وعدہ کیا تھا کہ وہ رقم جو میں نے یہاں لندن میں دوستوں سے قرض لی ہے وہ ادا کر دے گی ۳۵ میرا قرض ایک ہزار پونڈز تک پہنچ چکا ہے، جو پچیس ہزار روپے پاکستانی کے برابر ہوتا ہے، خدا کرے کہ یونیورسٹی یہ قرض ادا کر دے، آمین۔ شام مولانا کے ساتھ ایک عزیز کے ہاں دعوت پر گئے، رات عشاء کی نماز مسجد میں ادا کی اور نیند کا شدید غلبہ ہو رہا تھا کہ بستر پر دراز ہوتے ہی ہوش نہ رہا۔

۱۷/اگست، آج اتوار ہے گھر پر آرام کرنے کا پروگرام ہے کیوں کہ کل کی فلائٹ سے قاہرہ جانے کے تمام انتظامات مکمل ہو چکے ہیں، خداوند کریم خیر و عافیت سے پہنچا دے اور سفر میں کسی قسم کی دقت پیش نہ

آئے، آمین۔

۱۸/۱۹۔ اگست، بعد دوپہر تین بجے مولانا صمدانی صاحب کے ہمراہ ہوائی اڈہ، ہیتھرو (لندن) پہنچا ساڑھے چھ بجے جہاز کو روانہ ہونا ہے، روز بری سے چلتے وقت میں نے خرید شدہ تمام کتابیں (چھ پیکٹ) اور مائیکروفلم ریڈر سال ٹریول ایجنٹ کے حوالے کیا، خدا کے فضل و کرم سے بحفاظت لاہور پہنچ جائے گا، مولانا صمدانی رخصت ہوئے تو میں اندر جہاں سے جہاز چلتا ہے، جانے کے لئے چل پڑا، کاروائی کے بعد میں تمام مسافروں کے ساتھ انتظار گاہ میں بیٹھ گیا، ٹھیک وقت پر جہاز روانہ ہوا اور رب کریم کے فضل سے رات ساڑھے گیارہ بجے جہاز قاہرہ کے ہوائی اڈے پر پہنچ گیا، مصر میں داخلے کی کاروائی کے بعد سوا بارہ بجے ہوائی اڈے سے باہر نکلا تو ڈاکٹر محمد السعید جمال الدین ۳۶ اور ڈاکٹر سمیر عبدالحمید ۳۷ مجھے لینے کے لئے اپنی گاڑی پر آئے ہوئے تھے، میں ان حضرات کے ساتھ ایک مقامی ہوٹل میں پہنچ گیا، کرایہ لندن کے ہوٹل سے زیادہ تھا یعنی تیس پونڈ مصری روزانہ، صبح اٹھتے ہی ہوٹل سے رخصت ہونے کی تیاری کرنے لگا، ڈاکٹر سمیر کا ٹیلی فون دس بجے آیا کہ تم پاکستان ایجنسی میں جناب اختر شریف سے ملو میں اُن سے ملاقات کے لئے دس بجے کے قریب پہنچا، انہوں نے جامع ازہر کے ایک ایم اے کے طالب علم تاج الدین محمد علی صاحب کو بلایا، یہ مجھے ایک اور ہوٹل میں لے گئے جو دریائے نیل کے کنارے پر تھا، جگہ پر فضا تھی لیکن کرایہ بیس پونڈ، یہ بھی لندن کے ہوٹل کے کرایہ سے بڑھ کر تھا، آخر تاج الدین نے یہ فیصلہ کیا کہ ازہر کے قریب ایک الفندق الاسلامی موجود ہے، جہاں کرایہ بہت کم ہے، وہاں سے الفندق الاسلامی میں آئے تو معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ یہاں کرایہ صرف ساڑھے چھ پونڈ روزانہ ہے، فوراً کمرہ بک کروالیا، بہت عمدہ ہوٹل ہے، رات دریائے نیل کے کنارے والے ہوٹل فندق النیل میں گذاری، ساری رات خوب مچھروں نے کاٹا، نیند نہ آسکی، صبح آٹھ بجے ہوٹل چھوڑ دیا اور الفندق الاسلامی میں پہنچ گیا، وہیں تاج الدین صاحب بھی نو بجے آگئے، سامان ہوٹل میں رکھا اور دار الکتب المصر یہ میں مخطوطات دیکھنے کے لئے چلا گیا، بارہ بجے تک کام کیا، حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی ۳۸ کے رسائل کا ایک مجموعہ (۱۱۔م مجامع فارسی) موجود ہے جو خود حضرت سمنانی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں، ان میں ایک رسالہ در فوائد حضرت سمنانی پر ہے، اس

نسخے کی کتابت مولانا عبدالغفور سمنانی نے کی ہے، بہت بڑے عالم اور کئی کتابوں کے مصنف تھے، اس کی فوٹو کاپی کے لئے درخواست دی تو بارہ بجے تک اس درخواست کا تعاقب کیا، بہت کٹھن مرحلے بتائے گئے، ابھی نصف مرحلے طے کئے تھے کہ اس فوٹو کی اجرت سن کر پاؤں تلے سے زمین نکل گئی یعنی پانچ سو پونڈ مصری، ناچار اسے درمیان ہی چھوڑ دیا، جب کہ ان کے مقابلے میں میں نے تقریباً پچاس مخطوطات کی مائیکروفلمز کی درخواست برطانیہ کے مختلف کتب خانوں میں دی تو کسی جگہ اتنی تکلیف یا دقت پیش نہیں آئی، یہاں مصری مسلمانوں نے کتب خانے میں اتنا پریشان کیا کہ کچھ نہ پوچھئے، وہ اصل مخطوطہ قاری کو مطالعہ کے لئے نہیں دیتے بلکہ انہوں نے تمام خطی نسخوں کی مائیکروفلمز بنا کر رکھی ہوئی ہیں کہ انہیں ریڈر پر بیٹھ کر پڑھ لیں، نہایت بددلی سے تاج الدین صاحب اور میں واپس ہوٹل آ گئے اور دوپہر میں کتب فروشوں کے ہاں گیا، کتابیں خریدنا یہاں بے کار ہے کیوں کہ یہاں سے بھجوانے کے لئے جو پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں وہ علم دشمنی سے کم نہیں ہیں، کابل کی طرح پہلے اپنی ایمبسی سے اجازت کی درخواست ثقافت مصریہ سے اجازت نامہ لینا پڑتا ہے جو اجنبی اور مسافر کے لئے نہایت دشوار گذار ہے، آخر فیصلہ کیا کہ صرف اتنی ہی کتابیں لیں گے جتنی کے بآسانی ہمراہ لے جاسکوں، رات تھکان کی وجہ سے جلد ہی نیند کا غلبہ ہو گیا۔

۲۰/ اگست، آج بھی دار الکتب المصریہ میں گیا، وہی مجموعہ رسائل شیخ سمنانی کی فلم کا مطالعہ کیا، وہاں سے واپس آ کر کتابوں کی دکانوں پر گھومتا رہا، فواد سزگین کی کتاب ''تاریخ التراث العربی'' کا عربی ترجمہ اب نہیں ملتا، بسیار کوشش کے بعد اس کی صرف دوسری جلد ملی تو خرید لی، ''فتوحات المکیہ'' لابن عربی طبع عثمان یحییٰ ۳۹ ھ کی اب تک ۹ جلدیں چھپ چکی ہیں، ۳۰ ابھی تک مکمل نہیں ہوئی، اس کی نو جلدیں خرید کر ہمراہ لے جانے کا فیصلہ کیا، عیسیٰ بابی حلبی کی دکان پر گیا تو بشار عواد کی کتاب ''ذہبی والمنہج تاریخ الاسلام'' کا ایک نسخہ مل گیا، وہاں اِدھر اُدھر گھومتا رہا، یہاں مصر میں نہایت غربت ہے، جامع ازہر کے سامنے شیعوں کا امام بارہ بن چکا ہے جسے موقف الحسین کہتے ہیں، بہت شاندار عمارت ہے، مصری حکومت پر افسوس ہوا کہ اس نے امام بارہ بنانے کی اجازت کیوں کر دی؟ دنیائے اسلام (اہل سنت) کے سب سے قدیم مرکز (یونیورسٹی) کے روبرو، حیف صد حیف۔ اس کے اردگرد دکانیں اور مارکیٹ میں گندگی بہت ہے،

اکثر عورتیں چھابڑی لگاتی ہیں، بہت سے مرد اور عورتیں غربت کے ہاتھوں تنگ آ کر گداگری کرتی ہیں، جب کہ برطانیہ میں گداگر کا نشان تک نہیں ہے، وہ حکومت بے روزگاری الاؤنس دیتی ہے، یہ الاؤنس پاکستان کے کالج کے پرنسپل کی تنخواہ کے برابر ہوتا ہے۔

۲۱ راگست، صبح دس بجے تک معمولات میں تاخیر ہوگئی، اس کے بعد دار الکتب المصریہ کی طرف چل دیا، وہاں ایک بجے تک رسائل شیخ سمنانی کا مطالعہ کیا اور پھر مخطوطات جو کسی اعتبار سے بھی نادر تھے، شوکیسوں میں نمائش کے لئے رکھے ہوئے تھے، دیکھے، بہت ہی نادر الوجود خطی نسخے تھے لیکن افسوس کہ ان کی حالت اور رکھنے کا طریقہ دیکھ کر دلی رنج ہوا کہ انہیں اپنے اتنے قیمتی سرمائے کی حفاظت کا کوئی خیال نہیں ہے، اس کا ہال برائے نام مختصر سا، بجلی کا نظام اتنا ناقص کہ شاید ابھی آگ لگ جائے، وہاں سے لائبریری کے ساتھ ہی باغ میں قاہرہ کے تمام کتب فروشوں کے مطبوعات کے سٹال ہیں، جہاں سے خوش قسمتی سے ''نور السافر'' [۱۴۱] کا نسخہ قیمتاً مل گیا، وہاں سے سیدھا بذریعہ ٹیکسی ڈاکٹر محمد السعید جمال الدین کے گھر گیا کہ خدا کے لئے میری واپسی کی سیٹ کی تصدیق کروائیں، تو وہ میرے ساتھ چلنے کے لئے رضامند ہو گئے، کھانا کھانے کے بعد ہم چل پڑے، شارع عدلی پاشا پر ایک بکنگ آفس پر گئے تو انہوں نے یقین دلایا کہ اتوار کے روز ہم سیٹ دے دیں گے، وہاں سے نکلا تو عقبہ پر کتابوں کی بہت سی دکانیں دیکھ کر حیرت ہوئی، وہاں پر تین بڑی اہم کتابیں خریدیں یعنی ''معجم مااستعجم'' لبکری، ''بلدان الخلافۃ الشرقیۃ''، ''طبقات الاولیاء'' طبع نور الدین شریبہ، آٹھ بجے ہوٹل پہنچا، رات دس بجے تاج الدین صاحب آئے، مولویوں کی باتیں ہوتی رہیں، یہ صاحب سخت غیر مقلد مولوی ہیں لیکن ماڈرن ملا ہیں، احسان الٰہی ظہیر بننا چاہتے ہیں، گیارہ بجے تک باتیں کرتے رہے، پھر رخصت ہو گئے، معدہ کی خرابی کی وجہ سے رات اچھی طرح نیند نہ آئی۔

۲۲ راگست بروز جمعہ، آج صبح دیر سے بیدار ہوا، ناشتہ کے بعد پھر طبیعت کسلمند ہوئی تو لیٹ گیا، جمعہ کی نماز جامع ازہر الشریف میں ادا کی، نمازیوں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی جتنی کہ میں خیال کر رہا تھا، جبکہ جامع کے سامنے موقف الحسین (امام باڑہ) میں شیعوں کی تعداد دیکھ کر حیرت ہوئی کہ مصر میں کس قدر شیعہ ہیں اور وہ جمعہ کی نماز میں کس اہتمام سے آتے ہیں، جامع کی عمارت خستہ حال دیواروں پر بے پناہ

گردوغبار، گویا مساجد و مدارس کا تصوراتی حسن جاتا رہا تھا، خطیب نے صرف بیس منٹ تقریر کی، حضرت امام ابوحنیفہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی بغیر کسی ادب کے لیا گیا، جمعہ کی نماز کے بعد ہوٹل میں کھانا کھایا اور عقبہ چلا گیا، یہاں پرانی کتابوں کی بہت سی دکانیں ہیں ان تمام دکانوں میں صرف ایک نئی کتاب ''معجم الشیوخ'' مل سکی جو موسسۃ الرسالہ، بیروت نے شائع کی ہے، بہت اہم کتاب ہے لیکن ابھی اسے نہ خریدا، بازار سے آتے ہوئے ایک بیگ لیا کہ اس میں سارے کپڑے ڈال لوں گا اور کتابیں دوسرے بیگ میں، رات جلد سونے کی کوشش کی۔

۲۳ راگست، صبح نو بجے دارالکتب المصریہ گیا، وہاں چند کتابوں کے لئے درخواست دی تو معلوم ہوا کہ ابھی تک ان کی چونکہ فلم نہیں بنی اس لئے جب تک فلم نہیں بنتی ان کا مطالعہ نہیں کیا جا سکتا، یعنی صرف فلم ہی کو پروجیکٹر پر لگا کر دیکھ سکتے ہیں، اصل مخطوطہ دیکھنا ممنوع ہے، بڑی مایوسی ہوئی، مزید وقت ضائع کئے بغیر میں بذریعہ ٹیکسی مجلس الاعلیٰ لشئون الاسلامیہ، قاہرہ کے لئے روانہ ہوا تو وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ہفتہ کے روز وہاں تعطیل ہوتی ہے، وہاں سے الہیۃ العامہ للکتاب والوں کے ہاں گیا اور ''الفتوحات المکیہ''، الشیخ ابن عربی کی نو جلدیں، ''صبح الاعشیٰ'' کا اشاریہ اور ''صبح الاعشیٰ'' کی اصطلاحات پر کتابیں خریدیں اور بذریعہ ٹیکسی ہوٹل گیا، یہاں سے جامع ازہر کے قریب مکتبہ الصبح ہے، وہاں گیا تو دیکھ کر حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہاں بے شمار نادر اور قدیم عربی مطبوعات موجود ہیں، یہاں سے چند اہم کتابیں خریدیں اور ہوٹل کی طرف چل دیا، شدت تھکان کے باعث نیند جلد ہی آ گئی۔

۲۴ راگست بروز اتوار میں دس بجے مصر الطیران پہنچا، جہاں آدھ گھنٹے کے بعد پروفیسر محمد السعید جمال الدین بھی آ گئے، انہوں نے بہت کوشش کی کہ کل کی فلائٹ سے سیٹ مل جائے لیکن بے سود، انہوں نے دوبارہ تین بجے آنے کو کہا، میں دوبارہ وہاں گیا لیکن صاف انکار کر دیا، فیصلہ یہ کیا کہ رات گیارہ بجے اللہ کا نام لے کر ایئرپورٹ پہنچ جاؤں، خداوند کریم کوئی سبیل بنائے گا، وہاں سے میں مکتبہ خانجی شارع محمد عبدالعزیز پر گیا، یہاں نادر اور پرانی کتابیں موجود ہیں لیکن بہت گراں صورۃ الارض لابن حوقل، صورۃ الارض لخوارزمی، السامی فی الاسامی وغیرہ خریدیں اور معجم الشیوخ لیتا ہوا ہوٹل کی طرف چل پڑا، سامان باندھ

کرر کھ دیا اور کچھ دیر آرام کیا، نو بجے رات سامان نیچے لے کر آ گیا، پروفیسر محمد السعید جمال الدین صاحب رات ساڑھے نو بجے کی بجائے دس بجے پہنچے تو میں اُن کے ہمراہ ایئر پورٹ کی طرف اُن کی گاڑی میں روانہ ہوا، پہلے تو وہاں پہنچ کر بڑی مایوسی ہوئی، پھر ایک انگریزی بولنے والا مل گیا، اُسے مجھ پر رحم آیا اور اس نے مجھے کراچی کی سیٹ دے دی، خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے باقی تمام مراحل سے گذرنے کے لئے تیار ہو گیا، طیارہ رات ایک بجے قاہرہ سے روانہ ہوا اور صبح ساڑھے دس بجے کراچی پہنچا، خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ سیٹ مل گئی اور بحفاظت کراچی پہنچ گیا۔

۲۵ ر اگست، ہوائی جہاز سے اتر کر ایئر پورٹ پر پہنچتے ہی ڈاکٹر پروفیسر ظفر اقبال صاحب کو فون کیا وہ اپنی گاڑی لے کر آئے اور مجھے اپنے گھر لے گئے، یہاں مجھ پر تھکان کی شدت سے نیم بیہوشی رہی پھر بھی باتیں کرتا رہا، لیکن جلد ہی سونے کا ارادہ کر لیا اور نماز پڑھ کر لیٹ گیا۔

۲۶/ ۲۷ ر اگست، صبح دس بجے کے قریب نکلا حقانی میاں بن ابو معاویہ نعمت اللہ کی دکان پر گیا کہ کل تمہارے گھر آ کر تمہارے والد کا ذخیرۂ کتب دیکھنا ہے، وہ اس پر رضا مند ہو گیا، تو میں وہاں سے اور کتب فروش کے ہاں سے ہوتا ہوا کتب فروش عباسی کے ہاں، جونا مارکیٹ گیا، وہاں سے ''سیر اعلام النبلاء'' نہ مل سکی، دو پہر تک گھر پہنچا، صفدر کے ہاں سے ''تاریخ ابن الفرات'' کی ایک جلد ملی جو میں نے خرید لی، ہسٹری آف کرناٹک بھی ملی، جو بہت نایاب ہے، رات جلد ہی سو گیا۔

۲۸ ر اگست، صبح ناشتہ کئے بغیر ہی ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب اور میں حقانی میاں کے ہاں چلے گئے ناشتہ اُن کے گھر میں کیا اور کتابیں دیکھنا شروع کیں، اس قدر مٹی، بو اور گھٹن تھی کہ پناہ خدا کی، اُن ساری تکلیفوں کے باوجود ہم کتابیں دیکھتے رہے، ظفر صاحب نے اُردو ادب سے متعلق کتابیں منتخب کیں اور میں اپنے موضوع کی کتابوں کی تلاش میں لگا رہا، بہت خوشی ہوئی کہ E.D. Ross کی خود نوشت سوانح [۴۳] مل گئی، اس کتاب کی مدت سے تلاش تھی، اس کے علاوہ ''اعجاز البیان'' لصدر الدین قونوی ''روضات الجنات فی اوصاف مدینۃ الہراۃ'' [۴۴] بھی ملی چند اور نادر کتابیں بھی خریدیں لیکن نہایت گراں نرخ پر، کیا کرتے گیارہ گھنٹوں کی شدید محنت کا نتیجہ تھا، اگر چھوڑ دیتے تو دن بھر کی محنت ضائع ہو

جاتی، آج تھکان کا اس قدر غلبہ تھا کہ رات جلد ہی سو گیا۔

۲۹ر اگست، بروز جمعہ صبح دس بجے جناب مشفق خواجہ سے ملاقات کے لئے اُن کے گھر ظفر اقبال صاحب کے ہمراہ گیا، ایک بجے تک وہاں رہا، لیکن اُن کے پاس شاعر قسم کے لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ کوئی بات بھی نہ ہو سکی، وہاں سے اُٹھ کر ایک شیعہ کتب فروش عابدی بن حکیم مظفر حسین ؒ (مرتب مرقع دہلی) کے ہاں گئے، ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اور پھر دو بجے گھر پہنچے، قریبی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی اور کچھ دیر کے لئے لیٹ گیا، پانچ بجے بعد دوپہر ڈاکٹر پروفیسر معین الدین عقیل صاحب کے ہاں گئے، انہوں نے اپنے گھر میں دعوت کی تھی، رات نو بجے تک پروفیسر محمد یونس حسنی، ظفر اقبال صاحب اور ڈاکٹر عقیل صاحب باتیں کرتے رہے اور میں سنتا رہا، وہاں سے ظفر صاحب کے سسرال میں منگنی کی رسم تھی راستے میں وہاں گئے، رات گیارہ بجے گھر پہنچے، جلد ہی سونے کی تیاری کی۔

۳۰ر اگست، آج رات کو بذریعہ ہوائی جہاز لاہور روانگی ہے، خداوند کریم بخیر وعافیت پہنچا دے، آمین۔

حواشی

۱۔ علامہ احمد سعید کاظمی (۱۹۱۳ء۔۴رجون ۱۹۸۶ء) پاکستان کے اکابر علماء میں سے تھے، اُن کے عقیدت مند اپنے نام کے ساتھ اسی مناسبت سے سعیدی لکھتے ہیں۔

۲۔ قاضی محمود الحق صاحب، شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے وابستہ تھے، کسی کام سے لندن گئے، وہیں ملازمت کر لی اور پھر پاکستان نہ آئے، برٹش لائبریری، لندن میں ہی ساری مدت ملازمت گذاردی۔

۳۔ سلیم الدین قریشی، اصلاً اسلام آباد، پاکستان کے رہنے والے ہیں، انڈیا آفس لائبریری، لندن میں اچھی ملازمت پر فائز رہے، کئی اہم کتابیں لکھیں، جن میں: (رسالہ) اسباب بغاوت ہند مولفہ سرسید احمد خان، سنگ میل، لاہور، غداروں کے خطوط کے علاوہ اس میں برٹش لائبریری میں موجود مخطوطات کی فہرست ہے)

Urdu Books, Islamabad, 2000

Bahadur Shah (The Last Mughal Emperor)

۴۔ عاشق حسین بٹالوی (۱۹۰۲ء۔۱۷رجولائی ۱۹۸۹ء)، تحریک پاکستان کے رکن تھے، قائداعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال سے ملتے رہتے تھے، ان کی تالیفات میں سے اقبال کے آخری دو سال، ہماری قومی جدوجہد، چند یادیں چند تاثرات، سقوط سلطنت برطانیہ (انگریزی) اور بعض افسانے بھی لکھے تھے، لندن میں رہتے تھے، وہیں انتقال ہوا لیکن ان کا جنازہ پاکستان لاکر دفن کیا گیا، لاہور آتے جاتے رہتے تھے، لاہور میں اُن کی نشست گورنمنٹ شاہ حسین کالج میں ہوتی تھی، جہاں وہ قائداعظم کے خلاف نازیبا الفاظ میں ان کی شخصیت اور پالیسیوں کو تنقید کا نشانہ بناتے رہتے تھے، میں وہاں

تاریخ کا لکچرر تھا بیسیوں مرتبہ اُن کی زبان سے قائداعظم کے خلاف ان کی باتیں سننے کا اتفاق ہوا تھا۔

۵۔ ذخیرۂ دہلی، انڈیا آفس لائبریری اینڈ ریکارڈز کے نام سے لندن میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک دفتر و لائبریری قائم کی تھی، جس میں انڈیا سے متعلق تمام دستاویزات کی ایک نقل رکھی جاتی تھی، پھر ۱۸۵۷ء کو انگریزوں نے جب یہاں کے مدرسوں اور شاہی کتب خانہ کو ضبط کیا تو وہ بھی اُٹھا کر لندن لے گئے اور یہیں منتقل کر دیئے، ان میں دہلی کے ضبط شدہ دیگر کتب خانوں کے مخطوطات ذخیرۂ دہلی کے نام سے اب بھی جداگانہ حیثیت سے موجود ہیں، جن کی فہرست پہلے تو انگریزی میں ایک رجسٹر کی شکل میں بنائی گئی تھی پھر سید علی بلگرامی (مترجم تمدن عرب وتمدن ہند) کو اس کام پر لگایا کہ وہ اس کی فہرست بنائیں، (چند ہم عصر از عبدالحق ص ۴۳۔۴۷) میں نے وہ رجسٹر اور بلگرامی کی مرتبہ فہرستیں بغور دیکھیں اور چند قلمی نسخے نکلوا کر مطالعہ کیا، ان میں سے بعض کی مائیکروفلمز بھی حاصل کر لیں جواب میرے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) میں ہیں، چونکہ اس وقت بھی عکسی نقل کے اخراجات خاصے زیادہ تھے اور اب تو ہماری دسترس سے بالکل باہر ہیں، انڈیا آفس لائبریری اور اس میں محفوظ ذخائر کی تفصیل پر پوری پوری کتابیں انگریزی میں طبع ہو چکی ہیں۔

۱۔ ڈاکٹر زوار حسین زیدی:

مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے شعبۂ تاریخ سے فارغ التحصیل تھے، قیامِ پاکستان کے بعد وہاں سے پاکستان آگئے، کچھ عرصہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے شعبۂ تاریخ میں استاد رہے، پھر کسی طرح سکول آف اورینٹل سٹڈیز، لندن یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ میں تدریس سے وابستہ ہو گئے، واپس پاکستان منتقل ہو کر نیشنل آرکاویز آف پاکستان میں آگئے اور یہاں محفوظ قائداعظم کے کاغذات مرتب کرنے کے کام کا آغاز کیا، کئی حضرات کو اپنے ساتھ معاون کے طور پر بھی رکھا، پہلے اس کی انگریزی میں کچھ جلدیں طبع ہوئیں، پھر ان کا اُردو ترجمہ بھی ہونے لگا اور کچھ حصے شائع ہوئے، کام ابھی زیرِ ترتیب تھا کہ ڈاکٹر زیدی کا انتقال ہو گیا، میں نے برٹش لائبریری سے ایک سو سے زیادہ مخطوطات کے

مائیکرو فلمز بنوائے تھے، موصوف نے مجھ سے پوچھا کہ تم انہیں کس طرح پڑھو گے؟ تو میں نے کہا کہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ایک مائیکرو فلم ریڈر ہے اس کی مدد سے ان کا مطالعہ کروں گا تو پھر کچھ انتظام ایسا کیا کہ ایک بہت پرانا مائیکرو فلم ریڈر لائبریری کے گودام سے لے کر مجھے دے دیا، جسے میں لے کر پاکستان آ گیا اور مدتوں اس کی مدد سے کام کرتا رہا، اب یہ بھی مائیکرو فلمز کے ساتھ میرے ذخیرہ میں منتقل ہو چکا ہے، ڈاکٹر زیدی پاکستان کے مختلف شہروں سے بہت ارزاں قلمی کتابیں خرید کر انگلینڈ کے کتب خانوں کو فروخت کرنے کا کاروبار بھی کرتے تھے اور مجھے اس میں ملوث کرنے کی پوری کوشش کرتے رہے لیکن میں نے اس معاملہ میں اُن کی کوئی معاونت نہ کی تو مجھ سے تعلقات ہی ختم کر لئے۔

۷۔ اوونز (Meredith Owens) برٹش لائبریری، لندن میں مخطوطات فارسی کے فہرست ساز تھے، انہوں نے ریو (Rieu) کی فہرستِ مخطوطات فارسی برٹش میوزیم کے کام کو آگے بڑھایا اور ایک فہرست Hand List of Persian Maunuscripts کے نام سے بنائی تھی جو میوزیم نے ۱۹۶۸ء کو شائع کی تھی، یہ حضرات تو علوم شرقیہ کی زبانیں عربی اور فارسی ابتدائی درجہ تک ہی جانتے تھے، اس لئے ان سے ان مخطوطات کی تفصیلات بیان کرنے میں بہت سی غلطیاں سرزد ہوتی رہی تھیں۔

۸۔ مبداء و معاد، دراصل حضرت مجدد الف ثانی کا ایک رسالہ ہے، چونکہ کنز الہدایات کے مولف نے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی، مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی کی موضوعی ترتیب دیتے وقت حضرت کے رسالہ مبداء و معاد کو بھی اس کا حصہ بنا لیا تھا، اس لئے اس کے فہرست ساز نے ''کنز الہدایات'' کے آغاز میں مولف کا نام محمد باقر لاہوری تو پڑھ لیا لیکن اس کے مطالب کا ادراک نہ کر سکے جس کے باعث انہوں نے رسالہ ''مبداء و معاد'' کو شیخ محمد باقر کی تالیف قرار دے دیا۔
(فہرست ص ۷ ،مقاماتِ معصومی، ۳۴۲/۴)

۹۔ پیٹر ہارڈی (Peter Hardy) (ولادت ۱۹۲۰ء) لندن یونیورسٹی میں پاکستان و ہند کے دور

وسطیٰ کی تاریخ کے پروفیسر تھے، ان کی مرتب کی ہوئی مندرجہ ذیل کتب میرے ذخیرہ میں ہیں:

1- Historians of Medieval India, London, 1960

2- Muslims of British India, Karachi, Cambridge Univeristy Press, 1972.

ان کے علاوہ بھی اُن کی کئی اور کتابیں میری نظر سے گذری ہیں، موصوف ایک عرصہ تک پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے شعبۂ تاریخ میں پڑھاتے رہے تھے۔

۱۰۔ سائمن ڈگبی (Simon Digby) وفات ۲۰۱۰ء رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن) سے تعلق تھا، ان کی کتابوں میں سے:

1- War-Horse and Elephant in the Delhi Sultanate (1971)

2- (ed.) Royal Asiatic Society, its History and Treasures (1979)

3- (ed.) Paintings from Mughal India (1979)

(۴) ملفوظاتِ نقشبندیہ (ملفوظات باباشاہ مسافر اورنگ آبادی) کا انگریزی ترجمہ۔

۱۱۔ ڈاکٹر ریاض الاسلام سابق استاد شعبۂ تاریخ کراچی یونیورسٹی، کراچی، یہاں اوکسفورڈ یونیورسٹی میں قائداعظم چیر پر آئے ہوئے ہیں اور تین سال سے یہاں مقیم ہیں۔ (رک حواشی سفرنامہ، کراچی)

۱۲۔ ڈاکٹر فرحان نظامی، شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے مشہور مؤرخ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے فرزند ہیں، علمی طور پر کسی قسم کی لیاقت نہیں رکھتے، ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی پر ہے، جو آج تک تقریباً نصف صدی ہوئی، شائع نہیں ہو سکا۔ (رک بہ سفر ہندوستان......

۱۳۔ سیمنوف، اے، اے (Semenov, A.A)

ایک روسی سکالر تھے، جو روس کی مختلف لائبریریوں کی فہارسِ مخطوطات مرتب کرنے پر مامور تھے،

سٹوری نے ان کی بنائی ہوئی کئی فہارس کا ذکر کیا ہے، نیز ملاحظہ ہو:

Concise Biographical Companion to the Index Islamicus (1665-1980) By W.Behn, Brill, 2004, 3.Vols.

۱۴۔ (مجلّہ) فرہنگ ایران زمین، ایک بہت بیش بہا علمی رسالہ تھا، جس کے مدیر ایران کے مشہور محقق ایرج افشار تھے، اس رسالہ کی مسلسل ابتدائی بیس جلدیں ۱۳۳۲ تا ۱۳۵۳ ش مل گئیں، اس رسالہ کی ایک اور جلد ۲۲ بھی میرے ذخیرہ میں ہے۔ (شمارہ 10079)

۱۵۔ صاحبزادہ سلطان فیاض الحسن، حضرت سلطان باہو کی اولاد میں سے ہیں اور ہر سال حضرت کا یوم انگلستان کے کسے بڑے شہر میں مناتے ہیں، اس مرتبہ اُن کی یہ بین الاقوامی کانفرنس برمنگھم میں منعقد ہوئی، مجھے بھی تقریر کرنے کے لئے کہا گیا تو میں نے مختصری تقریر کی جس کا موضوع یہ تھا کہ اس ادارہ عالمی دعوتِ اسلامی میں ایک شعبۂ تحقیق وتصنیف وتالیف بھی ہونا چاہیے، جو آج تک وجود میں نہیں آسکا۔

۱۶۔ جناب غلام السیدین، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں اور لندن میں ورلڈ اسلامک مشن کے صدر ہیں، کاروبار خوب چلتا ہے، ان کا ایک کالج، مسلم کالج بھی ہے، انہوں نے مائیکروفلمز کے لئے جو امدادی چیک دیا تھا، اس کی عکسی نقل یہاں منسلک کر دی گئی ہے۔

۱۷۔ جناب احمد رضا بن پروفیسر منظور الحق صدیقی، پروفیسر صدیقی کے میرے ساتھ اس وقت کے مراسم تھے جب میں سال اول کا طالب علم تھا، موصوف اس وقت میرا کتب خانہ دیکھنے کے لئے میرے گھر تشریف لائے تھے، ان کے صاحبزادے احمد رضا ان دنوں پاکستان ایمبسی، لندن میں کسی بڑے عہدہ پر تھے۔

۱۸۔ گلزارِ ابرار (تذکرۂ صوفیہ، خصوصاً سلسلۂ شطاریہ) تالیف محمد غوثی مانڈوی (ف ۱۰۲۷ھ/ ۱۶۱۸ء) اس تذکرہ کے دریافت شدہ خطی نسخوں میں یہ قدیم ترین نسخہ ہے، جس کی کتابت ۱۰۷۸ھ کو ہوئی تھی،

میرے پاس اس کا صرف اُردو ترجمہ از فضل احمد جیوری مطبوعہ مطبع مفید عام، آگرہ ۱۳۲۶ھ ہی تھا، پروگرام یہی تھا کہ اس کے دیگر خطی نسخے جمع کر کے اس کا فارسی متن میں مرتب کروں گا، لیکن فرائض منصبی کی مصروفیات نے اس کی مہلت ہی نہ دی، اتنے میں پروفیسر محمد ذکی نے اس کا فارسی متن بغیر حواشی و مفصل مقدمہ کے خدا بخش لائبریری، پٹنہ سے ۱۹۹۴ء کو شائع کر دیا، اس کے آغاز میں انہوں نے اس کے قلمی نسخوں کی نشاندہی بھی کی ہے لیکن تعجب ہے کہ انہوں نے اس کا ذکر ہی نہیں کیا کہ ان کے مرتبہ متن کی بنیاد کس خطی نسخہ پر ہے؟ بہر حال انہوں نے شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی میں مانچسٹر کی اس جون رایلینڈ لائبریری کی فوٹو کاپی کی موجودگی کا ذکر کیا ہے، جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے پیش نظر بس اسی نسخہ کی عکسی نقل ہوگی۔

گلزارِ ابرار کے اس قلمی نسخہ کی روٹوگراف کاپی اب ہمارے ذخیرہ میں (شمارہ R.305) کے تحت محفوظ ہے۔

۱۹۔ پروفیسر محمد اسلم کا مقالہ حضرت مجدد الف ثانی کی تحریک احیاءِ دین پر ہے جسکا عنوان ہے:

The First Islamic Movement in India

یہ مقالہ انہوں نے مانچسٹر یونیورسٹی، انگلینڈ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے لکھا تھا لیکن مقالہ کمزور ہونے کے باعث یونیورسٹی نے انہیں پی ایچ ڈی کی بجائے صرف ایم لٹ کی ڈگری ہی دی، اسی طرح انہوں نے فضل اللہ روز بہان خنجی کی کتاب سلوک الملوک کا انگریزی ترجمہ بھی انگلینڈ ہی میں کر کے پی ایچ ڈی کے لئے پیش کیا تھا لیکن اس کی انگریزی کمزور ہونے کے باعث انہیں فقط ایم لٹ ہی مل سکا، ہمیں تعجب ہے کہ کئی پاکستانی جو علمی اعتبار سے بہت ہی معمولی معلومات کے مالک تھے، وہ انگلینڈ سے پی ایچ ڈی کر کے آگئے، پروفیسر محمد اسلم، جن کے تحقیقی مقالات کی خوب شہرت تھی وہ یہ درجہ حاصل نہ کر سکے، ان کا حضرت مجدد الف ثانی پر مقالہ تا حال شائع نہیں ہو سکا، البتہ "سلوک الملوک" قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد سے شائع کروا دیا تھا۔

۲۰۔ گنج فیاضی (ملفوظات شیخ ابوالفیض غلام رشید (ف ۱۱۴۷ھ/ ۱۷۳۴ء) مولفہ غلام شرف الدین بن

نظام الدین بن کریم الدین، ملفوظاتِ صوفیہ کے حوالہ سے یہ ایک اہم مجموعہ ہے، جس کا میں دیگر علمی و تحقیقی منصوبوں میں مصروفیت کے باعث مطالعہ نہیں کرسکا۔

۲۱۔ ریاض الاولیاء (عمومی تذکرۂ صوفیہ) مولف بختاور خان، بسال ۱۰۹۰ھ اس کا چوتھا باب خاص اہمیت رکھتا ہے، جس میں پاکستان و ہند کے صوفیہ کے احوال بیان کئے گئے ہیں، ''مراۃ العالم'' اسی مولف کی کتاب ہے، جس میں صوفیہ کے حالات بہت مجمل طور پر لکھے گئے ہیں، مولف نے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے یہ کتاب تالیف کی ہے، اس کتاب کے مرتب اور معاون (شیخ محمد بقا سہارنپوری) کا تعلق سلسلۂ نقشبندیہ سے تھا، اس لئے میں اس تذکرہ سے دلچسپی رکھتا تھا۔ (مقاماتِ معصومی ۱/۲۸۹۔۲۹۱)

۲۲۔ بلیان (Baljon)، کئی اہم کتابوں کے مولف ہیں، جن میں سے:

1- Reforms and Religious Ideas of Sir Sayyid Ahmad Khan, Lahore, 1958, 1964

2- Religion and Thought of Shah Wali Allah Dehlavi, Leiden, 1986

میرے ذخیرہ میں ہیں۔

۲۳۔ ہم نے شاہ محب اللہ الہ آبادی کی صلح کل پالیسی کی تفصیل (مقاماتِ معصومی ۱/۷۲۔۷۳) میں دی ہے۔

۲۴۔ فریڈ مان یوحنا (Yohana Friedmann) ایک یہودی سکالر ہے، جس نے میکگل یونیورسٹی مانٹریال، کنڈا کے شعبۂ علومِ اسلامیہ سے حضرت مجدد الف ثانی پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ کر سند لی، پہلے اس کا یہ مقالہ اسی یونیورسٹی سے شائع ہوا، پھر اسے اوکسفورڈ یونیورسٹی پریس، دہلی نے ۲۰۰۰ء کو شائع کردیا، اس کا پورا ٹائٹل اس طرح ہے:

Sh. Ahmad Sirhindi (an outline of His Thoughts and a Study

of His Image in the Eyes of Posterity)

وہ اب تک معمر ہونے کے باوجود پوری طرح فعال اور اپنے مشن میں مگن ہے، انٹرنیٹ پر اس کے دوسرے تمام تحقیقی کاموں کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے، میں نے اُسے ۱۹۸۶ء تک طبع ہونے والی اپنی کتابوں خصوصاً ''حسنات الحرمین''، ''مقاماتِ مظہری'' وغیرہ بذریعہ ڈاک یوروشلم یونیورسٹی بھیجیں جہاں اس وقت وہ رجسٹرار تھا، ہمارے مولوی حضرات اُسے اب تک ایک یہودی طلب علم ہی لکھتے ہیں، ان کتابوں کے جواب میں فریڈمان نے مجھے اپنے چند تازہ مقالات کے آف پرنٹس بھیجے اور میرے خط کا جواب بھی دیا، میں نے خط اُردو میں لکھا تھا، کیوں کہ مجھے معلوم تھا کہ وہ اُردو جانتا ہے لیکن اس نے مجھے انگریزی میں جواب دیا، مذکورہ مقالہ میں بے شک اس کا نقطۂ نظر یہودیوں والا ہے، لیکن اس نے ایک غالی شیعہ ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی کے حضرت مجدد الف ثانی پر اعتراضات کے جواب بھی دیئے ہیں۔

۲۵۔ انگریزی کی یہ سب کتابیں اور فوٹو سٹیٹ کاپیاں آج میرے ذخیرہ کی زینت ہیں۔

۲۶۔ شیخ محی الدین غزنوی، سلسلۂ نقشبندیہ کے بزرگوں میں سے تھے، حالات کے لئے ملاحظہ ہو:
صمدانی، ریاض احمد، حیات محی الدین غزنوی، گوجرانوالہ ۱۹۷۸ء

۲۷۔ سید اشرف جہانگیر سمنانی کے مکتوبات اور ملفوظات مطبوعہ صورت میں ملتے ہیں، آپ کے احوال و ملفوظات پر ایک بڑی کتاب لطائف اشرفی بھی میرے ذخیرہ میں ہے، ان کے ہاں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی بحثیں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

۲۸۔ ڈاکٹر وحید اشرف، شیخ سمنانی کی اولاد میں سے تھے، شیخ کے بارے میں ان کے عمدہ مقالات رسالہ ''معارف'' (اعظم گڑھ) میں شائع ہوئے تھے، پھر ان کی ''حیات اشرف'' ایک اچھی کتاب ہے، انہوں نے ''لطائفِ اشرفی'' پر انگریزی میں ایک عمدہ مقدمہ بھی لکھا تھا، جو بڑودہ سے شائع ہوا تھا۔

۲۹۔ پنجاب نوٹس اینڈ کیوریز، ایک بڑی اہم کتاب ہے، ہندوستان سے اس کی کئی بار عکسی اشاعت بھی ہو چکی ہے، یہاں لندن یونیورسٹی، کی لائبریری میں اس کا انڈیکس دیکھا تو کچھ صفحات کی فوٹو کاپی بنوالی۔

۳۰۔ اکبر اینڈ دی پارسیز یعنی

Ambashthya, B.P: Contributions on Akbar and The Parsees, Patna, 1976

اپنے موضوع پر ایک عمدہ ذخیرۂ مقالات ہے، میں چونکہ ایک عرصہ سے حضرت مجدد الف ثانی کی تحریک احیاء دین پر کام کر رہا ہوں، اس اعتبار سے مجھے اس کتاب کی اشد ضرورت تھی، اس لئے اس کی کاپی بنوائی، پھر بہار کے سفر (۱۹۸۹ء) کے دوران مجھے اصل کتاب ہی اس کے ناشر سے قیمتاً مل گئی۔

۳۱۔ مجمع الاولیاء منسوب بہ علی اکبر اردستانی

یہ کتاب اصل میں شیخ بدرالدین سرہندی (مولف حضرات القدس) کی تالیف ہے، لیکن ایتھے Ethe نے فہرست مخطوطات انڈیا آفس لائبریری میں اسے علی اکبر اردستانی سے منسوب کر دیا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ علی اکبر اردستانی ایک احسان کے بدلے اس کا مسودہ شیخ بدرالدین سرہندی سے لے گیا اور لے جا کر اس میں تحریف کر کے اسے اپنے نام سے شہرت دی، انڈیا آفس لائبریری کا مذکورہ نسخہ وہی ہے جس میں اردستانی نے تحریف کی تھی، خلیق احمد نظامی صاحب نے ایتھے ہی کے بیان پر بھروسہ کرتے ہوئے اُسے اس کا حقیقی مولف تصور کرتے ہوئے اس پر انسائیکلوپیڈیا ایرانیکا میں علی اکبر پر مقالہ سپردِ قلم کر دیا۔ (مقاماتِ معصومی ۱/۲۷۶۔۲۷۷)

۳۲۔ شرائف عثمانی (بلگرام کے عثمانی خاندان کے معززین کا تذکرہ) مولف غلام حسن ثمین صدیقی فرشوری بلگرامی (بسال ۱۱۷۹ھ/ ۱۷۹۵ء) دراصل ثمین نے یہ کتاب آزاد بلگرامی کے تذکرہ ''مآثر الکرام'' کی غلطیوں کی نشاندہی کے لئے لکھی تھی، انہیں اس کی شکایت تھی کہ آزاد نے ہمارے خانوادۂ عثمانی کے صحیح احوال نہیں لکھے اور اس میں بہت سی غلطیاں راہ پا گئی ہیں، پیش نظر قلمی نسخہ انڈیا آفس لائبریری، لندن (شمارہ 1.0.3913) ہے، جب کہ اس کے خطی نسخے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ اور کتابخانہ آصفیہ، حیدر آباد (دکن) میں بھی پائے جاتے ہیں۔ (سٹوری ۱/۲/۱۱۱۵)

۳۳۔ مسجلات مولف قاضی احمد اللہ بلگرامی معروف بہ محمد عثمان بن قاضی محمد احسان، یہ بلگرام کے ۱۱۹۶ھ/ ۱۷۸۲ء تک قاضی رہے، یہ کتاب بلگرام کے قاضیوں کے حالات پر مشتمل ہے۔ (سٹوری ۱/۲/۱۱۱۵)

۳۴۔ مآثر الکرام، مولف آزاد بلگرامی، بسال ۱۱۶۶ھ/ ۱۷۵۲ء، اس کا فارسی متن دو مرتبہ طبع ہو چکا ہے اور اُردو ترجمہ بھی پاکستان میں شائع ہو گیا ہے۔

۳۵۔ لندن یونیورسٹی کی طرف سے ایک ہزار پونڈ کی رقم کی امداد محض ایک جھانسہ تھا، ایک پونڈ بھی مدد نہ کی گئی۔

۳۶۔ ڈاکٹر محمد السعید جمال الدین

قاہرہ یونیورسٹی میں غالباً تاریخ کے پروفیسر تھے، فارسی بھی جانتے تھے اور فارسی میں بات چیت بھی کر لیتے تھے، انہوں نے عطاء ملک جوینی کی خودنوشت سوانح کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا تھا، جس کا عنوان اس طرح ہے:

علاء الدین عطا ملک الجوینی (حاکم العراق) عربی ترجمہ از محمد سعید جمال الدین، قاہرہ (ناشر مترجم)، اصل کتاب فارسی میں تسلیۃ الاخوان کے نام سے تہران سے شائع ہوئی تھی (فہرست ذخیرۂ مجددی (شمارہ ۴۲۰۴، ۴۲۰۳)

۳۷۔ ڈاکٹر سمیر عبدالحمید، مصری ہوتے ہوئے اردو بولتے تھے اور اورینٹل کالج، لاہور سے اُردو میں ایم اے کیا تھا۔

۳۸۔ حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی...... (رک سفرنامۂ ایران)

۳۹۔ فتوحات المکیہ، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تصنیف ہے، اس کا جو ایڈیشن میں نے قاہرہ سے خرید ہے وہ تھا، جو عثمان یحییٰ (ف ۱۹۹۷ء) کا مرتبہ ہے اور اسے قاہرہ کے سرکاری ادارہ الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب نے شائع کیا ہے، اس کی اب تک ابتدائی ۱۴ جلدیں طبع ہوئی ہیں (۱۹۸۵-۱۹۹۲ء) مجھے اپنے اس سفر میں اس کی پہلی صرف ۹ جلدیں ملی تھیں کیوں کہ اس وقت تک صرف اتنی ہی چھپی

تھیں، کل بیس جلدوں میں مرتب کی گئی ہیں، ابھی ۱۴ ؍جلدیں طبع ہوئی تھیں کہ علماءِ مصر کے فتویٰ پر کہ اس میں خلافِ شرع مباحث ہیں، اس کی مزید اشاعت روک دی گئی، اس کے مصحح کو وہ نسخہ بھی مل گیا تھا جو اس کے مصنف شیخ صدرالدین قونوی کو پڑھاتے تھے، عثمان یحییٰ کا ۱۹۹۷ء کو انتقال ہوگیا، انہوں نے عربی کی کئی ابتدائی کتب تصوف کی بھی تصحیح کی تھی، حکیم ترمذی کی مشہور کتاب ''ختم الاولیاء'' بھی ایڈٹ کی تھی، جو المطبعۃ الکاثولیکیۃ، بیروت سے ۱۹۶۵ء کو طبع ہوئی تھی (رک فہرست مطبوعات ذخیرۂ مجددی شمارہ ۹۸۲۳) عثمان یحییٰ نے پیرس یونیورسٹی سے ۱۹۷۹ء کو شیخ ابن عربی کی تصانیف کی فہرست پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا تھا، جو دمشق سے فرانسیسی زبان میں دو جلدوں میں طبع ہوا تھا، جس کا ڈاکٹر احمد محمد الطیب نے مولفاتِ ابن عربی کے نام سے عربی میں ترجمہ کیا، جو الھیئۃ المصریۃ سے ۲۰۰۱ء کو شائع ہوا تھا۔

۴۰۔ ۱۹۸۶ء کے سفر کے دوران فتوحات کی صرف یہی ۹ جلدیں طبع ہوئی تھیں، باقی پانچ جلدیں بعد میں مولانا ممتاز احمد سدیدی بن مولانا عبدالحکیم شرف قادری جب کہ وہ پی ایچ ڈی کرنے کے لئے قاہرہ میں مقیم تھے میری درخواست پر خرید کر بھیجیں۔

۴۱۔ نور السافر عن اخبار القرن العاشر تالیف عبدالقادر عیدروسی کے پرانے ایڈیشن کی عکسی طباعت مل گئی، جو بعد میں مرتب شکل میں بھی شائع ہو چکی ہے۔

اس کے کئی سال بعد اس کتاب کا ایک تکملہ ''السناء الباہر بتکمیل النور السافر'' مولف سید محمد الشلی الیمنی، مطبوعہ مکتبۃ الارشاد، ریاض بھی مل گئی۔

۴۲۔ یہ آج سے ۳۲ سال پہلے (۱۹۸۶ء) کا واقعہ ہے، آج اتنے سال گذرنے کے بعد بھی پاکستان کی کسی لائبریری میں مخطوطات کمپیوٹرز پر ڈجٹلائز نہیں کئے جاسکے، آپ آج بھی پاکستان کی سب سے بڑی لائبریری پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں جائیں تو آپ کے پڑھنے کے لئے اصل مخطوطہ ہی دے دیا جائے گا، ہاں! اگر کہیں سے کسی مخطوطہ کی عکسی نقل طلب کی جائے تو اس کی جس طریقہ سے عکس بندی کی جاتی ہے اس کو کوئی غیرت مند محقق جسے مخطوطہ کی اہمیت کا احساس ہو برداشت نہیں کرسکتا، ذخیرہ

آذر کا ایک نادر قلمی نسخہ ''معارج الولایت'' بھی اسی طرح تباہ ہو چکا ہے، دراصل اس کی عکسی نقل کی اجازت دینے والے افسران اس کی اہمیت ہی نہیں سمجھتے تھے کہ اس کام کے کرنے والے کو ہدایات دے سکیں۔

۴۳۔ ای ڈینس روس کی خودنوشت سوانح، یعنی

Both Ends of the Candle, London, pp.345

ای ڈی راس (E.D.Ross) کی ولادت ۶ رجون ۱۸۷۱ء کو ہوئی، S.O.A.S لندن کے پہلے ڈائریکٹر تھے، علی گڑھ اور سرسید احمد خان سے گہرے روابط تھے، انہوں نے اپنے فرزند کا نام راس مسعود انہی سے محبت کے باعث رکھا تھا، راس کا انتقال ۲۰ رستمبر ۱۹۴۰ء کو ہوا۔

۴۴۔ روضات الجنات فی اوصاف مدینۃ الہراۃ کا یہ وہ ایڈیشن ہے کہ جو ڈاکٹر محمد اسحٰق نے ایڈٹ کیا تھا اور مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے ۱۹۶۱ء کو طبع ہوا تھا، (یہ صرف جلد اول ہی ہے) اس کے بعد سید محمد کاظم امام نے اسے مرتب کیا جو دو جلدوں میں دانش گاہ تہران سے ۱۳۳۸ ش کو شائع ہوا تھا۔

اسلام آباد و پشاور

یوم پاکستان کے روز ۱۴؍اگست ۱۹۸۸ء کو، لاہور سے، اسلام آباد کے لئے روانہ ہوا، ریل کا رسوا تین بجے چلی اور رات آٹھ بجے راولپنڈی پہنچ گئی، خدا کا شکر ہے کہ راستے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔

رات ۶۰؍روپے دے کر المصباح ہوٹل نزد صدر، راولپنڈی میں قیام کیا، رات بھر مچھروں نے خوب کاٹا صبح تک بہت بے حال ہو گیا۔

۱۵؍اگست، صبح صاحبزادہ عارف نوشاہی صاحب کے دفتر میں پہنچا وہ موجود تھے، سامان رکھ کر مختصر سی بات چیت کے بعد میں مرکزِ تحقیقاتِ فارسی کے کتابخانہ گنج بخش میں چلا گیا، جہاں معروف فہرست ساز احمد منزوی اور ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی سے ملاقات ہوئی، منزوی صاحب مجھے مرکز کے نئے مدیر ڈاکٹر تمیم داری کے پاس لے گئے، تعارف کروایا اور مرکز کی مطبوعات بصورت تحفہ دیں، یہاں میں دو بجے دوپہر تک کام کرتا رہا لیکن چونکہ طبیعت بے خوابی کے باعث کسلمند تھی اس لئے نوشاہی صاحب کے ہمراہ اُن کے ہاں سیدھا ہی روانہ ہو گیا، رات کو نیند آ گئی جس سے طبیعت قدرے ہلکی ہوئی، اتفاق سے اس سفر کے آغاز سے پیشتر ہی مجھے پیچش جیسی بیماری ہو گئی تھی جو سفر میں بڑھ گئی، آج اس کی بہت شدت ہے۔

۱۶؍اگست کو میں پھر صبح صاحبزادہ نوشاہی صاحب کے ہمراہ ہی مرکز کے کتب خانے میں پہنچا، دو بجے تک کتابخانہ گنج بخش کی فہرست مخطوطات کا ذیل مرتبہ احمد منزوی کی ورق گردانی کی، بعض نادر مخطوطات کے وجود کا علم ہوا، جن میں ''حسنات الحرمین'' کا ایک خطی نسخہ بھی شامل ہے، یہ ایک رسائل کا مجموعہ ہے، جس میں نقشبندی سلسلے کے اکثر رسائل شامل ہیں۔

۱۷؍اگست صبح صاحبزادہ نوشاہی صاحب کے ہمراہ اُن کے دفتر راہنمائی فرہنگی ایران گیا، وہاں سے ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، دانشگاہ اسلامی، اسلام آباد کے کتب خانے میں گیا، وہاں کچھ دیر مطالعہ کیا، ان کے

رسالہ اسلامک سٹڈیز کا انڈیکس اور سلفی کی ایک کتاب ''معجم السفر'' بھی خریدی، وہاں سے مرکز تحقیقات فارسی واپس آ گیا، یہاں دو بجے تک کام کیا، وہاں سے اُٹھ کر پی آئی اے کے دفتر میں جا کر پشاور سے لاہور کے لئے ہوائی جہاز کا ۲۳ر اگست کے لئے ٹکٹ لیا اور پھر پروفیسر منظور الحق صدیقی صاحب سے ملاقات کے لئے ان کے ہاں گیا، وہاں جا کر کچھ آرام بھی کیا، ان سے عماد نگر[1] بر بالای آب جہلم کے محل وقوع کے بارے میں استفسار کیا لیکن کوئی چیز بھی معلوم نہیں ہو سکی۔

صدیقی صاحب سے مل کر اپنے جامعہ پنجاب کے سابق استاد ڈاکٹر اسلم سید صاحب[2] سے ملاقات کے لئے ان کے گھر، اسلام آباد، رانا مارکیٹ کے لئے روانہ ہوا، موصوف بڑی محبت سے ملے، کچھ دیر باتیں کیں پھر ان کے مہمان آ گئے اور میں چلا آیا، رات نو بجے کے قریب صاحبزادہ نوشاہی صاحب کے ہاں پہنچا، کھانا کھا کر سو گیا، لیکن پیچش نے رات بھر خوب پریشان کیا، کوئی دوائی بھی اثر انداز نہیں ہو رہی، خدا خیر کرے، پاکستان ٹیلی ویژن نے اپنی نشریات روک کر بتایا کہ صدر جنرل محمد ضیاء الحق مع سفیر امریکہ وغیرہ، بہاولپور سے اسلام آباد آتے ہوئے اپنے طیارے میں ہلاک ہو گئے ہیں، اس خبر سے بڑی وحشت ہوئی، ہمارے ملک میں تو کسی میدان میں پہلے ہی توازن نہیں ہے، صدر ضیاء جیسے نیک نفس صدر کی ہلاکت ملک کے لئے بڑے خطرہ کا باعث ہوگی، اللہ تعالیٰ اس ملک کا حافظ و ناصر ہو، آمین۔

۱۸ر اگست مرحوم کے سوگ میں تین دن تک دفاتر بند رہیں گے، تاہم میں صاحبزادہ نوشاہی صاحب کے ہمراہ کتابخانہ گنج بخش میں پہنچا، ڈاکٹر تسبیحی نے نوشاہی صاحب سے وعدہ کر کے کہ اقبال مجددی کو آج تمام مطلوبہ مخطوطات دکھائے گا انکار کر دیا کہ آج صدر کی شہادت کی وجہ سے تعطیل ہے، میں بامر مجبوری وہاں سے سیدھا نوشاہی صاحب کے ہاں چلا آیا، دن بھر پیچش کی وجہ سے بہت بے حال رہا، رات بھی اچھی طرح سو نہ سکا۔

۱۹ر اگست کو بروز جمعہ نصف دن تک نوشاہی صاحب کے ہاں آرام کیا لیکن پیچش نے اس قدر نڈھال کر دیا کہ کچھ بھی نہ کر سکا، چار بجے والی تیز رو کے ذریعہ پشاور کے لئے روانہ ہوا، خدا کے فضل سے ٹرین نے آٹھ بجے شب بخیر و عافیت پشاور پہنچا دیا، سٹیشن سے سیدھا مولوی سید محمد امیر شاہ قادری، یکہ

توت، پشاور کے ہاں چلا آیا، اسپغول کے استعمال سے قدرے افاقہ ہوا۔

۲۰ راگست، صبح حکیم عبدالواسع ندوی کے بیٹے کے پاس جا کر پیچش کی دوائی لی، جس کے استعمال سے آج دن بھر افاقہ رہا، وہاں سے قصہ خوانی بازار سے ہوتا ہوا جھنگی محلہ کے بازار کتابفروشی میں چلا آیا، یہاں بیروت و ایران کی بہت سی مطبوعات ملتی ہیں، ہدایہ والنہایہ لابن کثیر، کشف الاسرار لخواجہ عبداللہ انصاری ہروی اور بعض ایرانی مطبوعات خریدنے کا پروگرام ہے، دوپہر کا کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کیا، پانچ بجے پھر بازار کتابفروشی کے لئے روانہ ہوا، رات ساڑھے سات بجے واپس یکہ توت پہنچ گیا، رات کو نیند آ گئی، دن بھر کام کرنے میں زیادہ تھکان محسوس نہیں ہوئی۔

۲۱ راگست، آج دن بھر مذکورہ حکیم کے علاج سے افاقہ رہا، رات بھی آرام سے گذر گئی۔

صبح گورنمنٹ پرنٹنگ پریس، پشاور میں گیا، حضرت سید امیر شاہ قادری کا مہمان ہونے کی وجہ سے انہوں نے بڑی عزت کی، گودام دکھایا اور 263/ روپے کی صوبہ سرحد (خیبر پختونخواہ) سے متعلق اہم کتابیں خریدیں، وہاں سے جھنگی محلہ میں آ گیا، چار سو روپے میں ایرانی مطبوعات لیں، تیرہ سو روپے کا ''البدایہ والنہایہ'' کا سیٹ لیا، چھ سو روپے میں ''کشف الاسرار'' کا سیٹ خریدا، دو سو روپے میں ''تقریب التہذیب'' ؎۳ (مطبوعہ بیروت) لیا اور بذریعہ رکشا ان چار پیکٹوں کو لے کر سید امیر شاہ صاحب کے ہاں، یکہ توت آ گیا، دوپہر کو آرام کرنے کی کوشش کی لیکن سڑک کے شور کے باعث نیند نہ آسکی، کل ''تاریخ بغداد'' لخطیب بغدادی ؎۴ کا سیٹ خریدنے کا پروگرام ہے۔

۲۲ راگست صبح ناشتے کے بعد کتابوں کے ڈبے تیار کئے تاکہ انہیں بذریعہ ریل روانہ کیا جا سکے، دو ڈبے تیار کر لئے نو بجے پشاور یونیورسٹی کے لئے روانہ ہوا، صرف ڈیپارٹمنٹ آف سنٹرل ایشین سٹڈیز میں گیا، ساڑھے گیارہ بجے تک وہاں کے کتب خانے سے استفادہ کے بعد جھنگی محلہ میں واپس آیا، یہاں سے موطا امام مالک اور تاریخ بغداد لخطیب خریدیں اور ان کا ایک پیکٹ لے کر، یکہ توت چلا آیا، یہاں ان کے لئے ڈبہ تیار کر کے ان کو بک کروانے گیا، سید انور علی شاہ صاحب متعلم لائبریری سائنس میرے ہمراہ تھے، سوا چار بجے واپس آ کر آرام کیا، پھر مرکز کتب فروشی جھنگی محلہ میں گیا، لیکن رقم کے ختم ہو جانے کے باعث

کوئی کتاب نہ خریدی۔

تھکن کی انتہا ہوگئی ہے، بے خوابی کی وجہ سے مزاج میں بے چینی پیدا ہوگئی ہے، رات ساڑھے نو بجے کھانا کھایا اور دس بجے تک لیٹ گیا، تا کہ رات سو سکوں لیکن کما حقہ نیند نہ آسکی، کل بذریعہ ہوائی جہاز، لاہور کے لئے روانگی ہے، خداوند کریم اپنے فضل و کرم سے بحفاظت تمام پہنچا دے، آمین۔

حواشی

۱۔ عمادنگر، اس نام کا ایک قصبہ میر عمادالدین محمد حسینی ہروی نے ''بر بالای آب جہلم در عمادنگر کہ شہر ساختہ اوست مدفون است'' (مقاماتِ معصومی ۳/۵۰۱)

یہ میر عمادالدین اور ان کا پورا خانوادہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی اور حضرات سرہند کا عقیدت مند تھا، اس خاندان کے سب افراد سرہند میں دفن ہیں، صرف میر عمادالدین اپنے آباد کردہ اس قصبہ عمادنگر میں دفن ہیں، مجھے ''مقاماتِ معصومی'' پر تعلیقات لکھنے کے لئے اس قصبہ کے موجودہ محل وقوع کی ضرورت تھی، کئی اصحاب سے رابطہ کیا لیکن معلوم نہ ہوسکا۔ (ایضاً، ۴/۴۲۳۔۴۳۲، ۲/۶۴۱)

۲۔ پروفیسر اسلم سید ہمیں شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی، لاہور میں فلسفۂ تاریخ پڑھاتے تھے، اب قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد کے شعبۂ تاریخ سے وابستہ ہیں۔

۳۔ عربی کی یہ تمام کتب حوالہ آج میرے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) کی زینت ہیں۔

۴۔ تاریخ بغداد مولفہ خطیب بغدادی، ایک بہت ہی اہم کتاب ہے، ۱۴ر جلدوں کا یہ سیٹ مدت دراز سے محققین کے مابین رائج ہے، یہ پہلی بار غالباً ۱۹۳۰ء کو بغداد سے صرف ایک ہی قلمی نسخہ کی بنیاد پر مکتبۃ المثنی نے شائع کیا تھا، اس میں سے محمد یون کا باب قلمی نسخہ سے ہی غائب تھا، بعد میں معروف محقق ڈاکٹر بشار عواد معروف نے تمام معلومہ خطی نسخوں کی بنیاد پر اس کا ایک ایسا ایڈیشن تیار کیا، جس سے یہ ایڈیشن اب بے کار ہوکر رہ گیا ہے، رب کریم کے فضل سے موخرالذکر کی طباعت بھی (۱۹ر جلدیں) مجھے مل گئی۔

اسلام آباد

۷؍جولائی ۱۹۸۹ء بروز جمعۃ المبارک، اسلام آباد کے لئے روانہ ہوا، ریل کار جسے سوا گیارہ بجے قبل دوپہر راولپنڈی پہنچنا تھا دو گھنٹے کی تاخیر سے سوا ایک بجے دوپہر پہنچی، وہاں سے عزیز دوست صاحبزادہ سید عارف نوشاہی کے ہاں جانے کے لئے، سہالہ روانہ ہوا، سفر کی وجہ سے سخت تھکان ہوگئی۔

۸؍جولائی، صبح سات بجے صاحبزادہ نوشاہی صاحب کے ساتھ روانہ ہوا، مرکز تحقیقاتِ فارسی، اسلام آباد پہنچا، گیارہ بجے کے قریب ڈاکٹر این اے بلوچ صاحب سے ملنے کے لئے گیا، ان سے کہا کہ وہ وزارتِ امورِ خارجہ، اسلام آباد میں سفارش کریں کہ مجھے بھارت جانے کے لئے ویزا درکار ہے، مذکورہ وزارت نے اپنا خط فوری طور پر ہندوستانی ایمبیسی کے نام جاری کردیں، ڈاکٹر صاحب کی سفارش پر مذکورہ وزارت سے خط جلد ہی مل گیا، وہاں سے واپس مرکزِ تحقیقات آیا اور صاحبزادہ نوشاہی کے ساتھ اُن کے گھر چلا گیا، سخت تھکن کے باعث جلد ہی نیند آگئی۔

۹؍جولائی، صبح بھارتی ایمبیسی میں گیا، وہاں ویزا حاصل کرنے والوں کی طویل قطار دیکھ کر گھبرایا لیکن جلد ہی وزارت امورِ خارجہ کا خط دکھا کر اندر جانے کی اجازت مل گئی، وہاں انہوں نے خصوصی ویزا دینے کا وعدہ کیا اور دو بجے دوپہر دوبارہ آنے کے لئے کہا، میں دو بجے ایمبیسی پہنچا تو مایوسی ہوئی، انہوں نے شام پانچ بجے دوبارہ بلایا، بُعدِ مسافت کے باعث میں نے درختوں کے نیچے ایمبیسی کے باہر وقت گذارنے کا فیصلہ کیا، شدید گرمی میں نہایت برا حال ہوا، شام چھ بجے کے قریب ویزا مل گیا، یہ نہایت کٹھن مرحلہ تھا، خدا کا شکر ہے کہ چاروں شہروں یعنی علی گڑھ، دہلی، پٹنہ اور لکھنو کا ویزا مل گیا، وہاں سے سیدھا سہالہ جانے کے لئے روانہ ہوا، رات آٹھ بجے صاحبزادہ نوشاہی کے ہاں پہنچا، وہ میری اس کامیابی پر بڑے مسرور ہوئے اور بہت سے تعارفی رقعات سفرِ ہند کے سلسلے میں دیئے۔

۱۰؍جولائی، صبح آٹھ بجے میجر جنرل سید شاہد حامد سے ملاقات کے لئے روانہ ہوا، بصد مشکل ان کا بنگلہ ملا، جنرل صاحب حضرت سید امیر کلال قدس سرہ کی اولاد میں سے ہیں، وہ اپنے خاندان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، مل کر بڑی مایوسی ہوئی، کوئی علمی مشکل حل نہ کر سکے، وہاں سے مرکزِ تحقیقات فارسی جانے کے لئے روانہ ہوا، گیارہ بجے کے قریب مرکز پہنچا، یہاں دو بجے دوپہر تک مطالعہ کیا اور پھر ریل کار کے ذریعے واپس لاہور جانے کے لئے سامان اٹھایا، خداوند کریم خیر و عافیت سے، لاہور پہنچائے، آمین۔

احقر رب کریم کا شکر گذار ہے کہ ہندوستان جیسے ملک کا ویزا جو نہایت مشکل سے ملتا ہے، مجھے بآسانی دلوایا دیا، اب عید الاضحیٰ کے بعد بھارت جانے کا پروگرام ہے، خدا کامیاب کرے، آمین۔

سفرِ ہندوستان

راقم الحروف ۲۲؍جولائی ۱۹۸۹ء کو بذریعہ پی آئی اے، ہندوستان کے لئے روانہ ہوا، ہوائی جہاز PK.270 دوپہر اڑھائی بجے اڑا اور ساڑھے تین بجے کے قریب دہلی کے ہوائی اڈے پر اترا، خدا کا شکر ہے کہ بحفاظت تمام جہاز منزلِ مقصود تک پہنچ گیا، ہوائی اڈے کی دیگر کاروائیوں کے بعد پانچ بجے کے قریب فراغت ہوئی، وہاں سے سیدھا بذریعہ بس بستی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء میں خواجہ حسن ثانی بن خواجہ حسن نظامی کے گھر آیا، وہاں خواجہ حسن نظامی مرحوم کا عرس ہو رہا تھا، عرس بڑی دھوم دھام سے ہو رہا تھا، بہار کا گورنر مہمان خصوصی تھا اور اکابرِ ہندوستان اس میں شریک تھے، رات بھر مہمانوں کی آمد کی وجہ سے نیند نہ آسکی۔

۲۳؍جولائی، صبح نو بجے اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لئے محکمہ انٹیلی جنس میں گیا تو معلوم ہوا کہ میرا پہلا ویزہ علی گڑھ کا ہے، اس لئے پہلے وہاں جانا ہوگا پھر کسی اور مقام پر، لہٰذا سب کام چھوڑ کر، علی گڑھ جانے کی فکر کرنے لگا، وہاں سے سیدھا ترکمان گیٹ آیا تاکہ الیاس خان صاحب کو، لاہور میں اس علمی سفر کے لئے جو رقم/14250 روپے دی تھی، وہ یہاں سے حاصل کرسکوں، خدا کا شکر ہے کہ چھٹی کے باوجود دکان کھلی ہوئی تھی اور رقم مل گئی، وہاں سے درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین میں آیا، بازار سے ایک چھوٹا بیگ خریدا، کپڑے ڈالے اور چل دیا، بس نے ساڑھے تین گھنٹے میں علی گڑھ پہنچایا یعنی بعد دوپہر پانچ بجے، یہاں پر مذکورہ دفتر میں اپنی آمد کی اطلاع درج کروانا تھی، لیکن تعطیل کے باعث دفتر دوپہر دو بجے ہی بند ہو گیا تھا، مجبوراً وہاں سے پروفیسر ڈاکٹر محمد انصار اللہ صاحب [1] سرسید روڈ، سرسید نگر، علی گڑھ کے پاس آیا، برادر سید عارف نوشاہی صاحب کا خط اُن کو دیا، انہوں نے نہایت محبت سے فرمایا کہ اب تمہارا قیام میرے ساتھ ہی ہوگا۔

رات دیر تک ان کے ساتھ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں، مغرب کی نماز ان کے ساتھ گھر پر ہی پڑھی، شدید تھکان ہو چکی تھی اس لئے جلد ہی سو گیا۔

۲۴ر جولائی، صبح نو بجے ڈاکٹر محمد انصار اللہ صاحب کے ساتھ ان کے شعبۂ اُردو مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ گیا، وہاں کچھ اساتذہ سے ملاقات ہوئی، دس بجے اپنی آمد کا اندراج کروانے کے لئے مذکورہ دفتر میں گیا تو اندراج ہو گیا، وہاں سے واپس شعبۂ اُردو میں آیا، ڈاکٹر صاحب کے ساتھ شعبۂ ہندی [2] اور شعبۂ تاریخ میں گیا، بعض سوالات کیئے کوئی تشفی بخش جواب نہ مل سکا، اب علوم مشرقیہ کے سارے شعبوں میں اساتذہ کا مبلغ علم بڑی تیزی سے روبہ زوال ہے، شعبۂ تاریخ کے جن نئے اساتذہ سے ملاقات ہوئی ان کا علمی سرمایہ برائے نام ہے، علمی سوالات کا جواب بھی نہیں دے سکتے، دوپہر ایک بجے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ واپس ان کے گھر آیا، کھانا کھا کر آرام کیا اور ساڑھے پانچ بجے شمشاد مارکیٹ گیا تا کہ وہاں کتابوں کی دکانوں پر جا کر کچھ کتابیں خرید سکوں لیکن افسوس کہ یہاں کوئی معیاری اور مطلوبہ کتاب نہ مل سکی، رات کا کھانا کھا کر جلد ہی سونے کی کوشش کی، کل سے سر میں درد سا ہو رہا ہے۔

۲۵ر جولائی، صبح آٹھ بجے ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ یونیورسٹی کے لئے روانہ ہوا، آزاد لائبریری پہنچے تو پتہ چلا کہ ابھی لائبریرین نہیں آئے ہیں، وہاں سے اُردو سیکشن میں گئے جس کے انچارج ڈاکٹر ضیاء الدین انصاری صاحب ہیں، بڑی محبت سے ملے، یہاں رقعات کرامت سعادت حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید [3] مطبوعہ مطبع فتح الاخبار کول ۱۲۷۱ھ مل گئی، اس کی فوراً فوٹو سٹیٹ بنوالی۔

گیارہ بجے کے قریب لائبریرین آئے دوسری کارروائی ہوتے ہوتے ساڑھے گیارہ بج گئے، چند مخطوطات نکلوائے، جن میں سے رسائل حضرت وحدت سرہندی [4] (عربی نمبر ۶۵/۲۷۔۷۸) سب سے اہم مخطوطہ ہے، اس میں وہ سارے نادر رسائل ہیں جن کی تلاش تھی، اسے بالاستیعاب پڑھنا شروع کیا، اتنے میں ڈاکٹر انصار اللہ صاحب آ گئے، ان کے ساتھ شعبۂ تاریخ میں گیا، وہاں ڈاکٹر ظہیر الدین ملک اور ڈاکٹر اقتدار حسین صدیقی سے ملاقات رہی، انہوں نے خوب دلچسپ گفتگو کی، ڈاکٹر صدیقی نے بتایا کہ میں نے ''تاریخِ صدرِ جہاں'' [5] ایڈٹ کی ہے آج رات ہی اس کا نسخہ ڈاکٹر اقبال انصاری سے جا کر خرید لیا،

تین بجے دوپہر ڈاکٹر انصاراللہ صاحب کے ہمراہ اُن کے گھر آیا، دوپہر کو کچھ دیر آرام کیا پھر پانچ بجے کے قریب نواب رحمت اللہ خان شیروانی، مزمل منزل، علی گڑھ کا کتب خانہ دیکھنے کے لئے نکلا، ۱۴۸۰ مخطوطات کی ایک مختصر فہرست ۷ دیکھی، بعض مخطوطات کے نام نوٹ کئے ہیں لیکن کوئی خطی نسخہ بھی میرے موضوع سے متعلق نہیں ہے، وہاں سے ڈاکٹر فرخ جلالی، ڈاکٹر مختارالدین احمد اور ڈاکٹر اقبال انصاری کے ہاں گیا، ڈاکٹر مختارالدین صاحب سے خوب علمی باتیں ہوتی رہیں، بڑے ذی علم استاذ ہیں، عربی زبان وادب سے شغف ہے، مجلہ مجمع العلمی الہندی کے سولہ سترہ شمارے نکال چکے ہیں لیکن ان کی طرف سے کوئی کتاب نہ مل سکی، رات ساڑھے دس بجے کے قریب ڈاکٹر انصاراللہ صاحب کے ہاں پہنچا، بہت تھکن ہو چکی تھی، مختصر سا کھانا کھایا اور لیٹ گیا۔

۲۶ / جولائی، صبح ساڑھے آٹھ بجے ڈاکٹر انصاراللہ صاحب کے ساتھ ان کے شعبے میں گیا، وہاں سے آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات میں جا بیٹھا، ساڑھے گیارہ بجے تک کام کیا، آج رسائل حضرت وحدت کا مطالعہ مکمل کر لیا، کاش اس مجموعہ کی مائیکروفلم مل جائے، وہاں سے اُٹھ کر ڈاکٹر اقتدار حسین صدیقی صاحب سے ملنے گیا، وہ اپنے مضامین ۸ کے آف پرنٹس لائے اور مجھے عنایت کر دیئے۔

واپس لائبریری پہنچا تو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر انصاراللہ صاحب تشریف لائے تھے، میں اُن کی تلاش میں نکلا تو وہ اپنے شعبے میں مل گئے، وہاں سے شعبۂ عربی کے صدر ڈاکٹر راشد ندوی صاحب سے ملاقات کے لئے گئے، ڈاکٹر انصاراللہ صاحب نے اُن سے میرا تعارف کروایا اور شعبہ کی مطبوعات میں سے بصورت تحفہ دینے کا وعدہ کیا، ان میں مجلہ مجمع العلمی الہندی کا سیٹ نہایت بیش قیمت ہے، وہاں سے اُٹھ کر شعبۂ علومِ اسلامیہ میں آئے صدر شعبہ موجود نہیں تھے، یہاں ایک ڈاکٹر کبیر صاحب ملے، جو سلسلہ نقشبندیہ ولی اللہی سے تعلق رکھتے ہیں، ہم جلد ہی واپس شعبۂ اُردو میں چلے آئے، یہاں ڈاکٹر مختارالدین احمد ہمارے منتظر تھے، وہ ہمیں کھانا کھلانے کے لئے یونیورسٹی کی کنٹین میں لے آئے، یہاں سے ہم بات چیت کرتے ہوئے تین بجے سہ پہر اٹھے، میں شعبۂ تاریخ کی لائبریری میں جا بیٹھا اور ڈاکٹر انصاراللہ صاحب اپنے گھر کے لئے روانہ ہو گئے، لائبریری میں مائیکروفلمز اور روٹوگرافز کے رجسٹر دیکھے اور ساڑھے چار بجے یونیورسٹی

Publication Division کے میں گیا، وہاں سے مطلوبہ کتب نکال کر ایک طرف رکھوائیں کہ کل آکر خرید لیں گے، ڈاکٹر صاحب کے ہاں آکر آرام کیا، اتنے میں صدر شعبۂ فارسی ڈاکٹر سمیع الدین صاحب، شعبۂ علومِ اسلامیہ کے صدر اور پروفیسر کبیر صاحب بھی ڈاکٹر انصار اللہ کے ہاں آئے، پروفیسر کبیر صاحب سے سلسلہ نقشبندیہ کی معلومات ملیں، انہوں نے بتایا کہ ان کے پاس ''نکات الاسرار'' شیخ آدم بنوڑی کے نسخہ پٹنہ ۹ (خدابخش لائبریری)، مکتوبات حضرت خواجہ باقی باللہ ۱۰ (انڈیا آفس) کے فوٹوسٹیٹ موجود ہیں اور انہوں نے کل دکھانے کا وعدہ بھی کر لیا۔

میں ساڑھے سات بجے شام ڈاکٹر اقتدار حسین صدیقی صاحب سے ملنے کے لئے گیا، لیکن موصوف گھر پر موجود نہیں تھے، رات جلد ہی سونے کی کوشش کی۔

۲۷ر جولائی، صبح آٹھ بجے ڈاکٹر انصار اللہ صاحب کے ہمراہ شعبۂ اُردو میں گیا وہاں سے آزاد لائبریری میں مخطوطات کے مطالعہ کے لئے ساڑھے دس بجے تک بیٹھا رہا، گیارہ بجے مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی میں راقم کا ایک لیکچر تجویز کیا گیا، علوم مشرقیہ کے مختلف شعبوں سے اساتذہ بھی آئے البتہ طلبہ کی تعداد برائے نام تھی، میں نے پہلے تو بتایا کہ ہمارے ملک پاکستان میں علوم مشرقیہ کے موضوع پر کیا کام ہو چکے ہیں لیکن صدر مجلس نے مجھ سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ پر بھی لیکچر دینے کے لئے فرمایا، احقر نے نہایت اختصار سے حضرت کے بارے میں گفتگو کی، اس پر سوالات کا سلسلہ چلا تو احقر نے نہایت اختصار کے ساتھ جوابات دیئے، جسے اکابر اساتذہ علی گڑھ نے بہت پسند کیا، ایک بجے کے قریب یہ مجلس برخاست ہوئی، وہاں سے ڈاکٹر انصار اللہ صاحب کو لے کر یونیورسٹی کے Publication Division گیا، یہاں سے مطلوبہ کتب بقیمت 465/ روپے خرید کر دہلی بھیجیں تاکہ لکھنو اور پٹنہ سے جب دہلی پہنچوں تو یہ کتابیں وہاں پہنچ چکی ہوں، دہلی سے پھر انہیں Sterling پبلشرز کے تعاون سے پاکستان لے جاؤں گا، یہاں سے فراغت کے بعد شعبۂ تاریخ کی لائبریری میں مطالعہ کے لئے بیٹھ گیا، رامپور کے کتب خانہ رضا سے سلسلہ نقشبندیہ کے بارے میں بعض مخطوطات کا مطالعہ کیا، یہ بصورت مائکروفلم اس شعبے میں موجود ہیں، ساڑھے چار بجے اپنی خریدی ہوئی کتابوں کا حال دریافت کرتے ہوئے

ڈاکٹر انصار اللہ صاحب کے ہاں آگیا، کچھ دیر آرام کیا پھر ان کے ہمراہ ڈاکٹر سمیع الدین صاحب صدر شعبۂ فارسی کے ہاں گیا چند مقامی اساتذہ فارسی بھی مدعو تھے، ساڑھے سات بجے تک وہاں چائے نوشی کے ساتھ علمی گفتگو کا سلسلہ بھی جاری رہا، معلوم ہوا کہ یہاں کے اساتذہ کا مطالعہ اب برائے نام سارہ گیا ہے، کسی بھی علمی سوال کا جواب دینے کے لئے ان کا مطالعہ ان کا ساتھ نہیں دے رہا تھا، وہاں سے پروفیسر جلالی صاحب کے ہاں گیا، وہ مجھے حاجی عضد الدین صاحب [۱۱] کے ہاں لے گئے کیونکہ انہوں نے کل وعدہ کیا تھا کہ سلسلۂ نقشبندیہ سے متعلق چند روٹوگراف لے کر آئیں گے لیک وہ نہیں آسکے تھے، جب اُن کے ہاں پہنچے تو انہوں نے دینے سے صاف انکار کر دیا، لوگ کیسے وعدہ کر کے خود ہی انکار کر دیتے ہیں، وہاں سے جلالی صاحب کے ساتھ واپس ان کے گھر آیا، یہاں پروفیسر ڈاکٹر عبدالحق انصاری [۱۲] مولف Sufism and Shariah بھی موجود تھے، وہ کسی قسم کی علمی گفتگو نہ کر سکے، رات گیارہ بجے پروفیسر انصار اللہ صاحب کے ہاں چلا آیا، آج دن بھر نہایت مصروف وقت گذارنے کی وجہ سے شدید تھکان محسوس ہوئی، رات جلد ہی سونے کے لئے لیٹ گیا۔

۲۸ رجولائی، آج جمعہ ہے اور یہاں مسلمانوں کے مراکز جلد ہی بند ہو جائیں گے، میں صبح ساڑھے آٹھ بجے ڈاکٹر انصار اللہ صاحب کے ساتھ شعبۂ اُردو پہنچا، وہاں سے پبلیکیشن ڈویژن کی طرف گیا، مسلم یونیورسٹی کی مطبوعات 465/ روپے میں خریدیں اور ان کو کچھ رقم دی کہ اس سے یہ کتابیں دہلی روانہ کر دیں، وہاں سے مولانا آزاد لائبریری میں آبیٹھا، مختلف مخطوطات نکلوائے، حضرت وحدت سرہندی اور ایک رسالہ ردمخالفین حضرت مجدد الف ثانی کی مائیکروفلم کے لئے درخواست دی، یہاں کتابوں کی فلمز کے لئے بہت دیر لگتی ہے، ساڑھے گیارہ بجے شعبۂ مخطوطات بند ہو گیا، وہاں سے، علی گرھ سے لکھنو کی طرف اپنی روانگی کی اطلاع دینے کے لئے محکمۂ پولیس میں گیا، وہیں پر آزاد لائبریری سے مستعار لی ہوئی دو کتابوں ''بحر الحیات'' [۱۳] از شاہ محمد غوث گوالیاری اور ''تصفیہ شرح تسویہ'' [۱۴] لمولانا انور علی کاکوری کے فوٹوسٹیٹ بنوائے اور ڈیڑھ بجے دوپہر تک ڈاکٹر انصار اللہ صاحب کے ہاں پہنچ گیا، آج سر میں درد سا ہے، دوپہر کا کھانا کھا کر سونے کی کوشش کی، اونگھ سی آگئی جس سے طبیعت قدرے ہلکی ہوگئی، شام کو فرخ جلالی

صاحب، ڈاکٹر سمیع الدین صاحب اور بمبئی کے کالی داس گپتا رضا ۱۵؎ بھی آئے، دیر تک اُن کے ساتھ نشست رہی، گپتا رضا محفل پر چھائے رہے، میرے کسی بھی علمی سوال کا جواب نہ دے سکے اور معذرت کی، یہ دراصل غالبیات کے ماہر کہے جاتے ہیں، اس موضوع پر کئی کتابیں مرتب کر چکے ہیں اور اپنا غالب ایوارڈ لینے کے لئے بمبئی سے دہلی آئے تھے، میں رات گیارہ بجے شعبۂ اُردو کے ریسرچ سکالر جاوید اختر کے ساتھ لکھنو جانے کے لئے روانہ ہوا، خدا کا شکر ہے کہ ٹرین میں ہمیں بیٹھنے کو جگہ مل گئی، گاڑی رات بھر چلتی رہی، صبح پانچ بجے کانپور پہنچی تو وہاں سے اتر کر ہم لکھنؤ جانے کے لئے بس میں سوار ہوئے، آٹھ بجے لکھنو پہنچے، رکشا لے کر سیدھے نواب مقبول احمد لاری کے ہاں گئے کیوں کہ ڈاکٹر انصار اللہ صاحب کے کہنے پر مجھے یہیں بطور مہمان ٹھہرایا جاتا تھا، نواب صاحب انکساری سے ملے اور مہمان خانے کی طرف بھیج دیا۔

۲۹ر جولائی، یہاں ناشتہ کر کے جاوید اختر صاحب کے ساتھ پولیس آفس میں جا کر اپنی لکھنو آمد کی اطلاع درج کروانے گیا، وہاں سے ریلوے سٹیشن جا کر ہم نے پٹنہ کے لئے یکم اگست کی ریزرویشن کروائی اور وہاں سے سیدھے ندوۃ العلماء ۱۶؎ پہنچے، مدت دراز سے یہ تمنا تھی کہ بین الاقوامی شہرت کے اس مدرسہ کو دیکھا جائے، سو خداوند کریم نے یہ آرزو پوری فرمادی، جس پر اس کا شکر گذار ہوں، یہاں کے کتب خانہ (شبلی لائبریری) میں نہایت نادر مخطوطات ہیں جن کی غیر مربوط سی فہرست مرکز تحقیقات فارسی، دہلی نے دو جلدوں میں شائع کی ہے، ہندوستان کے مختلف کتب خانوں سے یہاں بکثرت کتابیں آرہی ہیں، حال ہی میں حکیم اجمل خان کا کتب خانہ بھی آیا ہے، مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے کتب خانے کی انگریزی مطبوعات بھی یہاں آگئی ہیں، احقر نے مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب سے ملاقات کی، بڑی خندہ پیشانی سے ملے اور کتب خانہ دیکھنے کی اجازت دے دی، شعبۂ مخطوطات کے انچارج مولانا محمد ہارون نے بھی لائبریری کے اس شعبے کے اوقات کار سے زیادہ وقت دینے کا وعدہ کیا اور آج ہی شام سات بجے آنے کی اجازت دے دی، میں برسات کی بارش کے باوجود رکشے میں بھگتا ہوا وہاں پہنچا تو مولانا ہارون موجود تھے، سات مخطوطات نکلوا لئے جن میں ''چہار چمن وحدت'' ۱۷؎ اور ''اسراریہ'' ۱۸؎ از کمال اسماعیل سنبھلی نہایت نادر ہیں خصوصاً ''اسراریہ'' کی مجھے مدت دراز سے تلاش تھی، خدا کرے ان کی فوٹوسٹیٹ کاپی مل

جائے، آمین، رات نو بجے کتابیں وہاں چھوڑ کر چلا آیا کہ پرسوں ان کے فوٹوسٹیٹ بھی کرواؤں گا اور مزید خطی نسخے بھی دیکھے جائیں گے، کل اتوار کی وجہ سے عام تعطیل ہے اور ندوہ کو تو الیکشن کمیٹی کی وجہ سے پولنگ سنٹر بنا دیا گیا، اس لئے کل یہ مدرسہ بھی بند ہوگا، نواب صاحب کے ہاں آکر کھانا کھایا اور جلد ہی سونے کی فکر کرنے لگا، خدا کے فضل سے نیند آگئی۔

۳۰ر جولائی، آج اتوار ہے اور اتر پردیش کے کارپوریشن کے الیکشن ہیں اس لئے تمام ادارے بند ہیں حتیٰ کہ کاروبار تک بند پڑے ہیں، میں صبح ساڑھے نو بجے جواہر بھون گیا تاکہ اپنا پاسپورٹ واپس لے آؤں لیکن وہ لوگ ابھی تک نہیں آئے تھے گیارہ بجے کام شروع ہوا، میرا پاسپورٹ تیار پڑا تھا، لے لیا اور چپکے سے چلا آیا، وہاں سے سید ھا دانش محل، امین آباد گیا، اس کے مالک بڑے متین اور سنجیدہ سے آدمی ہیں، بڑی معلومات رکھتے ہیں، ان سے خوب گفتگو ہوئی، ان کے ہاں لکھنو اور دہلی وغیرہ کی کتابیں مل جاتی ہیں، جونپور کی تاریخ پر سید اقبال احمد کی کتاب دو ضخیم جلدوں میں دیکھی لیکن قیمت آٹھ سو روپے، فی الحال چھوڑ دی کہ دہلی جا کر فیصلہ کروں گا، وہاں سے فرنگی محل گیا تاکہ اس عظیم اسلامی تعلیمی مرکز کو دیکھ سکو لیکن یہاں اب سوائے پرانی عمارتوں کے کچھ نہیں ہے، صرف ایک بزرگ مولانا مفتی محمد رضا انصاری موجود ہیں جو ریٹائرڈ زندگی گذار رہے ہیں، یہ بڑے عالم مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں استاد رہے ہیں، کئی اہم کتابیں تالیف کی ہیں، فن تذکرہ نویسی میں کمال رکھتے ہیں، معمر ہونے کی وجہ سے کافی کمزور ہیں، میں پہنچا تو آرام کر رہے تھے، میں نے انہیں بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا، دوبارہ پانچ بجے شام حاضر ہونے کا کہہ کر چلا گیا، دوپہر کو بمشکل اونگھ سی آئی، چھ بجے اُٹھ کر فرنگی محل گیا تو مولانا محمد رضا انصاری صاحب سے ملاقات ہوگئی، بڑی خندہ پیشانی سے ملے، دیر تک عمدہ علمی باتیں ہوتی رہیں، بتایا کہ اب علمائے فرنگی محل کی بساط اُلٹ چکی ہے، سید احمد بریلوی اور ان کے رفقاء کے بظاہر مخالف نظر آئے، غلام رسول مہؔر کی جعل سازیوں کا بھی تذکرہ کیا کہ انہوں نے اپنی کتاب سید احمد شہید میں دو نام علماء ۱۹ فرنگی محل کے بھی لکھ دیئے ہیں کہ یہ سید احمد شہید کے مرید اور شاملِ جہاد تھے، حالانکہ وہ تو اس وقت نہایت کم سن تھے، انہوں نے اس سلسلے میں مہؔر سے مراسلت کی تو کوئی نتیجہ نہ نکلا اور مہؔر اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔

عشاء کی نماز کے قریب اُن سے اجازت لے کر نواب مقبول احمد لاری صاحب کے ہاں آ گیا، نواب صاحب سے کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوئیں اور پھر سفر نامے کی یہ چند سطریں لکھ کر جلد ہی سونے کی تیاری کرنے لگا۔

۳۱ر جولائی، صبح ساڑھے چھ بجے کتب خانہ ندوۃ العلماء سے استفادے کے لئے روانہ ہوا، ندوہ پہنچا تو مولانا ابوالحسن علی ندوی ناشتہ کرنے میں مصروف تھے، ان کے ساتھ شریکِ ناشتہ ہوا، مولانا نے کتب خانے کے مخطوطات سے فوٹوسٹیٹ بنوانے کی اجازت دے دی، وہاں سے مولانا محمد ہارون صاحب کے پاس گیا، مزید خطی نسخے دیکھے اور ساڑھے دس بجے قبل دوپہر ۹ قلمی کتابیں لے کر مولوی عبدالرقیب کے ہمراہ نذیر آباد آیا تا کہ ان کے فوٹوسٹیٹ بنوا لئے جائیں ان میں سے سب سے اہم اور ضخیم مخطوطہ ''اسراریہ'' از کمال سنبھلی کا ہے، جو حضرت خواجہ خُرد کے مرید اور ان کے حین حیات تالیف ہوا ہے، اس کے مل جانے سے سلسلہ نقشبندیہ کے تذکروں میں اہم اضافہ اور نادر معلومات کی فراہمی کی توقع ہے، باقی آٹھ خطی نسخے بھی نہایت نادر اور اہم معلومات کے حامل ہیں، آج میرے سفر ہند کا مصروف و مشکل ترین دن تھا، خداوند کریم کا شکر ہے کہ بخیر و عافیت گذر گیا، فوٹوسٹیٹ سے فارغ ہو کر اتر پردیش اُردو اکیڈمی گیا، وہاں سے دو کتابیں خریدیں اور پھر بازار کتاب فروشی کی طرف چلا گیا، دانش محل، فروغ اُردو، صدیق بک ڈپو وغیرہ پر بھی گیا لیکن بجز ایک کتاب سلطان محمود غزنوی از محمد حبیب اُردو ترجمہ ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد کچھ نہ ملا، البتہ انگریزی کی دو کتابیں ملیں یعنی:

1- Foundation of Muslim Rule in India By Habibullah

2- Akbar the Great By Srivastava Vol 2

شدید تھکن کے باعث جلد ہی نواب صاحب کے ہاں آ گیا۔

یکم اگست، فجر کی نماز کے بعد سوتے وقت پہننے کے کپڑے دھوئے، پونے سات بجے ندوۃ العلماء لائبریری میں گیا، وہاں دس بجے تک مزید مخطوطات دیکھے، ان سب میں جو آج میرے مطالعہ میں آئے، ایک خطی نسخہ ''مکاتیب قاضی ثناء اللہ پانی پتی'' کا ہے، جسے حضرت مظہر جانِ جاناں کے ایک خلیفہ نامدار

مولوی نعیم اللہ بہرا ئچی ۲۰؎ نے مرتب کیا تھا، اس اہم مخطوطہ کی فوٹوسٹیٹ حاصل نہ کر سکا، جس کا سبب وقت کی کم ہے، یہاں سے لکھنو یونیورسٹی کے لئے نکلا، گیارہ بجے تک علوم مشرقیہ کے شعبے بند پڑے تھے، اُردو کے ایک جواں سال استاد ملے، انہوں نے صدر شعبہ فارسی ڈاکٹر نیز مسعود بن ڈاکٹر مسعود حسن رضوی ادیب ۲۱؎ کے گھر کا پتہ ونقشہ دیا، وہاں سے میں سیدھا ان کے ہاں گیا، انہوں نے اِدھر اُدھر کی رسمی باتوں کے علاوہ چار کتابیں تحفۃً دیں، ان سے اُن کے والد کی کتاب واجد علی شاہ اور واجد علی شاہ کی منظوم خودنوشت سوانح عمری ۲۲؎ بھی شامل ہے، وہاں سے نواب مقبول احمد لاری صاحب کے ہاں گیا، واپسی کی تیاری مکمل کر کے گیا تھا، لاری صاحب نے بلا بھیجا کہ تمہاری مطلوبہ کتاب ''القول الجلی'' ۲۳؎ کاکوری ۲۴؎ سے آگئی ہے، کتاب دیکھ کر خوشی ہوئی، ڈیڑھ سو روپے ادا کئے اور کتاب لے کر سامان کو آخری شکل دی، کیوں کہ آج تین بجے پٹنہ کے لئے روانہ ہو جانا ہے، اتنے میں کھانا کھایا اور تین بجے بذریعہ رکشا ریلوے سٹیشن آگیا، یہاں سے ٹرین ہمگری ساڑھے چار بجے پٹنہ کے لئے روانہ ہوئی، ہمارا خیال غلط نکلا کہ یہ گاڑی کل صبح پانچ بجے پٹنہ پہنچے گی، اس نے تو رات ایک بج کر دس منٹ پر پٹنہ پہنچا دیا، اسٹیشن کے ایک کمرے میں صبح پانچ بجے تک ایک کرسی پر بیٹھ کر وقت گذارا۔

۲/اگست، رات بھر کی بے خوابی کے باعث شدید تھکان کا احساس رہا، چھ بجے کے قریب خدا بخش لائبریری پہنچا، اس کے ڈائریکٹر ڈاکٹر عابد رضا بیدار ۲۵؎ موجود تھے بڑی خندہ پیشانی سے ملے، لائبریری کے اخراجات پر قیام وطعام کا اہتمام کیا۔

یہ لائبریری دراصل اُن کے دم قدم سے ایک ریسرچ سیل میں تبدیل ہو چکی ہے، جرنل خدا بخش لائبریری کی ۵۰/جلدیں نکال چکے ہیں، بہت کم معاوضے پر محققین ان کو مل جاتے ہیں، ہمارے ملک میں بیش قرار تنخواہ پانے والے محققین بھی اتنا کام نہیں کر سکتے جتنا کہ یہاں کے معمولی تنخواہ لینے والے کر رہے ہیں، دوپہر کا کھانا لائبریری کی کنٹین پر کھایا اور ڈیڑھ گھنٹہ تک دوپہر کو ہوٹل میں آکر آرام کیا، چار بجے لائبریری پہنچا، یہاں حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ پر علمی تحقیقات کرنے والے آسٹریلین محقق Paual Jackson ۲۶؎ سے ملاقات ہوئی، اس کے سلسلہ کی ساری مطبوعات میرے پاس ہیں، شام چھ بجے

تک لائبریری میں کام کرتا رہا، وہاں سے ڈاکٹر افتخار مدنی صاحب کے ہمراہ ڈاکٹر حسن عسکری ؎۲۷ سے ملنے کے لئے گیا، بڑے محقق ہیں، اب معذور ہو چکے ہیں، قوتِ سماعت ختم ہوگئی ہے، بتایا کہ میری یاداشت بھی بہت متاثر ہوئی ہے، اس عمر میں بھی جب کہ در گور پر بیٹھے ہیں، تبرّا کرنے سے گریز نہیں کرتے، باتوں باتوں میں اپنا زہر بھی گھولتے ہیں، ان کے ہاں سے اُٹھ کر عطا کاکوی ؎۲۸ سے ملنے گیا، بڑی معمولی علمی قابلیت کے آدمی ہیں، اُردو تذکروں پر کچھ کام کیا ہے، آخری عمر ہے، ان کی کچھ مطبوعہ کتابیں اُن سے خریدیں اور رات نو بجے کے قریب واپس خدا بخش لائبریری پہنچے، کھانا کھایا اور ہوٹل جا کر سو گیا۔

۳/ اگست، صبح چھ بجے ڈاکٹر افتخار مدنی صاحب ہوٹل میں آئے اور ہم دونوں خانقاہ پھلواری شریف کے لئے چل پڑے، سات بجے کے قریب وہاں حاضر ہوئے، خانقاہ والوں نے ہمیں کل بروز جمعہ صبح نو بجے خانقاہ کا کتب خانہ دکھانے کا وعدہ کیا، ہم وہاں سے مولانا عون احمد قادری صاحب سے ملنے کے لئے گئے، یہ بھی اسی خانوادے کے فرد ہیں، مختصر سا ناشتہ یہیں کیا اور واپس پٹنہ کے لئے چل پڑے، آٹھ بجے ہوٹل پہنچ کر کپڑے دھوئے، نہا کر خدا بخش لائبریری پہنچا، ڈاکٹر عابد رضا بیدار صاحب نے بلاتکلف لائبریری کی مطبوعات خصوصاً جرنل خدا بخش لائبریری کے مطلوبہ شمارے عنایت کئے، دو پہر ڈاکٹر مدنی کے ساتھ پولیس والوں کے ہاں جا کر اپنے کاغذات لئے اور وہاں سے پٹنہ میوزیم چلے گئے، وہاں پر موجود دو اداروں یعنی:

1- K.P. Jayswal Research Institute

2- Bihar Research Society

میں گئے، ان کی خاصی مطبوعات ہیں، دونوں کی فہارس مطبوعات لیں، کچھ دیر بیٹھے اور چلے آئے، خدا بخش لائبریری میں شام چھ بجے تک کام کیا، یہاں سے فارغ ہو کر کتب فروشوں کے ہاں گیا، موتی لال بنارسی داس کے ہاں نادر کتب نہیں ہیں، البتہ Janaki Prakashan کے ہاں انگریزی میں کتب تاریخ کا اچھا ذخیرہ ہے، لیکن افسوس کہ لائٹ بند ہوگئی اور میں وہاں سے لائبریری واپس آ گیا، رات مختصر سے کھانے کے بعد جلد ہی سو گیا۔

۴راگست، صبح آٹھ بجے ڈاکٹر مدنی صاحب ہوٹل میں تشریف لائے تو ان کے ہمراہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف گیا، بارہ بجے دوپہر تک وہاں کی لائبریری میں مخطوطات دیکھے، بہت عمدہ اور بعض نادر مخطوطات بھی ہیں، یہ خانقاہ حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحیٰی بہاری کے سلسلے کے اصحاب کی ہے، حضرت شاہ مجیب اللہ اس خانقاہ وخانوادے کے بانی تھے، انہیں سلسلہ مجددیہ میں بھی بیعت واجازت تھی یعنی شاہ مجیب اللہ کو حضرت شاہ سلطان ۲۹ (مدفون بڑی ملیا بطرف پورنیہ) سے اجازت تھی اور انہیں حضرت شیخ آدم بنوڑی قدس اسرارہم سے یہاں نقشبندی سلسلے کے دو مخطوطات: (۱) ''ملفوظات حضرت خواجہ احرار'' جامع ملا محمد امین کرکی ۳۰ اور ''رسالہ وحدت الوجود'' لعلامہ محمد فرخ مجددی ۳۱ بھی دیکھے اور خانقاہ کے کتابدار سے ان کے فوٹوسٹیٹ کی اجازت چاہی تو بخوشی اجازت دے دی، ہم انہیں پھلواری، پٹنہ لائے اور فوٹوسٹیٹ بنوا کر جو آدمی انہوں نے ساتھ بھیجا تھا بشکریہ اسی آدمی کے ہاتھ واپس بھیج دیں۔

ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک بڑی مسجد میں نماز جمعہ ادا کی اس کے سامنے اتنا ہی بڑا ایک مندر ہے، مسلمان کافی تعداد میں مسجد کی تینوں منزلوں پر موجود تھے، دوپہر کے کھانے کے بعد میں ڈاکٹر مدنی صاحب کے ہمراہ دونوں اداروں میں گیا یعنی:

1- Bihar Research Institute

2- Jayaswal Research Institute

موخر الذکر ادارے کی بہت ہی اہم تاریخی کتب ہیں، ان میں ''تاریخ شیر شاہی'' کا انگریزی ترجمہ مع حواشی اور چھ حصوں میں ''تاریخِ بہار'' بہت ہی کام کی کتابیں ہیں، اس ادارے سے /628 روپے کی کتابیں خریدیں اور اول الذکر ادارے سے ان کے بلیٹن متعلقہ سکہ ہای ہند کا مکمل سیٹ اور پروفیسر حسن عسکری کو جو نذر پیش کی تھی، وہ بھی خریدی، چار بجے تک ہم سب کتابیں لے کر خدابخش لائبریری میں پہنچ گئے، وہاں چائے پی اور میں تنہا ہی بازار کتابفروشی کی طرف چل پڑا، اقبال بک ڈپو والوں کے ہاں سے کچھ نہ ملا البتہ Janaki Prakashan والوں کے ہاں انگریزی میں گذشتہ دس سال سے بڑا اہم سٹاک موجود ہے، ابھی دوسری الماری دیکھ رہا تھا کہ لائٹ چلی گئی، اس دوران وہاں سے بڑی اہم کتب کا

انتخاب کیا، انہیں وہیں چھوڑ کر چلا آیا، دکاندار نے کل صبح نو بجے کا وقت دیا ہے، میں رات اندھیرے میں ہی ہوٹل سے کھانا کھا کر کمرے میں آیا اور شدید تھکن کے احساس سے لیٹ گیا، نو بجے کے بعد کسی وقت نیند آگئی۔

۵/ اگست، آج صبح نو بجے Janaki Prakashan پہنچا، مالک موجود تھے لیکن چابی بردار ملازم ابھی تک نہیں آیا تھا، وہ ساڑھے نو بجے آیا، ہسٹری کی ساری کتابیں دیکھ ڈالیں ایسی اور اتنی عمدہ کتابیں سارا ہندوستان پھروں تب بھی نہ ملیں، بل بنایا تو کل رقم 1272/ روپے بنی، 30% رعایت بھی اس میں شامل ہے، اس طرح عمومی کتابیں ۱۵/ سے ۲۰ روپے فی کتاب پڑی، ان میں بعض نہایت کمیاب کتب بھی ہیں، اس طرح دن کے بارہ بج گئے تو میں خدا بخش لائبریری پہنچا، ڈیڑھ گھنٹہ کام کیا تو محکمہ آثارِ قدیمہ، صوبہ بہار جانے کے لئے ایک نوجوان مسعود کو ساتھ لیا، یہ محکمہ سیکرٹریٹ کے اندر ہے، جس میں جانے کے لئے بڑی پابندیاں ہیں، ہم اندر تو چلے گئے لیکن کوئی اس محکمے کے محل وقوع سے واقف نہیں تھا، ایک گھنٹہ کی تگ ودو کے بعد جا کر یہ محکمہ ملا، اس کا ڈائریکٹر بڑی خندہ پیشانی سے ملا، اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں، اس محکمے نے جو حدود ۱۹۵۲ء سے قائم ہوا، اب تک اس سلسلے کی صرف تین کتابیں شائع کی ہیں، جو ڈائریکٹر نے مجھے تحفۃً دے دیں، ہم پانچ بجے خدا بخش لائبریری میں پہنچ گئے، یہاں خانقاہ عمادیہ اور خانقاہِ منعمیہ کے صاحبزادگان سے ملاقات ہوگئی، انہوں نے بتایا کہ اُن کے ہاں بھی مخطوطات موجود ہیں اور یہ طے پایا کہ کل شام چھ بجے خانقاہ عمادیہ والے مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے اور وہاں سے خانقاہ منعمیہ بھی قریب ہے، اُن حضرات سے فراغت کے بعد میں جانکی پرکاش والوں کے ہاں گیا، وہاں میری خرید کی ہوئی کتابوں کا بنڈل تیار پڑا تھا، ان کے ملازم نے خدا بخش لائبریری تک پہنچا دیا۔

میں دن بھر کی تھکن سے کافی ست پڑ گیا ہوں اس لئے جلد ہی کھانا کھا کر سونے کا فیصلہ کر لیا، قریبی مسلم ہوٹل میں کھانا کھایا، ذرا گھوما پھرا، حضرت مخدوم شرف الدین منیری کے سلسلے کی چار کتابوں کے اُردو ترجمے خریدے جو خانقاہ مخدوم نے شائع کئے ہیں اور پھر ہوٹل آ کر سو گیا، صبح چار بجے ہی آنکھ کھل گئی۔

۶/ اگست، صبح دس بجے ہوٹل سے نکلا، خدا بخش لائبریری پہنچا ہی تھا کہ عربیک اینڈ پرشین ریسرچ

انسٹیٹیوٹ، پٹنہ سے ایک صاحب مجھے لینے کے لئے آ گئے، میں چند منٹوں میں ان کے ہمراہ وہاں پہنچ گیا، اس کے ڈائریکٹر بڑے منکسر مزاج آدمی ہیں، پورا عملہ اٹھ کھڑا ہوا، تدریسی سٹاف جو میرے گرد جمع ہوا وہ سب کے سب مجھ سے کافی معمر تھا، ان سے گفتگو سے یہ نتیجہ نکلا کہ یہ ادارہ صرف عربی و فارسی کے نام پر سرسری طور پر نام رکھ دیا گیا ہے، ادارہ کے پاس حکومت کی طرف سے کوئی خاص توجہ گرانٹ نہیں ہے، اس کے باوجود سال دو سال بعد کوئی نہ کوئی کتاب شائع کر لیتے ہیں، سٹاف کی تنخواہیں نہایت معمولی ہیں، جب احقر نے پاکستان میں علوم مشرقیہ کی سرکاری سطح پر سرپرستی اور مطبوعات کا تذکرہ کیا تو بہت خوش ہوئے، پاکستان آنے کا شوق بھی ظاہر کیا، ان حضرات میں کوئی بھی اعلیٰ درجے کا محقق نہیں ہے، البتہ ڈاکٹر شمس الحق صاحب استاد عربی شاگرد ڈاکٹر مختار الدین احمد قابل استاد ہیں، انہوں نے دنیا کے ایک واحد عربی قلمی نسخہ کو ایڈٹ کیا ہے، جو دائرۃ المعارف عثمانیہ سے چھپ چکا ہے، یہ فن بلاغت کی کتاب ہے، میں وہاں سے بارہ بجے کے قریب واپس خدا بخش لائبریری پہنچ گیا، کھانے کے وقفہ میں کتاب منزل سبزی باغ گیا، وہاں سے حاکم لاہوری، آفرین لاہوری، غازی الدین نظام اور والہ اصفہانی کے احوال و آثار پر الگ الگ طبع شدہ پی ایچ ڈی کے مقالات خریدے اور واپس لائبریری آ کر کام کرنے لگا، آج لائبریری میں ''کمالات مظہریہ'' ۳۲ از حضرت شاہ غلام علی دہلوی کا نسخہ دریافت کیا، اس کا صرف ایک ہی نسخہ مولانا زید ابوالحسن فاروقی، دہلی کے پاس ہے، دوسرا نسخہ یہاں خدا بخش لائبریری میں ملا جہاں کاتب نے اس کا نام ''ہدایت جہاں'' لکھ دیا ہے، یہاں پونے پانچ بجے تک کام کیا اور پھر ڈاکٹر مدنی صاحب کے ساتھ خانقاہ عمادیہ اور خانقاہ منعمیہ میں مخطوطات دیکھنے کے لئے چلا گیا، عمادیہ میں پچاس ساٹھ خطی نسخے رہ گئے ہیں، ان میں مولوی نور الحق بن عبد الحق بن شاہ مجیب اللہ پھلواری کی ایک کتاب ''رسالہ در احوال بزرگان پھلواری شریف و تذکرہ بزرگان سلسلہ خود'' بہت اہم مخطوطہ ۳۳ ہے، ان سے اس کی فوٹو سٹیٹ کی درخواست کی، جو قبول کر لی ہے، اپنے بیٹے کو ساتھ بھیجا لیکن بوجہ اتوار مارکیٹیں بند تھیں فوٹو نہ بن سکا، لڑکے کو فوٹو سٹیٹ کی رقم دے کر ہم لوگ خانقاہ منعمیہ کے لئے روانہ ہو گئے، تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ گئے۔

یہ خانقاہ دراصل ابوالعلائیہ ۳۴ نقشبندیہ سلسلہ کے بزرگوں کی ہے، ان کے حالات پر بعض اہم

کتب ''کیفیت العارفین''، ''نجات قاسم''، ''الانساب'' وغیرہ طبع ہو چکی ہیں، ان کے سلسلۂ طریقت ابوالعلائیہ کے علاوہ مجددیہ بھی ہے اور شیخ مصطفیٰ ۳۵؎ کی وساطت سے حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہ تک واصل ہوتا ہے، یہاں سے رات ساڑھے آٹھ بجے معروف تذکرہ نویس عطا کاکوی صاحب کے ہاں گئے اور اُن سے بعض نادر رسائل خریدے، جن میں ''معاصر'' ۳۶؎ کے ۱۸ر پرچے، ''معارف'' کے ۱۳ر پرچے، ''برہان'' کے ۴ر پرچے، ''اسلامک کلچر'' کے ۲۳ر پرچے شامل ہیں، شمس اللہ قادری کی سلاطین معبر اور فرنگی محل کے علماء پر مناقب رزاقیہ کا ایک نسخہ بھی ملا، ۳۷؎ رات دس بجے واپس ہوٹل پہنچا، آج نہایت شدید تھکن ہوگئی، رات اسی وجہ سے صحیح نیند نہیں آسکی، کل ساری رات اور نصف دن کا سفر ہے کیوں کہ رات 7:50 پر بذریعہ ٹرین پٹنہ سے دہلی کے لئے جانا ہے، خداوند کریم بخیر و عافیت پہنچادے، آمین۔

۷راگست، صبح نو بجے ڈاکٹر مدنی صاحب ہوٹل میں تشریف لائے اور ہوٹل کا حساب کر کے میرا سامان لے کر خدا بخش لائبریری کے لئے چل دیئے، لائبریری کی ہمسائیگی میں اُردو اکیڈمی، بہار ہے، میں پہلے وہاں گیا تقریباً ۲۵ر کتابیں اس اکیڈمی نے شائع کی ہیں، جن میں پانچ چھ کتابیں میں نے منتخب کیں، اکیڈمی کے سیکرٹری سے ملا، یہ سن کر بہت خوش ہوئے کہ میں صرف علمی تحقیقات کی غرض سے ہندوستان آیا ہوں، مجھے کتابیں تحفۃً دیں اور میں لائبریری سے ہوتا ہوا پولیس سٹیشن چلا گیا تا کہ دہلی جانے اور پٹنہ چھوڑنے کی رپورٹ کر آؤں، خدا کے فضل سے یہ مشکل کام فوری طور پر ہوگیا، وہاں سے بذریعہ رکشا جانکی پرکاش آیا ان کی تین مطبوعات لیں، اور خدا بخش لائبریری آ کر اپنا سامان بندھوایا، دو بجے کے قریب مطالعہ کے لئے بیٹھا اور شام چھ بجے تک مخطوطات دیکھتا رہا، چھ بجے کھانا کھایا اور ڈاکٹر مدنی ایک لائبریری کے کارمند نوجوان کو ساتھ لے کر مجھے ریلوے اسٹیشن تک چھوڑنے آئے لیکن ہمیں کتابوں کا وزن کروانے میں دیر ہوگئی، جس سے ٹرین مگدھ ہمارے سامنے ہی نکل گئی، بڑا صدمہ ہوا، اس میں ریزرویشن تھی، اب ہم پریشان حال اِدھر اُدھر ریلوے کے دفتروں میں گھومنے لگے کہ ریل طوفان میں ریزرویشن مل گئی، یہ گاڑی بہت ہی سست رفتار ہے اور پٹنہ سے ۲۳ر گھنٹوں میں دہلی پہنچتی ہے، خدا کا نام لے کر اسی میں بیٹھ گئے، رات بھر لوگوں کے شور اور ٹرین

کے اپنے شور سے نیند نہ آئی، اب صبح اور ساری رات اسی طرح تڑپ کر گزارنا ہوگا۔

۸راگست، آج کا سارا دن اسی ٹرین میں گذرے گا، رات آٹھ بجے کے درمیان یہ دہلی پہنچے گی، خدا کرے میں سامان سمیت درگاہِ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء میں خیر و عافیت سے پہنچ جاؤں، آمین۔

ٹرین ٹھیک نو بجے رات پہنچی گویا ۲۴ر گھنٹے صَرف ہوئے، بیس روپے خرچ کرنے سے میں کتابوں سمیت خانقاہ شریف حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء میں پہنچ گیا، خداوند کریم کا نہایت شکر گذار ہوں کہ راستے میں کئی بار طبیعت بری طرح خراب ہوئی لیکن اللہ کے فضل و کرم سے ہر مرتبہ سنبھل گئی، رات جلد ہی سونے کی کوشش کی۔

۹راگست، صبح ساڑھے نو بجے ناشتہ کر کے خانقاہ شریف سے نکلا اور سب سے پہلے دہلی انٹیلی جنس میں پہنچ کر رپورٹ کروائی کہ میں دہلی پہنچ گیا ہوں، پھر وہاں سے کتب خانہ انجمن ترقی اُردو، اُردو بازار، جامع مسجد دہلی کے لئے روانہ ہوا، دس بجے تک وہاں پہنچ گیا، پروفیسر فرخ علی جلالی صاحب نے میری رہنمائی کے لئے، علی گڑھ سے دہلی آنے کے لئے کہا تھا، میں نے انہیں خط لکھ دیا تھا وہ بھی حسبِ وعدہ پہنچ گئے، دکان پر کتابیں دیکھیں کوئی نایاب کتاب نہ ملی، یہاں سے ہم نیشنل میوزیم سے ملحق عمارت آرکیالوجی اینڈ اپی گرافی میں گئے معلوم ہوا کہ ۲۵ فیصد رعایت پر عربی و فارسی اپی گرافی کا سیٹ ۱۲۰۰ر روپے میں مل سکتا ہے، اسے کسی دکاندار کی معرفت خریدنے کا فیصلہ کیا، اس کے بعد فرخ جلالی صاحب مجھے میوزیم لے گئے کچھ دیر وہاں رہے پھر نیشنل آرکائیوز میں گئے، مجھے باہر ہی ٹھہرنا پڑا کیوں کہ غیر ملکی افراد کا داخلہ ممنوع ہے، گھنٹہ بھر کے بعد فرخ جلالی صاحب آئے تو ان کے ہاتھ میں صرف تین رپورٹیں تھیں، وہاں سے سٹرلنگ پبلشرز والوں سے ملاقات کے لئے گرین پارک کی طرف چل پڑے، خاصا فاصلہ تھا، اس ادارے کے منیجر مسٹر گھائی خوش اخلاقی سے ملے اور تمام کتابیں پاکستان بھیجنے کا وعدہ کر لیا، وہاں سے واپس کتب خانہ انجمن ترقی اُردو آئے اور شام سات بجے تک وہاں رہے، مغرب کی نماز پڑھ کر جلالی صاحب، علی گڑھ کے لئے چلے گئے اور میں خانقاہ شریفہ کی طرف چل پڑا، شدید تھکن تو تھی ہی، اب طبیعت بے حال ہونے لگی، جلد ہی سونے کی فکر کرنے لگا۔

۱۱راگست، آج صبح بازار سے ناشتہ کر کے ساڑھے سات بجے ہی نکل گیا، آج حضرت مرزا مظہر علیہ

الرحمۃ کی خانقاہ معلیٰ میں حاضر ہو کر مخطوطات دیکھنے کا پروگرام ہے، اس وقت سجادہ نشین اور مالک کتب خانہ مولانا ابوالحسن زید فاروقی بن حضرت شاہ ابوالخیر ہیں، ان سے ملاقات ہوئی، اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد فرمایا کیسے آئے ہو؟ میں نے مخطوطات کے استفادہ کے لئے کہا تو صاف انکار کر دیا کہ مجھ میں اب دم خم نہیں ہے، حالانکہ مولانا خانقاہ کی تعمیر کے سلسلے میں سارے کام میرے سامنے خود ہی انجام دیتے رہے، ساری ہدایات کے لئے باہر آتے رہے، مجھ سے یہ بھی نہ پوچھا کہ دہلی میں قیام کہاں ہے؟ تو اُن سے رہائش کی پیشکش کی توقع عبث تھی، جب میں نے خانقاہ کی مطبوعات کے لئے درخواست کی تو فرمایا کہ میاں تمہیں ان کی قیمت دینا ہوگی، مجھے مخطوطات نہ دکھانا بڑی زیادتی تھی، افسوس اس بات کا ہے کہ وہ میرے مجددیہ سلسلہ پر علمی کاموں کے معترف ہیں لیکن اس کے باوجود اس سے انکار بہت ہی گراں گذرا، خدا کو یہی منظور تھا، اسی میں میری بہتری ہوگی، البتہ یہیں پر حیدرآباد دکن کے ڈاکٹر عبدالستار خان صاحب مل گئے، انہوں نے کہا کہ میرے بھتیجے نے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ پر ایم فل کیا تھا، وہ یہاں آئے تھے اور اس سے متعلق تمام تر مواد کی فوٹو کاپی بنا کر لے گئے تھے، وہ سارا مواد میں تمہارے حوالے کر دوں گا، میں اس سے بڑا مسرور ہوا، وہاں سے سیدھا ادارۂ ادبیات دلی، دہلی کے لئے روانہ ہوگیا، ادارہ کے مالک محمد احمد صاحب، جو جدید تعلیم یافتہ ہیں، بڑے ہی عمدہ اخلاق کے مالک اور بہت ہی معیاری کتب کے ناشر اور جید پریس کے مالک بھی ہیں، اڑھائی ہزار روپے کا بل بنا، میں نے رقم کی کمی کا اظہار کیا تو کہا کہ پاکستان جا کر Sterling، دہلی کی معرفت مجھے چیک بھیج دیں، جس سے مجھے بڑی مسرت ہوئی، خداوند کریم ان کو جزائے خیر دے، آمین، یہاں سے دو بجے کے قریب کتابیں لے کر کتب خانہ انجمن ترقی اُردو جامع مسجد گیا، وہاں پر کتابوں کا یہ بنڈل رکھا، انصاری روڈ پر چل دیا، وہاں پر پہلے منوہر بک سروس والوں کے ہاں گیا، یہاں پر بہت ہی نادر الوجود انگریزی کتابیں دیکھیں، ان میں دورِ وسطی کے مسلم ہند سے متعلق چودہ اہم کتب خریدیں اور آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، جو اس کے قریب ہی واقع ہے، دیکھی بہت شاندار بلڈنگ ہے، ان کی جو کتب حال ہی میں شائع ہوئی ہیں ان میں:

Shrine and Cult of Kh. Moin-ul-Din of Ajmir

قابل ذکر ہے، دیگر کتب بھی ہیں مگر رقم کی انتہائی کمی کے باعث میں کوئی کتاب نہ لے سکا اور انہیں Sterling کی معرفت خریدنے کا ارادہ کر کے واپس جامع مسجد کی طرف چل دیا، کتب خانہ انجمن ترقی اُردو پر کتابوں کا دوسرا بنڈل (منوہر سروس) رکھا اور پھر اِدھر اُدھر گھومتے ہوئے واپس درگاہ حضرت نظام الدین پر آ گیا، وہی روزانہ کا معمول شدید تھکن اور اس سے بے حال۔

۱۲ر اگست، صبح بازار سے ناشتہ کر کے ساڑھے سات بجے کے قریب خانقاہ کے مہمان خانے سے نکلا اور ہمدرد فونڈیشن، جو اب جامعہ ہمدرد بن چکی ہے، حکومت ہند نے ۹۵ر ایکڑ زمین دی تھی جس پر ہمدرد کے مالک حکیم عبدالحمید ۳۸؎ نے یہ شاندار عمارت بنوائی ہے، کے لئے چل پڑا، لائبریری پہنچا تو پتہ چلا کہ آج پوری جامعہ میں چھٹی ہے، وہاں سے سیدھا آصف علی روڈ پر آیا، یہاں اورینٹ لونگ مین Orient Long Man پر گیا، اس ادارنے نے خود عمدہ کتابیں شائع کی ہیں، ان میں ایک تو ان مطبوعہ کتابوں کی فہرست ہے، جو سکول آف اورینٹل سٹڈیز لندن یونیورسٹی میں محفوظ ہیں اور اُن کا تعلق برصغیر سے ہے، ڈورا کی تالیف ہے، اس کے علاوہ یہاں پرانی مطبوعہ کتب کا بھی سٹاک دیکھا ان میں سے بعض بہت ہی نادر کتب تھیں، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ کی مطبوعات وفہارس مخطوطات بھی اس میں شامل ہیں، سب خریدیں، کتابیں اٹھا کر جامع مسجد اُردو بازار چلا آیا، یہاں کتابوں کا پیکٹ رکھا اور کتب خانہ انجمن ترقی اُردو میں مزید کتابیں دیکھیں، قدیم مطبوعات میں سے تاریخ قوم سوات اور تاریخ ظفرہ ملیں، ان کا حساب بنوایا تو کل رقم 537 روپے بنی، یہ ادا کر کے چلتا بنا، آج بھی تھکن کے باعث طبیعت سخت خراب رہی۔

۱۳ر اگست، آج محرم الحرام کی دس تاریخ اور اتوار کا دن ہے، تمام سرکاری وغیر سرکاری ادارے و علمی مراکز بند ہیں، میں دن بھر یہیں مہمان خانے میں آرام کرتا رہا، رات کے وقت ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب تشریف لائے، اُن کے ہاتھ میں میرے لئے ایک نہایت نادر کتاب ''تذکرۂ احباب'' ۳۹؎ از نثاری بخاری تھی، جو انہوں نے مجھے عنایت کی، خواجہ حسن ثانی صاحب کے ساتھ چند منٹوں کی بات چیت کے بعد وہ مجھے مالک رام سے ملوانے کے لئے لے گئے، مالک رام سے مل کر ایسا محسوس ہوا کہ وہ ہندو نہیں ہیں، لیکن ایسا کیسے ہوسکتا ہے یہ بھی کوئی چال ہے، ۳۹؎ ان سے کتابوں کی درخواست کی لیکن اس نے پھر آنے

کے لئے کہا، ایک گھنٹہ کے بعد فاروقی صاحب کے ساتھ چلا آیا، رات جلد ہی سونے کی کوشش کی۔

۱۴راگست، صبح آٹھ بجے کے قریب Sterling والوں کے ہاں جانے کے لئے نکلا، گرین پارک پہنچ کر راستہ بھول گیا لیکن آخر کار مل ہی گیا، اُن سے کار کے لئے کہا تو کہنے لگے کہ ہمارا ڈرائیور نہیں آیا، آپ ٹیکسی پر کتابیں لے آئیں، جو خرچ ہوگا ہم دے دیں گے، نہایت دیانتدار لوگ ہیں، انہوں نے ساتھ ایک ملازم انیل کمار کو بھیجا، سب سے پہلے PIA کے آفس میں جا کر واپسی ۱۹راگست کے لئے سیٹ پکی کروائی اور پھر وہاں سے دہلی یونیورسٹی کے لئے چل پڑے جہاں سے:

Proceedings of History Congress

کی ۳۵رجلد خریدیں، بہت مہنگی کتاب ہے، 3433 روپے میں آئی، وہاں سے نیشنل میوزیم سے ملحق آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا سے ایک نہایت ہی قیمتی کتاب:

Arabic and Persian Inscriptions of India

بھی خریدی، اس کی سترہ جلدیں ہیں، اس کی قیمت تیرہ سو روپے دینی پڑی، اس طرح جس قدر رقم ہمراہ تھی اس کا بڑا حصہ آج خرچ ہو گیا، صرف دو ہزار روپے بچے، وہاں سے میں اورینٹ لانگ مین کے ہاں آیا، چھ سو روپے کی ان کی مطبوعات خریدیں اور جلد ہی واپس آ گیا، ڈاکٹر فاروقی صاحب کے ہمراہ گیا ان کے ہاں کھانا کھایا، اِدھر اُدھر کی علمی باتیں ہوتی رہیں اور پھر وہ مجھے رات یہیں مہمان خانے میں چھوڑ گئے۔

۱۵راگست، آج ہندوستان کا یوم آزادی ہے، ہمارے ہاں (پاکستان) میں ۱۴راگست کو یہ دن منایا جاتا ہے، آج تمام دفاتر اور بازار بند ہیں، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب نے کہا تھا کہ وہ صبح آٹھ بجے آکر لے جائیں گے اور دہلی کے اہم مزارات کی زیارت میں ساتھ دیں گے، لیکن وہ ساڑھے دس بجے آئے تو میں ان کے ہمراہ زیارتِ مزاراتِ دہلی کے لئے روانہ ہو گیا، سب سے پہلے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے علاقہ قطب صاحب میں گئے، یہیں دیگر بزرگوں کے بھی مزارات ہیں، صاحب ''رسالۂ عشقیہ'' قاضی حمید الدین ناگوری اور حضرت شاہ فخر الدین فخر جہاں کے مزار بھی یہیں پر ہیں، یہاں سے واپسی پر قطب مینار پر گئے اور کئی تصاویر اتروائیں، وہاں سے پانی پی کر حضرت

خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے مزار کی زیارت کے لئے جانا نصیب ہوا، یہاں بھی ہم نے زیارت وفاتحہ خوانی کے بعد تصویر کشی کی، ان کے عقب میں کسی امیر کا مقبرہ ہے، نام ونشان سے بہت قدیم عمارت معلوم ہوتی ہے، عہدِ سلطنت کا طرزِ تعمیر معلوم ہوتا ہے، اس کی بھی تصاویر بنائیں، یہاں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور آپ کے خانوادے کی مزارات پر گئے، فاتحہ کے بعد مزارات کی تصاویر لی گئیں، اور یہاں سے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے مزار پر گئے، مدت دراز سے اس مبارک احاطۂ مزار کی زیارت کا اشتیاق تھا، اللہ تعالیٰ نے پورا کر دیا، جس پر اس کا بہت شکر گذار ہوں، یہیں آپ کے دونوں فرزند خواجہ کلال و خواجہ خرد مدفون ہیں، آپ کے خلفاء میں سے حضرت خواجہ حسام الدین احمد [۴۱] اور حضرت شیخ اللہ داد [۴۲] کا علم ہوا، دونوں کے مزارات پر کتبے نہیں ہیں، حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے مزار کے احاطہ میں داخل ہوں تو سب سے پہلے چھوٹی سی قبر مولانا احمد جیون امیٹھوی [۴۳] کی ہے، ہم نے ان سب مذکورہ مزارات کے فوٹو بنائے اور مزارات کی زیارت کرتے ہوئے چلے آئے، چار بجے دوپہر درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ میں پہنچے لیکن نیند نہ آسکی، رات کھانا کھایا اور سونے کی کوشش میں لیٹ گیا۔

۱۶ ر اگست، آج صبح آٹھ بجے کتابوں کے تین بڑے بڑے کارٹون لے کر Sterling والوں کے ہاں گیا، ان کارٹونوں میں وہ کتب ہیں جو میں نے لکھنو اور پٹنہ میں خریدیں اور بعض تحفۃً ملی تھیں، Sterling والوں کے ہاں ساڑھے دس بجے تک رہا، یہاں کے سکھ ملازم واسو کے ہمراہ پنجابی پرکاشن پر گیا، جو شہر سے بہت دور واقع ہے، یہاں پہنچ کر دیکھا کہ پنجاب سے متعلق بے شمار کتب پنجابی اور انگریزی میں موجود ہیں، جن میں بعض نہایت نادر اور اہم کتب بھی ہیں، ان میں سے جو کتابیں منتخب کیں ان کی مالیت تقریباً اڑھائی ہزار روپے ہے، یہ کتب Sterling والے ہی خرید کر میرے لئے لاہور ان کتابوں کے ساتھ روانہ کریں گے، یہاں سے اردو اکیڈمی چلا آیا مسٹر واسو ہی چھوڑ گئے، یہاں آ کر صرف اٹھارہ کتب اُردو منتخب کیں لیکن اس کے شیعہ سیکرٹری شریف الحسن نقوی نے کہا کہ یہ تو بہت زیادہ ہیں کم کریں، میں نے نظر ثانی کی تو اب بارہ کتب رہ گئیں، شیعہ سیکرٹری نے کہا کہ ہاں اب ٹھیک ہے، میں انہیں بارہ اماموں کے نام پر دے سکتا ہوں، میں خاموش ہو گیا، یہ کتب لے کر انجمن ترقی اُردو ہند، اُردو گھر روز ایو

پہنچا، ڈاکٹر خلیق انجم ۴۴؎ موجود تھے، بڑی محبت سے ملے، کھلایا، پلایا یعنی چائے کے بعد کتابوں کی باتیں شروع ہوئیں، میں نے صرف دس کتب منتخب کیں تو کہا یہ تو بہت ہی کم ہیں، کوئی خدمت بتایئے، احقر نے کہا مجھے صرف اسی قدر درکار ہیں، البتہ رسالہ اُردو ادب کے شمارے جس آدمی کے پاس ہیں وہ آج چھٹی پر ہے، اس لئے وہ کل ملیں گے، یہاں سے پیپلز پبلشنگ ہاؤس گیا جانے پر معلوم ہوا کہ ان کے پاس اب تمام کتب ختم ہو چکی ہیں، تاریخ کا ذخیرہ برائے نام ہی تھا۔

یہاں سے کتب خانہ انجمن ترقی اُردو جامع مسجد کی طرف روانہ ہوا، وہاں کتابوں کے پیکٹ رکھے اور ڈاکٹر مجیب الاسلام سے ملنے کے لئے گیا، وہ گھر پر نہیں تھے، وہاں سے سیدھا اپنی قیام گاہ حضرت نظام الدین اولیاء کی طرف چل پڑا، وہی روز کی شکایت شدید تھکن آج تو دماغ کی حالت بہت غیر ہو رہی تھی، کھانا کھا کر سو گیا۔

۱۷ اگست، صبح سات بجے گھر سے نکلا اور سیدھا نہرو یونیورسٹی کے لئے روانہ ہو گیا، دو بسیں بدلیں پھر رکشا لیا اور ڈاکٹر مظفر عالم ۴۵؎ صاحب کے ہاں پہنچ گیا، ایک گھنٹہ ان سے علمی باتیں ہوتی رہیں، انہوں نے بتایا کہ ایشیا پبلشنگ ہاؤس کی کتب اب بھی ملتی ہیں اور اندرا پیلس کتاب پیلس میں ایک دکان کا پتہ دیا، ان کے گھر سے میں اسلامک انسٹیٹیوٹ ہمدرد یونیورسٹی، ہمدرد نگر، تغلق آباد ۴۶؎ گیا، یہاں تین ہزار سے زیادہ عربی اور فارسی مخطوطات ہیں ان میں سے صرف نقشبندی سلسلے کے مخطوطات کا انتخاب کیا، افسوس کہ مخطوطات کے انچارج مولوی حبیب الرحمٰن خود علمی تحقیقات کے آدمی نہیں ہیں، موصوف لنچ ٹائم میں مخطوطات کے کمرے میں سو جاتے ہیں، مجھ سے ٹھیک دو بجے رضوی صاحب پبلیکیشن آفیسر کے کمرے میں ملنے کا وعدہ کر کے چلے گئے لیکن اڑھائی بجے تک نہ آئے، میں پونے تین بجے سہ پہر اٹھا اور انسٹیٹیوٹ کے ڈائریکٹر اوصاف علی صاحب سے ملنے کے لئے گیا، مل کر خوش ہوئے، جب میں نے بتایا کہ میں خواجہ حسن ثانی صاحب کے ہاں ٹھہرا ہوا ہوں تو مزید اطمینان کا اظہار کیا، اپنے رسالے Studies in Islam کے جتنے شمارے موجود تھے، سب تحفۃً دیئے، یہاں دو مخطوطات ۴۷؎ کی مائیکرو فلم کی درخواست دے کر میں چلا آیا، ایشیا پبلشنگ ہاؤس، جواب ختم ہو چکا ہے کی مطبوعات یہاں کتاب پیلس

میں اندرا پیلس کی ایک دکان جے سنگھے پبلشرز کے ہاں موجود ہیں، یہاں ان میں بعض اہم کتب مل گئیں، ان میں فتوح السلاطین کا انگریزی ترجمہ آغا مہدی حسن جلد دوم وسوم، علی گڑھ ڈاکومینٹس، تاریخ محمدی از محمد بہامد خانی اور موسیقی پر ایک فارسی کتاب ۴۸ مل گئی، وہاں سے سیدھا کتب خانہ انجمن ترقی اُردو جامع مسجد گیا، یہ کتابیں رکھیں اور مالک رام صاحب سے ملاقات کے لئے وہاں سے براہِ راست ڈیفنس کالونی کے لئے روانہ ہوگیا، انہوں نے مختلف ہندوستانی سکالرز کو جو نذریں پیش کی گئیں تھیں، ان کا ایک سیٹ ۴۹ مجھے دیا، یہ سلسلہ نہایت اہم ہے اور عمدہ مقالات پر مشتمل ہے، رات نو بجے کے قریب بذریعہ ٹیکسی میں یہ کتابیں اٹھا کر درگاہ حضرت نظام الدین میں چلا آیا، کھانا کھاتے ہی سونے کی کوشش کی۔

۱۸/اگست، صبح نو بجے مالک رام صاحب کی دی ہوئی کتابوں کا بڑا پیکٹ لے کر کتب خانہ انجمن ترقی اُردو گیا، انہیں وہاں رکھ کر واپس اپنی قیام گاہ پر آیا، کیوں کہ ضروری فائل بھول گیا تھا، فائل لے کر سیدھا مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران کے دفتر واقع روبرو سپریم کورٹ پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہاں جمعہ کے روز تعطیل ہوتی ہے، یہاں سے انجمن ترقی اُردو ہند کے دفتر میں گیا، ڈاکٹر خلیق انجم نہیں تھے لیکن اُردو ادب کے دس پرچے تحفۃً مل گئے، یہاں سے انٹیلی جنس کے دفتر میں جا کر پوچھا کہ کیا کل واپس لاہور جانے کے لئے آج ہی واپسی کا اندراج کروایا جا سکتا ہے؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو اندراج بھی جلد ہی ہو گیا، یہاں سے منشی رام منوہر لال، رانی جھانسی روڈ پر گیا، خدا کا شکر ہے کہ میری منتخب کی ہوئی کتابیں ابھی تک ایک طرف ہی رکھی ہوئی تھیں، لیکن مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ ان کا بل سٹرلنگ میں ہی پڑا رہ گیا، اب کمیشن کی شرح بھی بدل گئی جو بل ۱۲۸۰/روپے تھا اب ۱۳۷۳/روپے کا بنا، خاموشی سے پیکٹ اٹھایا اور جامع مسجد کے کتب خانہ انجمن ترقی اُردو میں رکھے گئے سارے چھ عدد پیکٹ اٹھائے اور سٹرلنگ پر پہنچانے کے لئے بذریعہ آٹو رکشا چل دیا، وہاں پونے پانچ بجے تک رہا، وہاں سے بس جلد ہی مل گئی، مسٹر واسو کتب خانہ انجمن پر میرے منتظر تھے، ان کے ہمراہ ایک بریف کیس خریدا جس کی قیمت 340/ روپے ہے، یہاں سے تقریباً ۳۰/کلومیٹر کے فاصلے پر پنجابی پرکاشن ہے، جہاں پنجاب سے متعلق بڑی اہم کتابیں موجود ہیں، میں مسٹر واسو کے ہمراہ وہاں گیا کچھ انتخاب پرسوں کیا تھا بقیہ آج دیکھ ڈالیں، ان تمام کتابوں کا بل

2057/ روپے کا بنا، یہ رقم سٹرلنگ والے ادا کریں گے، جسے میں لاہور پہنچ کر انہیں بھجوادوں گا، یہاں سے مسٹر واسو کے سکوٹر پر ہی میں واپس بستی حضرت نظام الدین اولیاء میں آیا، معلوم نہیں میری غیر موجودگی میں ڈاکٹر مظفر عالم صاحب یہاں آئے بھی تھے یا نہیں، کھانا کھا کر فارغ ہوا ہی تھا کہ مکتبہ عزیزیہ والے ملنے آگئے، دس بجے تک باتیں کرتے رہے پھر میں اجازت لے کر سونے کے لئے اوپر چلا گیا۔

۱۹/اگست، آج واپس اپنے وطن عزیز پاکستان کی طرف روانگی ہے، ہوائی جہاز پانچ بجے بعد دوپہر روانہ ہوگا، دو گھنٹے پہلے ائرپورٹ پر پہنچنا ہے، خداوند کریم سے دعا ہے کہ بخیر و عافیت لاہور گھر تک پہنچا دے، آمین۔

ہوائی جہاز اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ٹھیک وقت پر دہلی سے روانہ ہوا اور بخیر و عافیت اپنے وطن عزیز پہنچ گیا، اللہ تعالیٰ کے اس انعام بے پایاں پر اس کا شکر بجالاتا ہوں۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر انصار اللہ نظر (ف ۲۲ر اکتوبر ۲۰۱۷ء) شعبۂ اُردو مسلم یونیورسٹی، علی گرھ میں پروفیسر تھے، انہوں نے ابتداء میں اپنی بعض تالیفات خود طبع کروائیں، پھر قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، دہلی سے بھی شائع ہوئیں، ان میں ''جامع التذکرہ'' (تین جلدیں) شعرائے اُردو کے حالات مختلف تذکروں کے اقتباسات کی روشنی میں جمع کئے ہیں، آخری کام جو اس ادارہ میں زیرِ طبع تھا وہ تاریخ ادب اُردو تھی، اس سے پہلے آغاز سے ۱۷۰۰ء تک سیدہ جعفر اور گیان چند جین کی ترتیب سے پانچ جلدوں میں اسی ادارہ سے شائع ہو چکی تھی، اب اس کے بعد والے حصے ڈاکٹر انصار اللہ نے مرتب کئے تھے، جن کی طباعت کی ہمیں اس وقت تک اطلاع نہیں ہے۔

۲۔ شعبۂ ہندی میں جانے کا ایک مقصد حضرت مجدد الف ثانی کے ایک مکتوب الیہم ہردے رام کے حالات معلوم کرنے تھے، لیکن ہندی کے استادوں میں سے کسی نے بھی اس سے پہلے اس کا نام نہیں سنا تھا، مجھے بعد میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ شاہ جہان کے عہد میں منصب دار تھا۔ (ارمغان امام ربانی، جلد ششم، ص ۴۱۱)

۳۔ یہ ایڈیشن ۱۲۷۱ھ حضرت میرزا مظہر کے مکتوبات کا پہلا مجموعہ ہے جسے آپ کے خلیفہ مولانا نعیم اللہ بہڑائچی نے مرتب کیا تھا، اس کے سرورق کا عکس میری مرتبہ کتاب ''مقاماتِ مظہری'' کے آخر میں شامل ہے۔

۴۔ رسائل شیخ عبدالاحد وحدت سرہندی (ف ۱۱۲۶ھ) کا یہ مجموعہ بہت ہی بیش قیمت ہے، اس کی مدد سے میں نے شیخ وحدت کی کتاب ''لطائف المدینہ'' پر مفصل مقدمہ میں ان کی تالیفات کا تعارف کروایا ہے۔

۵۔ تاریخ صدر جہان (یہ سلاطین دہلی کی تاریخ ہے، سلطان قطب الدین ایبک سے محمد شاہ بن فرید خان بن خضر خان تک کے عہد کے بادشاہوں کے حالات ہیں) مولفہ ملک القضاۃ فیض اللہ بن زین العابدین بنبانی، جو اکیڈمک بکس، علی گڑھ سے ۱۹۸۸ء کو فارسی میں طبع ہوئی ہے، اس کے مرتب ڈاکٹر اقتدار حسین صدیقی نے اس پر انگریزی میں ایک مقدمہ بھی لکھا ہے۔

۶۔ بعد میں ۱۹۹۵ء کو اس لائبریری کی فہرست ڈاکٹر عطاء خورشید نے بنائی تھی، جو توضیحی فہرست مزمل لائبریری، علی گڑھ کے نام سے خدا بخش لائبریری، پٹنہ سے شائع ہوئی۔

۷۔ ڈاکٹر فرخ جلالی، ڈاکٹر مختار الدین احمد اور ڈاکٹر اقبال انصاری مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے اساتذہ میں سے نامور اصحاب ہوئے ہیں۔

۸۔ ڈاکٹر صدیقی کے یہ انگریزی مقالات دورِ وسطی کی تاریخِ ہند سے متعلق ہیں، جو بہت عمدہ تحقیق کا نمونہ ہیں، بعد میں اُن کے مقالات کے کئی مجموعہ کتابی صورت میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں، جن میں سے شاید دو میرے ذخیرہ میں ہیں۔

۹۔ نکات الاسرار تالیف شیخ آدم بنوڑی کا نسخۂ پٹنہ میں نے اپنے سفرِ بہار کے دوران دیکھ لیا تھا۔

۱۰۔ مکتوبات حضرت خواجہ باقی باللہ کے کئی خطی نسخوں کے عکسیات میرے پاس پہلے سے ہی تھے۔

۱۱۔ پروفیسر حاجی عضد الدین (۱۹۴۰-۲۰۱۶ء) پہلے مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ علوم اسلامیہ میں ریسرچ سکالر کے عہدہ پر تھے، انہوں نے ستمبر ۱۹۶۵ء کو ''معارف''، اعظم گڑھ میں مقالاتِ طریقت (حالات شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی) پر ایک تعارفی مقالہ لکھا، میں اس وقت میٹرک کا طالب علم تھا، یہ مضمون پڑھا اور بہت خوش ہوا، اس کتاب کی تلاش کرتا رہا کہیں سے بھی دستیاب نہ ہوئی، پروفیسر عضد الدین خان سے بھی کہا لیکن انہوں نے یہ دکھانا بھی پسند نہ کی، آخر میں مجھے گذشتہ سال مل گئی تو میں نے اسے ایک مقدمہ اور تعلیقات کے ساتھ پروگریسو بکس، لاہور سے شائع کروا دیا، پروفیسر صاحب نے شاہ عبدالعزیز پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھنے کے لئے منظوری لے لی تھی لیکن وہ یہ مقالہ مکمل نہ کر سکے۔

۱۲۔ ڈاکٹر عبدالحق انصاری کا تعلق علی گڑھ سے ہے، ان کی کتاب Sufism and Shariyah، لندن سے چھپی تھی، جو میں نے وہاں سے ۱۹۸۶ء کو ہی خرید لی تھی، ایک سطحی اور عمومی سی کتاب ہے۔

۱۳۔ بحر الحیات کا یہ فارسی ترجمہ ہے، جسے شاہ محمد غوث گوالیاری (ف ۹۷۰ھ) نے ایک سنسکرت کی کتاب ''امرت کنڈ'' سے کیا ہے، جس میں اسلامی تصوف اور ہندو جوگیوں کے منتروں کو آپس میں ملانے اور ایک ہی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی، ''مسلمانانِ ہندو مزاج'' آج بھی اسے ہندو مسلم اتحاد اور صلح کل کی طرف ایک سنگِ میل تصور کرتے ہیں۔

۱۴۔ تصفیہ شرح تسویہ، رسالہ تسویہ شاہ محب اللہ الہ آبادی کی تالیف ہے جس میں بڑے بڑے روحانی دعوے کئے گئے ہیں اورنگ زیب عالمگیر نے اس کتاب کو خلاف شرع قرار دیتے ہوئے جلانے کا حکم دیا تھا، یہ شرح خانقاہ کاکوری سے شائع ہوئی ہے، جو وحدت الوجود کو اتحاد و حلول کے درجہ تک لے جا چکے تھے۔ (مقاماتِ معصومی ۱/۷۵۔۷۷)

۱۵۔ کالی داس گپتا رضا، اُردو ادب کے ایک مشہور مولف و شاعر ہیں، غالبیات پر ان کی کچھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں، چونکہ میرے موضوع کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتے تھے اس لئے میں نے بھی خاموشی اختیار کی، مجھ سے پاکستان کی سیاست پر بحث کرنے کی کوشش کی تو میرے یہ کہنے سے کہ مجھے سیاسی امور سے قطعاً دلچسپی نہیں ہے، بات آئی گئی ہوگئی۔

۱۶۔ ندوۃ العلماء ایک بڑا دینی مدرسہ ہے، جو اپنے آغازِ قیام سے اب تک مصروفِ کار ہے، بڑے نامی گرامی اساتذہ وہاں درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے ہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے:

(۱) جلیس، محمد اسحاق ندوی و شمس تبریز خان: تاریخ ندوۃ العلماء، لکھنو ۱۹۸۳ء

۱۷۔ چہار چمن وحدت، منظومات شیخ عبدالاحد وحدت سرہندی (ف ۱۱۲۶ھ) کا تو ایک نسخہ پہلے ہی میرے پاس تھا، اب دوسرا نسخہ دیکھنے سے مسرت ہوئی۔

۱۸۔ اسراریہ (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ از آغاز تا حضرت خواجہ باقی باللہ و فرزندان و مریدین وغیرہ) تالیف سید کمال محمد سنبھلی واسطی تالیف ۱۰۶۸۔۱۰۷۱ھ، اس کتاب کا فارسی متن رضا لائبریری، رامپور سے

اور قومی کونسل برائے فروغِ اُردو، دہلی سے اس کا اُردو ترجمہ شائع ہو گیا ہے، یہ تذکرہ کئی اعتبار سے اہم ہے۔(مقاماتِ معصومی ۱/ ۲۸۷)

۱۹۔ افسوس کہ فرنگی محل کے ان دو علماء جو بقول مہر صاحب شریک جہاد مجاہدین تھے، کے نام یاد نہ رہے۔

۲۰۔ مولوی نعیم اللہ بہڑائچی کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: معمولاتِ مظہریہ کے اُردو ترجمۂ حکیم طرب پر میرا مقدمہ، مطبوعہ پروگریسو بکس، لاہور ۲۰۱۸ء

۲۱۔ ڈاکٹر مسعود حسن رضوی ادیب، ہندوستان کے اُردو ادب کے معروف محقق اور لکھنو یونیورسٹی کے فارسی واُردو کے شعبوں میں استاد تھے، ان کے شاگردوں میں فارسی کے مشہور محقق ڈاکٹر نذیر احمد (مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) بھی شامل ہیں، ڈاکٹر رضوی ادیب پر لاہور میں طاہر تونسوی نے پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا، جو مجلس ترقی ادب، لاہور سے شائع بھی ہو چکا ہے۔

۲۲۔ مراد ہے حزنِ اختر، اس کتاب کا عمدہ ایڈیشن وہ ہے جو ڈاکٹر اکرام چغتائی نے مرتب کیا ہے اور لاہور سے طبع ہو چکا ہے۔

۲۳۔ القول الجلی (در حالات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) تالیف مولانا محمد عاشق پھلتی، اُردو ترجمہ از حافظ تقی انور علوی مطبوعہ خانقاہ کاظمیہ، قلندریہ، کاکوری، یہ وہ سوانح ہے جو شاہ صاحب کی زندگی میں لکھی گئی اور آپ کے وصال کے بعد جا کر مکمل ہوئی، خود شاہ صاحب نے ''انفاس العارفین'' میں اس کے مطالعہ کی تاکید کی ہے۔

اس کے فارسی قلمی نسخہ کا عکس مولانا ابوالحسن زید فاروقی نے ایک مفصل مقدمہ کے ساتھ شاہ ابوالخیر اکیڈمی، دہلی سے شائع کر دیا ہے۔

۲۴۔ خانقاہ کاکوری، سلسلۂ قلندریہ کے بزرگوں کی ایک بڑی خانقاہ ہے، جس سے وابستہ تمام صوفیہ بڑی دقیق کتابوں کے مولف تھے، جو خانقاہ کی طرف سے شائع ہو چکی ہیں، مجھے ایک مرتبہ ایک نادر کتب کے تاجر سے، لاہور میں ان میں سے کئی اہم کتابیں مل گئیں تھیں، جنہیں دیکھ کر میں نے حیرت سے کہا تھا کہ میں تو قلندر کا مطلب مست اور مخبوط الحواس آدمی سمجھتا تھا، ان کتابوں کے مولفین تو درجہ اول

کے علماء میں شمار ہونے کے قابل ہیں، یہ تمام کتابیں آج بھی میرے ذخیرہ کی زینت ہیں۔

۲۵۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار، ہندوستان کے صف اول کے محققین میں سے ہیں، ان کی صاحبزادی ڈاکٹر شائستہ بیدار بھی تاریخ میں پی ایچ ڈی اور معروف فہرست ساز ڈاکٹر عطاء خورشید کی اہلیہ ہیں، وہ اپنے والد کی خدماتِ علمیہ کے اعزاز میں ایک کتاب مرتب کر رہی ہیں، جس میں انہوں نے مجھ سے بھی اُن کے بارے میں تاثرات لکھوا کر شامل کیے تھے۔

۲۶۔ پاول جیکسن (Paul Jackson) ایک آسٹریلین ہیں، جو ۱۹۳۷ء کو پیدا ہوئے، انہوں نے ۱۹۵۶ء کو یہودیوں کی ایک سوسائٹی میں شمولیت اختیار کرلی، انہیں اس سوسائٹی نے ۱۹۶۱ء کو، بہار بھیج دیا، ۱۹۷۲ء کو انہوں نے تاریخ، اُردو، فارسی اور عربی کی تحصیل کا آغاز کیا، انہوں نے پروفیسر سید حسن عسکری کی نگرانی میں شیخ شرف الدین یحیٰی منیری پر پٹنہ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کیا جو The Way of a Sufi کے عنوان سے ادارہ ادبیات دلی، دہلی سے ۱۹۸۷ء کو شائع ہوا، انہوں نے شیخ کے مکتوبات اور ملفوظات (خوانِ نعمت) کا بھی انگریزی میں ترجمہ کیا تھا، جو کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔

۲۷۔ ڈاکٹر پروفیسر حسن عسکری، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ، بہار میں تاریخ کے پروفیسر تھے، جادوناتھ سرکار کے خاص شاگردوں میں سے تھے، دورِ وسطی کے مسلم عہدِ حکومت پر اُن کی علمی تحقیقات کثرت سے مقالات اور کتابوں کی صورت میں شائع ہو چکی ہیں، ان کے اردو اور انگریزی مقالات کے نو مجموعے تو خدا بخش لائبریری، پٹنہ نے شائع کیے، اکبر بادشاہ پر ایک ضخیم کتاب بہار ریسرچ سوسائٹی، پٹنہ سے شائع ہوئی تھی، اسی ادارہ نے اپنے جرنل کا ایک خاص شمارہ (۱۹۶۸ء) کو ان کی خدمات کے اعتراف میں مرتب کروا کر شائع کیا، میں ان سے اس سفر (۱۹۸۹ء) کے دوران ملا تھا، گمان ہے کہ اسی سال ہی اُن کا انتقال ہو گیا ہوگا۔

۲۸۔ عطا کاکوی (ولادت ۱۷ر ستمبر ۱۹۰۴ء) ان کا نام شاہ محمد عطاء الرحمٰن ہے، شاعر بھی تھے اور شاد عظیم آبادی سے تلمذ تھا، (تذکرہ ماہ و سال مولفہ مالک رام ۲۷۵) فارسی میں کئی شعرائے اُردو کے

تذکروں کی تلخیص شائع کی تھی، جن پر نہ تو مفصل مقدمات ہیں اور نہ ہی حواشی لکھ سکے تھے، میرے کسی بھی سوال کا جواب نہ دے سکے۔

۲۹۔ شیخ سلطان بہاری (ف ۱۷۱۴ء) حضرت شیخ آدم بنوڑی (خلیفۂ حضرت مجدد الف ثانی) کے خلیفہ تھے (Celebrated Garden p.432)

۳۰۔ ڈاکٹر عارف نوشاہی نے بھی اسی نسخہ کی بنیاد پر اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ خواجہ احرار میں اس مخطوطہ کا متن مرتب کر کے شامل کیا ہے۔

۳۱۔ علامہ محمد فرخ مجددی (ف ۱۱۲۱ھ) بن خواجہ محمد سعید بن حضرت مجدد الف ثانی کا یہ رسالہ "وحدت الوجود" بصورت روٹوگراف ہمارے ذخیرہ میں ہے۔ (مقاماتِ معصومی ۴/۲۹۳)

۳۲۔ کمالات مظہریہ کا نسخہ مخزونہ خانقاہِ مظہری (دہلی) کا عکس ہم نے ارمغانِ امام ربانی (جلد ہشتم) میں عکسی صورت میں شائع کر دیا ہے۔

۳۳۔ اس کی فوٹوسٹیٹ کاپی اب ہمارے ذخیرہ میں ہے۔

۳۴۔ سلسلۂ ابوالعلائیہ نقشبندیہ، شیخ ابوالعلاء حسینی اکبرآبادی (۹۹۰۔۱۰۶۱ھ/ ۱۴۸۵۔۱۶۵۱ء) شیخ کا مادری نسب حضرت خواجہ عبید اللہ احرار سے ملتا ہے، موصوف سمرقند سے ہندوستان آئے، ابتداء میں بنگال کے حاکم راجہ مان سنگھ کی فوج میں ملازم تھے، پھر روحانیت کا غلبہ ہوا تو ملازمت ترک کر کے درویشی اختیار کر لی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو سلسلۂ نقشبندیہ کی نسبت اسی خاندان سے تھی۔
(تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند ۲/۱۱۵۱۔۱۱۵۴)

۳۵۔ شیخ مصطفیٰ کے حالات سے ہم واقف نہیں ہیں، "مقاماتِ معصومی" میں اس نام کے کسی خلیفہ کا ذکر نہیں آیا۔

۳۶۔ (رسالہ) معاصر، پٹنہ بہار سے نکلتا تھا، اس میں علمی طور پر زیادہ کردار قاضی عبدالودود کا تھا۔

۳۷۔ یہ تمام نادر رسائل اب میرے ذخیرہ کی زینت ہیں۔

۳۸۔ حکیم عبدالحمید صاحب کی ۷۵ ویں سالگرہ کے موقع پر ان کی خدمت میں پیش کیا گیا ارمغان، مرتبہ

مالک رام، یہ دوجلدوں میں ہے، اول اُردو مضامین اور دوم انگریزی مقالات، یہ دونوں جلدیں، دہلی سے ۱۹۸۱ء کو طبع ہوئی ہیں۔

۳۹۔ مذکر احباب مولفہ نثاری بخاری، شعرائے فارسی کا ایک بنیادی تذکرہ ہے جن میں سے بیشتر کا تعلق وسطی ایشیاء سے ہے، یہ حیدرآباد (دکن) میں طبع ہوئی تھی اور اب بالکل کمیاب تھی۔

۴۰۔ ہم نے یہ سنا تھا کہ مالک رام اسلام قبول کر چکے ہیں، لیکن اس کی کسی مصدقہ ذریعہ سے تصدیق نہیں ہوسکی، انہوں نے مجھے جو خطوط لکھے تھے (مشمولہ صحیفہ، مکاتیب نمبر) کا آغاز ''السلام علیکم'' سے ہی کرتے تھے، واللہ اعلم۔

۴۱۔ حضرت خواجہ حسام الدین احمد (۹۷۷۔۱۰۴۳ھ/ ۱۵۶۹۔۱۶۳۳ء) خلیفہ وخادم خاص حضرت خواجہ باقی باللہ کے مرقد مبارک کی تصویر بھی لی، میرے پاس ان کے احوال پر ''زادالمعاد'' نام کی ایک کتاب ہے، جو خواجہ کلال بن خواجہ باقی باللہ کی لکھی ہوئی ہے، یہ کتاب مرتب کرنے کا پروگرام ہے، رب کریم کے فضل سے یہ کتاب چار حصوں میں ادارہ تنظیم الاسلام، گوجرانوالہ سے ۲۰۱۳ء کو شائع ہوگئی، جس میں ان کے مزار کی یہی تصویر لگادی گئی ہے۔

۴۲۔ شیخ الہ داد بھی حضرت خواجہ باقی باللہ کے خادم خاص تھے (زادالمعاد ۳/۲۱۴) میاں شیخ الہ داد کا وصال ۲۳ر شعبان ۱۰۵۱ھ/ ۱۶۴۱ء کو ہوا (ایضاً ۴/۱۲۳)

۴۳۔ ملا شیخ احمد جیون کا مدفن یہاں احاطۂ مزارات حضرت خواجہ میں نہیں ہے بلکہ امیٹھی میں ہے۔ (ملا جیون اور ان کے معاصر علماء)

۴۴۔ ڈاکٹر خلیق انجم (ف ۱۸ر اکتوبر ۲۰۱۶ء) ان کا تعلق اُردو ادب سے تھا، انجمن ترقی اُردو (ہند) کے جنرل سیکرٹری تھے، خطوط غالب، آثار الصنادید، مکاتیب میرزا مظہر، مرزا محمد رفیع سودا، اور متنی تنقید ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ (معارف، دسمبر ۲۰۱۶ء)

۴۵۔ ڈاکٹر مظفر عالم، نہرو یونیورسٹی، دہلی کے شعبۂ تاریخ میں استاد تھے، تذکرۃ السلاطین چغتا کا فارسی متن مرتب کر کے شائع کیا، پھر امریکہ چلے گئے اور اب تک وہیں پروفیسر ہیں، انگریزی میں تاریخ ہند پر

ان کی کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔

۴۶۔ ہمدرد یونیورسٹی، تغلق آباد (دہلی) میں ہے جو بہت وسیع و عریض ہے، یہاں کچھ مخطوطات دیکھے۔

۴۷۔ ان میں ایک مخطوطہ تذکرۃ الائمہ از مولوی محبوب علی جعفری اور دوسرا تاریخ کشمیر مولفہ شیخ محمد مراد ٹنگ کشمیری ہے، موخر الذکر کتاب کے متعلق ان کی سوانح فیض مراد میں لکھا ہے کہ اس کا مسودہ گم ہوگیا تھا اور کوئی نقل نہیں تھی، اس لئے یہ نادر مخطوطہ دیکھا اور فلم کی درخواست دی، جو آج تک عملی شکل اختیار نہ کرسکی۔

۴۸۔ فتوح السلاطین، علی گڑھ کی دستاویزات، تاریخ محمد بہامد خانی اور کتاب موسیقی اب میرے ذخیرہ میں محفوظ ہیں۔

۴۹۔ ہندوستانی فضلاء کو جو نذریں پیش کی گئی تھیں، وہ بہت کمیاب ہیں، دہلی کے بازار کتاب فروشی میں ان میں سے اب کوئی بھی نہیں ملتی، یہ سب اب میرے ذخیرہ میں ہیں۔

ایران کا دوسرا سفر

احقر ۲۶ رجون ۱۹۹۲ء کو بارہ بجے دوپہر گھر سے نکلا اور ایک بجے تک لاہور کے ہوائی اڈے پر پہنچ گیا، برادرم محمد سلیم بھی ہوائی اڈے تک میرے ہمراہ آئے، یہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز کوئٹہ جانا ہے اور کل صبح 8:50 پر ہوائی جہاز کوئٹہ سے مشہد کے لئے پرواز کرے گا، میں ہوائی اڈے پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ لاہور کے موسم کی خرابی کے باعث کل بھی کوئٹہ کے لئے پرواز نہیں چلی اور آج تاخیر سے جائے گی وہ جہاز جس کی روانگی کا وقت اڑھائی بجے دوپہر تھا چار بجے روانہ ہوا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے موسم کی خرابی کے باوجود ساڑھے پانچ بجے بخیر وعافیت کوئٹہ پہنچ گیا۔

میں ہوائی اڈے سے سیدھا حضرت شاہ ابوالخیر مجددی قدس سرہ کے ہاں پہنچا، ان کے پوتے صاحبزادہ ابوحفص عمر مجددی اس وقت مسجد میں موجود تھے، بڑی خوش اخلاقی سے ملے، کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں کیں، پھر کہیں چلے گئے اور ایک نوجوان کو مقرر کیا کہ مجھے کوئٹہ کی سیر کروالائیں، ابھی ہم گلی کا پہلا موڑ ہی مڑ رہے تھے کہ مولوی محمد یعقوب فراہی کتب فروش آگئے، ان کے ساتھ بہت ہی خوب صحبت رہی، انہوں نے میرے سفرِ ایران کی مناسبت سے بہت سے علمی مراکز کے بارے میں مجھے بتایا، جسے میں نے لکھ لیا، انہوں نے ہی مہربانی کی اور بازار سے ایک سو ڈالر کے بدلے ایرانی کرنسی تقریباً پندرہ ہزار تومان لے دیئے، اور پانچ ہزار تومان مزید دیئے کہ میرے لئے ایک کتاب لیتے آئیے، اس طرح تقریباً بیس ہزار تومان اس وقت میرے پاس ہیں، گویا مشہد کا چار روز کا قیام اس رقم سے آسان ہو جائے گا۔

رات کا کھانا کھا کر لیٹا تو تھکان کی شدت سے نیند نہ آئی، کل بھی رات کو کم خوابی کے باعث طبیعت بوجھل رہی تھی، آج تو ساری رات ہی نہ سو سکا، ایک تو مسجد کا صحن لائٹ کا جلنا، لوگوں کا آنا جانا وغیرہ بھی اس

کا باعث بنا۔

۲۸ر جون، صبح فجر کی نماز کے لئے بڑی مشکل سے اٹھا تو شدید سردی کا احساس ہوا، فوراً سوئٹر پہنا، چھ بجے کے قریب صاحبزادہ صاحب آئے، ناشتہ خادم اٹھائے ہوئے تھا، ناشتے کے دوران بہت ہی مفید علمی باتیں ہوئیں، انہوں نے یہ خبر سنا کر فرحت وانبساط کا سماں پیدا کر دیا کہ انہوں نے صَرفِ کثیر سے خانقاہ حضرت شاہ ابوالخیر، دہلی میں موجود حضرت زید ابوالحسن کی لائبریری کے اکثر نادر قلمی نسخوں کی فوٹوسٹیٹ بنوالی ہے، مجھے کئی ایک نادر اور اہم عکسیات دکھائے، دل نے حقیقی خوشی محسوس کی، انشاء اللہ، ایران سے واپس آ کر ان سب عکسیات کو دیکھوں گا۔

اتنے میں صاحبزادہ صاحب نے فصل الخطاب حضرت خواجہ محمد پارسا بخاری کا نسخہ بخط حضرت مصنف منگوایا یہ ناقص الآخر تھا جسے حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے خلیفہ حاجی محمد عاشور بخاری نے کسی دوسرے نسخے سے نقل کر کے مکمل کیا ہے، اس طرح حضرت مصنف اور حاجی عاشور، دونوں کی تحریریں محفوظ ہو گئیں، اول وآخر کے اوراق کا فوری طور پر فوٹوسٹیٹ بنوا کر دیا، ؎۲ رات کو میرے لئے ایک گاڑی کا بندوبست کر دیا گیا تھا کہ صبح سات بجے مجھے ایئرپورٹ پر لے جائیں، چنانچہ اقبال صاحب عین وقت پر آئے اور مجھے ہوائی اڈے پر لے گئے، تمام کاروائی کے بعد میں جہاز میں جا کر بیٹھ گیا تو معلوم ہوا کہ جہاز میں کوئی فنی خرابی ہے ٹھیک کرنے میں ایک گھنٹہ لگا، ہم ایرانی وقت کے مطابق گیارہ بج کر ۴۴ منٹ پر مشہد پہنچے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ساری رات بے خوابی کے باوجود میں نے سفر کر لیا، ایئرپورٹ سے آقای نجیب مائل ہروی ؎۳ کو ان کے دفتر بنیاد پژوہشہای اسلام پر بار بار فون کیا، لیکن معلوم ہوا کہ وہ دفتر میں نہیں ہیں، آخر ان کے گھر کا فون نمبر اور پتہ لے لیا، یہاں سے پی آئی اے کے انچارج محمد ظہیر صاحب نے ہوٹل جواہری امام رضا خیابان کے نام ایک رقعہ دیا کہ اسے اپنے ہاں جگہ دے دیں، میں ایک ٹیکسی کے ذریعے ہوٹل پہنچا، معلوم ہوا کہ ایک رات کا کرایہ 445 تومان ہے، خیر ہوٹل بہت عمدہ ہے، میں نے یہیں قیام کا فیصلہ کر لیا اور اپنے کمرے نمبر 506 میں آ کر لیٹ گیا، چونکہ دو یوم سے شدید بے خوابی کا عارضہ تھا اس لئے اب خدا کے فضل سے نیند آ گئی، پانچ بجے بیدار ہو کر

آقای نجیب مائل ہروی سے رابطہ قائم کیا اور ایک ٹیکسی کے ذریعے ان کے گھر چلا گیا، یہ بزرگ چھوٹے قد کے نہایت وضع دار، ذی علم اور تصوف پر گہری نظر کے مالک ہیں، بیٹھک میں چاروں طرف کتابیں ہی کتابیں نظر آئیں، احقر نے ایک گھنٹہ میں سب کتابیں دیکھ ڈلیں اور ۴۵ کتابوں کی ایک منتخب فہرست بنائی جو مجھے درکار ہیں، یہاں سے آٹھ بجے شب نکلا اور بذریعہ بس ساڑھے نو بجے تک ہوٹل پہنچ کر آرام کرنے کا ارادہ کرلیا، خدا کرے رات بھر پوری نیند آجائے، آمین۔

۲۹ رجون، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ رات نیند صحیح طور سے آگئی، صبح پانچ بجے بیدار ہوا معمولات سے فراغت کے بعد سات بجے ہوٹل سے نیچے گیا تا کہ اپنا پاسپورٹ لے سکوں وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ابھی تک پولیس سٹیشن سے واپس نہیں آیا ہے، نو بجے تک لانے کا وعدہ کیا، میری پریشانی بڑھ گئی کہ پاسپورٹ کے بغیر مشہد سے تہران کے لئے ٹکٹ نہیں ملے گا، اتنے میں آٹھ بجے کے قریب ہوٹل کے منیجر آگئے، اُن سے درخواست کی تو انہوں نے فوراً آدمی دوڑایا اور پندرہ منٹوں میں پاسپورٹ لے کر آگیا، میں یہاں سے مختلف دفاتر ہواپیائی میں گھومتا رہا لیکن کامیابی نہ ہوئی، بالآخر سنا آباد کے مرکزی دفتر میں گیا تو وہاں اپنا تعارف کروایا، انہوں نے کل صبح دو بجے دوپہر کا ایک ٹکٹ دے دیا، میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوا وہاں سے سیدھا بذریعہ ٹیکسی بنیاد پژوہشہای اسلامی، مشہد گیا، یہ آستان قدس رضوی کی زیرِ نگرانی کام کرنے والا ایک بہت بڑا علمی ادارہ ہے، جو علوم مشرقیہ کے مختلف شعبوں پر تحقیقی کام کروا رہا ہے، یہاں ایک شعبہ گروہ تصحیح متون خاص طور پر قابل توجہ ہے، اس کے صدر نشین (مدیر) نجیب مائل ہروی ہیں یہ ایک جواں سال اور باہمت آدمی ہیں، نہایت مستعدی کے ساتھ علمی تحقیقات میں مستغرق ہیں، میں نے بنیاد کی مطبوعات میں سے ۲۴ رکتب کا انتخاب کیا، اس کے مدیرِ اعلیٰ اکبر الٰہی خراسانی ہیں میں اُن سے ملا تو کتابوں کی قیمت میں ۳۰ رفیصد تخفیف دینے کا تحریری حکم نامہ لکھ دیا، یہاں احقر نے اپنی کتاب ''مقاماتِ مظہری'' کا ایک نسخہ کتابخانے کے لئے تحفۃً دیا، علی اکبر خراسانی نے مجھ سے پوچھا کہ تم شیعہ ہو یا اہل تسنن؟ احقر نے نہایت صاف گوئی سے جواب دیا کہ میں اہل سنت سے تعلق رکھتا ہوں تاہم انہوں نے شیعہ ہونے کے باوجود ناگواری کا اظہار نہیں کیا، کتابفروشی کا انچارج موجود نہیں تھا اس لئے آج کتابیں تو نہ مل سکیں، فیصلہ کیا کہ

تہران سے واپس مشہد تو آنا ہی ہے، ایک روز پہلے آ کر یہ کتابیں یہاں سے لے لوں گا، بار برداری کا دشوار مرحلہ ہے پھر فیصلہ کیا کہ اس تخفیف کی خاطر میں ایک روز ہوٹل کا خرچ برداشت کروں یہ ممکن نہیں ہے جو اس تخفیف سے کئی گنا زیادہ ہے، اس لئے بنیاد کی شاخ موجود در تہران سے یہ کتب خرید لوں گا، وہاں سے بذریعہ ڈاک پاکستان بھیج دوں گا۔

بنیاد سے سیدھا ہوٹل آیا، شدید بھوک لگی ہوئی تھی، وہاں سے کھانے کے ہال میں گیا اور مرغ چاول کی ایک پلیٹ کھائی اور دو بجے تک آرام کرنے کے لئے دوپہر کو لیٹ گیا، بنیاد میں ایک ہندوستانی محمد اعظم (مصحح تزک جہانگیری) سے ملاقات ہوئی، انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ بعد دوپہر پانچ بجے ہوٹل آئیں گے اور مجھے کتابوں کی دکانوں پر گھمانے کے لئے لے جائیں گے، لیکن وہ چھ بجے پہنچے، میں ان کے ساتھ گیا، اتفاق سے آستان قدس کا کتب خانہ اور محل کتابفروشی دونوں سالانہ سٹاک پڑتال کی وجہ سے بند تھے، شام آٹھ بجے واپس ہوٹل گیا، بنیاد سے حسن عباس صاحب کو تہران فون کیا تو وہ نہ ملے، پیغام دے دیا لیکن رات دس بجے کے قریب ان کے گھر پر فون کرنے کا ارادہ ہے، خدا کرے مل جائیں۔

۳۰ر جون رات پونے گیارہ بجے حسن عباس صاحب کو فون کیا، وہ گھر پر نہیں تھے لیکن ان کی بیگم بڑی خوش اخلاقی سے بولیں تو پیغام لکھوا دیا کہ حسن عباس صاحب کل چار بجے مجھے تہران ایئرپورٹ سے لے لیں، صبح کے معمولات سے جلد ہی فارغ ہو گیا، ساڑھے سات بجے کے قریب ہوٹل سے نکل کر سیدھا کتابخانہ آستان قدس رضوی پہنچا، پہلے حضرت امام موسیٰ بن علی رضا کے روضے کی زیارت کی، فاتحہ خوانی کے دوران رقت سی طاری ہو گئی، لیکن وہاں بے حساب بدعات دیکھیں جس سے دل برداشتہ ہوا اور آبدیدہ ہو کر باہر آ گیا، آستانہ کا کتب خانہ بہت عالی شان ہے، اس میں نہایت نادر مخطوطات ہیں جن کی فہرست ۲۲ر جلدوں میں چھپ چکی ہے اور ابھی کام باقی ہے، یہاں سے ایک ہزار نو سو تومان کی کتابیں خریدیں اور انہیں سے کہا کہ میرے لاہور کے پتے پر ارسال کر دیں، آستان قدس سے بذریعہ ٹیکسی دانشکدۂ ادبیات سے دانشگاہ فردوسی میں گیا، یہاں ایک پروفیسر ابراہیم شکوری زادہ ملے، جو خراسان کے بارے میں کافی

معلومات رکھتے ہیں، عقائد مردم خراسان نام سے ان کی ایک کتاب میرے پاس ہے، انہوں نے میری معاونت کی اور کئی جگہ فون کر کے اِدھر اُدھر سے اطلاعات بہم پہنچائیں، دانشکدہ ادبیات نہ جا سکا، کیوں کہ دو گھنٹے بعد میری مشہد سے تہران کے لئے پرواز تھی، اس لئے فوراً بذریعہ ٹیکسی ہوٹل پہنچا، سامان پہلے ہی تیار رکھا تھا، صرف اُسے اوپر سے نیچے لایا، ہوٹل کا حساب کیا تو وہ بھی نو ہزار نو سو تومان بنا جو پاکستان کے ایک سو نوے روپے کے برابر ہے، ایک شاندار ہوٹل ہے، اس میں ساری سہولتیں یعنی اے سی، کمرے میں فون، گرم و سرد پانی، کھانا بہت عمدہ ہے، میں ساڑھے بارہ بجے ہوٹل سے بذریعہ ٹیکسی روانہ ہوا اور ایک بجے تک ایئرپورٹ پہنچ گیا، ہم ایک بہت بڑے ہوائی جہاز میں بیٹھے جس میں سات سو مسافر بیٹھ سکتے ہیں، جہاز سوا دو بجے کے قریب حرکت میں آیا اور ساڑھے تین بجے بخیر و عافیت تہران کے ہوائی اڈے پر اتر گیا، اس پر راقم فقیر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہے۔

یہاں حسن عباس صاحب مجھے لینے کے لئے آئے ہوئے تھے ورنہ بڑی مشکل پیش آتی، میں ان کے ہمراہ بس میں بیٹھا اور کافی دور تک پیدل چلنے کے بعد ان کے گھر گیا، رات کا کھانا وہیں کھایا اس دوران ان سے علمی امور پر تبادلۂ خیال ہوتا رہا، ایک ذی علم اور ہوشمند ہندوستانی جوان ہیں، احوال و آثار آزادِ بلگرامی پر یہاں تہران یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کر رہے ہیں، ؎ رات نو بجے کے قریب صاحبزادہ سید عارف نوشاہی صاحب، جو ان دنوں ملفوظات حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ پر اسی یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کے لئے آئے ہوئے ہیں کے گھر پہنچا، وہ خود ان دنوں پاکستان گئے ہوئے ہیں، ان کا گھر خالی ہے، وہ چابی حسن عباس صاحب کو دے گئے تھے، میں اسی گھر میں پچیس دن رہوں گا، کھانا وغیرہ خود ہی بنانے کا فیصلہ کیا۔

شدید تھکن کے باعث نیند جلد ہی آ گئی، صبح چار بجے اُٹھا۔

یکم جولائی، صبح کے معمولات سے فراغت کے بعد سات بجے کے قریب بس سٹاپ پر آیا، آدھے گھنٹے بعد بس ملی، بس کے ذریعے آٹھ بجے پارک شہر پہنچا، وہاں سے مخابرات گیا اور لاہور بذریعہ ٹیلی فون اپنی خیریت کی اطلاع دی، وہاں سے بذریعہ ٹیکسی دانشگاہِ تہران پہنچا، کتابخانہ مرکزی میں جا کر بیٹھ گیا،

مائیکروفلمز کا رجسٹر طلب کیا اور اسے دیکھنا شروع کیا ہی تھا کہ حسن عباس صاحب آ گئے، اُن کے ہمراہ ادھر اُدھر گھومتا رہا، دانشکدۂ ادبیات میں گیا، وہاں کے سربراہ پروفیسر حاکمی سے ملاقات ہوئی، بڑی خوش اخلاقی سے پیش آئے، حسن عباس صاحب کو ساتھ لے کر ہواپیمائی کے دفتر میں گیا تو مشہد کے لئے اگست تک کوئی سیٹ نہ مل سکی، آخر ہواپیمائی کے صدر بہمنی سے ملا، اس نے میرے خط کے اوپر کچھ لکھ کر دیا کہ اسے دوسری منزل پر لے جاؤ، میں وہاں گیا تو انہوں نے کمپیوٹر پر میری درخواست لکھ دی کہ کل تک صحیح معلوم ہوگا کہ آیا ۲۵؍جولائی کی مشہد کے لئے سیٹ مل سکتی ہے یا نہیں؟ میں یہاں سے بذریعہ ٹیکسی پھر یونیورسٹی کے قریب آیا اور وہاں سے بذریعہ بس نوشاہی صاحب کے ہاں آ گیا، گھر میں کچھ کھانے کو نہیں تھا، مصروفیت کے باعث کچھ لا کر نہیں رکھ سکا تھا، اتفاق سے ایک بیکری پر نظر پڑی تو وہاں سے کچھ کیک لئے اور گھر آ گیا، یہی کیک کھا کر سو رہا، دوپہر کو نیند آ گئی، ساڑھے چھ بجے مارکیٹ گیا، وہاں سے سبزی، پھل، دودھ، دہی خریدا، سیب ۵۰؍تومان (دس روپے پاکستانی) میں دو کلو مل گئے، سیب میٹھے ہیں، کیلا بھی تازہ اور بہت عمدہ ہے، البتہ مرغ کا گوشت کہیں نہ ملا، معلوم ہوا کہ صبح آٹھ بجے کے قریب ملے گا، گھر آ کر آلو پکائے اور بازاری روٹی کے ساتھ پیٹ بھر کر کھائے، رات گیارہ بجے تک علمی کام میں مصروف رہا، فہارس وغیرہ دیکھیں اور پھر سو گیا، پنکھے کی وجہ سے سر میں درد رہنے لگا ہے۔

۲؍جولائی، آج یہاں یکم محرم ہے، چونکہ ایران کا سرکاری و عامی مذہب شیعہ ہے اس لئے یہاں ان کی رسوم کا ان دنوں خوب چرچا ہے، آج سرکاری دفاتر اور دانشگاہیں بند ہیں، یہاں جمعرات اور جمعہ دو دن تعطیل ہوتی ہے، میں دانشگاہ تہران کے سامنے واقع کتابفروشی کی دکانوں پر گیا، بہت بڑی بڑی دکانیں ہیں کتابیں خریدنے والوں کا اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ گاہک سے بات کرنے کی فرصت نہیں ہے، یہاں کتابفروشی ظہوری سے دو کتابیں فہرست نسخہ ہای خطی فارسی در کتابخانہ بروسہ (ترکیہ) تالیف توفیق سُبحانی اور "تحفۃ العالم" از میر عبداللطیف شوستری خریدیں، چند اہم مآخذ نقشبندیہ کی فوٹوسٹیٹ بنوائی اور سیدھا ہواپیمائی مرکز میں پہنچا، انہوں نے بذریعہ کمپیوٹر میری کل والی درخواست کو دہرایا تو خدا کے فضل سے جواب اثبات میں آیا، مجھے تہران سے مشہد جانے کے لئے ۲۵؍جولائی کی ٹکٹ مل گئی، یہاں تک پہنچتے پہنچتے تین بج

چکے تھے، تھکن اور ضعف سے نہایت خستہ حال ہو رہا تھا، سیدھا ہوسٹل کا راستہ لیا، چار بجے یہاں پہنچا، صبح لائن میں لگ کر مرغ کا گوشت خریدا تھا، یہاں مرغ صرف پر اُتار کر دے دیتے ہیں، باقی اس کی کھال اتارنا اور بوٹیاں کرنا پکانے والے کا کام ہوتا ہے، چنانچہ دو گھنٹوں میں تین مرغ کا گوشت تیار کر کے فرج میں رکھا اور ایک حصہ پکالیا، ساڑھے آٹھ بجے کھانا کھاتے ہی نیند کا شدید غلبہ ہوا لیکن اِدھر اُدھر ٹہل کر کھانا ہضم کرتا رہا، پھر گیارہ بجے کے قریب خدا کا نام لے کر سو گیا، یہاں ان دنوں شدید گرمی ہے۔

۳ر جولائی آج جمعہ ہے اور عام تعطیل، آج دن بھر ہوسٹل میں رہ کر آرام کیا اور کہیں بھی نہ جا سکا، خیال تھا کہ پرانی کتابیں فوٹ پاتھ پر لگائی جاتی ہیں، شاید کوئی اچھی کتاب مل جائے لیکن مسلسل کام کے باعث ضعف اور شدید تھکان نے آرام کرنے پر مجبور کر دیا۔

۴ر جولائی، رات شدید گرمی کے باعث نیند صحیح طور پر نہ آئی تاہم بمشکل گھر سے نکلا اور بنیاد دائرہ معارفِ اسلامی کے لئے روانہ ہو گیا، افسوس کہ دانشگاہِ تہران کے سامنے کتابفروشی نشر دانشگاہی نے مجھے مذکورہ بنیاد کا جو نقشہ بنا کر دیا، وہ پرانا پتہ تھا، میں بصد مشکل وہاں پہنچا لیکن خدا کا شکر ہے کہ وہ لوگ بااخلاق تھے، گاڑی نکالی اور مجھے نئی بلڈنگ میں پہنچا دیا، یہاں آقای ارژنگ مقالاتِ خارجی کے انچارج ہیں، ان سے ملا، یہاں چھ مقالات برای شمول دائرۃ المعارف اسلامی دیئے، مقالات کے عنوان یہ ہیں:

(۱) شیخ صبغۃ اللہ بروجی (۲) ملا شاہ بدخشی

(۳) شیخ محمد باقر لاہوری (۴) شاہ غلام علی دہلوی

(۵) شیخ محمد عابد سنامی (۶) شاہ علم اللہ رائے بریلوی ؒ

میں نے کہا کہ سفر میں رقم کی اشد ضرورت ہے مجھے ان مقالات کا معاوضہ یہاں ڈالرز میں دے دیں، پہلے تو اثبات میں جواب دیا پھر کہا کہ اس کا دائرہ بہت وقت طلب ہے، ہم ایرانی کرنسی میں ادا کر سکتے ہیں، لیکن ایرانی کرنسی میں ان کا معاوضہ نہ ہونے کے برابر یعنی ۳۰ر تومان فی صفحہ جو پاکستانی کرنسی کے مطابق صرف پچھتر (۷۵) پیسے بنتے ہیں جبکہ بصورت ڈالر چیک باہر بھیجا جائے تو ۱۲ر ڈالر ایک صفحہ کا معاوضہ ہے جو اس وقت پاکستانی کرنسی ۳۲۴ر روپے فی صفحہ ہوتے ہیں، میں شش و پنج کے عالم میں وہاں

سے اُٹھ آیا کہ کل فون کر کے ایرانی اور ڈالرز دونوں کا فرق دریافت کر کے بتاؤں گا، یہ بنیاد اس وقت میدان فلسطین میں واقع ہے، میں یہاں سے دانشگاہ تہران کے لئے روانہ ہوا، دو گھنٹے بڑی دقت کے ساتھ وہاں کام کیا، رات کی بے خوابی کے باعث دل پر دباؤ کا احساس بڑھ رہا تھا، ناچار واپس ہوٹل آ گیا، کھانا گرم کر کے کھایا اور سو گیا، پانچ بجے اُٹھ کر سبزی تیار کی، رات نو بجے کے قریب کھانا کھا کر پھر سو رہا، آج رات گلی کی کھڑکیاں کھول کر سویا تھا جس سے سکون رہا اور نیند آ گئی۔

۵/جولائی، رات نیند صحیح طور سے آئی، صبح کے معمولات سے فراغت کے بعد ہوسٹل سے نکلا اور ساڑھے آٹھ بجے دانشگاہِ تہران پہنچ گیا، نو بجے حسن عباس صاحب آ گئے، ان کے ساتھ اِدھر اُدھر گھوما پھر وہ چلے گئے تو میں مائیکروفلم والے کمرے میں آ کر بیٹھ گیا، سوا دو بجے تک یہاں مخطوطات کی فلمیں دیکھیں، اُن میں دیوان حضرت عبدالاحد وحدت سرہندی (ف نمبر ۳۷۳۸) اور مجمع الاولیاء (نسخہ رضا لائبریری، رامپور) اور سیرت شیخ شہاب الدین عمر خلیفۂ شیخ ابو اسحٰق گازرونی کے فلم کے عکس (فوٹو) بنوانے کا فیصلہ کیا، کل تک میری ضرورت کا پتہ چل جائے گا، یہاں درمیان اٹھ کر ڈاکٹر نور محمد خان مہر (پاکستانی) استاد اُردو دانشگاہِ تہران سے ملاقات کے لئے پروفیسر حاکمی کے کمرے میں گیا تو وہ ابھی تک نہیں آئے تھے، آدھا گھنٹہ تاخیر سے پہنچے معذرت کی اور بیٹھ گئے، وہ مجھے وہاں سے لے کر شعبۂ تاریخ میں گئے انہوں نے وہاں میرے دو مسائل بیان کئے، اول یہ کہ نقشبندی سلسلہ پر مواد کی نشاندہی، دوسرے تاریخ کے اصل متون جو گذشتہ پندرہ سالوں میں ایران سے چھپے ہیں لیکن یہاں کے استاد کوئی نئی چیز یا نیا ماخذ نہ بتا سکے۔

میں سوا دو بجے کتابخانہ مرکزی سے اُٹھ کر دانشگاہ کے روبرو موجود کتابفروشی کی دکانوں پر گیا، ایرج افشار کے بیٹے کی کتابوں کی دکان ہے، کتابفروشی تاریخ سنا ہے کہ یہاں نادر اور قدیم مطبوعہ کتابیں مل جاتی ہیں، لیکن پہنچنے پر معلوم ہوا کہ یہ دکان مزید دو دن بند رہے گی، یہاں سے انتشارات اطلاعات پر آ گیا، ان کی کتابوں میں سے چند تاریخی متون خریدے جن میں مولانا جامی کی نفحات الانس کا جدید تحقیقی ایڈیشن بھی ہے، یہ ایڈیشن توحیدی پور کے مرتبہ متن سے کافی بہتر اور قدیم نسخوں پر مبنی ہے، طویل تعلیقات بھی ہیں،

ماخذ و مراجع میں کسی نئی کتاب کا نام نظر نہ آیا، یہ پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے، ساڑھے چار بجے ہوسٹل پہنچا، چند دانے سیب کے کھائے اور نیند کے کچھ آثار معلوم ہوئے، پانچ بجے سو گیا، چھ بجے اُٹھ کر کھانا پکایا پونے نو بجے کھا کر کمروں کے اندر ہی اِدھر اُدھر گھومتا رہا، گیارہ بجے کے قریب سونے کے لئے لیٹ گیا، یہاں شدید گرمی کے باعث نیند نہیں آ رہی، خدا کرے کہ آ جائے۔

۶ ر جوالائی، رات نیند نہ آئی، جس کے باعث دماغ بوجھل اور جسم ٹوٹ رہا ہے، تاہم آٹھ بجے ہوسٹل سے نکلا اور کتابخانہ مرکزی پہنچ گیا، وہاں چند عکس نکلوا کر دیکھے، ''انیس الطالبین'' ۶ کے ایک نسخے کے آغاز میں لکھا ہے تالیف حضرت خواجہ محمد پارسا بخاری، اسی طرح کا ایک نسخہ پیرس کی بھی فلم یہاں دیکھی لیکن متن میں حضرت مولف کا نام نہیں آیا، فیصلہ کیا کہ دہلی والے عکس سے زیراکس بنوالیا جائے، ساڑھے دس بجے بے خوابی کے ہاتھوں پریشان ہو کر واپس ہوسٹل آ گیا، گیارہ بجے دوپہر کا کھانا کھا کر لیٹ گیا، اڑھائی بجے بذریعہ بس بازار ناصر خسرو (کوچہ حاجی نائب) کی بازار کتابفروشی میں پہنچا، یہاں دو عراقیوں کی دکانیں ہیں، یہ عربی کتابیں فروخت کرتے ہیں، ایک عراقی کی دکان پر اچھی اچھی کتابیں ہیں، صلاح الدین صفدی کی ''الوافی بالوفیات'' ۷ کی بیس جلدیں ۱۲۰۰۰ر تومان (مساوی ۲۴۰۰ روپے پاکستانی) دیکھی یہ ابھی تک مکمل نہیں چھپی ہے، تاہم مکتبہ العلمیہ، لاہور میں اس کی آٹھ جلدیں ہیں جن کی قیمت تقریباً چار ہزار روپے ہے، اس لئے فیصلہ کیا بیس جلدیں تو خرید لی جائیں، لیکن شاید قم میں اس سے بھی سستی مل جائے، دوسرے عراقی کے پاس عربی کتب جغرافیہ کا سیٹ تھا چونکہ ہر ایک کے بہت سے نسخے تھے اس لئے خریدنے میں عجلت سے کام نہ لیا، البتہ ایک کتاب ''نزہۃ النفوس والابدان فی تاریخ الزمان'' ۸ للصیرفی کی صرف دوسری جلد (۸۰۱۔۸۲۵ ہجری) ملی، کاش یہ پوری کتاب مل جاتی آٹھویں صدی کے حوادث پر بہت اہم کتاب ہے یہ بازار ناصر خسرو اتنا لمبا بازار ہے کہ میں نے جاتے آتے ہوئے شدید تھکن محسوس کی دائیں گھٹنے میں درد ہو رہا ہے، تھکن کے باعث رات جلد ہی ساڑھے نو بجے سو گیا۔

۷ ر جولائی، معمولات سے فراغت کے بعد آٹھ بجے کتابخانہ مرکزی پہنچا، حسن عباس صاحب نو

بجے تک کتابخانے میں آ گئے، انہوں نے فلموں سے پرنٹ (عکسیات) بنوانے کی درخواست میرے لئے پُر کی، صرف چار مخطوطات کو فلم سے عکس بنوانے تھے، معلوم ہوا کہ کتابخانہ میں کاغذ نہیں ہے، امیدوار کو خود بازار سے لانا ہوگا، چنانچہ حساب کرنے پر پتہ چلا کہ چھ پکیٹ لانے پڑیں گے، صرف کاغذ نو ہزار تومان کا لگے گا، جو اس وقت اٹھارہ سو روپے پاکستانی کے مساوی ہیں بہرحال فیصلہ کر لیا کہ یہ کام کروانا ہے، یہاں ولف گانگ بہن کا انڈیکس اسلامیکس ۹ (۱۶۶۵-۱۹۰۵ء) نہ ملا اور نہ ہی روس میں نقشبندی سلسلے کے بارے میں فرانسوی کتاب کا سراغ مل سکا، کتابخانے میں حسن عباس صاحب کے ساتھ نکلا ایک ہی بس میں سوار ہوئے، حسن عباس تو اپنے دفتر ریڈیو میں چلے گئے اور میں احمد منزوی صاحب سے ملاقات کے لئے دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی کے دفتر (نیاوران) گیا، منزوی صاحب بڑے جوش و خروش سے ملے، حال احوال کی پرسی کے بعد کہا کہ تم میرے ساتھ رہو گے، میں بہت معذرت کرتا رہا لیکن وہ مجھے اپنے ساتھ دوپہر کو لے گئے، ایک ہوٹل میں کھانا کھایا اور پھر ان کے گھر چلے گئے، دوپہر کو ایک گھنٹہ استراحت کی پھر منزوی صاحب اٹھے اور باتوں میں مصروف ہو گئے، منزوی صاحب اس عمر رسیدگی میں بھی جواں ہمت لوگوں کی طرح کام کر رہے ہیں، ایک کتاب بنامہ ۱۰ مرتب کر رہے ہیں، جس میں مولف کا مختصر حال اور اس کی کتابوں کی تمام تر تفصیل درج ہو رہی ہے، ابھی زیرِ ترتیب ہے، ان کے دفتر کا کمرہ دنیا بھر کے مخطوطات کی فہرستوں سے بھرا ہوا ہے، اتنی تعداد میں فہارس کہیں نہیں دیکھی تھیں، رات ساڑھے دس بجے کے قریب سونے کے لئے لیٹ گئے، منزوی صاحب تو لیٹتے ہی بے خبر ہوئے، میری بدقسمتی کہ شام کو ان کے ہاں چائے پی لی جس کے باعث ساری رات نیند نہ آئی، بڑی دشواری سے رات گذری، صبح ان کے ہاں ناشتہ کیا، ان کے ساتھ دفتر آیا، آدھا گھنٹہ بیٹھا اور پھر دانشگاہ تہران کے لئے چل پڑا، یہاں پھر عکسیات کے حصول کے لئے درپے ہوا۔

۸ر جولائی، حسن عباس صاحب تو آج نہ آئے میں از خود سعی کرتا رہا، درخواست نائب مدیر ابدی کی میز تک پہنچا دی اور وہاں سے ہوسٹل کی راہ لی تا کہ دوپہر کچھ دیر سو سکوں کھانا کھا کر لیٹ گیا نیند تو نہ آئی البتہ غنودگی سی طاری رہی، جس سے دماغ کا بوجھ قدرے ہلکا ہوا، اب اڑھائی بجے بازار کتاب فروشی جانے

کے لئے نکل پڑا، کتابفروشوں کے ہاں گیا تو معلوم ہوا کہ وہ تین بجے بند کر جاتے ہیں، وہاں سے دوسرے کتابفروشوں کے ہاں نگاہ ڈالتا ہوا خوش نصیبی سے انتشارات ایران شہر کے پاس چلا گیا، وہاں سے تین چار مطلوبہ کتب مل گئیں یعنی فردوس المرشدیہ، تقویم البلدان، البلدان، تزوکات تیموری اور نادر شاہ پر دو قدیم مطبوعہ کتب دستیاب ہوئیں، ان میں سے فردوس المرشدیہ کے ملنے کی تو بہت ہی خوشی ہے، یہ حضرت شیخ ابواسحٰق گازرونی کے حالات پر ایک معاصر کتاب ہے جسے ایرج افشار نے ایڈٹ کیا تھا اور عرصہ سے نایاب ہے، چونکہ سنی بزرگوں کی کتاب ہے اس لئے اب اس کے جلد دوبارہ طبع ہونے کی توقع نہیں ہے، میں شام ساڑھے سات بجے ہوسٹل پہنچا کھانا پکا کر کھایا اور جلد ہی سونے کی فکر کرنے لگا، خدا کرے کہ رات تو نیند آجائے۔

۹ر جولائی، رات قدرے نیند آگئی، صبح پانچ بجے اُٹھ کر نماز فجر کے بعد معمولات سے فراغت ہوئی تو آٹھ بجے کے قریب ہوسٹل سے نکلا، آج تہران یونیورسٹی بند ہے، اس لئے کتابفروشی کی دکانوں پر گیا، آئینہ کتاب نادر کتابوں کی دکان ہے، چہار راہ جمہوری سے نیچے پہلی بار وہاں گیا تھا، اس لئے کچھ دشواری ہوئی، وہاں ڈیڑھ بجے تک کتابیں دیکھتا رہا، یہاں تک کہ دکان کے بند ہونے کا وقت ہوگیا، یہاں بہت نادرالوجود قدیم کتب کا ذخیرہ ہے، پوری دکان بھری پڑی ہے، چار پیکٹ بندھوا کر رکھوا دیئے کہ محرم کی تعطیلات کے بعد آکر لے جاؤں گا، یہاں سے کتابفروشی ایران شہر کے پاس گیا، ان کے گودام میں بھی کتابیں ہیں مالک کتابفروشی مجھے اپنے گودام میں چھوڑ کر چلا گیا گھنٹہ بھر کتابیں تلاش کرتا رہا، اور سات بہت ہی نادر کتب ہاتھ لگیں، جن میں حضرت شیخ احمد جان ژندہ پیل شیخ الاسلام کے احوال پر دو کتابیں یعنی ''مقامات ژندہ پیل'' اور ''روضۃ الریاحین'' بھی شامل ہیں، یہ سات کتابیں تین ہزار تومان میں ملیں جو چھ سو روپے پاکستانی کے مساوی ہیں، بظاہر یہ بہت گراں ہیں لیکن ہمارے ملک کے لحاظ سے ارزاں بھی ہیں، میں بصد خوشی ان کتابوں کا بار اٹھا کر ساڑھے تین بجے ہوسٹل پہنچا، تھکن سے بہت ہی بے حال ہو رہا تھا، کھانا کھایا اور سونے کی کوشش میں لیٹ گیا، لیکن نیند کہاں؟ ایک گھنٹہ کی غنودگی کے بعد اُٹھ بیٹھا، بازار گیا تو سب کچھ بک چکا تھا، خیر میں دہی اور دودھ تو کل ہی لے آیا تھا، اب یہاں ۹-۱۰ر محرم ۱۰-۱۱ر جولائی کی

مکمل تعطیل ہے، میں دو دن گھر میں خوب آرام کروں گا، جی چاہتا ہے کہ ایران میں جو اہل تشیع کا سب سے بڑا ملک ہے دیکھوں کہ محرم کس طرح مناتے ہیں لیکن تھکن اور ضعف نے اتنا بے حال کر دیا ہے کہ کہیں جانے کا نام لیتا ہوں تو دل گھبرانے لگتا ہے۔

سفر میں اپنی بیمار والدہ محترمہ آج بہت ہی یاد آرہی ہیں، بہن بھائی بھی شدت سے ذہن پر سوار ہیں، اسی طرح اپنی ننھی سی بچی خدیجہ عرف گڑیا کا تصور تو ایک سیکنڈ کے لئے بھی محو نہیں ہوا، لیکن کیا کیا جا سکتا ہے، حصول علم کے لئے سفران سب یادوں پر بھاری اور ثمین ہے، ایسے موقع پر علامہ اقبال کے یہ اشعار بے اختیار زبان پر آگئے ؎

چمن کو چھوڑ کر نکلا ہوں مثل نکہت گل
ہوا ہے صبر کا منظور امتحان مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو

۹۔۱۰ارمحرم/ ۱۰۔۱۱رجولائی کو ہوسٹل میں آرام کیا، اب استراحت سے دماغ کو قدرے سکون ملا ہے، ایک بہت اہم خوش خبری تو لکھنا بھول ہی گیا تھا کہ احمد منزوی صاحب کے گھر میں ٹیلی ویژن پر مرشدی حضرت ضیاء المشائخ محمد ابراہیم ؒ کابلی کے بارے میں خبر آئی کہ آپ زندہ ہیں اور اوزبکستان کے قید خانے میں مقید ہیں، انہوں نے خود اپنے ہاتھ سے کسی کو کابل میں خط لکھا ہے، احقر نے ۱۹۷۶ء میں سفر افغانستان وایران کے دوران ان کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔

۱۲رجولائی، صبح کتابخانہ مرکزی دانشگاہ تہران پہنچا، حسن عباس صاحب دیر سے آئے، اُن کے آنے کے بعد پہلا کام عکسیات کے لئے دی گئی درخواست کا تعاقب کرنا ہے، ہم نائب مدیر ابدی کے پاس گئے آدھے گھنٹے کے بعد ہماری باری آئی کہ بات کر سکیں، انہوں نے بتایا کہ درخواست منظوری کے بعد مخطوطات کے سیکشن میں چلی گئی ہے، ہم نے متعلقہ جگہ سے معلوم کیا، درخواست واقعی وہاں پر تھی، اب ہمیں بازار سے فوٹوگرافی کا غذ لا کر یونیورسٹی کو دینا ہے یہ کاغذ چھ ہزار تومان کا ہے، میں حسن عباس صاحب

کے ہمراہ بازار پہنچا جہاں سے ہم نے دوسوڈالر کیش کروائے یعنی ان کے بدلے ہمیں ۲۸۸۰۰ تومان ملے، میں وہاں سے کتابفروشی تاریخ پر گیا تو وہاں سے خان بابا مشار کی مرتبہ فہرست کتابہای چاپی عربی درایران ملی، ان کی مرتبہ کتابہای فارسی کا مکمل سیٹ تو پہلے ہی میرے پاس موجود ہے، اِدھر اُدھر گھومتا ہوا ایک بجے ہوسٹل پہنچا، کھانا کھا کر لیٹا تو نیند نہ آئی، چار بجے غسل کے بعد آئینہ کتاب کے لئے خیابان جمہوری تک گیا، وہاں سے آٹھ بجے شام حسن عباس صاحب کے گھر پہنچ گیا تا کہ کل علی الصبح ہم دونوں مل کر قم جاسکیں، رات وہیں گذاری، بڑی مشکل سے اجنبیت کے باعث رات ایک بجے کے بعد آنکھ لگی، پانچ بجے اُٹھ گیا اوپر پہنچا تو حسن عباس صاحب بیدار ہو کر صبح کے معمولات میں مصروف تھے، ان کے ہاں ناشتہ کیا اور چھ بجے قم کے لئے نکل پڑے۔

۱۳ر جولائی، صبح سات بجے قم کے لئے بس روانہ ہوئی اور نو بجے یعنی دو گھنٹوں میں قم پہنچ گئے، معلوم ہوا کہ آج حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا یوم وفات ہے، اس لئے کتابوں کی دکانیں بند ہیں، ہم سیدھے کتابخانہ آیۃ اللہ مرعشی نجفی گئے، یہ ایک عظیم الشان کتابخانہ ہے جہاں اڑھائی لاکھ مطبوعات اور مخطوطات بہت زیادہ ہیں مائیکروفلمیں بھی ہیں، نائب مدیر آقای مسجدی نے کتابخانے کے مختلف حصے دکھائے، حفاظتی انتظام نہایت اعلیٰ ہیں مائیکروفلم کا شعبہ سب سے زیادہ قابل توجہ ہے، جہاں دنیا بھر سے جدید ترین مشینیں منگوائی گئی ہیں، اس قسم کا انتظام پورے ایران میں کہیں نہیں، انگلینڈ تو اب ان کاموں پر رقم خرچ کرنے کو تیار ہی نہیں ہے، ہندوستان اور پاکستان میں تو اس قسم کی مشینوں کا تصور گناہ کے مساوی ہے، یہ حضرات اپنے مقاصد یعنی شیعیت کے فروغ کے لئے جس طرح دن رات محوِ کار ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسے بہت جلد قابل ذکر مقام ملے گا اور ہم اہل تسنن دنیا میں بہت ہی پسماندہ اور غیر علمی قوم بن کر رہ جائیں گے، اللہ تعالیٰ ہماری حالت زار پر رحم کرے، آمین۔

چار بجے کتابخانے کے مدیر ڈاکٹر محمود مرعشی ۱۲! سے ملاقات ہوئی، ایک درمیانی عمر کے نہایت ہی صاحب ذوق جواں ہیں، ہر کتاب اور ماخذ کا علم ہے، جب میں نے پوچھا کہ آپ کے ہاں ۹۷ر مجلدات میں شائع ہونے والی فہرست مخطوطات عربی ہے؟ تو فوراً بڑی بڑی خوشی سے جواب دیا کہ ہاں موجود ہے

لیکن جو کتاب نہیں تھی وہ چیک کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعی نہیں ہے، اس پر بڑے تاسف کا اظہار کرتے تھے، انہوں نے میری منتخب انتشارات کتابخانہ مجھے پاکستان بھیجنے کا وعدہ کیا اور مجھ سے پتہ بھی لے لیا، ۱۴۳ یہاں ایک مجموعہ رسائل شاہ محب اللہ الہ آبادی ۱۴۴ دیکھا جس کا عکس ہمارے لئے فوری طور پر تیار کروایا گیا، لیکن باتوں میں لگ گئے جس سے لائبریری کا وہ حصہ جس میں عکس بنوایا تھا بند ہو گیا، ڈاکٹر محمود نے وعدہ کیا کہ وہ تہران بھیج دیں گے، ہم نے متفرق کتب وہاں سے خریدیں اور رات آٹھ بجے تک واپس تہران پہنچ گئے، حسن عباس صاحب کے ہاں کھانا کھایا اور ساڑھے دس بجے ہوسٹل واپس آکر گیارہ بجے تک نیند آگئی۔

۱۴ر جولائی، صبح کے معمولات سے فراغت کے بعد حسن عباس صاحب کے ہاں گیا، انہوں نے کتابخانہ مرکزی پہنچنے کی ہدایت کی وہ نو بجے آئے تو عکسیات کی درخواست کے درپے ہوئے فوٹو گرافر کو بلایا گیا اس نے تمام حساب کے بعد ۱۲ر ہزار تومان مانگے کہ کمی بیشی کا فیصلہ بعد میں کیا جائے گا یہ رقم احقر نے فوراً ادا کر دی، خدا کرے کہ جلد کام ہو جائے، لائبریری سے نکل کر ہم ادھر اُدھر دکانوں پر گھومتے رہے، تین کتابیں خریدیں اور اس کے بعد میں مخابرات کے لئے چل پڑا، وہاں سے کتابخانہ مرعشی قم ٹیلی فون کیا کہ رسائل شاہ محب اللہ الہ آبادی کا عکس ہمارے لاہور کے پتے پر ارسال کرا دیں اور برادرم محمد یوسف کو لاہور اطلاع دی کہ میں انشاء اللہ ۲۷ر جولائی کو لاہور پہنچوں گا، اس کے بعد سید ھا بازار حاجی نائب ناصر خسرو گیا، کتابخانہ کاظمینی سے "الوفی بالوفیات" لصلاح الدین صفدی کی بیس جلدیں ۱۲ر ہزار تومان کی خریدیں جو پاکستانی رقم ۲۴۰۰ر روپے کے برابر ہے، جب کہ لاہور میں مکتبۃ العلمیہ پر اس کی صرف پہلی آٹھ جلدیں چار ہزار روپے کی ہیں، اس کتاب کو جس کا کافی وزن ہے، بذریعہ ٹیکسی خوابگاہ تک ڈیڑھ سو تومان طے کر کے بیٹھ گیا لیکن ٹیکسی والے نے عین میدان انقلاب میں آکر دھوکہ دیا اور مجھے یہاں اتار کر کہا کہ تم سو تومان دو ورنہ یہاں اتر جاؤ، میں پریشان ہو کر نیچے اترا، یہاں سے حسن عباس صاحب کا گھر نزدیک تو ہے لیکن اتنا وزن اٹھا کر لے جانا بہت ہی دشوار ہے، تاہم بصد دقت میں ان کے گھر تک پہنچ گیا، کتاب کے دونوں بنڈل ان کے ہاں رکھے اور بذریعہ بس اپنے ہوسٹل واپس آگیا، یہاں کھانا کھا کر لیٹا تو نیند آگئی، چھ بجے

اُٹھ کر بازار کتابفروشی کی راہ لی لیکن کوئی کتاب نہ ملی، دیر ہو جانے کی وجہ سے بازار بند ہونے والا تھا، نو بجے واپس سونے کی تیاری کرنے لگا۔

۱۵ر جولائی، صبح نو بجے حسن عباس صاحب کے ہمراہ ڈاکخانے گیا، وہاں سے بآسانی تین پیکٹ بذریعہ آبی سروس کے روانہ کئے ان میں وہ کتابیں شامل ہیں جو تہران میں اِدھر اُدھر سے خریدی تھیں، وہاں سے میدان فردوسی جا کر ڈالرز (۲۰۰) دے کر ایرانی کرنسی لی جو ۲۸۳۰۰ر تومان بنی، وہاں سے آئینہ کتاب پر گیا کہ مجھے اپنے ملازم کے ساتھ گھر بھیج دیں تا کہ وہاں جو ذخیرۂ کتب ہے اس سے انتخاب کرسکوں لیکن ملازم موجود نہیں تھا، بعد دوپہر پانچ بجے آنے کی ہدایت کی، میں اڑھائی بجے ہوٹل پہنچا اور کھانا کھا کر ایک گھنٹے کے لئے آرام کیا، چار بجے اُٹھ کر آئینہ کتاب پہنچا تو مالک موجود نہیں تھا، بہر حال وہ چھ بجے آیا اور آتے ہی ملازم کے ساتھ مجھے اپنے گھر بھیج دیا، ایک ہال کمرہ کتابوں سے بھرا ہوا تھا، میں نے دو گھنٹے تک وہاں سے کتابیں تلاش کیں لیکن کوئی بہت اہم اور قابل ذکر کتاب دستیاب نہ ہوئی، البتہ براؤن کی تاریخ ادبیات ایران کا فارسی ترجمہ کی پہلی دو جلدیں مل گئیں جبکہ تیسری جلد میں خرید چکا تھا اور چوتھی ابھی شائع ہوئی ہے، اس طرح اس کتاب کا سیٹ پورا ہو گیا، دانشگاہ تہران کی پرانی نادر کتابوں کا بڑا ذخیرہ یہاں ہے لیکن اس قدر مخلوط ہے کہ موضوع کی کتابیں تلاش کرنا تقریباً ناممکن ہے، تاہم میں نے ایک بنڈل کے برابر مطلوبہ کتب تلاش کرلیں، نو بجے ہوٹل پہنچا تو تھکن سے برا حال ہو رہا تھا، جلد ہی سو گیا۔

۱۶ر جولائی، صبح حسن عباس صاحب کے ہاں پہنچا آدھے گھنٹے کے وقفے سے ہم لوگ کتابفروشی منوچہری پر گئے اس کے آس پاس کتابفروشی کی دوسری دکانیں بھی تھیں، ہم نے منوچہری کی جتنی تعریف سنی تھی معاملہ اس کے برعکس نکلا، وہاں سے صرف تاریخ جرجان (احوال علمای جرجان) بزبان عربی مطبوعہ دائرۃ المعارف عثمانیہ، حیدرآباد، دکن ملی، اس کی عرصہ سے تلاش تھی اور حیدرآباد میں موجود نہیں ہے، خدا کا شکر ہے کہ یہ نادر کتاب یہاں سے دستیاب ہوئی، دوسری دکان مستوفی سے ''تذکرہ خوش نویسان و خطاطاں'' خریدا، ایک اور دکان سے ''تذکرۂ تحفۂ سامی'' مرتبہ ہمایوں فرخ لیا اور آئینہ کتاب کی طرف چل

پڑا، کہ گھر سے وہ بنڈل منگوا دیں تاکہ حساب کر کے میں اپنی کتابیں یہاں سے لے جاؤں لیکن ملازم نہیں تھا انہوں نے بروز ہفتہ آنے کے لئے کہا، تاہم دکان پر رکھے ہوئے پانچ بنڈلوں پر نظر ثانی کی تو وہ تین رہ گئے، یعنی ان میں سے دو بنڈلوں کے بقدر کتابیں خارج کر دیں، اب ہفتے کو یہ کتابیں حسن عباس صاحب کے ہاں پہنچاؤں گا، آج جمعرات ہے تمام بازار بعد ظہر بند ہو جاتے ہیں، میں بھی ہوٹل میں آگیا کہ آرام کروں کل جمعہ کی تعطیل ہے، سارا وقت ہوٹل میں ہی گذرے گا۔

۱۷ر جولائی، آج جمعہ ہے دن بھر ہوٹل میں ہی رہ کر آرام کیا، شام کے وقت حسن عباس صاحب آئے اور رات نو بجے تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔

۱۸ر جولائی، صبح ساڑھے آٹھ بجے کتابوں کا ایک پیکٹ حسن عباس صاحب کے ہاں پہنچایا اور خود کتابخانہ مرکزی دانشگاہ تہران کی طرف چل دیا، فوٹو گرافر کو فون کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ کل تک تمام پرنٹ دے دے گا، کتابوں کے ان پرنٹس کو فلموں کی مدد سے چیک بھی تو کرنا ہوگا، یہاں سے آئینۂ کتاب کے لئے روانہ ہوا تو راستے میں ایک چھوٹی سی دکان پر نظر ڈالی وہاں سے تاریخ اولجائتو کا ایک فارسی متن مل گیا، آئینۂ کتاب والا بہت ہی گراں فروش ہے، دس ہزار تومان کا بل بنایا، چار پیکٹ کتابوں کے تیار کئے، بہرحال پاکستان کے نقطۂ نظر سے تو بہت سستی ہیں، بھلا اتنی ساری نادر الوجود کتب دو ہزار روپے (دس ہزار تومان) میں پاکستان میں کہاں مل سکتی ہیں؟ میں بذریعہ ٹیکسی ان پیکٹوں کو لے کر حسن عباس صاحب کے ہاں پہنچا تو وہ دفتر جانے کے لئے نیچے اتر رہے تھے، جلدی سے کتابیں اٹھا کر رکھنے میں مدد کی، تھوڑی دیر بیٹھے اور پھر چل دیئے، میں بھی اِدھر اُدھر بازار میں کتابفروشی کی دکانوں پر گھومتا رہا، رات نیند کی کمی کے باعث جسم نڈھال ہو رہا تھا، دو بجے کے قریب واپس ہوٹل آیا کھانا کھا کر لیٹا تو ایک گھنٹے کے لئے اونگھ سی آئی، جس سے دماغ کا بوجھل پن جاتا رہا، میں چار بجے پھر بازار کتاب فروشی کی طرف بھاگا، موسسہ علمی و فرہنگی سے تقریباً ساڑھے تین ہزار تومان کی کتابیں خریدیں، اسی طرح اڑھائی ہزار تومان کی کتابیں طہوری سے لیں، تاریخ بدخشاں و رہنمائی قطغن و بدخشاں اور سمریہ وقندیہ جو کئی روز سے مل ہی نہیں رہی تھیں مل گئیں، آٹھ بجے حسن عباس صاحب کے ہاں گیا، انہوں نے سب کتابوں کی فہرست بنائی تاکہ وزارت

ارشاد سے ان کو پاکستان بھجوانے کی اجازت لے سکیں، کل متعلقہ وزارت ان کے ساتھ جانے کا پروگرام ہے، خدا کرے کہ اجازت بآسانی مل جائے، جس کا میرے دماغ پر بڑا ہی بوجھ ہے، رات ساڑھے دس بجے ہوسٹل پہنچا اور جلد ہی لیٹ گیا۔

۱۹/جولائی، صبح نو بجے حسن عباس صاحب کے ہمراہ وزارتِ ارشاد کے دفتر (میدانِ بہارستان) تک گیا تا کہ جو کتابیں یہاں ایران میں خریدی ہیں وہ اس وزارت سے اجازت نامہ حاصل کر کے پاکستان بھیج سکوں، خدا کے فضل سے اجازت بآسانی مل گئی، وہاں سے کتابخانہ مجلس شوریٰ ملی اسلامی میں گئے، عبدالحسین حائری اس کے مدیر ہیں، انہوں نے ۲۳/جلدوں میں یہاں کے مخطوطات کی فہرست مرتب کی ہے، ہر جلد کی قیمت ۳۰۰/تومان بتائی، میرے پاس ۱۱/جلدیں موجود ہیں، باقی جلدیں خریدنے کا پروگرام ہے، وہاں سے عباس صاحب کے ساتھ ہی میدان انقلاب کی طرف آ گیا، یہاں موسسہ علمی وفرہنگی پر سے کل کی خرید شدہ کتابیں اٹھائیں اور گھر کی راہ لی، کتابیں رکھ کر میں دوپہر آرام کرنے کے خیال سے ہوسٹل آ گیا، دو گھنٹے یہاں گذار کر تین بجے نکلا اور بازار کتابفروشی میں پہنچ گیا، روس کی شائع کردہ دولت سلجوقیہ کا ایک نسخہ ملا یہ ایک قدیم قلمی نسخے کا عکس ہے، اصفہان کے مخطوطات کی ایک فہرست بھی ملی، اِدھر اُدھر سے چند کتابیں لیں اور ساڑھے سات بجے تک یہ کتابیں حسن عباس صاحب کے ہاں رکھ کر نو بجے واپس ہوسٹل آیا، کھانا پکانا اس وقت بہت دشوار لگ رہا تھا آرام کی کمی کے باعث دماغ بہت ہی تھک گیا، رات گیارہ بجے تک سو گیا۔

۲۰/جولائی، صبح نو بجے کتابخانہ مرکزی دانشگاہ تہران پہنچا ''انیس الطالبین'' از حضرت خواجہ محمد پارسا بخاری، ''معدن الدرر فی سیرۃ الشیخ شہاب الدین عمر''، [۱۵] ''دیوانِ حضرت وحدت سرہندی'' [۱۶] اور ''مجمع الاولیاء'' از شیخ بدرالدین سرہندی کے عکسیات وصول کئے، ان میں سے اول الذکر مخطوطہ نیشنل میوزیم، دہلی کا ہے جس کے فلم سے یہ عکس یونیورسٹی نے اپنے لئے بنوایا تھا، اس عکس سے زیروکس کاپی ۲۲۵/تومان (۴۵/روپے) میں بن گئی باقی تین مائیکروفلم ہیں، فلم سے ان کے عکس بنوائے گئے، جن پر ۱۲/ہزار تومان (۲۴۰۰ روپے) لگے، جو پاکستانی حساب سے بہت ہی ارزاں ہیں اور یورپ میں تو اتنے میں

ایک معمولی رسالے کا عکس بھی نہ مل سکے، ان عکسیات کو لائبریری میں ہی رکھ کر میں کتابفروشی کی دکانوں پر گیا، کتابفروشی دھخدا کا مالک بہت ہی گراں فروش ہے، اس نے ''شدالازوار'' طبع قزوینی اور ''عتبۃ الکتبہ'' کے تین ہزار تومان مانگے جو میں نے چھوڑ دیں، چند دوسری کتب بھی خریدیں، نشریہ نسخہ ہای خطی جلد دوم، فہرست نسخہ ہای خطی دانشگاہ تہران جلد نہم وغیرہ بعض دوسری مطلوبہ کتب کی تلاش میں دن بھر مصروف رہا کیوں کہ کل ان سب کتابوں کو بذریعہ ڈاک پاکستان روانہ کرنا ہے، آج شدید تھکن کا احساس ہو رہا تھا، دو بجے کے قریب ہوسٹل آکر آرام کرنے کے خیال سے لیٹ گیا لیکن نیند نہ آئی، ہلکی سے بے خبری کی کیفیت رہی، جس سے دماغی ضعف اور تھکن میں قدرے کمی آگئی، پھر مستعد ہو کر نکلا اور چار بجے سے مطلوبہ کتب کی تلاش شروع کردی، خدا کے فضل وکرم سے اکثر مطلوبہ کتب دستیاب ہوگئیں، رات گھر پہنچا تو جسم بے حال ہو رہا تھا، دماغ کے تھک جانے کے باعث نیند کی بھی کمی رہی۔

۲۱ر جولائی، صبح سات بجے حسن عباس صاحب کے ہاں پہنچا، وہ میرے جانے سے پہلے ہی کتابوں کے پیکٹ نیچے اتار رہے تھے، میں اُن کے ساتھ لگ گیا اور منٹوں میں ہم نے بذریعہ لفٹ ان کو نیچے اتار لیا، پھر ایک ٹیکسی کے ذریعے میدان ولی عصر کے ڈاکخانے لے گئے، ہمارے سترہ بنڈل تھے، ڈاکخانے والے اتنی کتابیں دیکھ کر ناراض ہوئے طرح طرح کی باتیں کرنے لگے، لیکن وہ آدمی جس سے کل میں مل کر گیا تھا اور وزارت ارشاد کا اجازت نامہ دکھا کر اس سے وقت لے گیا تھا، وہ بھی آگیا اور اُن کو سمجھایا کہ یہ وزارت ارشاد کی اجازت سے کتابیں جارہی ہیں، وہ خاموش ہوگئے، صبح آٹھ بجے سے گیارہ بجے تک ہم دونوں نے خود ہی ان کتابوں کو کارٹون میں ڈالا جس سے گیارہ کارٹون بنے اور پھر ان کو تھیلوں میں بند کیا تو سات تھیلے بنے، وہاں سے سید حا عباس صاحب کے ہمراہ ان کے گھر آیا، دوپہر کا کھانا اُن کے ساتھ کھا کر ہوسٹل کی راہ لی، یہاں پہنچ کر ایک گھنٹہ آرام کیا اور پھر لائبریری پہنچ گیا تاکہ عکسیات کو چیک کرسکوں لیکن وقت کی کمی کے باعث یہ کام نہ ہوسکا، اب کل یہ کام ان شاء اللہ ہو جائے گا، وہاں سے بازار ناصر خسرو گیا، ایک دکان کتابفروشی معراجی پر اتفاقاً نظر ڈالی تو مولفین کتابہای چاپی فارسی (چھ جلد کامل) تین ہزار تومان میں مل گئی، یہ کتاب خرید کر بازار حاجی نائب پر رکھی ہوئی

سات عدد کتب جغرافیائی متون عربی لئے اور اپنی بچی خدیجہ (گڑیا) کے لئے چند ملبوسات خریدتا ہوا حسن عباس صاحب کے ہاں پہنچا، کتابوں کو ان کے ہاں ڈالا اور خود ہاسٹل آ کر کھانا کھایا اور ساڑھے دس بجے تک سونے کے لئے لیٹ گیا۔

۲۲ر جولائی، عکسیات کا بیگ حسن عباس صاحب کے ہاں چھوڑا اور خود ہوائی جہاز کے دفتر (پی آئی اے) کی طرف چل پڑا تاکہ سیٹ کوری کنفرم کروایا جا سکے، سوا آٹھ بجے پہنچ گیا معلوم ہوا کہ دفتر نو بجے کھلتا ہے اس دوران ایران ایئر لائن پر بھی گیا انہوں نے کہا کہ مقامی سفر کے لئے سیٹ کنفرم کروانے کی ضرورت نہیں ہوتی، خیر نو بجے دفتر کھلا تو میں اپنی سیٹ ری کنفرم کروا کر بازار ناصر خسرو کی طرف گیا، کل وہاں ''تاج العروس'' (شرح قاموس) کی ۲۵ر جلدیں طبع کویت دیکھی تھیں اور سات ہزار تومان (چودہ سو روپے) اس کی قیمت بتائی گئی تھی، جبکہ پاکستان میں یہی کتاب ۲۴ر جلدیں آٹھ ہزار روپے کی بکتی ہیں، اس لئے میں نے یہ سیٹ اٹھایا اور حسن عباس صاحب کے ہاں پہنچا دیا، اسی طرح چند کتب دوسری بھی خریدیں، جن میں حدیقۃ الحقیقت لشیخ احمد جام، مناقب شیخ اوحد الدین کرمانی بھی شامل ہیں، اب کتابوں کا بھی ذخیرہ ہونا شروع ہو گیا ہے، دوپہر کو ہوسٹل آیا کہ ذرا آرام کر لوں لیکن نیند نہ آسکی، چار بجے اُٹھ کر نکلا، ''تحفۃ الاحباب فی تذکرۃ الاصحاب'' ۱ے از احمد اللہ بن عاشور محمد بخاری، مطبوعہ روس کتابخانہ مرکزی دانشگاہ تہران سے لے کر بازار سے ۲۴۸ر تومان میں فوٹو سٹیٹ بنوایا، کتابفروشی کی دکانوں پر گھوما صرف مذکرہ بالا کتب فارسی ملیں، پونے آٹھ بجے حسن عباس صاحب کے ہاں پہنچ گیا، وہاں سے اُن کے ہمراہ ان کے ایک ہمکار ہاشمی صاحب کے ہاں آج ہماری دعوت تھی، دراصل انہوں نے مجھے طبقات شاہ جہانی (طبقہ عشر) مرتبہ محمد اسلم خان مطبوعہ دہلی، ۱۹۹۰ء دینے کے لئے گھر پر بلایا تھا، کھانا اچھا بنا ہوا تھا، ہم لوگ ساڑھے دس تک بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے، پھر ایک دوست کی گاڑی ہمیں ہوسٹل چھوڑ گئی، آج تھکن سے بہت ہی بے حال ہو رہا تھا، جلد ہی نیند آ گئی، لیکن رات بھر تھکن کے باعث نیند میں خلل آتا رہا۔

۲۳ر جولائی، صبح ساڑھے سات بجے حسن عباس صاحب کے ہاں پہنچا اور اُن کے ہمراہ ایک دوسرے ڈاکخانے (پست خانہ بزرگ) میں جا کر کتابوں کے مزید تین پیکٹ پاکستان بھیجے، وہاں سے

کتابوں کی دکانوں پر گھومے تو چار اور نادر کتب مل گئیں، اب ان کو ساتھ لے کر جانا پڑا، رات کی بے خوابی کے باعث طبیعت بہت ہی بے حال ہو رہی تھی، گیارہ بجے تک واپس ہوسٹل آ گیا، اور کھانا پکا کر کھایا خدا کا شکر ہے کہ دوپہر کو دو گھنٹے نیند آ گئی، کتابیں چلی گئی ہیں تو سارا بوجھل پن بھی ہلکا ہو گیا ہے، خدا کرے کہ بغیر کسی رکاوٹ کے پاکستان پہنچ جائیں، آمین۔

ایک وہ وقت تھا جب میں پہلی بار ایران آیا تھا یعنی ۱۹۷۶ء میں، یہی موسم گرما کی تعطیلات تھیں یہ بیرون ملک پہلا سفر تھا مکمل طور پر ناواقفیت و ناتجربہ کاری کے باعث بہت ہی تکلیف اٹھائی اور پھر صرف پانچ ہزار روپے پاکستانی میرے ساتھ تھے، جس میں ایک نہیں دو ملکوں یعنی افغانستان اور ایران دونوں جگہ کے اخراجات پورے کرنے تھے، میں بُری طرح ناکام واپس چلا گیا، لیکن اس مرتبہ ساری تیاری کر کے اور ساڑھے گیارہ سو ڈالرز ساتھ لے کر چلا، خدا کے فضل سے اخراجات سے کہیں زیادہ رقم تھی، اس پر کل ساڑھے سات سو ڈالرز خرچ ہوئے، جن میں سے سات سو ڈالرز کی تو کتابیں ہی خریدیں، جو اٹھارہ ہزار دو سو روپے پاکستانی بنتے ہیں، پچاس ڈالر دیگر اخراجات سفر مقامی اور کھانے کا رہا ہے، یہ بچت صرف اس وجہ سے ہوئی کہ صاحبزادہ سید عارف نوشاہی صاحب نے اپنا ہوسٹل مجھے دے دیا کیوں کہ وہ خود ان دنوں پاکستان گئے ہوئے ہیں، ان کے گھر میں ضرورت کی ہر چیز موجود ہے بجلی، پانی، گیس والا چولہا وغیرہ اس لئے میں کھانا خود ہی یہاں پکاتا رہا، اس طرح میرے پاس چار سو ڈالرز بچ رہے، ورنہ ہوٹل تو یہاں غیر ملکی مسافروں سے ڈالروں میں کرایہ لیتے ہیں، اس معمولی رقم میں اتنا ڈھیر کتابیں خریدنا تو در کنار ۲۵ ر یوم تہران میں رہنا ناممکن تھا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے اس نہایت عاجز اور گنہگار بندے پر اتنے کرم کئے جہاں بھی گیا لوگوں نے آنکھیں بچھائیں، نہایت عزت کی اور ہاں اس مذکورہ بالا اخراجات میں سے مائیکرو فلموں کے عکس ۱۲ ر ہزار تومان اور زیراکس کا بھی ایک ہزار تومان بھی شامل ہے۔

آج بعد دوپہر ہوسٹل میں آرام کیا کل صرف احمد منزوی اور ان کے بھائی علی نقی منزوی سے ملاقات کرنی ہے، اس کے بعد دن بھر آرام کروں گا کیوں کہ جمعہ کو یہاں مکمل تعطیل ہوتی ہے، کل صبح چھ

بجے حسن عباس صاحب کے گھر سے ایئرپورٹ کی طرف روانگی ہے، اس لئے رات اُن کے ہاں قیام رہے گا، جہاز صبح آٹھ بجے مشہد کے لئے روانہ ہوجائے گا، اللہ تعالیٰ خیروعافیت سے پہنچادے، آمین

۲۴ر جولائی، صبح آٹھ بجے حسن عباس صاحب کے ہمراہ کتابیں لے کر ڈاک خانے گیا تا کہ یہ بھی لاہور بھیج دی جائیں، خدا کا شکر ہے کہ ڈاک خانے والوں نے قبول کرلیں، وہاں سے واپس تہران کے مرکزی علاقے میں آئے اور کتابفروشی کی دکانوں پر گھومنے لگے، یہاں پھر چار اہم کتابیں مل گئیں، جن میں سے ''شاہ نامۂ قادری'' از فردوسی ثانی اہم ترین کتاب ہے، اس کے حوالے نادر شاہ کے معاصر سوانح نگاروں نے بھی دیئے ہیں یہ کافی پرانی طبع شدہ کتاب ہے۔

یہاں سے سیدھا ہوسٹل آیا، دن کا باقی حصہ آرام کیا، نوشاہی صاحب کے گھر کی صفائی کی کیوں کہ میں خود ہی گھر میں مہینہ بھر رہا تھا، رات آٹھ بجے سامان اُٹھا کر اس گھر سے نکلا تو آبدیدہ سا ہوگیا کہ اتنے بڑے علمی مرکز سے میں ایسے ملک میں جا رہا ہوں جہاں نہ کوئی طالب علم ہے اور نہ ہی کوئی صاحب علم، رات حسن عباس صاحب کے ہاں گذاری، صبح پانچ بجے ہوائی اڈے کے لئے روانگی ہے۔

۲۵ر جولائی، صبح پانچ بجے ناشتہ مل گیا ناشتے کے بعد حسن عباس صاحب کے ہمراہ نکلا، ٹیکسی کا دفتر ان کے ہوسٹل کے قریب ہی ہے جلد ہی ٹیکسی مل گئی، میں سوا چھ بجے تک ایئرپورٹ پہنچ گیا پونے سات بجے چینل کھلا تو معلوم ہوا کہ ہوائی جہاز کا کرایہ چھ سو تومان بڑھا دیا گیا ہے، لائن میں لگ کر یہ رقم جمع کروائی اور سارے مرحلے طے کرنے کے بعد جہاز میں سوار ہوا، جہاز ٹھیک آٹھ بجے مشہد کے لئے ہوا میں لہرانے لگا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک گھنٹہ چند منٹوں میں مشہد پہنچ گیا، ہوٹل جواہری میں پہنچا جہاں سے ایک ماہ پہلے روانہ ہوتے وقت ایک کمرہ بک کروالیا تھا جو مجھے آج مل گیا کاروائی کے بعد میں گیارہ بجے کے قریب پژوہشہای اسلامی کے دفتر گیا، یہاں کچھ کتابیں بطور امانت رکھوائی تھیں جو لے لیں، اور جلد ہی وہاں سے جامع گوہر شاد کے لئے روانہ ہوگیا، یہاں سے اس جامع کے کتب خانے کے مخطوطات کی فہرست کا سیٹ (چار جلدیں) خریدیں (بقیمت ۶۰۰ر تومان = ۱۲۰ر روپے) اور واپس ہوٹل آگیا، دوپہر کھانا کھا کر جلد ہی لیٹ گیا تو نیند آگئی، چار بجے کے بعد پھر نکلا آستان قدس کے سیل ڈپو پر گیا، دوسرے

سیل ڈپو پر وہ کتابیں مل گئیں جو پژوہشہای اسلامی میں موجود نہیں تھیں۔

آٹھ بجے ہوٹل آ کر تمام کتابیں بیگ میں رکھیں اور سارا سامانِ سفر درست کیا کیوں کہ صبح مشہد سے، پاکستان، کوئٹہ کے لئے روانگی ہے، رات جلد ہی سو گیا۔

۲۶ر جولائی، تہران میں مجھ سے پی آئی اے والوں نے کہا تھا کہ جہاز کی روانگی سے تین گھنٹے پہلے ایرپورٹ پر پہنچ جانا کیوں کہ کسٹم میں بہت دیر لگتی ہے، میں ان کے کہنے کے مطابق ایرپورٹ پہنچا تو وہاں پاکستان جانے والے کسی مسافر کو نہ دیکھا ناچار بند دروازے کے آگے بیٹھ گیا اس وقت ساڑھے آٹھ بجے ہیں کسٹم کا دروازہ دس بجے کھلا سب سے پہلا میں مسافر تھا باقی صرف ۸۰ر مسافر تھے، میرے پاس کسٹم والا کوئی سامان نہیں تھا، صرف کتابیں تھیں جس پر انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا اور نہ ہی وزارتِ ارشاد کی طرف سے حاصل کیا گیا اجازت نامہ طلب کیا، صرف ایک منٹ میں فارغ کر دیا، میں نے دانشگاہ تہران سے مائیکروفلمز کے ذریعے کروائے گئے عکسیات ڈالنے کے لئے ایک بڑا بیگ تہران سے خریدا تھا یہ کاغذ موٹا اور بہت وزنی ہے اس بیگ کو میں اپنے ساتھ جہاز میں رکھے ہوئے تہران سے مشہد بصد دقت اُٹھا کر لے جا سکا اسی طرح اسے مشہد سے کوئٹہ کے لئے بھی اٹھایا اور جہاز میں سوار ہو گیا، اللہ تعالیٰ کا بے پایاں احسان ہے کہ ہوائی جہاز بحفاظت تمام دو گھنٹے میں مشہد سے کوئٹہ اتر گیا، وہاں سے سیدھا بذریعہ رکشا میں حضرت شاہ ابوالخیر مجددی دہلوی کے صاحبزادہ کے گھر واقع پیر ابوالخیر روڈ گیا، صاحبزادہ ابوحفص عمر مجددی موجود نہیں تھے لیکن ان کے دوسرے بھائیوں نے بڑی عزت سے مجھے بٹھایا اور یہاں قیام کے لئے کہا میں نے یہیں قیام کر لیا، اور بغیر کسی آرام کے وہ تمام عکسیات دیکھ ڈالے جو صاحبزادہ صاحب خانقاہ حضرت میرزا مظہر، دہلی سے بنوا کر لائے تھے، ان میں چند ایک (پانچ عدد) منتخب کئے کہ ان کی مجھے مدت دراز سے تلاش تھی، حضرت زید ابوالحسن فاروقی پیرانہ سالی کے باعث اپنا کتابخانہ دکھاتے نہیں تھے خدا کا شکر ہے کہ ان میں سے بہت سے مخطوطات کے عکس مجھے یہاں سے حاصل ہو گئے، رات کو گیارہ بجے ان عکسیات کی پڑتال کر کے سو گیا۔

۲۷ر جولائی، ۱۹۹۲ء، صبح پھر دوسری الماریوں میں عکسیات کی تلاش کی تو مزید پانچ مخطوطات

کے عکسیات فوٹو کاپی بنوانے کے لئے منتخب کیے، انہوں نے مہربانی فرماتے ہوئے ان کی اجازت دے دی، وہاں سے صاحبزادہ صاحب کے ساتھ حاجی گل کی دکان پر گئے جہاں سے شاہ فقیر اللہ علوی کی چند مطبوعات خریدیں اور پھر ان کے گھر مخطوطات دیکھنے کے لئے گئے ایک گھنٹہ ہم نے نادر مخطوطات دیکھے جن میں سے حضرت شیخ عزیزان کے فرمودات کا ایک مجموعہ قابل توجہ تھا، وہاں سے فوٹو سٹیٹ کی دکان پر گئے، پانچ مخطوطات کے عکسیات سے فوٹو بنوائے، ان سب کی تفصیلات میری فہرست عکسیات میں درج ہیں، دوپہر ایک بجے صاحبزادہ صاحب کے ہاں سے کھانا کھایا، تین بجے ایئرپورٹ جانے کے لئے چل پڑا، صاحبزادگان نے نہایت اخلاق سے اپنی گاڑی میں بٹھایا اور ہوائی اڈے پر پہنچا دیا، ہوائی جہاز تاخیر سے چلا یعنی چار بج کر پچیس منٹ پر چلنے کی بجائے پانچ بجے چلا، چھ بجے خدا کے فضل وکرم سے لاہور ایئرپورٹ بحفاظت تمام پہنچ گیا، یہاں پروفیسر منظور احمد اپنی بیوی کو جہاز پر سوار کرنے کی غرض سے آئے ہوئے تھے، ان کی گاڑی میں سامان رکھا اور سٹیڈیم تک پہنچا، یہاں سے بذریعہ رکشا گھر آیا، والدہ محترمہ گلے ملیں۔

اللہ تعالیٰ کا بہت ہی کرم ہے کہ اس نے مجھ نہایت درجہ گناہگار پر بے پایاں کرم واحسان فرمائے اور مجھے بحفاظت اور صحت وتندرسی کے ساتھ گھر تک پہنچایا۔

حواشی

۱۔ مولوی محمد یعقوب فراہی، تاجر مخطوطات، کوئٹہ، ان کے پاس ہر وقت خاصے نادر قسم کے مخطوطات برائے فروخت ہوتے ہیں، ان سے کئی مخطوطات مستعار لے کر ان کی فوٹوسٹیٹ کاپیاں کروا چکا ہوں۔

۲۔ فصل الخطاب کے اس خطی نسخہ کی تفصیل اس سے پہلے بیان کی جا چکی ہیں، اس نسخہ کی اہمیت یہ ہے کہ حاجی محمد عاشور بخاری نے مصنف کا خاتمہ بھی نقل کیا ہے۔ جس سے علمی دنیا کو پہلی بار فصل الخطاب کا سالِ تکمیل ۸۱۲ھ معلوم ہوا ہے، ورنہ اس کے ایرانی محققین کو اس کا علم ہی نہیں ہے، میں نے اس آخری ورق کا عکس ''مقاماتِ معصومی'' کی جلد چہارم ص ۵۴۶ پر شائع کر دیا ہے۔

۳۔ آقای نجیب مائل ہروی، ایک افغانی ہیں اور کتب تصوف کے متون ایڈٹ کر کے عمدہ طریقہ سے شائع کئے ہیں، مشہد میں رہتے ہیں، ان کی مرتبہ اکثر کتب میرے ذخیرہ میں ہیں۔

۴۔ ڈاکٹر حسن عباس کا پی ایچ ڈی کا مقالہ احوال و آثار آزاد بلگرامی، بنیاد موقوفات محمود افشار، تہران سے ۱۳۸۴ ش کو طبع ہوا تھا، میں نے اپنے ذخیرہ کے لئے حاصل کر لیا تھا، ڈاکٹر حسن عباس ان دنوں رضا لائبریری، رامپور (ہندوستان) کے ڈائریکٹر ہیں، میں نے گذشتہ سال اس لائبریری کے لئے تمام تالیفات و مرتبات کا ایک سیٹ (۳۲ کتب) کے دو پارسل انہیں بھیجے اور صرف ایک رسالہ دررد شبہات بر کلام حضرت مجدد الف ثانی تالیف شاہ محمد یحیٰی بن حضرت مجدد الف ثانی کی کاپی کی درخواست کی جو انہوں نے بھیج دی، مجھے تقریباً نصف صدی سے اس مخطوطہ کی تلاش تھی، میں نے اس واحد خطی نسخہ کا عکس ایک مفصل مقدمہ کے ساتھ عکسی طور پر ارمغان امام ربانی کی جلد نہم میں شامل کروا کر شائع کر دیا ہے۔

۵۔ میرے یہ مقالات دائرۃ المعارف اسلامی کی مختلف جلدوں میں شامل ہیں، ان میں سے چند مضامین کا مجموعہ تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان کے نام سے تین جلدوں میں طبع ہو گیا ہے۔

۶۔ انیس الطالبین (حالات حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری (ف ۷۹۱ھ/ ۱۳۸۸ء) تالیف حضرت خواجہ محمد پارسا بخاری (ف ۸۲۲ھ/ ۱۴۲۰ء)، اس نام کی ایک کتاب صلاح بن مبارک بخاری (ف ۷۹۳ھ/ ۱۳۹۰ء) کی بھی ہے، جو پہلے لاہور سے اور پھر تہران سے شائع ہو چکی ہے، لیکن خواجہ محمد پارساء کی تالیف تا حال شائع نہیں ہوئی ہے۔ (قدسیہ، مقدمہ احمد طاہری، عراقی ص ۷۴۔۷۵)

۷۔ الوافی بالوفیات مرتبہ ہلموٹ رٹر و آخرون، دمشق، دار النشر فرانز شتائیز اس کی طباعت کا آغاز ڈاکٹر ریٹر نے کیا اور دمشق کی مذکورہ انجمن سے ۱۹۶۲ء کو اس کی پہلی جلد شائع ہوئی، پھر چند اور جلد طبع ہوئیں تو ریٹر کا ۱۹۷۱ء کو انتقال ہو گیا، مستشرقین کی ایک جماعت نے اس کی اشاعت کے کام کو جاری رکھا، مجھے ساری عمر اس کے اس مطبوعہ ایڈیشن کی تکمیل کی سعی میں خرچ کرنی پڑی تب جا کر اس کی ۲۹ر جلدیں مکمل ہوئیں، پھر بیروت کے ایک ادارہ نے اس کے مفقود اجزاء دریافت کر کے اسے مع کار ریٹر تیس جلدوں میں طبع کروایا، ابتدائی ۲۹ر جلدیں آج میرے ذخیرہ کی زینت ہیں (شمارہ ۳۶۲۰) ابن تغری بردی نے المنهل الصافی والمستوفی بعد الوافی کے نام سے اس کا ذیل لکھا، جس کی پہلی دس جلدیں قاہرہ سے طبع ہو چکی ہیں، یہ دس مجلدات ۲۰۱۲ء کے حج کے دوران مکہ مکرمہ سے خریدی تھیں (ایضاً شمارہ ۳۶۲۲) اس ذیل کا ایک ملخص الدلیل الشافی علی المنهل الصافی کے نام سے جامعہ ام القریٰ، مکہ مکرمہ سے بھی چھپ چکا ہے۔ (ایضاً شمارہ ۳۶۲۳)

۸۔ نزهة النفوس والابدان فی تواریخ الزمان، علی بن داؤد کی تالیف ہے جسے حسن حبشی نے مرتب کیا، اس میں ۷۸۴۔۸۵۰ھ تک کے حوادث ووفیات کا بیان ہے، اس کی پہلی جلد میرے پاس پہلے سے ہی تھی، اب ایران سے اس کی جلد دوم بھی مل گئی، لیکن ابھی تک اس کی جلد سوم نہیں مل سکی۔ (ایضاً شمارہ ۳۴۴۳)

۹۔ انڈیکس اسلامیکس (Index Islamicus) مرتبہ .Behan, W.H ایک بہت خاصے کی کتاب حوالہ ہے، پیرسن نے اپنے انڈیکس اسلامیکس کے مقدمہ میں لکھا تھا کہ میں انڈیکس سازی کا کام ۱۹۰۶ء سے اس لئے شروع کر رہا ہوں کہ اس سے پہلے مسٹر Behn ۱۶۶۵ سے ۱۹۰۵ء تک کا انڈیکس مرتب کر چکے ہیں، مجھے اس کی بہت تلاش تھی، آخر کسی یورپین ملک کے کتب خانوں میں تلاش

تے ہوئے یہ مل گیا تو اس کی فوٹو کاپی بنوالی گئی، جو آج میرے ذخیرہ میں موجود ہے (شمارہ ۹۹۳۵)
امہ سے مراد فہرستوارہ کتابہای فارسی ہے، یہ بیش بہا کارنامہ ہے جو احمد منزوی نے پاکستان کے
قیام اور یہاں فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان (۱۴ رجلدیں) مرتب کرنے کے
پس تہران جاکر دائرۃ المعارف اسلامی بزرگ کی عمارت میں بیٹھ کر نوجوانوں کی ایک ٹیم کے
بل کر بنایا تھا، اس کی اب تک بارہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں، جس میں موضوعی ترتیب سے فارسی
لمی نسخوں اور مطبوعات کی فہرست شامل ہے۔

ت ضیاء المشائخ محمد ابراہیم مجددی (رک سفرنامۂ افغانستان ۱۹۷۶ء)

محمود مرعشی، کتابخانہ کے مالک آیۃ اللہ مرعشی کے فرزند اور بہت ہی لائق جانشین ہیں، حکومت
ن نے اسے اب پبلک لائبریری (کتابخانہ عمومی) کا درجہ دے دیا ہے اور اس کی سالانہ گرانٹ
ے ملک کی ساری لائبریری کے برابر ہے۔

محمود مرعشی نے اپنی انتشارات مجھے بلاقیمت پاکستان بھیج دیں، جن میں ۲۵ رمجلدات میں ان کے
خیرۂ مخطوطات کی فہرست بھی شامل ہے۔

ہ رسائل شاہ محب اللہ الہ آبادی، فکری اعتبار سے بہت ہی اہم کتاب ہے، جسے میں نے پہلے تو
امات معصومی" پر مقدمہ لکھنے کے لئے استعمال کیا اور پھر کئی تحقیقی امور میں کام آرہا ہے۔

ن الدر فی سیرۃ الشیخ شہاب الدین عمر مولفہ شمس الدین محمد عمری مرشدی، بعد میں ڈاکٹر عارف
ہی اور ڈاکٹر معین نظامی کی تصحیح سے تہران سے ۱۳۸۳ ش کو طبع ہو گئی تھی۔

ن وحدت، یعنی شیخ عبدالاحد وحدت سرہندی (ف ۱۱۲۶ھ/۱۷۱۴ء) کا دیوان ہے جو اصفہان
ایک پروفیسر کے ذخیرہ سے لاکر دانش گاہ تہران میں فلم بنوائی گئی تھی اس مائیکروفلم سے یہ پرنٹ
گیا ہے، جو میرے ذخیرہ میں (شمارہ R.114) محفوظ ہے۔

الاحباب فی تذکرۃ الاصحاب (تذکرہ ملیحای سمرقندی کا تکملہ ہے) مولفہ رحمت اللہ واضح، مطبوعہ
نبہ نشریات دانش ۱۹۷۷ء

سفر اسلام آباد و پشاور

۱۲/اکتوبر ۱۹۹۳ء دوپہر بارہ بجے کی فلائٹ نمبر 286 پی آئی اے کے ذریعے لاہور سے اسلام آباد کے لئے روانہ ہوا، جہاز اللہ تعالی کے فضل و کرم سے ٹھیک ۴۵ منٹ میں منزل مقصود پر پہنچ گیا، ہوائی اڈے سے بذریعہ ٹیکسی آستانہ خیر یہ، نزد ستارہ مارکیٹ پہنچا تو آستانے کے خدام محمد ناصر، محمد لیاقت وغیرہ خندہ پیشانی سے ملے، آستانہ کے سربراہ حضرت ابوالخیر عبداللہ صاحب اپنے دوسرے آستانے واقع پشاور گئے ہوئے تھے، میں اسلام آباد میں یہیں قیام کرنے کے ارادے سے آیا تھا، بہت خوب جگہ ہے، نہایت پر فضا اور پرسکون مقام ہے قریب ہی ایک بڑی مارکیٹ ستارہ ہے، یہاں ہر چیز ملتی ہے، فیصلہ یہ کیا کہ مہمان خانے کے باورچی خانہ میں اپنے لئے کھانا خود تیار کروں گا، چنانچہ دوپہر کو پھل کھا کر گذارہ کیا اور شام کو مرغ کا گوشت خود پکا کر فریج میں رکھ دیا، جو میرے لئے دو تین یوم تک کافی ہوگا، بازار سے روٹیاں لا کر شام سات بجے کھانا کھالیا۔

سفر پر روانہ ہونے سے پہلے سیون اپ کی ایک بوتل نے بہت خراب کیا، گلا بری طرح متاثر ہوا، جس سے شدید کھانسی ہوگئی، ہومیو پیتھک کے علاج سے افاقہ نہ ہوا تو ایلو پیتھک کی دوائی لی جس سے کافی آرام محسوس ہوا، لیکن ضعف بہت زیادہ ہو رہا ہے۔

عشاء کی نماز کے بعد جلد ہی آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا، کھانسی کی وجہ سے نیند میں خلل آتا رہا تاہم کسی وقت نیند آ گئی، صبح ساڑھے چار بجے بیدار ہو گیا۔

۱۳/اکتوبر، ارادہ ہے کہ آستانے سے صبح آٹھ بجے روانہ ہو کر مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان واقع مسجد روڈ، اسلام آباد جاؤں، نو بجے تک مرکز تحقیقات میں پہنچ گیا، اس کے ڈائریکٹر موجود نہیں تھے لیکن ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی نے مہربانی کرتے ہوئے میرے مطلوبہ مخطوطات نکال کر مجھے دکھا دیے، اس مرتبہ یہ

علمی سفر انگلینڈ کے ایک تحقیقی منصوبے[۱]

Atlas of the Social and Intelectual History of South Asia

پر کام کرنے کی غرض سے کیا۔

مختصر مخطوطات پر تو جلد ہی کام ہو گیا البتہ جو ضخیم قلمی نسخے جیسے ''خزانۃ الفوائد'' [۲] از بہاء الدین یعقوب (ملفوظات مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری) اور انہی کے ملفوظات کا دوسرا مجموعہ ''خزانہ جواہر جلالی'' [۳] مرتبہ فضل اللہ پر کام کرنا خاصا وقت طلب ہے، ایک بجے کے قریب اول الذکر مخطوطہ پر کام شروع کیا، دو بجے تک جاری رہا پھر کتابخانہ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی کے بند ہونے کا وقت ہو گیا، اس دوران معلوم ہوا کہ صاحبزادہ سید عارف نوشاہی صاحب ایران سے پی ایچ ڈی [۴] کر کے آگئے ہیں، ان کو فون پر مبارک باد دی اور آج ہی بعد دوپہر اُن کے گھر ملنے کا پروگرام بنالیا، چنانچہ مرکز تحقیقات فارسی سے فارغ ہو کر سیدھا اُن کے گھر واقع ماڈل ٹاؤن ہمک، سہالہ گیا، تقریباً چار بجے وہاں پہنچا، موصوف بڑے تپاک سے ملے، دیر تک ایران کے قیام کے دوران رونما ہونے والے علمی واقعات کے تذکرہ، وہاں کے صاحب علم حضرات کی باتیں نہایت دلچسپ تھیں کیوں کہ گذشتہ سال ایک ماہ کے لئے جولائی، اگست ۱۹۹۲ء میں میں ایران گیا تھا، موصوف نے ان مخطوطات کے عکس دکھائے جو انہوں نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ ملفوظات خواجہ عبید اللہ احرار جامع عبدالاول کی تصحیح و برزسی کے سلسلے میں ایران، ترکی اور سنٹرل ایشیاء سے حاصل کئے تھے۔ صاحبزادہ صاحب کا مقالہ بھی دیکھا سبحان اللہ اس خاندان میں کیا صالح محنتی اور قابل قدر جواں پیدا ہوئے یہ سب اسی خانوادے کے ایک صاحب قلم بزرگ حضرت سید شرافت نوشاہی کی صحبت کا اثر اور ثمر ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے ملک میں ایسے محقق پیدا کرے جو ملک کے علمی سرمائے کے طور پر جانے پہچانے جا سکیں، رات انہی کے ہاں قیام کیا صبح سات بجے وہاں سے چل پڑا۔

۱۴/اکتوبر آٹھ بجے کمیٹی چوک، راولپنڈی سے رسالہ ''معارف''، اعظم گڑھ کے تین شماروں میں سے بعض مضامین کی فوٹو کاپیاں بنوائیں، اور ''نسمات القدس'' [۵] کے قلمی نسخہ مکتبہ عارف حکمت، مدینہ منورہ کی فوٹو کاپی سے کاپی بنوائی، یہ نادر عکس صاحبزادہ عارف نوشاہی صاحب کے پاس ہے، جسے انہوں

نے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، حیدر آباد، سندھ سے حاصل کیا، کاپی نہایت خراب تھی اس لئے ہماری کاپی بھی کچھ صاف نہیں بنی ہے، نو بجے کے قریب مرکزِ تحقیقاتِ فارسی میں پہنچ گیا، ''خزانۃ الفوائد'' پر کام شروع کیا، بہت بڑا مخطوطہ ہے، دو بجے تک اس پر جھکا رہا لیکن پھر بھی کام باقی رہ گیا، جو ہفتہ کے دن ایک گھنٹے میں ختم ہو جائے گا، دو بجے مرکز سے اُٹھ کر سیدھا آستانہ خیریہ ۶ پہنچ گیا، تین بجے کھانا کھایا اور آرام کی غرض سے لیٹ گیا، ہلکی سی نیند آئی جس سے تھکان میں قدرے کمی ہوئی، پانچ بجے اُٹھا، رسالہ ''معارف'' کے مضامین پڑھے، داراشکوہ کے نظریات، پر ایک ایسا مقالہ ہے جس سے میرے افکار میں میں تبدیلی ہوئی، رات دس بجے تک نیند آ گئی۔

۱۵ را کتوبر صبح کے معمولات سے فراغت کے بعد پروفیسر منظور الحق صدیقی ۷ صاحب کے ہاں سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی گیا، ان کے ساتھ کئی معاملات میں تبادلۂ خیال بھی ہوا، زیرِ نظر منصوبوں پر دیر تک مشورہ فرماتے رہے، پھر گیارہ بجے کے قریب میں اُن کے ہمراہ راولپنڈی صدر گیا، جہاں کتابوں کا جمعہ بازار لگتا ہے، یہاں کتابوں کی قیمتیں بہت زیادہ ہوتی ہیں، تاہم میں نے مندرجہ ذیل کتب وہاں سے خریدیں:

1- Kashir By Sufi Vol 1

2- History The Muslims of Bengal at 1757 By M.Maher Ali, Al-Riaz University Saudi Arabia, 2.Vols

3- Medival India Quaterly 1, 1961

(۴) احمد شاہ بابا از غلام محمد غبار، مطبوعہ، کابل

دوپہر ایک بجے کے قریب صدر سے واپس اُن کے گھر آ گئے، کھانا کھانے کے بعد آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے تو اجنبیت کے باعث نیند نہ آئی، چار بجے اُٹھ کر پھر علمی باتیں شروع ہوئیں، رات آٹھ بجے اُن کی گاڑی میں واپس آستانہ خیریہ، اسلام آباد آ گیا، ایک شامی جوان مولانا روم اور علامہ اقبال کے موضوع پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ رہا ہے، اس سے ملاقات کی وہ تو اس کے بنیادی مآخذ سے بھی واقف نہیں

ہے، رات دس کے قریب لیٹ گیا، دیر سے نیند آئی، آج تھکن کا احساس شدید ہے۔

۱۶/اکتوبر، صبح آٹھ بجے آستانے سے روانہ ہو کر ساڑھے آٹھ بجے رائزنی فرہنگی ایران، اسلام آباد گیا جہاں کا مدیر دکتر رکنی موجود تھا، دکتر تسبیحی کا تعارفی خط دیا فوراً بلایا ایک گھنٹہ تک پاکستان کے فوک اور لٹریچر پر بات ہوتی رہی، اس کے مآخذ و مراجع زیرِ بحث رہے، پھر اٹھتے وقت میں نے میراث جاویدان مرتبہ دکتر جوادی کے لئے کہا کہ مجھے اس کا ایک سیٹ دے دیں تو بڑی خوشی سے دے دیا یہ بہت اہم کتاب ہے اس میں پورے پاکستان کے مزارات اور عمارات پر جس قدر کتبے ہیں ان کے عکس اور قرأت شامل ہے، دو جلدوں کے تین ہزار روپے قیمت ہے، میں یہ کتاب لے کر مرکزِ تحقیقات فارسی پہنچا تو دکتر تسبیحی نے بھی خوشی کا اظہار کیا، وہاں دو بجے تک مخطوطات کا مطالعہ کیا اور پھر سپر مارکیٹ میں پرانی کتب کے تاجروں سے ملا اور فیصلہ کیا کہ دوپہر کے آرام کے بعد یہاں آ کر اطمینان سے کتابیں دیکھوں گا۔

دوپہر کا کھانا کھا کر لیٹ گیا اور مغرب کی نماز تک ہلکی نیند طاری رہی، نماز کے بعد سپر جناح مارکیٹ کے لئے روانہ ہوا، وہاں سے کوئی کتاب دستیاب نہ ہوئی، اس کے بعد سپر مارکیٹ کی راہ لی وہاں سے بھی کچھ نہ ملا، تو آٹھ بجے تک واپس آستانہ خیریہ پہنچ گیا، رات سونے سے پہلے کھانا تیار کر کے فریج میں رکھ دیا۔

۱۷/اکتوبر، صبح کے معمولات سے فراغت کے بعد ساڑھے آٹھ بجے مرکزِ تحقیقات فارسی پہنچا، گیارہ بجے تک وہاں کام کیا، پھر قائدِ اعظم یونیورسٹی کے لئے چل پڑا، شعبۂ تاریخ میں گیا تو معلوم ہوا کہ پروفیسر ڈاکٹر اسلم سید ۸ استعفیٰ دے کر مستقل طور پر امریکہ چلے گئے ہیں ان دنوں سیر کی غرض سے ہانگ کانگ گئے ہوئے ہیں اور یونیورسٹی کے تمام شعبوں کی بہت بری حالت ہے، مالی طور پر یونیورسٹی کا دیوالیہ نکل چکا ہے، مرکزی یونیورسٹی کا یہ حال ہے تو صوبائی یونیورسٹیوں کا کیا حال ہوگا۔

ایک بجے واپس آیا، تھکن کا احساس زیادہ تھا، واپس آستانہ خیریہ پہنچا تو حضرت ابوالخیر محمد عبداللہ صاحب پشاور سے آ گئے تھے، بڑی خندہ پیشانی سے ملے، بڑے انکسار کا اظہار کیا، دوپہر کمرے کے دروازے بند کر کے لیٹ گیا، کسی وقت ہلکی سی نیند آ جاتی کبھی اکھڑ جاتی، اسی طرح مغرب کی نماز تک لیٹا

رہا، مغرب کے بعد حضرت ابوالخیر کے ساتھ نشست ہوئی، بڑے صاحب دل بزرگ ہیں، علمی باتیں عام فہم انداز میں کرتے ہیں، ساڑھے سات بجے رات ایک گھر میں محفل تھی بزرگوں کے اذکار پر وہاں مجھے بھی ہمراہ لے گئے، ساڑھے نو بجے کے قریب واپس آئے، دیر تک علمی باتیں کرتے رہے پھر آرام کے خیال سے لیٹ گئے۔

۱۸/ اکتوبر، صبح حضرت ابوالخیر عبداللہ جان صاحب کے ساتھ کچھ دیر نشست رہی، آج کے علمی حالات پر تبادلہ خیال ہوتا رہا، پھر اجازت لے کر روانہ ہوا، مرکزِ تحقیقاتِ فارسی میں ساڑھے دس بجے تک کام کیا، وہاں سے نیشنل لائبریری، اسلام آباد آیا، اس لائبریری کو شروع ہوئے ابھی چند دن گذرے ہیں، وزیراعظم معین قریشی نے افتتاح کیا، عمارت بہت خوشنما اور جدید طرز کی بنی ہے، نہایت پُرسکون جگہ ہے، لیکن ابھی کتابوں کی کمی ہے، یہاں تقریباً پانچ سو عربی، فارسی و اُردو مخطوطات ہیں، مخطوطات کی فہرست دیکھی بعض نادر بھی ہیں، ان میں ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کے ذخیرے ۹ کے کچھ مخطوطات بوساطت جناب خلیل الرحمٰن داؤدی، لاہور سے خریدے گئے ہیں، ۱۰ ایک تذکرہ اولاد حضرت سید اعلیٰ جاجموی اور آئینہ عباسی ۱۱ میرے لئے اہم تھی، اس کے عکس بنوائے (نمبر ۳۳۴) اول الذکر میں حضرت سید حسین زنجانی لاہوری کا بھی ذکر ہے، یہ بزرگ اسی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں، ثانی الذکر آئینہ عباسی ۱۲ میں مولف نے اپنے خاندان کے شیوخ ات اور بزرگان ججو کا تذکرہ کیا ہے، اس میں حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ کے بعض خلفاء کا ذکر بھی نظر سے گذرا، ان میں ایک اور اہم کتاب مجلد ہے باسم سادات سندیلہ، لیکن اس کی فوٹو کاپی نہ بنوائی، وجہ یہی تھی کہ لائبریرین نے پوری کتاب کا عکس دینے سے انکار کر دیا تھا، دوپہر اڑھائی بجے وہاں سے نکلا، آستانے میں آکر کھانا کھایا اور آرام کی غرض سے لیٹ گیا، مغرب کی نماز کے بعد کئی روز کے وقفہ سے غسل کیا، سردی شدت اختیار کر رہی ہے، نماز عشاء کے بعد جلد ہی سو گیا۔

۱۹/ اکتوبر، صبح آٹھ بجے روانہ ہوا، نو بجے تک نیشنل آرکائیوز، اسلام آباد پہنچ گیا، لیکن آدھے گھنٹے کے بعد پھر واپس مرکزِ تحقیقاتِ فارسی گیا تو حضرت ابوالخیر عبداللہ جان صاحب موجود تھے، انہوں نے ہوائی جہاز کی ٹکٹ میں میرے لئے تبدیلی کروادی کہ آج شام کی بجائے کل وہ مجھے اپنے ہمراہ لے جائیں گے،

اس طرح کل صبح سات بج کر ۴۵ منٹ پر ہوائی جہاز پشاور کے لئے روانہ ہوگا اور خدا کے فضل و کرم سے آدھے گھنٹے میں پشاور پہنچ جائے گا، میں وہاں سے واپس اُسی ٹیکسی پر آرکائیوز جا پہنچا اور اڑھائی بجے دوپہر تک وہاں کام کیا، بہت سی مائیکروفلمز یہاں موجود ہیں، نسخہٴ احوال شاہی ۱۳؎ (فلم از برٹش میوزیم، لندن) اور رسالہ طریقہٴ نقشبندیہ ۱۴؎ (تالیف شاہ مولوی نعیم اللہ بہرائچی) کے فلم سے فوٹو بنوائے، چار سو آٹھ روپے خرچ ہوئے، جو لندن کے مقابلے میں صفر کے برابر ہیں۔

تین بجے آستانے پہنچا، تو حضرت ابوالخیر عبداللہ جان پروفیسر سید ذاکر حسین کے ہاں جانے کے لئے تیار بیٹھے تھے، دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد روانہ ہوئے، بہت فاصلے پر ان کا گھر اور مدرسہ ہے، انہوں نے بتایا کہ وہ تاریخ مشائخ چشت مکمل کر چکے ہیں لیکن جب سوال مآخذ مراجع کے متعلق ہوا تو فرمایا کہ ہماری رسائی مآخذ اصیل تک نہیں ہے، افسوس ہوا کہ کام کے نتائج کیا ہوں گے، اسی طرح ''فصوص الحکم'' کی شرح جامی کے اُردو ترجمے کے بارے میں بات ہوئی تو موصوف ولیم چٹک کے ایڈیشن سے بے خبر تھے، عثمان یحییٰ کی ابن عربی کے سلسلے کی کاوشوں کا ذکر ہوا تو پروفیسر صاحب کو ان سے بھی لاعلم پایا، خدا خیر کرے، ہمارے ملک میں علمی کاموں کو کلیۃً بے خبری کی نذر کر دیا جاتا ہے جس کا نتیجہ رطب و یابس کے سوا کچھ نہیں ہوتا، شام ساڑھے چھ بجے واپس آستانے پہنچے تو دم لیا، حضرت صاحب اسی وقت کسی تقریب میں شرکت کے لئے چلے گئے اور میں آستانے پر آرام کرنے کے لئے رُک گیا، پروگرام یہی ہے کہ صبح ساڑھے سات بجے حضرت صاحب کے ساتھ پشاور کے لئے روانہ ہو جانا ہے، ساری تیاری کر کے سو جاؤں گا، اللہ تعالیٰ خیروعافیت سے پشاور پہنچا دے اور پھر پشاور سے لاہور، آمین۔

۲۰ را کتوبر، آج صبح چار بجے اٹھا کیوں کہ پونے آٹھ بجے کی فلائٹ سے پشاور کے لئے روانگی ہے، حضرت ابوالخیر عبداللہ جان کے ساتھ بذریعہ ٹیکسی سوا سات بجے ہوائی اڈے پر پہنچا، جہاز ٹھیک وقت پر روانہ ہوگیا اور خداوند کریم کے فضل و کرم سے تقریباً تیس منٹ میں جہاز پشاور کے ہوائی اڈے پر اتر گیا، حضرت صاحب کے ہمراہ اُن کی گاڑی میں اُن کے آستانے، واقع مرشد آباد، پشاور شہر آ گیا، یہاں مہمان خانہ نہایت پرسکون جگہ پر واقع ہے، اس سے قبل میں پشاور حضرت مولانا سید محمد امیر شاہ قادری صاحب

کے ہاں قیام کیا کرتا تھا۔

جہاں برلبِ سڑک نشست گاہ تھی وہیں رات کو سونا بھی دشوار ہوتا ہے، ٹریفک کے شور کے باعث رات بھر نیند نہیں آتی تھی، میں ساڑھے دس بجے مہمان خانے سے جھنگی محلے پہنچا، جہاں عربی کتب فروشی کا سب سے بڑا مرکز ہے، کتابوں کی قیمتیں یہاں بھی بہت زیادہ ہیں، ''موسوعۃ اطراف الحدیث'' مرتبہ سعید زغلول ۲۱؍سو روپے میں اور لاہور میں تین ہزار روپے، ایک بہت اہم کتاب ''معجم الشیوخ'' للذہبی جس کی مدت سے تلاش تھی بھی دستیاب ہوئی، ساڑھے بارہ بجے مولوی سید امیر شاہ قادری صاحب کے ہاں یکہ توت پہنچا تو بڑی گرم جوشی سے ملے، دوپہر کا کھانا اُن کے ساتھ کھایا اور دو بجے حضرت ابوالخیر صاحب کے ہاں آ کر آرام کیا، خدا کا شکر ہے کہ نیند آ گئی، چار بجے اُٹھا اور پھر جھنگی محلے پہنچ کر کتابوں کی سیر شروع کی، ایک دکان پر ظفر نامہ یزدی کی دونوں جلدیں موجود ہیں لیکن قیمت ساڑھے چار سو روپے، فی الحال چھوڑ دی ہے کہ شاید پشاور میں کہیں اور مل جائے، یونیورسٹی بک ایجنسی پر نظر ڈالی تو وہاں اب فارسی کتب بہت کم رہ گئی ہیں، البتہ فہرست نسخ خطی مطبوعہ کابل اور اسناد سلسلۂ صفیہ دو کتب ساٹھ روپے میں خریدیں، ایک اور بہت نایاب کتاب ''السواد الاعظم'' کا قدیم فارسی ترجمہ طبع عبدالحی حبیبی کے یہاں تین نسخے دیکھے، کل خرید لوں گا، مولوی امیر شاہ صاحب کے ہاں رات ساڑھے سات بجے پہنچا، نو بجے رات کا کھانا کھایا اور ساڑھے نو بجے واپس حضرت ابوالخیر کے ہاں چلا آیا، سکون سے رات نیند آئی۔

۲۱؍اکتوبر، صبح حضرت ابوالخیر میرے پاس کمرے میں آئے، ساتھ ناشتہ کیا، جب میں نے کتابوں کا ذکر کیا تو کہا کہ ہمارے مدرسے کی لائبریری کے لئے بھی اس قسم کی کتابوں کی ضرورت ہے، حضرت صاحب بھی میرے ساتھ بازار گئے، انہوں نے مدرسے کے لئے بڑے بڑے سیٹ خریدے، جن میں ایک نادر کتاب ''الانساب'' السمعانی ۱۳؍جلدیں مطبوعہ حیدرآباد، دکن اہم ہے، حدیث کا نیا انڈکس موسوعہ اطراف الحدیث بھی خریدا۔

پھر وہ کتابیں لے کر مدرسے چلے گئے میں ایک بجے تک بازار کتابفروشی میں گھومتا رہا، الفنون الاسلامیہ، موسوعۃ اطراف الحدیث، معجم الشیوخ للذہبی، اخبار مصر، فہرست المخطوطات وغیرہ خریدیں، فتح الباری

شرح صحیح البخاری للامام ابن حجر عسقلانی ۱۸ جلد بازار میں دیکھی قیمت ۲۴ سو روپے ہے، ابھی فیصلہ نہیں کر سکا کہ کونسی لی جائے کیونکہ ۱۴ جلدوں میں بھی ہے لیکن مجھے اول الذکر پسند آئی، مدت سے تمنا ہے کہ حدیث کی کتابوں میں سے یہ شرح خریدوں گا، لیکن مالی وسائل کی کمی کے باعث ہمت نہیں ہوتی تھی، دوپہر کا کھانا کھا کر حضرت ابوالخیر کے ہاں آرام کیا، دوپہر کو نیند آ گئی، آج مولوی محمد امیر شاہ صاحب کے ہاں نہیں جاسکا، کل حضرت ابوالخیر صاحب کا حضرت غوث الاعظم کے عرس کے سلسلے میں کوئی پروگرام ہے۔

آج شام ایک جگہ محفل میلاد تھی، میں بھی اُن کے ہمراہ گیا، دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ان کے مریدین بڑی کثرت سے ہیں اور اللہ ہُو کا ورد کرتے ہیں، نعت خوانی بھی خوب ہوتی ہے، رات دس بجے مہمان خانے میں آ کر سوگیا۔

۲۲ر اکتوبر، آج جمعہ ہے، بازار کتاب فروشی میں آج بھی جانے کا پروگرام ہے، صبح آٹھ بجے ہی نکلا، کتابخانہ شان الاسلام سے مدرسۂ نقشبندیہ کے لئے ''کشف الاسرار'' (تفسیر حضرت خواجہ عبداللہ انصاری) دس جلدیں اور اس کا خلاصہ دو جلد بھی خریدا، پھر مولوی میر داد خان کے پاس مخطوطات دیکھنے کے لئے گیا، اس نے مخطوطات جو دکھانے شروع کئے تو بہت تعجب اور خوشی ہوئی، اور دو کتابیں دیکھ کر تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، ایک مجموعہ رسائل خواجہ محمد ہاشم کشمی ۱۵ے بہت خوش خط نسخہ ہے، دوسرا اہم نسخہ ''قران السعدین'' ۱۶ے (حالات حضرت خواجہ محمد سعید نقشبندی لاہوری) از محمد رفیع بن محمد اسلم ہے، اس کا ایک نسخہ میرے پاس ہے، ۱۷ے میں اسے دنیا کا واحد نسخہ سمجھتا تھا، آج یہاں اس کا دوسرا نسخہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، ان دونوں خطی نسخوں کے دیکھنے سے عید سے بھی زیادہ مسرت ہوئی، جس پر اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ادا کرتا ہوں، رسائل خواجہ کشمی کی قیمت آٹھ ہزار روپے اور ''قران السعدین'' کی قیمت اڑھائی ہزار روپے طلب کی، دیر تک بحث ہوتی رہی وہ نہ مانا، آج دو ہزار روپے پیشگی دیئے اور رسائل کشمی کی فوٹوسٹیٹ بنوالی، ''قران السعدین'' خریدنے کا فیصلہ کرلیا، لیکن آستانے پر آ کر حضرت ابوالخیر عبداللہ جان صاحب سے بات کی تو وہ دونوں اہم نسخے خریدنے کے لئے تیار ہوگئے، اس طرح معمولی سے خرچ سے میرے لئے دونوں نسخوں کے فوٹوسٹیٹ بن جائیں گے، اور اس رقم سے میں حوالے کی اہم کتب خریدلوں گا، خدا کرے ایسا واقعی ہوجائے، آمین۔

دوپہر کا کھانا حضرت مولانا محمد امیر شاہ قادری صاحب کے ساتھ کھایا، دوپہر آستانے پر آ کر آرام کیا، شام کی نماز کے بعد مولوی محمد ایوب جان بنوری ۱۸ سے ملنے کے لئے اُن کے گھر گیا، وہ معمر اور مریض ہیں، اندر سے کہلا بھیجا کہ کل صبح دار العلوم سرحد آسیا گیٹ میں ملیں، واپس آ کر رات دس بجے تک حضرت ابوالخیر صاحب سے مختلف امور پر علمی بحث ہوتی رہی، رات ایک خادم سے سر پر تیل کی مالش کروائی، لیکن تھکن اتنی شدید تھی کہ اس کے باوجود نیند نہیں آئی۔

۲۳/ اکتوبر، صبح آٹھ بجے آستانے سے نکلا، ساڑھے آٹھ بجے پشاور یونیورسٹی پہنچا، مرکزی لائبریری میں عربی و فارسی مخطوطات کی فہرست دیکھی کوئی نادر الوجود خطی نسخہ نہیں ہے، فتاویٰ نقشبندیہ ملا معین کشمیری اور چند دیگر کتب نکلوا کر دیکھیں اور ایک گھنٹے میں فارغ ہوگیا، وہاں سے اسلامک سنٹر کے لئے بذریعہ بس روانہ ہوا تو پتہ چلا کہ یہ سنٹر شیخ زاید نے پشاور یونیورسٹی کو بنا کر دیا ہے، یہاں بظاہر کوئی مقصد حاصل نہ ہوا تو وہاں سے پشتو اکیڈمی پہنچا، چند منٹ میں ہی معلوم ہوگیا گذشتہ پانچ سال میں ہمارے موضوع کی کوئی کتاب یہاں سے شائع نہیں ہوئی ہے، بارہ بجے دوپہر آستانے پر پہنچا کہ جلد ہی بازار کتابفروشی سے فارغ ہو کر دوپہر کو آرام کروں گا، لیکن صوفی محمد اسرائیل، جن کو کتابیں خریدنے کے لئے میرے ساتھ جانا تھا وہ موجود نہیں تھے، ان کی سہل نگاری کے باعث ہم اڑھائی بجے روانہ نہ ہو سکے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ''رسائل خواجہ کشمی'' اور ''قران السعدین'' دونوں حضرت صاحب نے دس ہزار روپے میں خرید لیں، ''قران السعدین'' کا بھی میں نے فوٹو سٹیٹ بنوالیا، اس دوران ایک بہت ہی عجیب اور نادر الوجود مخطوطہ بیاض حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۹ اسی بازار میں دیکھا قیمت پچیس ہزار روپے، تاہم میں نے صوفی صاحب کو واپس بھیجا کہ حضرت ابوالخیر کو یہاں لے آئیں، اور وہ خود آ کر دیکھ لیں، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حضرت ابوالخیر کو اس کی اہمیت کا احساس ہوگیا اور کتابفروش سے سودے باری کر کے بیس ہزار ایک سو روپے میں یہ نادر بیاض بھی خرید لیا، جس کی سب سے زیادہ خوشی اس فقیر کو ہوئی، اس کے مل جانے سے شیخ محدث کے قیامِ حرمین کا باب نئے سرے سے لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی، واقعی اس میں حضرت نے اپنے حرمین میں قیام کی مختلف تاریخیں، مقاماتِ قیام، اور تقریباً ۹ رسالے تو ان کے اپنے

ہاتھ سے لکھے ہوئے ہیں، جن میں اجازت نامے بھی ہیں، آخری رسالہ رفع سبابہ شیخ نورالحق بن شیخ محدث کی تالیف اور تحریر ہے، رات آٹھ بجے تک ہم نوادرات لے کر آستانہ پر آ گئے، خدا ایسے پیر کو تادیر سلامت رکھے جسے اس دور جہالت میں بھی مخطوطات محفوظ کرنے کا احساس ہے، آج شدید تھکن ہے، سر پر تیل کی مالش کروائی اور رات ساڑھے نو بجے تک سو گیا۔

۲۴ر اکتوبر صبح آٹھ بجے آستانے سے نکل کر سیدھا فوٹو سٹیٹ والے کے پاس پہنچا اور (بیاض) رسائل مکتوبہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (مذکورہ بالا) کی فوٹو سٹیٹ بنوائی، ساڑھے دس بجے آرکائیوز کے لئے روانہ ہوا تو وہاں جا کر پتہ چلا کہ اب یہ دفتر یہاں سے تبدیل ہو کر سرکٹ ہاؤس اور عجائب گھر کے درمیان منتقل کر دیا گیا ہے، وقت کی کمی کے پیش نظر میں وہاں نہ جا سکا اور بذریعہ رکشا دارالعلوم سرحد (بیرون آسیا گیٹ) کے لئے چل پڑا، چند منٹوں میں وہاں پہنچ گیا، مولانا محمد ایوب جان بنوری مدرسے میں موجود تھے، انہوں نے اپنا ذاتی کتب خانہ بھی مدرسے میں منتقل کر دیا ہوا ہے، میں نے اپنا تعارف کروایا تو کہا کہ فاروق جان بنوری سے ملو اس کے پاس حضرت شیخ آدم بنوڑی کے بارے میں مواد موجود ہے، جب میں نے درخواست کی کہ اپنے کتب خانے میں موجود قلمی کتب دکھائیں تو انہوں نے عذر کیا، تاہم میری استدعا مکرر پر مخطوطات کی الماری کھولی تو دیکھ کر دکھ ہوا کہ تمام مخطوطات تباہ ہونے کے قریب ہیں، ان میں دیمک گرد اور نمی پوری طرح موجود ہے، بعض نادر مخطوطات کے اوراق نمی کے باعث آپس میں جڑ گئے تھے، اُن میں نقشبندی سلسلہ کے بعض اہم رسائل بھی دیکھے، ایک ضخیم مخطوطہ ''کمالات مجددیہ'' ۲۰ھ ہے، یہ نقشبندی طریقہ کے سلوک پر شیخ عبدالحی سمرقندی کی تالیف ہے اور ایک رسالہ شیخ محمد ہاشم ٹھٹھوی بھی دیکھا، جب میں نے مولانا سے کہا کہ ان دونوں کتابوں کے فوٹو سٹیٹ لینے کی اجازت دے دیں تو دونوں مخطوطات ہی مجھے دے دیئے، مدرسے کا وقت بارہ بجے ختم ہو گیا، مولوی اپنے گھروں کی راہ لینے لگے تو میں نے صرف ایک گھنٹہ مزید مانگا کہ مجھے یہ بقیہ مخطوطات دیکھنے ہیں، ایک مولوی بصد وقت تیار ہوا، خیر میں نے تمام مخطوطات دیکھ ڈالے اور چند نکال کر رکھے کہ انہیں کل آ کر دوبارہ دیکھوں گا۔

وہاں سے چل کر آستانے پر آیا تو صوفی محمد اسرائیل میرے ساتھ بازار جانے کے لئے تیار تھے، کھانا

کھایا اور چل پڑے، بازار سے حضرت ابوالخیر کے لئے مزید کتب خریدیں (مطبوعات بیروت) اور اپنی خریدی ہوئی تمام کتب بذریعہ ٹرک، لاہور کے لئے بلٹی کروادیں، شام ساڑھے چھ بجے حضرت مولوی سید محمد امیر شاہ قادری صاحب سے ملاقات کے لئے یکہ توت گیا، مولوی ایوب جان بنوری کے کتب خانہ کا حال سنایا تو بہت افسوس ہوا، دراصل یہ مخطوطات اب ان کے مسلک کے نہیں رہے یہ لوگ اپنے اسلاف (حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہما) کے جادہ سے بہت دور ہٹ چکے ہیں، یہ تمام نادر قلمی کتب اب ان کے لئے ردی کا ڈھیر ہیں، شام بہت شدید تھکا ہوا واپس آستانے پر آیا، بظاہر نیند کے آثار تھے لیکن رات بھر ذرا بھی نیند نہ آئی۔

۲۵ر اکتوبر، آج بذریعہ ہوائی جہاز صبح گیارہ بجے واپس لاہور کے لئے روانگی ہے، اللہ تعالیٰ خیر و عافیت سے پہنچادے، آمین۔ چونکہ میرے پاس صبح کے معمولات سے فراغت کے بعد دو گھنٹے تھے اس لئے میں مولوی ایوب جان بنوری کا کتب خانہ دیکھنے کے لئے دوبارہ دارالعلوم سرحد گیا، ساڑھے نو بجے تک واپس آیا، سامان سفر تو تیار ہی پڑا تھا، بذریعہ رکشا ہوائی اڈے کی طرف چل پڑا، اللہ تعالیٰ اپنے حفظ و امان میں رکھے اور بحفاظت تمام لاہور پہنچ جاؤں، آمین۔

حواشی

۱۔ یہ منصوبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی (سابق استاد شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) نے بنایا تھا اور او سی آئی (اوکسفورڈ سنٹر آف اسلامک سٹڈیز) اوکسفورڈ، انگلینڈ میں اس موضوع پر ایک کتاب مرتب کروانی تھی، اس سنٹر کے سیکرٹری پروفیسر نظامی کے بیٹے فرحان نظامی تھے، اس کے تین بڑے سنٹر دیگر علاقوں میں بھی بنائے گئے، ایک لاہور، پاکستان، دوسرا کشمیر اور تیسرا حیدر آباد (دکن) میں، لاہور کا کام میرے سپرد کیا گیا کہ میں علماء وصوفیہ کے تذکروں، مکتوبات اور ملفوظات میں سے مطلوبہ مواد انگریزی میں ترجمہ کر کے ماہ بماہ وہاں روانہ کرتا رہوں، چنانچہ میں نے ۱۴/ ماہ تک یہ کام تنہا ہی کیا، اس کی تفصیلات الگ لکھی جارہی ہیں۔

۲۔ خزانۃ الفوائد جلالیہ (ملفوظات مخدوم جہانیاں جہان گشت بخاری اوچی (ف ۷۸۵ھ/ ۱۳۸۳ء) جامع شیخ احمد معروف بہ بہا تلنی (فہرست مخطوطات ومصورات ذخیرۂ مجددی R.296)

۳۔ جواہر جلالی (ملفوظات مخدوم جہانیاں جہان گشت مذکور) جامع فضل اللہ، (فہرست مشترک ۱۳۸۱/۳، ۱۴۲۵)

۴۔ صاحبزادہ سید عارف نوشاہی (رک باں) ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ احوال وسخنان حضرت خواجہ عبیداللہ احرار پر تھا، جو تہران سے شائع ہو چکا ہے۔

۵۔ نسمات القدس (تکملہ رشحات عین الحیات از کاشفی) مولفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی، یہ وہ نسخہ ہے جس کی فوٹو کاپی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے کتابخانہ عارف حکمت، مدینہ منورہ سے بنوائی تھی، اوران سے لے کر ڈاکٹر نوشاہی صاحب نے اپنے لئے تیار کروائی، اسی سے میں نے اپنی علمی ضرورت کے لئے کاپی بنوائی۔

۶۔ آستانۂ خیریہ، یہ سلسلۂ نقشبندیہ کا ایک زاویہ ہے، جس کے موسس حضرت ابوالخیر عبداللہ جان نقشبندی پشاوری ہیں، ان کے دو مراکز ہیں، ایک کوہاٹ روڈ، پشاور میں اور دوسرا، اسلام آباد (ایوب مارکیٹ کے قریب) ہے، اس سے وابستہ حضرات کے حالات کے لئے دیکھئے: ''تذکرہ مشائخ نقشبندیہ خیریہ، پشاور

۷۔ پروفیسر منظور الحق صدیقی (ف ۲۷/ جولائی ۲۰۰۴ء) کیڈٹ کالج حسن ابدال میں ریاضی کے استاد تھے، ان کے اجداد کا تعلق روہتک (مشرقی پنجاب) سے تھا، جو علماء و مشائخ میں سے تھے، انہوں نے اپنے اجداد کے حالات پر ایک قابل قدر کتاب ''مآثر الاجداد'' کے نام سے لکھی تھی، ان کی دوسری تالیفات میں سے ''تاریخ حسن ابدال'' ایک اچھی کتاب ہے۔

۸۔ پروفیسر اسلم سید، میرے استادوں میں سے ہیں اور شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی، لاہور میں ہمیں فلسفۂ تاریخ (Historiography) پڑھاتے تھے، پھر وہاں سے قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد کے شعبۂ تاریخ سے وابستہ ہو گئے، جرمنی سے پی ایچ ڈی کی، اب وہ وہیں مقیم ہیں۔

۹/۱۰۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، سابق پرنسپل اورینٹل کالج، لاہور اور پاکستان میں علمی تحقیقات کے روح رواں تھے، ان کا بڑا کتب خانہ تھا، جس کے فارسی مخطوطات کی فہرست ڈاکٹر محمد بشیر حسین (سابق استاد فارسی اورینٹل کالج، لاہور) نے بنائی تھی، مولوی محمد شفیع کے فرزند احمد ربانی بظاہر ایک بے علم آدمی تھے، ریلوے پاکستان میں بڑے عہدہ پر تھے، مخطوطات کی علمی اہمیت نہیں سمجھتے تھے، صرف ان کی قیمت سے دلچسپی تھی، صاجزادہ عبدالقیوم نے شفیع کے انتقال (۱۹۶۳ء) کے بعد اُن کے کتب خانہ کی قیمت چار کروڑ روپے لگائی تھی لیکن لالچی احمد ربانی نے دینے سے انکار کر دیا، یہاں تک کہ اس کا انتقال ہو گیا، پھر اُن کے دوسرے بھائی جو ذہنی مریض تھے، افغان مہاجروں کے ہاتھ وہ مخطوطات معمولی قیمت پر فروخت کر دیئے، جن میں سے چند مخطوطات جناب خلیل الرحمٰن داؤدی مرحوم نے ایک افغان سے خریدے اور نیشنل لائبریری، اسلام آباد کو فروخت کر دیئے۔

۱۱/۱۲۔ ان دونوں مخطوطات کے روٹو گرافز میرے ذخیرہ میں موجود ہیں (رک فہرست مخطوطات و مصورات

ذخیرۂ مجددی)

۱۳/۱۴۔ نسخۂ احوال شاہی اور رسالہ در طریقہ نقشبندیہ کی فوٹو کاپیاں میرے ذخیرہ کی زینت ہیں۔

۱۵۔ رسائل خواجہ محمد ہاشم کشمی (خلیفہ، سوانح نگار و جامع مکتوبات امام ربانی، جلد ثالث) یہ مجموعہ ۲۰۱۷ء کو جناب محمد ناظم بشیر نے امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور سے شائع کر دیا تھا۔

۱۶/۱۷۔ قران السعدین (احوال حاجی محمد سعید لاہوری ف ۱۱۴۵ھ و اخوند محمد مسعود خرقی) تالیف اخوند محمد رفیع عباسی کا ایک قلمی نسخہ مجھے ۱۹۷۰ء کو ملا تھا، اب اس سفرِ پشاور کے دوران ۱۹۹۳ء کو اس کے دوسرے نسخہ کا سراغ ملا، تقریباً نصف صدی کے بعد جا کر یہ نادر الوجود خطی نسخہ کا عکس ناظم صاحب مذکور نے ۲۰۱۸ء کو اُسی ادارہ سے شائع کر دیا ہے۔

۱۸۔ مولوی محمد ایوب جان بنوری، حضرت شیخ آدم بنوڑی (خلیفۂ حضرت مجدد الف ثانی) کی اولاد میں سے تھے، لیکن عقائد کے اعتبار سے سعودی وہابی ہو چکے تھے، انہوں نے اپنا کتب خانہ اپنے مدرسہ کی لائبریری کو دے دیا تھا۔

۱۹۔ بیاض حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ایک بہت ہی نادر الوجود مخطوطہ ہے، جس پر ڈاکٹر عارف نوشاہی نے مجلّہ فکر ونظر، اسلام آباد (جولائی۔ ستمبر ۱۹۹۴ء) کو ایک تعارفی مقالہ لکھا تھا، یہ بھی حضرت ابوالخیر عبداللہ جان نے میری درخواست پر سربلند خان سے خریدا جواُن کے کتب خانہ، پشاور میں اب بھی محفوظ ہے۔

۲۰۔ کمالات مجددیہ مولفہ عبدالحی مجددی سمرقندی (۱۱۶۸۔۱۲۱۸ھ/ ۱۷۵۵۔۱۸۰۳ء) یہ مولف کا خودنوشت خطی نسخہ ہے، بعد میں مدرسہ کے کسی طالب علم نے یہ نسخہ وہاں سے مستعار لیا اور افغان تاجرانِ مخطوطات کو فروخت کر دیا۔

کراچی کا ایک اور سفر

احقر ۲۱ر نومبر ۱۹۹۳ء کو لاہور سے کراچی جانے کے لئے لاہور کے ہوائی اڈے پر پہنچا، جہاز (ہجویری ایئر لائنز) کو رات ساڑھے دس بجے چلنا تھا لیکن آدھے گھنٹے کی تاخیر سے گیارہ بجے روانہ ہوا اور ساڑھے بارہ بجے رات اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بحفاظت تمام کراچی کے ہوائی اڈے پر اترا، دوست عزیز ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب ہوائی اڈے پر موجود تھے، ان کی گاڑی میں رات دو بجے کے قریب اُن کے گھر پہنچا، بدقسمتی سے جہاز میں چند گھونٹ چائے کے پی لئے جس کی وجہ سے رات کا باقی حصہ نیند نہ آسکی، دن بھر کام اور بے خوابی کی وجہ سے جو حال ہوا، خدا جانتا ہے۔

۲۲ر نومبر، برادرم ڈاکٹر ظفر اقبال کے ہمراہ نیشنل میوزیم گیا تو یہاں کے وہی حالات تھے یعنی عدم تعاون، مخطوطات کے انچارج محمد شاہ بخاری ہیڈ آفس سے اپنے آفس میں آئے ہی نہیں تھے، ایک صاحب کمال الدین ملے جو ظفر صاحب کے دوست ہیں، تعاون کا وعدہ کیا، مجھ سے مخطوطات کی فہرست لے لی کہ ہم نکال کر رکھ دیں گے، وہاں سے آرام باغ کے آس پاس بازار کتابفروشی میں چلا آیا، نور محمد ناشر و کتابفروش کے بیٹوں کے درمیان ان کا ذخیرہ چار بھائیوں میں تقسیم ہو چکا ہے، تاہم سب سے زیادہ کتابیں میر محمد کے ہاں ہیں، یہاں دیر تک کتابیں دیکھتا رہا، درمیان اُٹھ کر حکیم محمود احمد برکاتی صاحب سے ملنے کے لئے (سہراب گوٹھ واٹر پمپ) ان کے گھر گیا، بڑے حسن اخلاق سے ملے، صاحب علم بزرگ ہیں، ستر سالہ عمر کے باوجود حافظہ اور صحت کو قائم رکھے ہوئے ہیں، اپنی تالیفات میں سے ''حیات شاہ محمد اسحٰق دہلوی، سوانح مولانا حکیم سید برکات احمد ٹونکی اور سفر اور تلاش تین کتابیں دیں، دیر تک علمی باتیں ہوتی رہیں، وہاں سے بذریعہ رکشا واپس آرام باغ آیا اور میر محمد کے ہاں پھر سے کتاب اندوزی کا کام شروع کیا، شدید تھکن کے باعث اب نڈھال ہو چکا تھا، تاہم جتنی دیر دکان کھلی رہی تلاش و جستجو کا کام جاری رکھا، پھر واپس ظفر

صاحب کے ہاں آ گیا، خدا کا شکر ہے کہ رات جلد ہی نیند آ گئی۔

۲۳ / نومبر صبح ظفر صاحب کی گاڑی میں آرام باغ پہنچ گیا، ابھی تک کوئی دکان نہیں کھلی تھی، چند منٹوں کے بعد میر محمد کی دکان بھی کھل گئی، یہاں عربی کی مطبوعاتِ مصر و شام بڑی تعداد میں موجود ہیں، جن میں اکثر قدیم مطبوعات ہیں، تقریباً آٹھ ہزار روپے کی کتابیں خریدیں، ایک ہزار روپیہ پیشگی دیا کہ دو تین یوم میں رقم ادا کر کے کتابیں اٹھا لوں گا، سب کتب نہایت نادر الوجود اور تاریخ و سوانح سے متعلق ہیں، ان میں ''کتاب السلوک فی معرفت الدول والملوک'' للمقریزی اور اس کا ذیل ''التبر المسبوک'' السخاوی اور دیگر اسی نوعیت کی کتب نہایت اہم دستیاب ہوئیں، النجوم الزاہرہ ۱ کا ذیل ۲ تین جلدوں میں ملا، جس پر بڑی مسرت ہوئی کیوں کہ النجوم تو موجود تھی لیکن ذیل نہیں دیکھا تھا، الیونینی کی ذیل ''مراۃ الزمان'' ۳ چار جلد مکمل مل گئی، دو بجے دوپہر میوزیم گیا تو پتہ چلا کہ نہ تو کمال الدین آئے ہیں اور نہ ہی بخاری، ایک گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد واپس آرام باغ کے بازار کتابفروشی میں آیا، میر محمد کے ہاں پھر کتابیں تلاش کرنے لگا، لغت نامہ دھخدا کی ۴۴ جلدیں یہاں موجود ہیں جبکہ ۵۰ جلدوں میں مکمل ہوتا ہے، قیمت کی بات کی تو ڈیڑھ سو روپے فی جلد کم از کم بتایا، جو ناقص ہونے کے اعتبار سے گراں ہے، وہاں سے انڈس بک سیلر صفدر ک ہاں گیا، صدر میں ظفر صاحب میرے منتظر تھے، میں ان کے ہمراہ دکان میں داخل ہوا تو کتابوں کے اتنے انبار تھے کہ تلاش مشکل ہو گئی، ہم تقریباً کئی گھنٹے جستجو میں لگے رہے، چند کتابیں دستیاب ہوئیں تو صفدر کے بیٹے نے بتایا کہ پریس کلب میں کتابوں کی نمائش لگی ہوئی ہے، ہم وہاں پہنچے تو صرف کتابیں خریدیں، پاک بک کارپوریشن پر گئے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی قیمت دریافت کی تو پتہ چلا کہ سات جلدوں کی قیمت سات ہزار روپے ہے، جبکہ میر محمد کے یہاں سے اس کی پہلی تین جلدیں پانچ سو روپے میں خریدی ہیں، اللہ مالک ہے کہیں سے باقی جلدیں بھی مل جائیں گی۔

نمائش سے آتے ہوئے راستے میں کتابفروشی زوار پر گئے، ایران سے کوئی اہم کتابیں نہیں آئی تھیں، رات آٹھ بجے ظفر صاحب کے ساتھ اُن کے گھر آیا اور کھانا کھاتے ہی نیند کے آثار ظاہر ہونے لگے، دس بجے تک سو گیا اور صبح پانچ بجے اُٹھ کر نماز سے فراغت کے بعد لکھنے پڑھنے میں لگ گیا۔

۲۴ رنومبر، صبح کے معمولات سے فراغت کے بعد نیشنل میوزیم پہنچا، مخطوطات کے انچارج چند منٹ کے بعد آ گئے، ملنسار اور اچھے معاملات والے آدمی ہیں، آٹھ مطلوبہ مخطوطات میں سے چھ نکال کر دے دیئے اور باقی دستیاب نہیں ہوئے، خود ہی فرمایا کہ ان میں سے کسی کی فوٹو کاپی درکار ہو تو کہیے، اس پر بڑا اطمینان ہوا، کل ان سے فوٹو سٹیٹ بنوانے کا فیصلہ کیا، تین بجے میوزیم سے نکل کر میر محمد کی دکان پر آیا، لغت نامہ دھخدا کی ۴۴ جلدوں کے بارے میں بات ہوئی تو کافی تکرار کے بعد سو روپے فی جلد پر آ گئے، معاملہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے خریدنے کی حد تک آتا جا رہا ہے، وہاں سے بذریعہ رکشا صدر تک آیا، دیکھا تو صفدر کی دکان بند تھی، واپس آرام باغ آ گیا، یہاں میر محمد کے ہاں ایک گھنٹہ کتابیں دیکھتا رہا، پھر واپس صفدر کے پاس گیا تو ان کی دکان کھلی ہوئی تھی، ایک میز کے درازوں میں مخطوطات بھی تھے، سب کے سب دیکھ ڈالے صرف ایک مخطوطہ برہان السالکین'' ۴ے تالیف قاضی ثناء اللہ پانی پتی میرے کام کا تھا، قیمت پوچھی تو پتہ چلا کہ اپنی فائل دیکھ کر بتائیں گے، ان سے مخطوطہ مستعار لیا، اس خیال سے کہ اس کی فوٹو کاپی بنوالوں گا، وہاں سے ظفر اقبال صاحب کے ہمراہ جناب مشفق خواجہ سے ملاقات کے لئے نکل پڑا، خواجہ صاحب بڑے تپاک سے ملے، گرم جوشی میں اِدھر اُدھر کی باتوں باتوں میں کچھ وقت گذرا، حکیم رحیم الدین طرب دہلوی ۵ے کے حالات و آثار کے بارے میں سوال کیا، تو کئی تذکرے اور مسودات دیکھ ڈالے لیکن کامیابی نہ ہوئی، ساڑھے آٹھ بجے وہاں سے روانہ ہو کر حکیم محمود احمد برکاتی صاحب کے ہاں گئے، رات کا کھانا اُن کے ساتھ کھانے کا وعدہ کیا تھا، کھانے کے دوران اور بعد دیر تک علمی باتیں ہوتی رہیں لیکن کسی سوال کا مناسب جواب نہ مل سکا، رات ساڑھے گیارہ بجے ظفر صاحب کے ہاں پہنچ کر سونے کی تیاری کی تو کچھ دیر بعد نیند آ گئی۔

۲۵ رنومبر صبح برادرم ظفر اقبال صاحب کے ہمراہ میوزیم پہنچا تو شاہ بخاری صاحب موجود تھے، حسب معمول مخطوطات منگوائے گئے، اڑھائی بجے تک ان سے استفادہ کا سلسلہ جاری رکھا، تین کتب فوٹو سٹیٹ کے لئے منتخب کیں، جن میں ابوالفیاض ناصر الدین محمد عیسیٰ کی ''فیوضاتِ قادریہ'' ۶ے (۱۱۱۴-۱۱۱۶ھ)، ''مکتوبات شیخ صفی اللہ معصومی مجددی ۷ے بنام مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹھوی'' اور ''ملفوظات خواجہ احرار'' از قاضی محمد

(مولانا) کے فوٹوسٹیٹ بنوائے، کل صفدر مہدی (مالک Every Man Books) کراچی سے قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا جو مخطوطہ ''برہان السالکین'' مستعار لیا تھا آج اس کی بھی فوٹوسٹیٹ بنوالی۔

میوزیم سے تین بجے کے قریب میر محمد کے ہاں پہنچا اور لغت نامہ دھخدا کی جو مجلدات موجود ہیں ان کو چیک کرنا شروع کیا کوئی ایک گھنٹے کی شدید محنت کے بعد یہ کام انجام کو پہنچا، اس سیٹ میں سے صرف حرف ''م'' کی مجلدات غائب ہیں باقی سارا موجود ہے، جس کی ۴۴ جلدیں ہیں، کل ۵۰ جلدیں ہوتی ہیں، میر محمد سوروپے فی جلد دینے پر رضامند ہوگیا، اس طرح ۴۴۰۰ روپے کی رقم بنتی ہے، ممکن ہے چار ہزار روپے تک دے دے، یہ میرا محض خواب تھا کہ لغت نامہ میرے پاس ہو جسے اللہ تعالیٰ نے آج پورا فرمادیا جس پر اس نعمت عطا کرنے والے کے احسانات کا بے حد شکر ہے۔

یہاں سے شام پانچ بجے فیصلہ کیا کہ میوزیم جاؤں لیکن وقت کم رہ گیا تھا، اس لئے ارادہ ملتوی کر دیا اور ادارۂ مجددیہ، ناظم آباد کے لئے روانہ ہوا، طبعیت بہت بوجھل ہو رہی تھی، رکشا نہ ملنے کی وجہ سے نہ جا سکا، آخر ظفر صاحب کے ہاں پناہ لینے کے ارادے سے بذریعہ ٹیکسی روانہ ہوا، ظفر صاحب گھر پر ہی موجود تھے، ان سے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے معلوم ہوا کہ وہ ''تذکرہ علمائے حال'' ۸ ایڈٹ کرنا چاہتے ہیں، بہت سے مآخذ و مراجع لکھوائے اور رات سوا نو بجے تک نیند آگئی۔

۲۶ رنومبر، صبح نو بجے ظفر اقبال صاحب کے ہمراہ ہسپتال پہنچا، ان کے بھائی قدرے روبصحت تھے، وہاں سے ظفر اقبال صاحب کے ساتھ صفدر مہدی مالک کتاب فروشی Indus کے گھر گیا تا کہ ان کے ہاں موجود ذخیرۂ کتب سے کچھ خرید سکوں لیکن خاطر خواہ کتب دستیاب نہ ہو سکیں، چند کتابوں کے انتخاب کے بعد ہم وہاں سے ڈاکٹر محمد ایوب قادری مرحوم کے ہاں گئے، ان کے بڑے بیٹے سعید حسن قادری (لکچرر اُردو کالج، کراچی) بھی ملے اور ۲۹ رنومبر کو قادری صاحب مرحوم کا کتب خانہ دکھانے کا وعدہ کیا، ۱۱ ربجے حکیم مظفر حسین (مرتب مرقع دہلی) کے بیٹے عابدی کے ہاں گئے، یہ اپنی کتابیں بیچ رہے ہیں، یہاں رات دیر تک کتابیں دیکھتے رہے اور چند نہایت نادر کتب مطبوعہ خریدیں، جن میں تین عربی کتب مطبوعہ عراق اور ایک فہرست مخطوطات رضا لائبریری رام پور کی جلد دوم (مخطوطات عربیہ) مرتبہ حافظ احمد

علی خان بھی ملی، چند کتابیں ظفر اقبال صاحب نے بھی خریدیں، وہاں سے حاجی اعلیٰ کے ادارۂ مجددیہ میں گئے تو معلوم ہوا کہ کوئی نئی کتاب شائع نہیں ہوئی ہے، رات آٹھ بجے تک ظفر صاحب کے ساتھ اُن کے ہاں آیا اور دن بھر کی شدید تھکان سے چور ہو کر لیٹ گیا، معلوم نہیں کس وقت نیند نے آلیا۔

۲۷ ر نومبر، صبح دس بجے ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب کے ہمراہ انٹرنیشنل سیمینار سنٹرل ایشیا منعقدہ پچ لگژری ہوٹل میں شرکت کے لئے ہوٹل میں گئے، مجھے یہاں قیام وطعام کی تمام سہولتیں دی گئیں کمرہ نمبر 317 رہنے کے لئے دیا گیا، صبح اس کا افتتاح وزیر اعلیٰ سندھ سید عبداللہ شاہ نے کیا، اکابر کے تاثرات کے بعد یہ اجلاس وقفہ کے بعد اڑھائی بجے پھر شروع ہوا، میں وہاں سے ظفر صاحب کے ہمراہ بازار کتابفروشی میں چلا گیا، میر محمد کتب فروش موجود نہیں تھے، وہاں سے انڈس والے کے پاس گیا تو زمین پر کتابوں کے انبار لگے ہوئے تھے، کچھ کامیابی نہ ہوئی تو واپس سیمینار میں شرکت کے لئے چلا آیا، اس مجلس میں ڈاکٹر ساجدہ علوی [9] اپنا مقالہ ''سنٹرل ایشیاء میں حضرت مجدد الف ثانی کے افکار کے اثرات'' [10] پڑھ رہی تھیں، جس میں انہیں کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی، مواد غیر مترتب، اور نہایت تشنہ تھا، تعجب ہوا کہ انہوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ نقشبندی حضرات اہل تشیع کے خلاف نہیں تھے بلکہ انہیں دوست رکھتے تھے، اصلاً یہ غلط فہمی اس لئے ہے کہ تمام سلاسل تصوف ائمہ اہل بیت سے عقیدت کا اظہار کرتے رہے ہیں جو اہل سنت کا شعار ہے، دراصل یہ ائمہ اہل بیت فکری طور پر اہل تشیع کے ائمہ نہیں ہیں بلکہ اہل سنت کے ائمہ ہیں، عقائد کے اعتبار سے شیعہ مذہب کا اہل سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اگر اکابر اہل تصوف جن میں صرف نقشبندی ہی نہیں بلکہ دیگر سلاسل کے اکابر اولیاء بھی شامل ہیں ان ائمہ کے ساتھ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں، جن کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ ان کے ہاں مذہب اہل تشیع کے بارے میں کوئی نرم گوشہ یا رویہ تھا، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے واضح الفاظ میں رسالہ رد روافض میں رافض کی تکفیر کی ہے، بعض دیگر مقالات بھی سنے لیکن چنداں ان میں علمی تحقیقات کی گہرائی نہیں تھی، ارادہ کرلیا ہے کہ آئندہ تمام اجلاسوں میں نہیں بیٹھوں گا، صرف چند مقالات ہی سنوں گا، رات آٹھ بجے کھانے سے فارغ ہو کر کمرے میں آیا، ڈاکٹر این اے بلوچ کے ذخیرہ مخطوطات کی فہرست مرتبہ خضر نوشاہی دیکھی، کوئی نادر الوجود خطی نسخہ موجود نہیں ہے،

رات زیادہ تھکان کے باعث بے خوابی رہی۔

۲۸؍ نومبر، بے خوابی اور شدید تھکان کے باعث حسب معمول کام کے لئے ہوٹل سے نکلا اور میر محمد کتب فروش کی دکان پر پہنچ گیا، لغت نامہ دھخدا کے سلسلے میں اس کو لالچ نے آلیا اور سو روپے فی جلد سے ڈیڑھ سو روپے فی جلد کر دیا، خاصی طویل تکرار کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا، مجبوراً اسی قیمت پر خریدنا پڑی، تمام کاٹن بھر کر تیار کروائے کل چار کارٹن کتابیں جن کا وزن اندازہ ہے کہ پانچ ہزار کلو کے برابر ہوگا، عربی و فارسی کی اتنی نادر الوجود مطبوعات اکٹھی اس طرح پہلے کبھی نہیں ملی تھیں، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے ان کتابوں کی مجموعی قیمت پندرہ ہزار ایک سو روپے بنی جو ادا کر دی اور کاٹن بذریعہ ٹرک سروس بھیجنے کا انتظام خود دکاندار نے کیا، وہاں سے جونا مارکیٹ گیا وہاں عباسی کے پاس سب سے زیادہ کتابیں ہیں لیکن قیمتیں اتنی زیادہ کہ اگر مذکورہ بالا چار کارٹن کی نادر کتب اس کے پاس ہوتیں تو چار گنا قیمت میں بھی بمشکل ملتیں، یعنی ساٹھ ہزار روپے میں، وہاں سے بذریعہ رکشا بنوری ٹاؤن گیا لیکن وہاں سب نئی کتب تھیں جو لاہور میں عربی کتب کی دکانوں پر عام ملتی ہیں، اس لئے جلد ہی وہاں سے میر محمد کے ہاں گیا، اُسے رقم ادا کی اور واپس ہوٹل آ گیا، یہاں سنٹرل ایشیاء کے سیمینار میں اینا میری شمل کا لیکچر ہو رہا تھا۔

حکیم محمد سعید مالک ہمدرد فونڈیشن اور گورنر سندھ بھی موجود تھے، اجلاس کے اختتام پر برادرم ڈاکٹر عارف نوشاہی نے ان کے ساتھ گورنر ہاؤس میں میٹنگ رکھ دی ہے کل شام چھ بجے لیکن ہمارا تو وقت پہلے ہی ایوب قادری مرحوم کا کتب خانہ دیکھنے کا ہے، بہر حال شام کو ہر حال میں پہنچنا ہوگا، میٹنگ کا مقصد پاکستان کے مصنفین کی ایسی عربی و فارسی کتب کے مخطوطات کی عکسی اشاعت ہے، جو دنیا بھر میں نادر ہوں۔

رات بقائی کالج کی طرف سے ڈنر تھا تقریباً گھنٹے بھر کی مسافت کے بعد ہم کالج پہنچے، بے خوابی اور تھکان سے بے حال ہو رہا ہوں لیکن پھر بھی بیٹھا کھانے کا منتظر ہوں، آج اتفاق سے دن بھر کھانے کے لئے کچھ نہیں ملا، جس کے باعث جسمانی ضعف میں کافی اضافہ ہو گیا، نو بجے کھانا مہمانوں کے سامنے رکھا گیا، دس بجے کے قریب واپس ہوٹل کے لئے روانہ ہوئے، راستے میں مجھ پر نیند کا غلبہ ہونے لگا، ہوٹل پہنچا تو حالت غیر تھی، بستر پر لیٹتے ہی سو گیا اور صبح چار بجے پھر اُٹھ گیا۔

۲۹ نومبر، صبح ساڑھے آٹھ بجے ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب کے ہمراہ ڈاکٹر پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم کا کتب خانہ دیکھنے کے لئے اُن کے گھر گیا، مرحوم کا بڑا بیٹا سعید حسن قادری (لکچرر اُردو کالج، کراچی) ان کتابوں کا مہتمم ہے، کتابیں دیکھنی شروع کیں تو بہت افسوس ہوا یہ دیکھ کر کہ اکثر الماریوں میں زندہ دیمک موجود ہے اور کتابوں کو بڑے مزے سے کھا رہی ہے، بہت سی الماریوں کو کبھی چھوا تک نہیں گیا، حیف اتنے بڑے آدمی کی اولاد جاہل اور نالائق ہے، بیٹوں میں سے کوئی اس قابل نہیں ہے کہ کتابیں سنبھال سکے، بہت سے نادر الوجود تذکرے (علماء و صوفیہ) جن کا قادری صاحب مرحوم نے اپنی تالیفات میں ذکر کیا ہے اب ان کے کتب خانے میں موجود نہیں ہیں، اسی طرح قلمی کتابوں میں سے مکتوبات سید اشرف جہانگیر سمنانی کا نسخہ بھی میں نے دیکھا تھا جو غائب ہے، معلوم ہوا کہ مرحوم کا ایک بیٹا محمد حسن عرف مکہ میاں جو کہ پاگل ہے کتب خانے سے کتابیں چوری کر کے بیچتا رہا ہے، افسوس کرتے ہوئے ایک بجے کے قریب وہاں سے اٹھے اور مولانا محمد ہاشم جان مجددی مرحوم کے گھر گئے، دروازے سے ملازم نے واپس جانے کو کہا کہ مرحوم کی بیوہ کوئٹہ گئی ہوئی ہیں، وہاں سے جلد ہی شہر کی طرف لوٹ گئے میں Indus بک شاپ پر گیا، وہاں تین بجے تک کتابیں دیکھتا رہا، ہندوستان کی مطبوعہ کتب میں سے قریباً آٹھ سو روپے کی کتابیں خریدیں اور آرام باغ کی میر محمد تاجر کے ہاں سے اپنی بلٹی وصول کی، پھر میوزیم گیا اور محمد خان بخاری صاحب کو اطلاع دی کہ میں کل میوزیم آؤں گا۔

وہاں سے ہوٹل پہنچا تو آدھے گھنٹے کے بعد ہم لوگ حکیم محمد سعید گورنر سندھ کے ساتھ میٹنگ کے لئے گورنر ہاؤس گئے، میرے ساتھ ڈاکٹر این اے بلوچ، ڈاکٹر سید عارف نوشاہی اور برادرم خضر نوشاہی تھے، ہم لوگوں نے دو پروجیکٹ ان کے سامنے رکھے، اول فوادسزگین !! کی طرح مخطوطات کو عکسی صورت میں شائع کیا جائے یعنی صرف برصغیر پاکستان و ہند کے مولفین کے عربی و فارسی کے ایسے نادر نسخے چھاپے جائیں جن کے خطی نسخے دنیا میں منحصر مفرد ہوں، اس سلسلہ میں طویل مذاکرات کے بعد حکیم صاحب نے اسے علمی طور پر منظور کرلیا۔

دوسرا پروجیکٹ پاکستان میں موجود عربی مخطوطات کا سروے، میں نے پیش کیا جسے منظور کرلیا گیا، !! ہم سات بجے واپس ہوٹل پہنچے، رات کا کھانا کھایا، میٹنگ کی روداد یں مرتب کیں اور سو گئے۔

حواشی

۱۔ نجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرہ لابن تغری بردی (۱۶ر حصے نو جلدیں) مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۳ء

۱۔ النجوم الزاہرۃ فی حل حضرۃ القاہرہ، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۷۰ء

۲۔ ذیل مراۃ الزمان (وقائع ۶۵۴۔۶۸۶ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد (دکن)

۱۔ برہان السالکین تالیف قاضی ثناء اللہ پانی پتی، یہ تصوف پر ایک فارسی نثر میں رسالہ ہے، اس کا روٹوگراف میرے ذخیرہ (شمارہ R.160/2) میں ہے۔

۵۔ حکیم رحیم الدین احمد طرب دہلوی نے معمولات مظہریہ تالیف مولانا نعیم اللہ بہرائچی کا ۱۳۱۲ھ کو اُردو ترجمہ شائع کیا تھا، میں یہ ترجمہ شائع کروانا چاہتا تھا، اس لئے حکیم طرب کے حالات کی جستجو تھی...... آخر ان کے دیگر تراجم بھی مل گئے تو اس کتاب پر ایک مفصل مقدمہ لکھا اور ۲۰۱۸ء کو اسے ''معمولاتِ مظہریہ'' کے نام سے پروگریسو بکس، لاہور نے شائع کر دیا۔

۱۔ فیوضات قادریہ مولفہ ابوالفیض ناصر الدین محمد عیسیٰ، اس میں صوفیانہ مشقیں بھی ہیں اور مولف کے خود نوشت احوال بھی۔

۷۔ مکتوبات شاہ صفی اللہ معصومی بنام مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹھوی، اس کا ایک اور نسخہ ہمیں اپنے سفر ٹنڈو قیصر لغاماٹی سے ملا تھا، جس کا عکس بطور ضمیمہ ہم نے مناقب مخدومین میں شامل کر دیا ہے۔

۸۔ تذکرہ علمائے حال مولفہ محمد ادریس نگرامی، ۱۸۹۵ء میں تالیف ہوا اور ۱۸۹۷ء کو مطبع نولکشور، لکھنو سے شائع ہوا، ۱۹۹۳ء سے ۲۰۱۷ء تک برادرم ظفر اقبال اسے نہ تو مرتب کر سکے اور نہ ہی اس کی اشاعت ممکن ہو سکی، آخر میں نے ۲۰۱۸ء کو اسے مختصر مقدمہ اور نہایت مجمل حواشی کے ساتھ مرتب کیا کیوں کہ اب میں تحقیقی کام کرنے کے قابل نہیں رہا، موخر الذکر سنہ میں یہ تذکرہ پروگریسو بکس، لاہور سے شائع

کروادیا۔

۹۔ ڈاکٹر ساجدہ علوی، سابق چیئر پرسن انڈو اسلامک ہسٹری ڈیپارٹمنٹ، میکگل یونیورسٹی، کینیڈا، جواب وہاں پروفیسر ایمرٹس ہیں اور اصلاً پاکستانی ہیں، علماء وصوفیہ کے متعلق بھی کچھ معلومات رکھتی ہیں، ان کا آخری کام اٹھارہویں صدی میں پنجاب میں سلسلہ چشتیہ کا احیاء ہے، جسے وہ پورا نہیں کرسکیں، اس موضوع پر ان کے صرف دو مقالات انگریزی میں شائع ہوئے تھے، جن کا اردو ترجمہ ان کے معاون علمی سید جمیل احمد رضوی نے پنجاب میں سلسلۂ چشتیہ کی تجدید وارتقاء کے نام سے کر کے دار الفیض، گنج بخش، لاہور سے شائع کروادیا ہے۔

۱۰۔ ڈاکٹر ساجدہ علوی کا یہ انگریزی مقالہ ان کے مجموعۂ مقالات میں اس عنوان سے شامل ہے:

The Naqshbandi Mujaddidi Sufi Order's Ascendancy in
Central Asia..... (1600-1800) pp.158-76

ان کا مجموعہ مقالات اوکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی سے ۲۰۱۲ء کو شائع ہوا تھا:

Perspectives on Mughal India

۱۱۔ فواد سزگین (ف ۳۰ / جون ۲۰۱۸ء) اس صدی کے عربی زبان وادب اور تاریخ علوم کے سب سے بڑے محقق گذرے ہیں، ان کی تاریخ تراث العربی، جرمنی زبان میں ہے اور بین الاقوامی شہرت کی مالک کتاب ہے، اس کا عربی زبان میں ترجمہ سعودی عرب حکومت نے کروایا ہے اور کئی حصے طبع ہو چکے ہیں، مرحوم اس کی اٹھارہویں جلد پر کام کر رہے تھے کہ فرینکفورٹ (جرمنی) سے واپس استنبول آئے اور اپنے بنائے ہوئے ادارے کے پہلو میں دفن ہوئے۔ (معارف، اعظم گڑھ، ستمبر ۲۰۱۸ء)

۱۲۔ ڈاکٹر این اے بلوچ صحیح کہتے تھے کہ یہ صرف باتیں ہی ہیں ان پر کبھی عمل نہیں ہوسکتا، ڈاکٹر نوشاہی صاحب نے اس سلسلہ میں حکیم صاحب کو کئی خطوط لکھے لیکن کسی کا جواب نہ آیا۔

حرمین شریفین (برائے عمرہ)

احقر کو عرصہ دراز سے حرمین الشریفین کی زیارت اور عمرہ کا اشتیاق تھا، اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر و احسان ہے کہ اس نے آج مورخہ ۱۱ر نومبر ۱۹۹۹ء کو یہ آرزو پوری فرمادی، احقر نے اس سفر کے لئے بڑے جتن کیے، زادِ راہ سب سے بڑا مسئلہ تھا، ۳۱۵۰۰ ر روپے پاکستانی کا تو ہوائی جہاز کا ٹکٹ ملا، باقی پینتالیس ہزار روپے پاکستانی (جو اکتیس سو بارہ ریال سعودی کے برابر ہوتے ہیں) جمع ہو سکے، بس یہی سفرِ خرچ کے لئے میں رقم ہمراہ لے کر توکل علی اللہ لاہور سے چل پڑا، پی آئی اے کا جہاز P.K 207 تقریباً ساڑھے تین بجے سہ پہر لاہور کے ہوائی اڈے سے روانہ ہوا اور اللہ تعالیٰ کی رضا و فضل و کرم سے بخیر و خوبی پاکستانی وقت کے مطابق رات آٹھ بج کر ۴۵ منٹ پر (سعودی وقت چھ بج کر ۴۵ منٹ) جدہ کے ملک عبدالعزیز ایئر پورٹ پر اترا، رسمی کاروائی کے بعد اتفاق سے چار پاکستانی اور مل گئے، ان کے ساتھ ہی میں ٹیکسی میں بیٹھ کر جدہ سے مکہ مکرمہ آ گیا، بہت سخت مہنگائی ہے، ٹیکسی والے نے فی کس ۳۰ ر ریال (مساوی ۴۵۰ ر روپے پاکستانی) لئے، کعبۃ اللہ سے متصل مسجد مبارک کے خوبصورت میناروں پر نظری پڑی، دیکھتے ہی گناہگار نظروں سے اپنے سابقہ گناہوں کی معافی اور آئندہ معاصی سے اجتناب کی دعا کی، ایک دکان سے ٹیلی فون کیا کہ مسٹر محمد ندیم (مہتمم مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ) سے بات کر کے مدرسہ میں ٹھہر سکوں، الحمدللہ! انہوں نے اس کا مثبت جواب دیا اور خود اپنی گاڑی میں لینے کے لئے آئے اور رات ساڑھے دس بجے کھانے سے فارغ ہو کر عمرہ کرنے کی غرض سے نکلا، ایک سن رسیدہ لیکن بہت ہی ہوشیار شخص غلام محمد صاحب کو میرے ہمراہ کیا کہ ان کو عمرہ کروالاؤ، یہ مہربان میرے ساتھ روانہ ہوئے، میں عمرہ ادا کر کے رات ایک بجے مدرسہ صولتیہ پہنچ گیا، سبحان اللہ کیا شان ہے، کعبہ شریف زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا، یہاں شب و روز طواف کرنے والوں کا ہجوم رہتا ہے، دل کی گہرائیوں سے توبہ کی اور دوسری دعائیں کرتا رہا، رب کریم قبول فرمائے، آمین

رات شدید تھکن کے باعث بہت کم نیند آئی، خدا کرے صبح وقت پر اٹھ کر نماز فجر حرم شریف میں جا کر

ادا کروں، آمین۔

۱۲ر نومبر ۱۹۹۹ء، صبح پانچ بجے اُٹھ گیا، ساڑھے پانچ بجے وضو کر کے حرم شریف کی طرف جانے کے لئے نیچے گیا تو مجھ سے مدرسہ کا صدر دروازہ کوشش کے باوجود نہ کھل سکا، مدرسہ کے چوکیدار محمد افضل صاحب جو خود ایک دیندار اور صاحب فہم شخص ہیں سو رہے تھے، اس طرح میری فجر کی نماز آج حرم پاک میں جماعت کے ساتھ نہ ہو سکی، چھ بجے باہر کوئی صاحب آئے، انہوں نے افضل صاحب کو آواز دے کر بیدار کیا، انہوں نے آکر دروازہ کھولا اور میں مسجد حرم کی طرف لپکا، وہاں نماز ادا کی، واپس مدرسہ آکر ناشتہ کیا اور آرام کرنے کی غرض سے لیٹ گیا، لیکن نیند کہاں، دوپہر کے کھانے کے بعد نیند آئے گی، آج جمعۃ المبارک کا دن ہے اور حرم شریف میں نماز جمعہ ادا کرنا ہے، دس بجے ہیں اور میں غسل کر کے نماز کے لئے جانے کا ارادہ رکھتا ہوں، پہلے طواف کروں گا پھر نماز جمعہ کے سلسلے میں مصروفیت ہو جائے گی، اس کے بعد دوپہر کو آرام کر کے مسجد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے احرام باندھ کر شام کو ایک اور عمرہ کرنے کی سعادت حاصل کروں گا، اللہ پاک توفیق دے، آمین۔

ساڑھے دس بجے حرم شریف میں حاضر ہوا، طواف کیا اور دعائیں کرتا ہوا گیارہ بجے مسجد الحرام میں جا کر بیٹھ گیا، وہاں درود شریف کا ورد کرتا رہا، دوپہر بارہ بجکر پانچ منٹ پر جمعہ کے لئے اذان ہوئی، چند منٹ کے بعد خطبہ شروع ہو گیا، نماز جمعہ ٹھیک ساڑھے بارہ بجے کھڑی ہوگئی، نماز کے بعد دعا ہوئی، کعبہ شریف پر بوسہ زنی کے لئے پھر گیا، یہاں شب و روز طواف ہوتا ہے، سبحان اللہ! کوئی گھڑی کوئی لمحہ طواف سے خالی نہیں، جونہی نماز کھڑی ہوئی طواف کرنے والے وہیں رک گئے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہی پھر طواف کا عمل شروع ہو گیا۔

میں دوپہر ڈیڑھ بجے کھانا کھا کر مدرسہ صولتیہ میں آرام کرنے کی غرض سے سو گیا، اللہ پاک کا شکر ہے کہ قدرے نیند آگئی، ساڑھے چار بجے سہ پہر اُٹھ کر وضو کیا اور احرام باندھنے کی نیت سے غسل کیا، احرام باندھا اور مسجد الحرام میں جا کر عصر کی نماز ادا کی، پھر بذریعہ ویگن مسجد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہنچا، وہاں احرام کی نیت سے دو نفل ادا کئے اور واپس ویگن میں بیٹھ کر حرم شریف کے لئے چل پڑا، مغرب

کی نماز ہو رہی تھی، نماز میں شرکت کی، اور کعبۃ اللہ پہنچ کر عمرہ ثانی کا آغاز کیا، سبحان اللہ! کیا پاک ذات ہے، جمعہ کی وجہ سے آج طواف کرنے والوں کا ہجوم ہے، تقریباً آدھے گھنٹے میں سات چکر پورے کئے اور اس دوران خانہ کعبہ کے دروازے کی چوکھٹ تک پہنچنے کا موقع نصیب ہوا، اس کی دہلیز پر ہاتھ رکھتے ہی آنسو جاری ہو گئے اور اسی حالت میں دعائیں شروع کر دیں، اپنے ملک اور ملت کی فلاح کے لئے دعا کی، پھر اپنے گناہوں کی معافی کے لئے بار بار دعائیں کرتا رہا، وہاں سے صفا و مروہ کی طرف چل دیا تا کہ سعی کر سکوں، اسی سعی کے دوران غالباً دوسرے چکر پر عشاء کی نماز کے لئے سوا سات بجے شب آذان ہوئی اور میں نے سعی کا عمل جاری رکھا، جونہی جماعت کھڑی ہوئی، میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے آگے بڑھا اور نماز کے بعد پھر وہاں سے سعی شروع کر دی جہاں سے یہ سلسلہ روکا تھا، رات ساڑھے نو بجے مدرسہ صولتیہ پہنچا، مہربان عزیز محمد افضل صاحب نے کھانا دیا اور میں کھا کر ساڑھے دس بجے کے قریب سو گیا، تھکان اتنی شدید تھی کہ نیند آنا دشوار ہو گیا، تاہم وقفہ وقفہ سے نیند کا غلبہ ہوتا رہا، آخر پانچ بجے صبح بیدار ہوا، درمیان رات کے اڑھائی بجے اٹھ کر گھڑی پر ٹائم دیکھا پھر لیٹ گیا، اب پانچ بج کر دس منٹ پر فجر کی آذان ہو رہی ہے۔

۳ر نومبر ۱۹۹۹ء میں پانچ بجکر ۲۵ منٹ پر مسجد الحرام کے لئے روانہ ہو گیا، فجر کی نماز کھڑی ہو چکی تھی، میں بھی اس میں شریک ہوا، اور نماز کے بعد خانہ کعبہ کا طواف شروع کیا، ان سات چکروں کے دوران آج حجر اسود پر نظر پڑی، لیکن ہجوم اور پولیس کے پہرے کی وجہ سے میں اسے بوسہ نہ دے سکا اور قریب سے اشارہ کر دیا، سات بجے مدرسہ واپس آیا اور سفر نامہ کے یہ اوراق لکھنے کے لئے بیٹھ گیا، آج کا پروگرام ہے سب سے پہلے جامعہ ام القریٰ جاؤں گا اور پھر وہاں سے مراکز کتابفروشی کی طرف بڑھوں گا۔

چار بجے کے قریب مدرسہ صولتیہ کے ناظم الامور سے ملنے کے لئے گیا تو معلوم ہوا کہ وہ تو کسی کانفرنس میں شرکت کے لئے ہندوستان گئے ہوئے ہیں، ان کے صاحبزادہ محمد سلیم سے ملاقات ہوئی، انہوں نے بتایا کہ وہ جامعہ ام القریٰ کے متعلم ہیں اور بس میں خوش ہو گیا کہ اب جامعہ سے متعلق میرے کام ہو جائیں گے، انہوں نے ایک صاحب لطیف الزمان کو بلایا اور ان سے کہا کہ ان کو جامعہ کے کسی استاد

کے نام رقعہ لکھ دیں تا کہ ان کو جامعہ کی مطبوعات بلا قیمت مل جائیں، انہوں نے بتایا کہ مولانا محمد عزیر شمس ! ایک سلفی العقیدہ ہندوستانی وہاں تحقیقات کی غرض سے جاتے ہیں اور بڑے فعال شخص ہیں، میں اُن سے رقعہ لے کر جامعہ پہنچا تو وہ ابھی نہیں آئے تھے، میری پریشانی دیکھ کر عملے نے مجھے ایک پاکستانی آفیسر ڈاکٹر غنی اکرام بزداری سے ملوایا، یہ صاحب کراچی یونیورسٹی سے لائبریری سائنس کی ڈگری (پی ایچ ڈی) حاصل کر کے یہاں ملازم ہو گئے ہیں، تقریباً بیس سال سے یہاں کام کر رہے ہیں اور انگریزی کتب و رسائل سے متعلق تمام ذمہ داریاں ان کے سپرد ہیں، اگر چہ ریٹائر ہو چکے ہیں، لیکن یونیورسٹی کو کوئی معقول آدمی نہیں مل رہا اس لئے یہ ابھی تک کام کر رہے ہیں، خیر بہت بھلے آدمی ثابت ہوئے، اپنے لئے چائے بنائی لیکن پئے بغیر ہی چھوڑ دی کہ آیئے پہلے آپ کا کام کرتے ہیں، اِدھر اُدھر لئے پھرتے رہے لیکن متعلقہ افسر اپنی سیٹوں پر نہ مل سکے، کافی دیر کے بعد جا کر لائبریری کے مدیر اعلیٰ یا افسر مجاز سے ملاقات ہوئی، انہوں نے یونیورسٹی کی مطبوعات بطور تحفہ دینے کی اجازت دے دی، اور میں کتابوں کی بھری ہوئی ایک بوری لے کر دو پہر کو مدرسہ پہنچا، لیکن مجمع البحوث العلمیۃ کے مدیر اعلیٰ جا چکے تھے اس لئے جامعہ کے اس حصے کی کتب مجھے آج نہ مل سکیں، اب مولانا محمد عزیر شمس صاحب بھی آ گئے، میں نے اپنا نام محمد اقبال بتایا تو فوراً پورا نام یعنی محمد اقبال مجددی لیتے ہوئے کہا کہ تم سے لاہور میں کئی مرتبہ ملاقات ہوئی ہے، عبد الخالق قدوسی اور مولوی عطاء اللہ حنیف کے ہاں، تم سے علمی استفادہ بھی کیا تھا، دل ہی دل میں بہت خوش ہوا کہ اللہ تعالیٰ مسافروں کو کس طرح نوازتا ہے اور ان کی دستگیری کرتا ہے، انہوں نے مجمع البحوث کی مطبوعات، جن میں بہت اہم متون بھی ہیں، کل دلوانے کا وعدہ کیا، مولانا عزیر کتابوں کی بھری ہوئی بوری خود اُٹھا کر مدرسہ چھوڑنے کے لئے آئے، کچھ دیر بیٹھے اور کل جامعہ میں ملاقات کا وعدہ کیا، میں نے دو پہر کا کھانا کھا کر ڈیڑھ گھنٹہ آرام کیا لیکن دماغی تھکن کے باعث نیند نہ آئی، صرف اونگھ سی آتی رہی، اس طرح ساڑھے چار بجے اُٹھ کر حرم پاک میں حاضر ہوا، عصر کی نماز ادا کی، خانہ کعبہ شریف کی زیارت اور دعا کے بعد حرم شریف کے گرد مراکز کتابفروشی پر بھی گیا لیکن مطلوبہ کتب نہ مل سکیں، صرف المنھل الصافی ۲ کا نامکمل ایڈیشن مطبوعہ مصر چھ جلد مکتبۃ الحدیثیہ میں نظر سے گذرا لیکن اس کی قیمت تین سو ریال بتائی، جو بہت زیادہ ہے، اسے فی الحال چھوڑ

دیا، دوسرے مکتبوں پر تو بہت ہی کم کتب میرے مطلب کی موجود ہیں۔

محلہ شامیاں گیا تو مکتبہ التجاریہ پر ہی جانے کا اتفاق ہوا لیکن وہاں بھی کوئی اہم کتاب نہ مل سکی، مکتبۃ العباس پر علماء الاندلس ۳ج لابن الفرضی موجود تھی، قیمت صرف چودہ ریال اور کتاب السلوک ۴ج لمقریزی کا مکمل سیٹ بھی موجود ہے قیمت ایک سوتیس ریال بتائی لیکن اس میں سے میرے پاس صرف دو حصے کم ہیں، مالک مکتبہ یہ دو حصے الگ فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں تھا، میں واپس حرم شریف آیا عشاء کی نماز ادا کی، دعا کرتا ہوا واپس نو بجے شب مدرسہ پہنچ گیا، دروازہ کھلا ہوا تھا، میں سیدھا اپنے کمرہ میں چلا گیا، وہ بیچارے نیچے باہر بیٹھے میرا انتظار کر رہے تھے، آخر میں نیچے گیا تو وہ منتظر تھے مجھے دیکھ کر حیران رہ گئے، مسٹر ندیم بھی مجھ سے ملنے کے لئے آئے لیکن انتظار کر کے چلے گئے۔

تھکان اتنی شدید ہو چکی تھی کہ بدن دکھنے لگ گیا، میری بیٹی خدیجہ جیسی ایک بچی عائشہ کھیلتی ہوئی وہاں آگئی تو میں نے بڑے پیار سے اسے کہا کہ میری ٹانگوں پر کھڑی ہو جاؤ تا کہ میری کھلیاں دور ہو جائیں، خیر بچی مجھے دیر تک پاؤں سے دباتی رہی، قدرے فرق پڑا، لیکن وہی مسئلہ بے خوابی کا، رات نیند بہت ہی کم آئی۔

۴ر نومبر ۱۹۹۹ء بروز اتوار صبح پانچ بجے بستر چھوڑا، منہ ہاتھ دھو کر وضو کیا اور حرم شریف میں نمازِ فجر کے لئے چل پڑا، جماعت کھڑی ہو گئی تھی، نماز کے بعد خانہ کعبہ کا طواف شروع کیا اور سات چکروں کے بعد حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے قطار میں کھڑا ہو گیا، خوش نصیبی سے آدھے گھنٹے کے بعد ہی باری آگئی، سبحان اللہ! کتنی آرزو تھی اس مقدس پتھر کو بوسہ دینے کی، جو اللہ پاک نے آج پوری کر دی، اس نعمت زیارت ونصیب پر اس کا شکر ہے، میں سات بجے حرم پاک سے نکلا اور واپس مدرسہ آ گیا، اب ناشتہ کر کے اور نہا دھو کر جامعۃ ام القریٰ جانے کا پروگرام ہے۔

نو بجے تیار ہوا اور پونے دس بجے ضروری امور سے فراغت کے بعد جامعہ کے لئے روانہ ہو گیا، مولانا عزیر شمس صاحب اپنے تحقیقی کام میں مصروف تھے، مجھے دیکھتے ہی میرے ساتھ چل پڑے، ایک دو کتب فروشوں کے ہاں گئے، کتاب "منہل الصافی" کی سات جلدیں اڑھائی سو ریال قیمت بتائی گئی، جو ابھی

تک پوری نہیں چھپی ہے، اس کے بعد دار عالم الفوائد کے ہاں گئے، وہاں سے دو کتابیں "الذیل التام علی دول الاسلام" ۵ لذہبی پر حافظ سخاوی کا ذیل دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، جس میں ۷۴۵ھ سے لے کر ۹۰۱ھ تک حوادث اور اعیان و علماء کی وفیات مع الاحوال درج ہے، تکملہ بہت اہم ہے، اس کے ساتھ ایک کتاب "موارد الخطیب البغدادی فی تاریخ بغداد" ۶ لدکتور اکرم ضیاء عمری بھی خریدی، ان کی مجموعی قیمت (۹۰+۲۵) ۱۱۵ ریال ہوئی، وہاں سے نکل کر مجمع بحوث الاسلامیہ جامعۃ ام القریٰ گئے لیکن معلوم ہوا کہ مجمع کا مدیر اعلیٰ ابھی تک نہیں آیا، وہاں میں مولانا عزیر کے ساتھ تین مرتبہ گیا آخر معلوم ہوا کہ وہ مکہ مکرمہ سے باہر گئے ہیں، درخواست نائب مہتمم کے پاس ہی چھوڑ دی کہ بعد میں فیصلہ ہو جائے گا، دراصل اس مجمع نے نہایت اہم قدیم عربی متون شائع کئے ہیں، جن کی مجھے مدت سے طلب ہے۔

اب ہم جامعہ سے نکل کر ایک ایسے مکتبے میں پہنچے جہاں حوالے کی بہت ہی عمدہ کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے، یہاں سے ہم نے حوالہ کی ایک اہم کتاب المعجم الشامل للتراث العربی المطبوع ۷ مرتبہ محمد عیسیٰ صالحیہ مطبوعہ قاہرہ، یہ کتاب پانچ جلدوں میں ہے، اور اس کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے مولفین کے عرفی اسماء کے تحت ان کی تمام مطبوعہ کتب کی تفصیلات دے دی گئی ہیں، ان کے مختلف ایڈیشن مرتبین مصححین کے اسماء اور ہر جلد کے صفحات کی تعداد تک لکھ دی ہے، آخری جلد ۱۹۹۵ء میں طبع ہوئی ہے، اس کی چوتھی جلد چھپ رہی تھی کہ خلیج کی جنگ شروع ہوگئی جس میں اس کے طبع شدہ تمام فرمے پریس میں ہی تلف ہو گئے، لہٰذا اس سیٹ کی جلد رابع موجود ہی نہیں ہے، میں اڑھائی بجے کے قریب واپس مدرسہ پہنچا، دوپہر کا کھانا کھا کر لیٹ گیا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج مجھ پر نیند کا شدید غلبہ ہوا اور تھکان ایک حد تک اتر گئی۔

شام پانچ بجے اُٹھ کر حرم شریف کی طرف چل دیا، عصر اور مغرب کی نماز پڑھ کر مراکز کتابفروشی پر گیا، صرف مکتبہ عباس الباز سے مندرجہ ذیل پانچ کتب ۶۶ ریال میں خریدیں۔ ۸

۱۔ تاریخ علماء الاندلس (تاریخ العلماء والرواۃ للعلم بالاندلس لابی عبداللہ بن محمد معروف بہ ابن الفرضی، تحقیق روحیہ عبدالرحمٰن السویفی

۲۔ احکام اہل الذمۃ لابن قیم الجوزی

۳۔ تاریخ قضاۃ الاندلس لابن الحسن النباہی اندلسی، دکتور کریم قائم طویل

۴۔ جدوۃ المقتبس فی ذکر ولاۃ الاندلس لابی محمد ازدی حمیدی اندلسی

۵۔ الرسالۃ القشیریۃ لامام ابی القاسم عبدالکریم القشیری

رات دس بجے کے قریب واپس مدرسہ آیا اور معدہ کی خرابی کے باعث کھانا نہ کھایا، بلکہ ذرا سی ڈبل روٹی چائے کے ساتھ کھائی اور لیٹ گیا، صبح جلد ہی بیدار ہو کر نماز کے لئے جانا ہے۔

۱۵ر نومبر ۱۹۹۹ء بروز پیر فجر کی نماز حرم شریف میں ادا کی اور طواف کے بعد واپس مدرسہ آیا، کل کی خریدی ہوئی کتب کو شوق کے ساتھ دیکھنے لگا، کیا خوب علمی و تحقیقی کارنامے ہیں اہل عرب کے، ساڑھے نو بجے جامعۃ ام القریٰ جانے کے لئے مدرسہ سے نکلا، راستے میں غلط مقام پر اتر گیا، وہاں سے ٹیکسی لے کر جامعہ پہنچا، مختلف کتب فروشوں کے ہاں کتابیں دیکھتا رہا اور مطلوبہ کتب کی فہرست تیار کر لی، لیکن مطلوبہ کتب میں سے کوئی بھی نہ مل سکی، مولانا محمد عزیر شمس صاحب کے ساتھ مکتبۃ دار التراث، عزیزیہ عمارۃ ابن سعید میں گیا، پانچ بڑی بڑی کتابیں خریدیں، ان میں ''علمائے مصر'' ایک اہم تذکرہ، کتاب المقفی الکبیر ۹ تقی الدین مقریزی سب سے گراں ہے جس کی قیمت ۳۳۰ر ریال ادا کی، بہت خوب طباعت و کاغذ پر چھپا ہے، پہلی مرتبہ اس کی اشاعت عمل میں آئی ہے، دوسرا بڑا سیٹ احاطہ فی اخبار غرناطہ ہے جو لسان الدین خطیب کی ہے، تیسرا بڑا سیٹ ''نفح الطیب'' ۱۰ کا ہے، یہ بھی آٹھ جلدوں میں ہے اور شیخ احمد بن محمد مقری تلمسانی کی تصنیف ہے اور اندلس کی تاریخ پر مشتمل ہے، خصوصاً وہاں کی علمی و ادبی تاریخ ہے اور وزیر علم و علماء پرور لسان الدین خطیب اور اس کی بزم علم و ادب کا تذکرہ ہے، یہ ۱۸۰ر ریال میں ملا، لیکن اس کا کاغذ رف اور بہت خراب حالت کا ہے، تاہم اگر عمدہ کاغذ والی ہوتی تو بہت ہی گراں ہوتی، دو جلدوں پر مشتمل ایک اور تذکرہ ''ریاض النفوس'' ۱۱ (فی طبقات علماء القیروان وافریقہ) لابی بکر عبداللہ مالکی بھی خریدی، متاخر علمائے مالکی کا ایک تذکرہ ''الجوہر المنضد'' ۱۲ بھی خریدا، اس کے ساتھ ہی کتاب ''الصلۃ'' ۱۳ (فی تاریخ ائمۃ الاندلس و علمائہم و محدثیہم و فقہائہم) تالیف ابن بشکوال (دو جلدوں

میں) بھی لیا، ایک اہم فہرست "معجم ماالف عن مکة" تالیف دکتر عبدالعزیز سنیدی بھی خریدی، اس میں مکہ مکرمہ سے متعلق تمام کتب کی فہرست دی ہے، جو اس مقدس شہر کے بارے میں لکھی گئی ہیں، مجمع البحوث الاسلامیہ جامعۃ ام القریٰ میں محفوظ مخطوطات و مائیکروفلمز کی فہرستوں [۱۴] میں پانچ جلدیں تحفۃً ملیں۔

مغرب کی نماز حرم شریف میں پڑھ کر پھر جامعۃ ام القریٰ کے لئے روانہ ہوا تا کہ مولانا عزیر شمس صاحب سے مدینہ منورہ کے علمی مراکز میں رابطہ قائم کرنے کے لئے کچھ رقعاتِ تعارفی لے سکوں اور وہاں کے پتے بھی دریافت کرلوں، انہوں نے کمال مہربانی سے مجھے وہاں کے مراکز اور اہم معلومات کے بارے میں بتایا اور ایک ہندوستانی متعلم پی ایچ ڈی جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ کے نام ایک تعارفی خط دیا، یہ سراج الحق صاحب ہیں اور جامعہ اسلامیہ کے اہل کار حضرات سے خوب واقف ہیں، مولانا عزیر شمس صاحب مسلکاً اہل حدیث ہیں لیکن یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں حنفی ہوں اور میرے نام کی نسبت مجددی ہے، میرے ساتھ علمی تعاون کیا، اپنے گھر لے گئے اور اپنی لائبریری دکھائی، جس میں کتبِ حوالہ کا اچھا ذخیرہ موجود ہے، ان کے گھر سے نکل کر میں ان کے ہمراہ ایک بہت بڑے مکتبے مکتبہ الرشد میں پہنچا، وہاں کتابیں موضوعاتی ترتیب سے سجا کر رکھی گئی تھیں، ہمیں کتابیں دیکھنے میں ذرا بھی دقت محسوس نہ ہوئی، وہاں سے تین کتابیں خریدیں، جن میں جغرافیہ کی ایک اہم کتاب "الروض المعطار فی خبر الاقطار" [۱۵] تالیف محمد بن عبدالمنعم حمیری مرتبہ احسان عباس بھی شامل ہے، جس کی مدت سے تلاش تھی، مالکی علماء وفقہاء کا ایک تذکرہ توشیح الدیباج و حلیة الابتهاج [۱۶] لبدرالدین قرافی (ف ۹۴۶ھ) اور صاحب تاج العروس کے حالات پر ایک ضخیم کتاب "الزبیدی فی کتابه تاج العروس" [۱۷] مولفہ ہاشم طہ شلاش مطبوعہ بغداد بھی خریدی، اور رات ساڑھے نو بجے تک واپس مدرسہ پہنچا اور کھانا کھا کر لیٹ گیا، خدا کرے جلد ہی نیند آجائے، کیوں کہ کل رات مدینہ منورہ کے لئے روانگی ہے، اللہ تعالیٰ خیر وعافیت سے اپنے پیارے نبی ﷺ کی بارگاہ میں پہنچائے۔

۱۶ ارنومبر ۱۹۹۹ء بروز منگل، فجر کی نماز حرم میں ادا کر کے مدرسہ آیا، آج مولانا سعید بن عنایت اللہ

اور مولانا لطیف الرحمٰن صاحب سے مل کر خرید شدہ کتابیں بذریعہ کارگو، لاہور پہنچانے کا طریقہ معلوم کرنے کی غرض سے ان حضرات کا انتظار کرنے کے لئے مدرسے میں ہی رُک گیا اور ساڑھے دس بجے تک اُن سے اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں، اس کے بعد مکہ مکرمہ کی زیارات کے لئے ٹیکسی والوں سے بات کی تو پتہ چلا کہ ۸۰۔۹۰ ریال سے کم نہیں لیں گے، فیصلہ یہ کیا کہ تین چار افراد مل کر ٹیکسی لیں اور بیس بیس ریال جمع کر کے یہ زیارات کرنے جائیں گے۔

میں وہاں سے نکلا اور جامعہ ام القریٰ جانے والی بس پر بیٹھ کر جامعہ پہنچا، مولانا عزیر شمس مصروف کار تھے، نمازِ ظہر کے بعد انہوں نے ایک گاڑی کے ذریعہ مجھے مکتبۃ الفیصلیہ پہنچا دیا، جہاں دو پہر دو بجے تک میں نے کتابیں دیکھیں، یہاں مکہ مکرمہ میں سب سے زیادہ ذخیرۂ کتب ہے، جن میں پرانی کتابیں بھی شامل ہیں، یہاں ''کشف الظنون'' کا ایک تتمہ اسماء الکتب [۱۷] مولفہ عبداللطیف بن محمد ریاضی زادہ (من قرن ۱۱ھ) مطبوعہ قاہرہ قابل توجہ ہے، اس کے علاوہ ''حلیۃ السراء [۱۸] لابن الدیار، رفع الاصر علی قضاۃ مصر لابن حجر عسقلانی اور الذیل علی رفع الاصر لسخاوی [۱۹] بھی نظر سے گذری، انشاء اللہ مدینہ منورہ سے واپس آ کر ان میں سے بعض کتب خریدوں گا، دوپہر واپس آ رہا تھا کہ جامعہ ام القریٰ کے ایک معلم خالد مدرک سے ملاقات ہوئی اس نے مولانا عزیر شمس سے کہا تھا کہ یہ شخص لاہور سے آیا ہے، خالد مدرک ان دنوں جامعہ میں حافظ امام سخاوی کی کتاب "القول المنبی عن ترجمة ابن العربی" [۲۰] ایڈٹ کر رہے ہیں، انہوں نے اس کے دو خطی نسخوں کے عکس حاصل کر لئے تھے اور مولانا عزیر کے ذریعہ انہیں یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ اس کا ایک تیسرا نسخہ لاہور میں مولوی عبدالخالق قدوسی کے پاس ہے، خالد مُدرک مصر ہوئے کہ اس نسخۂ لاہور کا عکس مجھے بھیجا جائے، میں نے وعدہ کر لیا، ان شاء اللہ ارسال کروں گا، میں نے آج سے پندرہ سال قبل اس کا نسخہ عاریۃً لے کر عکس بنوا لیا تھا، اس سے فوٹو کاپی بنوا کر بھیج دوں گا، دوپہر ایک گھنٹہ آرام کیا اور پھر مدینہ منورہ جانے کے لئے تیاری کرنے لگا، گورنمنٹ بس سٹینڈ پر جا کر جانے آنے کا ٹکٹ اسی سعودی ریال میں خریدا، بس ان شاء اللہ رات نو بجے چل کر رات اڑھائی بجے کے قریب مدینہ طیبہ پہنچے گی۔

میں ٹھیک وقت پر بس کے اڈے پر گیا، وہاں سے سوار ہو کر رات تین بجے بس ہمارے پیارے نبی ﷺ کے شہر مدینہ منورہ پہنچی، اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا کہ جب سے ہوش سنبھالا ہے یہی آرزو تھی کہ کسی طرح حضور انور ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضری نصیب ہو اور مسجد نبوی شریف میں عبادت کر سکوں، سو اللہ پاک نے اس سراپا گناہ کو یہ نصیب بھی عطا کر دیا، میں سیدھا رباط جماعت منزل ۲۱ پہنچا جو یہاں مسجد الاجابۃ کے سامنے واقع ہے، یہ پیر جماعت علی شاہ امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء و اولاد نے قائم کی ہے، چوکیدار نے دروازہ کھول دیا، میں نے اپنا تعارف اور پھر سید منور حسین شاہ جماعتی صاحب کا خط ان کو دیا تو انہوں نے بخوشی مجھے یہاں رہنے کی اجازت دے دی، سامان رکھ کر میں رباط کے ہی مقیم ایک آدمی کے ہمراہ حرم شریف پہنچا تا کہ روضۂ رسول پاک ﷺ کی زیارت کر سکوں۔

۱۷ر نومبر ۱۹۹۹ء بروز بدھ: روضۂ نبی کریم ﷺ پر حاضری دی تو رقت طاری ہو گئی، سبحان اللہ! کیا شان ہے ہمارے رسول ﷺ کے روضۂ اقدس کے اندر دائیں اور بائیں شیخین (حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما) کے مزارات ہیں، تعجب ہے کہ سعودی پولیس روضۂ پاک کی مقدس جالیوں کو ہاتھ نہیں لگانے دیتی اور نہ ہی یہاں دعا کے لئے ہاتھ اٹھا سکتے ہیں، اس وہابی مذہب حکومت کے اس رویہ پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے، میں نماز فجر ادا کرنے کے بعد واپس رباط جماعت منزل میں آ گیا، آٹھ بجے سے دس بجے تک ہلکی سی نیند آ گئی جس سے رات بھر کے سفر کی تھکان میں کمی آئی لیکن مسلسل کم خوابی کے باعث دماغ اور اعضاء رئیسہ ضعف میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

نماز ظہر کے بعد پھر آرام کیا اور جماعت کے قریب ہی ایک خوش عقیدہ سنی مسلمان اصغر نظامی صاحب رہتے ہیں، مجھے ان سے ملوایا گیا، انہوں نے فون کر کے اس مقدس علاقے کے باہوش جوان محمد الیاس فیصل کو بعد نماز عصر بلایا جو مجھے اپنی گاڑی پر مکتبہ ملک عبدالعزیز لے گئے وہاں جا کر معلوم ہوا کہ رباط مظہر کا کتب خانہ اس میں نہیں ہے، البتہ مکتبہ عارف حکمت اس میں شامل ہو چکا ہے، وہاں سے محمد الیاس فیصل صاحب مجھے مختلف کتب فروشوں کے ہاں لے گئے لیکن یہاں مکہ مکرمہ کی نسبت کم مکتبے ہیں اور ان میں کتابیں بھی اتنی نہیں جتنی کہ مکہ مکرمہ میں ہیں، یہاں سے بظاہر زیادہ کتابیں ملنے کی توقع نہیں ہے، رات

گیارہ بجے کے قریب نظامی صاحب کے ساتھ چند کتابیں خرید کر لے آیا اور ان میں ''حلیۃ البشر'' ۲۲ (۱۳رصدی ہجری کے علماء واعیان کا تذکرہ) لابن بیطار اہم کتاب ہے، تھکن سے اب بہت برا حال ہو رہا تھا، سونے کی کوشش میں مزید آدھا گھنٹہ صَرف ہو گیا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج نیند قدرے زیادہ آ گئی۔

۱۸رنومبر ۱۹۹۹ء، بروز جمعرات، آج یہاں تعطیل ہے اور کل بروز جمعہ تو مکمل چھٹی ہوگی، تاہم کتابوں کی دکانیں کھلی ہوئی ہیں حرم شریف کے پاس کئی دکانیں ہیں لیکن ان میں زیادہ کتب موجود نہیں ہیں، ایک مکتبے میں ''کشف الظنون'' حاجی خلیفہ چلپی مرتبہ محمد شرف الدین یالتقایا کا ایک ایسا ایڈیشن دیکھا جو صرف اس کی فہارس ۲۳ پر مشتمل ہے، جی خوش ہو گیا لیکن جب دکاندار سے پوچھا کہ کیا وہ اسے الگ بیچ سکتا ہے تو اس نے صاف انکار کر دیا، کہ پورا سیٹ خریدیں، تب جا کر کام بنے گا، پورا سیٹ ڈیڑھ سو ریال سعودی کا ہے، بادل ناخواستہ اسے چھوڑ دیا، مکتبۃ الایمان پر آیا تو اس سے کہا لیکن اس کے پاس اس کی چھ جلدیں تو موجود تھیں لیکن ساتویں جلد سے وہ واقف ہی نہیں تھا۔ مکتبۃ السلفیہ پر بھی گیا لیکن یہاں صرف کتب حدیث شریف اور عقائد پر ہی کتابیں تھیں، نماز ظہر حرم شریف میں ادا کی اور آرام کرنے کے لئے واپس جماعت منزل آ گیا، اصغر نظامی صاحب یہ اطلاع دینے کے لئے آئے کہ میں نے آج بعد نماز عشاء مولانا فضل الرحمٰن بن مولانا ضیاء الدین ۲۴ سے ملاقات کا وقت رکھ لیا ہے، تم ساڑھے آٹھ بجے تک میرے پاس آ جانا، چنانچہ میں وقت مقررہ پر جانے کا ارادہ کر کے بعض مکتبے دیکھنے کے لئے نکل پڑا مکتبہ دارالثقافہ پر گیا ابھی نصف گھڑی کتابیں دیکھی تھیں کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا، مالک نے کہا کہ ہم عشاء کی نماز کے بعد آئیں گے، ادھر عشاء کے بعد مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے ملنا تھا، اس لئے میں چلا آیا، ہم ساڑھے آٹھ بجے روانہ ہوئے اور چند منٹوں میں مولانا کی خدمت میں ان کے گھر پہنچ گئے، بہت دعائیں دیں، حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب کا سلام و پیغام پہنچایا، بہت خوش ہوئے، انہیں بھی دعائیں دیں، میں نے رباط مظہر کے موجودہ محل وقوع کے بارے میں پوچھا تو بولے مجھے اب معلوم نہیں ہے، میرا حافظہ اب بالکل کام نہیں کرتا، واقعی اب وہ مفلوج حالت میں پڑے ہیں، ان کا حافظہ بالکل ساتھ نہیں دے رہا، ان کے فرزند جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں رجسٹرار ہیں ان کے شعبے کا نام تک انہیں معلوم نہیں تھا، وہاں سے

اجازت لے کر میں واپس جماعت منزل آ کر لیٹ گیا اور جلد سونے کی کوشش کی۔

۱۹ر نومبر بروز اتوار، آج فجر کی نماز کے بعد مدینہ منورہ کی زیارات کے لئے گیا حرم شریف کے باہر منی بسیں اسی مقصد کے لئے کھڑی رہتی ہیں، سب سے پہلے ہمیں جبلِ اُحد پر لے جایا گیا جہاں سیدنا حضرت حمزہ اور دیگر شہدائے احد کے مزارات ہیں، یہاں فاتحہ خوانی اور دعا کے بعد غزوۂ خندق کے مقام پر پہنچے، یہاں پہاڑیوں پر چھوٹی چھوٹی مساجد ہیں، مسجد حضرت عمر اور دوسری مسجد حضرت علی ہے، ایک پہاڑ مسجد فتح ہے، یہاں مسلمانوں نے فتح کے بعد اپنا علم نصب کیا تھا، ہر مسجد میں دو رکعت نفل ادا کرنے کا ثواب حاصل کیا۔

وہاں سے مسجد قبلتین لے گئے، یہ وہ مسجد ہے جہاں حضور نبی کریم ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے کہ بذریعہ وحی آپ کو حکم ہوا کہ اسی وقت خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے باقی نماز ادا کریں، چنانچہ ایک محراب بیت المقدس کی طرف ہے اور دوسرا خانہ کعبہ کی جانب، غیر مسلم مسلمانوں سے مذاق کرتے تھے کہ عبادت تو ایک خدا کی کرنے کے لئے کہتے ہیں لیکن منہ بیت المقدس کی طرف ہوتا ہے، آخر میں ہمیں ایک ایسی مسجد میں لے گئے جو دنیا کی پہلی مسجد ہے، حضور ﷺ نے یہ پہلی مسجد تعمیر کروائی تھی، یہاں بھی دو نفل پڑھ کر دعائیں کیں اور اب بذریعہ بس واپس آ گیا، رباط جماعت خانہ میں آ کر آرام کیا، گیارہ بجے حرم شریف پہنچ کر نماز جمعہ میں شرکت کرنا ہے۔

جلد ہی اُٹھ گیا اور کپڑے تبدیل کر کے حرم شریف کی طرف چل دیا، مسجد نبوی شریف نمازیوں سے بھری ہوئی تھی، تاہم مجھے روضۂ اقدس کے قریب ہی جگہ مل گئی، نماز کے بعد دیر تک دعائیں کرتا رہا، اپنے ملک پاکستان کی سلامتی اور یہاں نیک و مخلص حکمرانوں کی حکومت کی دعا کر کے واپس آیا، دوپہر کا کھانا کھا کر آرام کرنے کی غرض سے لیٹ گیا، عصر کی نماز کے بعد محمد الیاس فیصل صاحب کے ساتھ ایک ہندوستانی طالب علم سراج الحق سلفی صاحب سے ملاقات کے لئے گیا لیکن وہ نہ ملے تو ان کے انتظار میں مکتبۃ الزمان اور مکتبۃ الرشد پر کتابیں دیکھتا رہا، بعض کتابیں منتخب کیں لیکن ان کی قیمت اتنی زیادہ تھی کہ خرید نہ سکا، ''بدائع الزہور'' کی فہارس چار ضخیم جلدوں میں چھپی ہے پوری کتاب مصر سے شائع ہوئی تھی اس کی تیسری

چوتھی اور پانچویں جلدیں میرے پاس لاہور میں موجود ہیں لیکن ان فہرستوں کی قیمت ۱۲۵ ریال بتائی گئی جسے میں نے چھوڑ دیا، رات ساڑھے نو بجے جماعت منزل آیا، جامعۃ الاسلامیہ، مدینہ منورہ کے ان طلبہ کے رہائشی یونٹ (جمعیت البر) میں گیا جو جامعۃ میں پی ایچ ڈی کرر ہے ہیں، ان میں ہر ایک کے گھر میں ایک قابل ذکر ذاتی لائبریری ہے یہ طلبہ ہندوستان سے آئے ہوئے ہیں اور اہل حدیث مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں، سعودی عرب کی حکومت ان پر بہت خرچ کر رہی ہے، اس طرح وہابیت کے فروغ میں ان کا بے دریغ خرچ ان کے عزائم بتا رہا ہے، میں رات دس بجے کے قریب رباط جماعت منزل پہنچا اور کھانا کھا کر سو گیا، آج قدرے غنودگی آ گئی۔

۲۰ نومبر ۱۹۹۹ء بروز ہفتہ، میں صبح ساڑھے آٹھ بجے جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ پہنچا، اصول فقہ کے شعبہ میں گیا، کئی پاکستانی اور ہندوستانی طلبہ ملے، ان میں سے ایک ہندوستانی طالب علم محمد الیاس نے اور ایک پاکستانی جوان محمد شفیع نے میری بہت مدد کی اور مجھے مدیر مخطوطات کے پاس لے گئے، جہاں سے بڑی تگ و دو کے بعد جامعہ میں مخطوطات اور مصورات (عکس و مائیکروفلمز) کی فہرست کی نو جلدیں تحفۃً ملیں، وہاں سے جامعہ کے مرکز نشر واشاعت میں گیا تو وہاں بھی بہت ہی کوشش کر کے ان کی مطبوعات حاصل کرنے کے لئے درخواست منظور کروائی لیکن کتابوں کے انچارج نے کہا کہ ہمارے پاس سے تمام کتب تاریخ، سیر و تراجم ختم ہو چکی ہیں، چند کتابیں وہاں سے ملیں جو میں نے شفیع کو دے دیں، وہاں سے جامعہ کے اندر کتابفروشوں کے ہاں گئے لیکن ان میں میرے مطلب کی کوئی نادر کتاب موجود نہیں تھی اس لئے ناچار وہاں سے چلا آیا، جماعت منزل آ کر دو پہر کو آرام کیا اور عصر کی نماز پڑھ کر حرم شریف چلا گیا، حضور نبی کریم ﷺ کے روضۂ اقدس پر دیر تک دعائیں کرتا رہا، عشاء کی نماز پڑھ کر جماعت منزل آیا اور نو بجے تک سونے کے لئے لیٹ گیا۔

۲۱ نومبر ۱۹۹۹ء بروز اتوار، آج سراج الحق سلفی صاحب صبح ہی لینے کے لئے آ گئے کہ تمہیں مکتبہ ملک عبدالعزیز لے جا کر متعارف کرا دوں، میں ان کے ہمراہ صبح آٹھ بجے وہاں پہنچا، اسی میں مکتبہ عارف حکمت بھی ہے، یہ ترک عالم و عارف استنبول اور مدینہ منورہ کے مفتی رہے ہیں، خود کئی کتابوں کے مولف تھے اور ایک

عظیم الشان لائبریری، مدینہ منورہ میں جنت البقیع کے قریب بنوائی تھی، جب توسیع حرم کا پروگرام بنا تو سعودی حکومت نے اس پر قبضہ کر کے اسے مکتبہ ملک عبدالعزیز میں داخل کر دیا، تاہم ان کا ذخیرہ اس لائبریری میں جداگانہ موجود ہے، میں نے مکتبہ عارف حکمت کی فہرست مخطوطات نکلوا کر دیکھی تو اس میں نادر الوجود خطی نسخوں کی موجودگی کا پتہ چلا، جن میں نقشبندی سلسلہ پر قابل توجہ مواد موجود ہے، میں نے دو مخطوطات ''نسمات القدس'' ۲۶ (جسے فہرست میں تراجم المشائخ الاحراریہ والمجددیہ) لکھا گیا ہے اور بعض مولفین نے اس پر اعتماد کر کے اس کا یہی نام لکھ دیا ہے) مولفہ مرزا مقصود وحیدی اور دوسری کتاب ''احوال مشائخ متاخرین نقشبندیہ'' ۲۷ مولف محمد خلیل نقشبندی کی فوٹو سٹیٹ کی درخواست دی تو اس کے اخراجات سن کر بہت تعجب ہوا، جو یورپی اخراجات سے کم نہیں تھے یعنی ۲۲۵ ر ریال سعودی (۳۲۵۵ روپے) بتایا، مدیر کتابخانہ کے پاس جا کر تخفیف کی درخواست کی تو اب ۱۷۳ ر ریال رہ گئے، یہ بھی بہت زیادہ تھے تاہم ادا کر دیئے، نماز ظہر کے بعد ان کے عکس لے کر واپس جماعت منزل آ کر آرام کیا اور نماز عصر پڑھ کر مغرب کی نماز کے لئے حرم شریف چلا گیا، مرکز داوری کے مدیر مخطوطات نے وعدہ کیا تھا کہ وہ میری قیام گاہ پر بعد نماز مغرب آئیں گے لیکن وہ نہ آئے اور میں عشاء کی نماز کے لئے پھر حرم شریف گیا، واپس آ کر کھانا کھا کر مکتبۃ الثقافہ جانے کا پروگرام ہے، میں یہ سطور لکھ رہا تھا کہ مرکز داوری کے شعبۂ مخطوطات کے انچارج رباط جماعت منزل میں آ گئے اور بتایا کہ رباط مظہر (مکتبہ شیخ محمد مظہر فاروقی سرہندی) اب ان کی اولاد میں سے ایک صاحب محمد عدنان مظہر فاروقی ۲۸ کے گھر پر ہے، وہ ان کا ٹیلی فون نمبر دے گئے، میں فوراً یہ نمبر لے کر اصغر نظامی صاحب کے پاس گیا، انہوں نے اسی وقت نمبر ملایا تو ان کے گھر سے بتایا گیا کہ عدنان مظہر اس وقت نمازِ عشاء کے لئے مسجد نبوی شریف (حرم) گئے ہوئے ہیں، نماز کے بعد پھر کوشش کریں گے اللہ کرے کہ یہ کتب خانہ دیکھا جا سکے اور یہاں سے ''مقاماتِ معصومی'' کی فوٹو کاپی مل جائے، آمین۔

میں رات دس بجے اصغر نظامی صاحب کے ہمراہ محمد عدنان مظہر فاروقی کی دکان پر پہنچا، موصوف عطر کا کاروبار کرتے ہیں، بڑے اخلاق سے پیش آئے، میں نے درخواست کی مجھے وہ کتب خانہ دکھایا جائے جو

رباط مظہر میں تھا تو کہنے لگے کہ ایک سال کے بعد اس کے لئے نئی عمارت بنے گی، اس میں تمام کتب موضوعاتی ترتیب سے رکھی جائیں گی اس وقت تمام مخطوطات کارٹون میں بند پڑے ہیں، کسی کتاب کی تلاش ناممکن ہے، میں نے ان سے پھر درخواست کی مجھے صرف ایک مخطوطہ ''مقاماتِ معصومی'' دکھادیں، اس پر بھی انہوں نے یہی جواب دیا، آخر میں نے کہا کہ آپ عندالفرصت اس کی فوٹوسٹیٹ بنوکر میرے پتے پر پاکستان بھیج دیں تو اس پر رضامند ہو گئے، لیکن کہاں کون یہ کام کرتا ہے، کاش شیخ مظہر رباط کا پورا ذخیرہ مکتبۃ الملک عبدالعزیز کے حوالے کر کے کہتے کہ یہ میرے بزرگوں کے نام پر الگ ذخیرہ قائم کر دیا جائے لیکن ان کا تو کتاب شغل ہی نہیں، وہ کتابوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، دو کتابوں کے نام مع اسماء مولفین انہیں لکھوائے تو بصد مشکل لیکن غلط لکھے، پھر ہم سے ہی کہا کہ مجھے سب کچھ لکھ کر دے دیں، کتابیں اور مخطوطات کارٹنوں میں پڑے ہوئے ہیں، دس سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے، مجھے امید نہیں ہے کہ ان قدیم کتب میں کچھ بچا ہوگا، یا سب مخطوطات دیمک کی نذر ہو گئے ہوں گے، اللہ پاک ان کی حفاظت کرے، رات گیارہ بجے میں واپس رباط جماعت خانہ واپس آیا۔

۲۲ر نومبر ۱۹۹۹ء بروز پیر، آج مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ واپس جانے کا پروگرام ہے، میں صبح سویرے حرم شریف پہنچا، نبی کریم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں صلوٰۃ وسلام عرض کیا، اور جلد ہی واپس آ گیا، کیوں کہ اصغر نظامی صاحب کے ساتھ آج مدینہ منورہ کے مقامات کی زیارت کے لئے جانا ہے، ان کے ہمراہ ساڑھے سات بجے نکلا اور پہلے حضرت حسن بن حسن بن علی ابن طالب رضی اللہ عنہم کا گھر دیکھا، یہ محلہ خفر میں واقع ہے اور اس کا کچھ حصہ اپنی اصل اور قدیم حالت میں معلوم ہو رہا ہے، ان کی اہلیہ کا نام فاطمہ بنت حسین تھا، یہ حدود ۸۸ر ہجری میں تعمیر ہوا تھا، اس کے بعد حضرت عروہ بن زبیر بن عوام کا محل دیکھنے کے لئے وادی عقیق میں گئے، اس قدیم محل کے کھنڈرات اب تک اصل حالت میں ہیں، یہ بھی پہلی صدی ہجری کی یادگار ہے، ۲۹ لیکن سعودی حکومت اسے مسمار کر کے وہاں کوئی سرکاری دفتر تعمیر کروا دے گی، کیونکہ اس کے کھنڈرات کے قریب سڑک تعمیر ہو رہی تھی، محل کی تمام چھتیں گر چکی ہیں، ایک دو چھوٹے کمروں کی گنبدنما چھتیں موجود ہیں، سعودی حکومت کو چاہیے کہ اس قدیم تاریخی عمارت کی حفاظت پر خاص توجہ دے،

میں جلد ہی مکتبہ ملک عبدالعزیز میں آیا اور کل سے بنوائے ہوئے فوٹوسٹیٹ کا مخطوطات کے ساتھ مقابلہ کیا، صرف ایک صفحہ فوٹو بننے سے رہ گیا تھا، جولائبریری والوں نے بنادیا، وہاں سے نظامی صاحب کے ساتھ ہی نکل کر بازار آیا، بازار صرافاں سے بیس گرام سونا کا ایک بسکٹ سات سو چالیس ریال سعودی (۱۰۹۵۰/ روپے پاکستانی) میں خریدا، نظامی صاحب کو یہ فن معلوم ہے، وہ اس سے قبل پاکستان میں سونے کا کام کرتے رہے ہیں، اس کے بعد جاپان کا بنا ہوا ایک کیمرہ ۱۳۰/ ریال میں خریدا اور واپس جماعت خانہ آگیا اور سامان پر نگاہ ڈالی تو مختصر معلوم ہوا، غسل کر کے سامان باندھا اور پھر احرام باندھ کر مسجد نبوی شریف اور روضۂ مطہرہ حضرت نبی کریم ﷺ کی زیارت کے لئے چلا گیا، وہاں ریاض الجنۃ کے قریب جگہ مل گئی، دو نفل ادا کئے پھر ظہر کی نماز باجماعت پڑھی اور صلوۃ وسلام پڑھتا ہوا آبدیدہ و مغموم حالت میں حضور ﷺ سے اجازت ورخصت کی درخواست کی اور جماعت خانہ آکر اپنا سامان نیچے اتارا اور کھانا کھا کر نقل الجماعیہ کی طرف بذریعہ ٹیکسی چل پڑا، رباط جماعت منزل کے ناظر ڈاکٹر محمد جمال البکری (پاکستانی) نے میرا سامان خود اٹھایا اور ٹیکسی میں رکھا، بڑے اخلاق سے رخصت کیا، میں تھوڑی دیر میں بس سٹینڈ پر پہنچ گیا، بس تیار تھی، یہ اڑھائی بجے دوپہر مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئی اور رات نو بجے مکہ مکرمہ حرم شریف کے قریب خدا کے فضل وکرم سے بحفاظت پہنچ گئی، میں نے مدرسہ صولتیہ جاکر سامان رکھا اور کھانا کھا کر سیدھا حرم شریف گیا تاکہ عمرہ ادا کرسکوں، عمرہ کی سعادت سے رات ایک بجے کے قریب فارغ ہوا اور سونے کے لئے لیٹ گیا۔

۲۳/ نومبر ۱۹۹۹ء بروز منگل، آج صبح سے طبیعت خاصی کسل مند تھی، نماز فجر حرم شریف میں پڑھی اور جلد ہی واپس آگیا، آکر سونے کی کوشش کی لیکن بے سود، نیند کہاں؟ رات ایک بجے عمرہ سے فارغ ہوا تھا پونے دس بجے مدرسہ صولتیہ کے استاد مولانا سعید بن عنایت اللہ سے ملا کہ کل میری جمع کی ہوئی کتابیں کارگو سے لاہور کے لئے بک کروانی ہیں، انہوں نے وعدہ کرلیا کہ کل چلیں گے تم کتابیں پیک کر کے رکھ دو، میں ان سے مل کر جامعۃ ام القریٰ جانے کے لئے نکلا، جلد ہی بس مل گئی، مولانا عزیر شمس سے ملاقات ہوگئی، مدینہ منورہ میں اپنی علمی سرگرمیوں کا ذکر کیا اور ان کو بتایا کہ وہاں کوئی ترجمان یا ایسا رہنما نہیں

مل سکا جو مجھے جامعہ اسلامیہ کی مطبوعات دلوا سکتا، وہاں سے نکل کر مختلف مکتبوں پر گئے جہاں سے ہم نے کچھ کتابیں خریدیں، ان میں ریاضی زادہ کی ''اسماء الکتب'' ۳۰؎ (متمم لکشف الظنون) اہم کتاب ہے، دار المعارف مصر کی چھپی ہوئی ''المستشرقون'' ۳۱؎ بھی تین جلدوں میں خریدی، اور واپس مدرسہ آ گیا، دوپہر چار بجے تک سویا رہا اور قدرے تھکن میں کمی ہوئی، حرم شریف جا کر نماز عصر ادا کی اور طواف کیا، اتنے میں نماز مغرب کا وقت ہو گیا، نماز عشاء کے بعد کارٹنوں میں کتابیں بھرنا شروع کیں پلاسٹک کے لفافوں میں انہیں پہلے پیک کیا اور پھر کارٹنوں میں ڈالا، اس طرح پانچ کارٹن تیار ہو گئے، ان کا وزن تقریباً ۱۲۵ رکلو ہوگا، رات ساڑھے گیارہ بجے اس کام سے فارغ ہوا اور سونے کے لئے لیٹ گیا، قدرے نیند آ گئی۔

۲۴ رنومبر ۱۹۹۹ء بروز بدھ، آج اس مقدس سرزمین مکہ مکرمہ میں آخری دن ہے، کل میری اپنے وطن پاکستان روانگی ہے، اگرچہ جہاز بعد مغرب پرواز کرے گا، صبح حرم میں نماز فجر ادا کرتے ہی خانہ کعبہ کا طواف کیا اور سات بجے تک اس میں مشغول رہا، آج دوسری مرتبہ خانہ کعبہ کے دروازے کی چوکھٹ کو تھام کر دعائیں کیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین۔

آج مولانا سعید صاحب میری کتابیں لے کر بک کروانے جائیں گے، میں ان کے انتظار میں بیٹھ گیا، لیکن آٹھ بجے ان کا لڑکا آیا اور بتایا کہ مولانا کی طبیعت خراب ہے، ابھی تک نہیں آئے ہیں، میں ان کی بجائے ساڑھے نو بجے تمہاری کتابیں لے جاؤں گا، میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور واپس کمرے میں آ کر لکھنے پڑھنے کے کام میں لگ گیا۔

کتابوں کے کارٹن نیچے لے جا کر رکھے اتنے میں مولانا سعید کے بیٹے شیخ محمد گاڑی لے کر آ گئے، ان میں کتابیں رکھیں اور مولانا کے گھر پہنچا، وہاں سے ان کو لے کر بکنگ آفس گیا، وزن کرنے پر ۹۶ رکلو ہوا جس کا کرایہ دو سو بارہ ریال سعودی ادا کئے، اب میرے پاس رقم تقریباً ختم ہو چکی ہے اور صرف ایک سو ۲۲ ر ریال رہ گئے ہیں، جن میں سے پچاس ریال تو مکہ مکرمہ سے جدہ تک کا کرایہ درکار ہے، اس اہم کام سے فارغ ہو کر میں جامعہ ام القریٰ پہنچا، مولانا محمد عزیر شمس صاحب منتظر تھے، ان کو ساتھ لے کر جامعہ کے مجمع بحوث الاسلامیہ گیا تا کہ مدیر سے مل کر یہاں کی مطبوعات بلا قیمت حاصل کی جا سکیں، وہاں جا کر وہی

افسوس ناک صورت حال سامنے آئی کہ مدیر موجود نہیں ہے، وہ تو کویت گیا ہوا ہے، ناچار مطلوبہ کتب خریدیں، مولانا عزیر صاحب نے دوسوریال سعودی کسی سے اُدھار لے کر مجھے دیئے تاکہ میں اپنی مطلوبہ کتب خرید سکوں، یہ بہت ہی اہم کتابیں ہیں، ان میں ''اتحاف الوریٰ باخبار ام القریٰ'' مولفہ نجم فہد فاسی پانچ جلدوں میں ہے اور سنہ وار حوادث آٹھویں صدی تک درج ہیں، مرتبہ فہیم شلتوت نے بڑے مفصل حواشی لکھے ہیں، دوسری اہم کتاب الدلیل الشافی ہے جو اس کے مولف ابن تغری بردی نے اپنی مفصل کتاب المنہل الصافی کی تلخیص کی ہے اور اس پر ذیل بھی لکھا ہے، تکملۃ الاکمال کی جلد ۵۔۶ر بھی لی کیوں کہ اس سے قبل میں لاہور میں اس کی پہلی چار جلدیں خرید چکا تھا، اس پر دو جلدوں میں ایک ذیل بھی خرید، جو ذیل تکملۃ الاکمال کے نام سے ہے، ابن نقطہ کی کتاب ''التقیید'' تو میرے پاس لاہور میں موجود ہے لیکن اس پر تین ضخیم جلدوں میں ایک ضمیمہ باسم ''ذیل التقیید'' ۳۲ بھی قابل توجہ ہے، یہ سب کتب بعد وضع کمیشن (۲۵ فیصد) مجھے کل ۲۳۷ر ریال میں ملیں، جنہیں میں بصد خوشی خرید کر واپس لے آیا، مکتبہ دار العلم کے مالک طلال مجھے مدرسہ صولتیہ تک اپنی کار میں چھوڑنے آئے، ان کے ساتھ مولانا عزیر بھی تھے، دوپہر کا کھانا کھا کر سونے کی کوشش کی لیکن اتنی شاندار اور عمدہ کتب کے حصول کی خوشی میں مجھے نیند نہ آئی، چند منٹ اونگھ سی آئی ہوگی کہ میں اُٹھ بیٹھا، حرم شریف جا کر نمازِ عصر ادا کی، پھر مغرب تک وہیں بیٹھا رہا، یادِ الٰہی میں عجب لذت ہے، میں نے اُٹھ کر خانہ کعبہ کا طواف کیا، اتنے میں نماز عشاء کا وقت ہوگیا، نماز پڑھ کر میں پھر بازار کتابفروشی کی طرف چل پڑا حالانکہ اب میرے پاس کتب خریدنے کے لئے کوئی رقم نہیں ہے اور نہ کہیں سے مزید اُدھار ملنے کی توقع ہے، پھر بھی مجھے کتابوں کا شوق بے چین کرتا رہا اور میں ایک اہم کتاب ''تکملہ معجم المولفین'' ۳۳ کی تلاش میں محلہ شامیاں تک پیدل چلا گیا، لیکن کتاب نہ ملی، آخر حرم شریف کے سامنے تاجران کتب سے دریافت کیا تو ایک کے پاس موجود تھی لیکن قیمت ۳۵ر ریال، قیمت بہت زیادہ معلوم ہوئی، حقیقت میں قیمت کچھ نہیں تھی، اس سے کتنی ہی زیادہ گراں قیمت کتب خریدی تھیں لیکن اب چونکہ رقم ختم ہو چکی تھی اس لئے یہ بہت زیادہ محسوس ہوئی، تاہم مدرسہ صولتیہ کے مہتمم کے بھائی ندیم صاحب کو فون کیا، اگر وہ مجھے اپنی گاڑی میں کل جدہ تک پہنچا دیں تو میرے یہ پیسے بچ رہیں گے، جن سے

میں یہ کتاب خرید لوں گا لیکن افسوس کہ وہ فون پر نہ مل سکے، میں سوا نو بجے تک واپس مدرسہ پہنچا، کھانا کھا کر لیٹ گیا تو مولانا محمد عزیر شمس ملنے کے لئے مدرسہ آئے، رات ساڑھے بارہ بجے تک بیٹھے علمی باتیں کرتے رہے، خوب صاحب ذوق اور متجسس قسم کے آدمی ہیں، میں نے رات سونے کی کوشش کی لیکن تھکان کی وجہ سے پوری طرح نیند نہ آئی بلکہ اکھڑتی رہی۔

۲۵ رنومبر ۱۹۹۹ء بروز جمعرات، آج میری مکہ مکرمہ سے اپنے وطن پاکستان کی طرف روانگی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی حفظ وامان میں رکھے اور جہاز بخیر وخوبی لاہور تک پہنچ جائے، آمین۔ میں نے صبح فجر کی نماز حرم شریف میں ادا کر کے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور واپس مدرسہ آ گیا، نہا دھو کر ناشتہ کیا، سامان پہلے ہی پیک کر لیا تھا، جامعہ ام القریٰ کی مطبوعات جو کل حاصل ہوئی تھیں، کپڑوں والے ایک بیگ میں ڈال دیں اور کپڑے دوسرے چھوٹے بیگ میں آ گئے، خدا کرے ان کا وزن پی آئی اے کی حد ثقل سے زیادہ نہ ہو تا کہ پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے، آمین، ظہر کی نماز کے بعد تین بجے تک آرام کیا اور پھر سامان نیچے اتار کر رکھ دیا کہ نمازِ عصر پڑھتے ہی جدہ کی طرف نکل جانے کا پروگرام ہے۔

جناب محمد عزیر شمس وقت مقررہ پر نمازِ عصر ادا کرتے ہی مدرسہ کی طرف آ گئے، نمازِ عصر میں نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی بنا کردہ مسجد میں ادا کی، یہ مسجد مدرسہ صولتیہ سے ملحق ہے اور مولانا نے اسے ۱۳۰۲ھ کو تعمیر کروایا تھا، یہ بالکل اصل اور قدیم حالت میں ہے، نماز ادا کرتے ہی مکہ مکرمہ سے بذریعہ ٹیکسی جدہ کے لے روانہ ہوا، ۴۵ رریال کرایہ طے ہوا تقریباً ایک گھنٹے کی مسافت پر جدہ ہے، میں ہوائی اڈے کے حصہ اجنبیہ پر اترا اور سعودی عملے کے تمام مرحلے طے کرتا ہوا ہوائی اڈے کے اس حصے تک پہنچ گیا جہاں مسافروں کو جہاز تک لے جایا جاتا ہے، ہوائی جہاز ٹھیک آٹھ بج کر چالیس منٹ پر روانہ ہوا اور اگلی صبح سویرے ساڑھے تین بجے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے لاہور ایئر پورٹ پر اتر گیا، چونکہ ہمارے ملک پاکستان کے حالات خراب ہیں اور دہشت گردی کا دور دورہ ہے، اس لئے میں نے صبح چھ بجے تک توقف کیا اور پھر ایک رکشے کے ذریعے اپنے گھر واپس آیا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں بخیر وخوبی اتنا طویل اور مقدس سفر کر کے صحت وتندرستی کے ساتھ وطن واپس پہنچ گیا...... بحمد للہ

حواشی

۱۔ جناب عزیز شمس (رک حواشی سفرج ۲۰۱۲ء) حاشیہ نمبر ۱

۲۔ المنہل الصافی (رک حواشی سفرج ۲۰۱۲ء) حاشیہ نمبر ۹، ۱۵

۳۔ علماء الاندلس لابن الفرضی بوجوہ خرید نہیں سکا تھا۔

۴۔ کتاب السلوک لمعرفۃ دول الملوک مولفہ تقی الدین مقریزی مرتبہ محمد مصطفیٰ زیادہ و آخرون، مطبوعہ قاہرہ لجنۃ التالیف ۱۹۵۷ء و بہ بعد

۵۔ الذیل التام مرتبہ حسن اسماعیل مروۃ، مطبوعہ دار ابن العماد، بیروت ۱۹۹۲ء (۳ جلدیں)

۶۔ موارد الخطیب مولفہ اکرم ضیا عمری، مطبوعہ دار طیبہ، ریاض ۱۹۸۵ء

۷۔ المعجم الشامل، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۹۳ء

۸۔ ان پانچوں کتابوں کی تفصیل میرے اہدیٰ ذخیرہ کی فہرست میں موجود ہے۔

۹۔ المقفی الکبیر مولفہ مقریزی مرتبہ محمد الیعلاوی، دار الغرب الاسلامی، بیروت ۱۹۸۷ء

۱۰۔ نفح الطیب مرتبہ احسان عباس، دار صادر، بیروت ۱۹۸۸ء آٹھ جلدیں مکمل

۱۱۔ ریاض النفوس مرتبہ بشیر البکوش، دار الغرب الاسلامی، بیروت ۱۹۹۴ء (دو جلد کامل)

۱۲۔ الجوہر المنضد (فی طبقات متاخری اصحاب احمد) لابن المبرد حنبلی، قاہرہ ۱۹۵۷ء

۱۳۔ کتاب الصلۃ مرتبہ سید عزت العطار الحسینی، مکتبۃ الخانجی، قاہرہ ۱۹۹۴ء

۱۴۔ یہ فہارس اب میرے ذخیرہ میں شمارہ ۸۹۱۲۔ ۸۹۱۳، ۸۹۱۴ر میں محفوظ ہیں۔

۱۵۔ توشیح الدیباج مطبوعہ دار الغرب الاسلامی، بیروت ۱۹۸۳ء

۱۶۔ الزبیدی فی کتابہ تاج العروس، مطبوعہ جامعہ بغداد ۱۹۸۱ء

۱۷۔ ۱۹ر یہ سب کتب حوالہ اب میرے ذخیرہ کی زینت ہیں۔

۲۰۔ القول المنبی لامام سخاوی، یہ کتاب شیخ اکبر ابن عربی کے خلاف امام سخاوی نے لکھی ہے، انداز تنقیدی خاصا درشت ہے، اس میں علماء کے شیخ کے خلاف فتوے بھی درج ہیں، یہاں لاہور میں علامہ احسان الٰہی ظہیر (اہل حدیث عالم) نے اس کا قلمی نسخہ مکتبہ قدوسیہ، لاہور سے خریدا تھا، میں نے قدوسی صاحب سے مستعار لے کر اس کی فوٹوسٹیٹ کاپی بنوالی تھی، جواب میرے ذخیرہ میں (شمارہ R.235) میں محفوظ ہے، اس کی عکسی نقل واپس لاہور آکر مولانا شمس صاحب کو بھیج دی گئی تھی، اس کا ایک نسخہ یورپ میں بھی محفوظ ہے، جس کی بنیاد پر ہنری کوربن نے اس کی تلخیص شرح فصوص الحکم کے مقدمہ میں دے دی ہے۔ (مطبوعہ شمارہ 1645)

۲۱۔ رباط جماعت منزل، مدینہ منورہ میں پیر جماعت علی شاہ علی پوری نے بنوائی تھی، جواب وہاں کے ہوٹل بنانے والوں نے ان سے خرید کر مسمار کر دی ہے اور وہاں اب بڑے بڑے فلک بوس ہوٹل بن گئے ہیں۔

۲۲۔ حلیۃ البشر لابن بیطار مطبوعہ مجمع اللغۃ العربیہ، بدمشق، ۱۹۶۱ء، تین جلدیں

۲۳۔ بعد میں سفر حج ۲۰۱۲ء کے دوران یہ ایڈیشن مکتبۃ الحرم مکی میں دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو صرف اس کے ذیول کا انڈیکس ہے۔

۲۴۔ مولانا ضیاء الدین مدنی، مولانا احمد رضا خان سے بیعت تھے اور عمر کا بڑا حصہ مدینہ منورہ میں گذار کر فوت ہوئے، ان کے احوال پر ایک کتاب ''انوارِ قطبِ مدینہ'' اُردو میں لاہور سے شائع ہوئی تھی۔

۲۵۔ یہ تمام جلدیں اب میرے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) میں محفوظ ہیں۔

۲۶۔ نسمات القدس مولفہ مرزا مقصود دھبیدی، یہ نقشبندی مشائخ کا ایک تذکرہ ہے، مولف نے اسے ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۸ء کو استنبول میں تالیف کیا تھا، اس میں سلسلۂ نقشبندیہ کے بارے میں بہت سی نئی معلومات ہیں، جن سے مروجہ تذکرے خالی ہیں۔

۲۷۔ احوال مشائخ متاخرین سلسلۂ نقشبندیہ، مولفہ خلیل احمد سرہندی، یہ دراصل رشحات عین الحیات مولفہ کاشفی کا تکملہ ہے، اس میں متاخرین کے حالات قابل توجہ ہیں۔

۲۸۔ عدنان فاروقی بن شاہ محمد مظہر بن احمد بہاء الدین بن حضرت شاہ محمد مظہر بن حضرت شاہ احمد سعید مجددی (مقاماتِ خیر ۱۰۴۔۱۰۵) ذکر السعیدین ۲۵۳۔۲۵۵)

۲۹۔ راقم کو اصغر نظامی صاحب نے صحابہ کے ان مکانات کی تصویریں عنایت کی تھیں جو اب بھی میری فائلوں میں محفوظ ہیں۔

۳۰۔۳۱۔ یہ دونوں کتب حوالہ اب میرے ذخیرہ کی زینت ہیں۔

۳۲۔ اب یہ تمام کتب حوالہ میرے ذخیرہ میں موجود ہیں۔

۳۳۔ تکملہ معجم المولفین تالیف محمد خیر رمضان یوسف، مطبوعہ دار ابن حزم، بیروت، اب میرے ذخیرہ میں (شمارہ 8949) محفوظ ہے۔

اسلام آباد و پشاور کا ایک اور سفر

آج مورخہ ۲۱ر جولائی ۲۰۰۲ء کو علمی تحقیقات کے غرض سے لاہور سے بذریعہ ریل کار اسلام آباد کے لئے روانہ ہوا، گاڑی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بحفاظت تمام دوپہر بارہ بجے راولپنڈی کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئی۔

میں وہاں سے بذریعہ ٹیکسی صدر گیا تا کہ آج اتوار کو فوٹ پاتھوں پر جو کتابیں لگتی ہیں دیکھ سکوں لیکن افسوس ہوا کہ کوئی بھی نادرالوجود کتاب نظر نہیں آئی، البتہ ایک کتابفروش نے بتایا کہ اسلام آباد میں ایک مولوی مشتاق ہیں، جن کے پاس عربی و فارسی کی نادر کتابیں گھر میں برائے فروخت ہیں، ان کا ٹیلی فون نمبر حاصل کیا اور پھر بذریعہ ویگن ڈاکٹر سید عارف نوشاہی صاحب کے ہاں ماڈل ٹاؤن ھمک سہالہ روڈ پہنچا، تقریباً چھ بجے تک اُن سے علمی نشست رہی، موصوف ایران سے ایک علمی کانفرنس میں شرکت کر کے آئے ہیں، انہوں نے اس دوران حاصل ہونے والی ایرانی مطبوعات دکھائیں جنہیں دیکھ کر دل خوش ہو گیا، انہوں نے حضرت خواجہ احرار کے احوال و آثار و ملفوظات پر اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ بھی دیا جو کہ مرکز نشر دانشگاہی تہران سے شائع ہوا ہے، بہت محنت اور لگن سے انہوں نے یہ کام کیا ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، آمین۔

ان کے ہاں رہائش کا مسئلہ تھا اس لئے مجھے لے کر ایک ہوٹل میں گئے، وہاں ایک دن کا کرایہ دو سو پچاس روپے تھا، ناچار میں واپس راولپنڈی آیا تو یہاں راجہ بازار میں صرف پچاس روپے یومیہ کرایہ پر نسیم ہوٹل میں کمرہ نمبر ۱۱ مل گیا، بازار سے کچھ کھایا پیا اور سو گیا، شدید تھکان کے باعث جسم خاصا نڈھال ہو رہا تھا۔

۲۲ر جولائی، صبح ساڑھے چار بجے اٹھا، معمولات اور نمازِ فجر کے بعد ناشتہ کر کے ساڑھے سات

بجے مرکزِ تحقیقات فارسی، ایران و پاکستان، اسلام آباد کے لئے روانہ ہو گیا، وہاں دوپہر تین بجے تک کتابخانہ گنج بخش کے مخطوطات کا مطالعہ کرتا رہا، یہ جان کر حیرت ہوئی کہ ملتان کی ارسطو جاہی فیملی سے جو مخطوطات مرکز کے لئے آئے تھے وہ صحیح قیمت نہ لگنے پر واپس چلے گئے، ان میں ''عوارف المعارف'' بخط حضرت خواجہ محمد صادق بن حضرت مجدد الف ثانی کا قلمی نسخہ بھی تھا، لیکن اب وہ نسخہ موجود نہیں تھا، عوارف کے تمام خطی نسخے نکلوا کر دیکھے لیکن وہ نسخہ نہ پایا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ڈاکٹر علی اکبر جعفری کے زمانے میں مرکز نے اس خطی نسخے کی مائیکروفلم مجھے بھیج دی تھی جو میرے پاس بحمد للہ محفوظ ہے، ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب نے بتایا کہ ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب آئے ہوئے ہیں اور مرکز کے قریب ہی ایک ہوٹل میں قیام پذیر ہیں، میں تین بجے اُن سے ملنے جاؤں گا تو تمہیں بھی لیتا چلوں گا، وہ وقت مقررہ پر آئے، اُن کے ساتھ ڈاکٹر اختر راہی صاحب بھی تھے، وہاں سے ہم لوگ ہوٹل آئے، ڈاکٹر عقیل ابھی تک وہاں نہیں پہنچے تھے، یہ ہوٹل یعنی شیلٹن ہاؤس ایک جوان محقق ڈاکٹر ندیم شفیق ملک صاحب کا ہے، ڈاکٹر عقیل صاحب بھی پہنچ گئے، پھر ان حضرات، جن میں ڈاکٹر عقیل، ڈاکٹر سید عارف نوشاہی، ڈاکٹر اختر راہی، ڈاکٹر گوہر نوشاہی، اور ڈاکٹر ندیم شفیق شامل ہیں، دیر تک علمی گفتگو رہی، ہم لوگ چھ بجے تک مختلف علمی موضوعات پر تبادلہ خیال کرتے رہے، واقعی یہ مختلف المسالک لوگ علم دوست اور گہرے مطالعہ سے شغف رکھتے ہیں، ندیم شفیق صاحب نے میرے لئے ٹیکسی کا انتظام کیا تو میں اس کے ذریعہ 9/A پہنچا تاکہ مولوی مشتاق کے پاس جو ذخیرہ کتب برائے فروخت ہے دیکھ سکوں، ایک کمرہ کتابوں سے بھرا ہوا تھا، میں دو اڑھائی گھنٹے تک مختلف کتابیں دیکھتا رہا، ۱۹ رشمارے رسالہ برہان، دہلی، ''مخزن الغرائب'' ج ۴/۵، ''تذکرہ بغراخانی'' اور ''رسل الملوک'' لابن فراء انہوں نے صرف تین سو روپے میں دے دیں، جنہیں لے کر میں ہوٹل آ گیا، یہاں ساڑھے دس بجے شب ڈاکٹر ندیم شفیق آئے، دیر تک اِدھر اُدھر کی علمی باتیں ہوتی رہیں، یہ جوان نہایت صالح ہیں، حال ہی میں علامہ اقبال پر پی ایچ ڈی کیا ہے، میرا سامان لے کر انہوں نے ہوٹل شیلٹن پہنچا دیا تاکہ وہاں سے وہ صبح اسے مرکزِ تحقیقات فارسی میں پہنچا دیں، آج رات بارہ بجے کے قریب سویا، شدید تھکن سے بے حال ہو کر لیٹ گیا۔

۲۳ رجولائی، آج صبح قدرے دیر سے بیدار ہوا، معمولات کے بعد دستی بیگ اٹھایا اور ہوٹل سے فارغ ہوکر چلا آیا، بڑا بیگ اور خرید شدہ کتب کا پیکٹ کل ہی ڈاکٹر ندیم شفیق صاحب کے ہاتھ مرکز تحقیقات فارسی بھیج دیا تھا، میں سیدھا مقتدرہ قومی زبان پہنچا، محترمہ انجم حمید سے ملاقات ہوئی، یہ خاتون اس سے قبل مرکز تحقیقات فارسی میں تھیں، ان کو بھی ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب کے ساتھ مرکز کی ملازمت سے فارغ کردیا گیا تھا، محترمہ مقتدرہ میں ملازم ہوگئیں، اس کے بعد مقتدرہ کے سیل ڈپو میں گیا جہاں سے سلیم الدین قریشی کی مرتبہ دو فہارس یعنی اٹھارہویں صدی کی اُردو مطبوعات اور انڈیا آفس لائبریری اور برٹش لائبریری، لندن میں محفوظ اُردو مطبوعات ۱۹۴۷ء تک کی فہرست ۲ خریدی اور وہاں سے ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد (فیصل مسجد انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی) پہنچا، وہاں کتابوں کے سیل ڈپو میں ادارہ کی مطبوعات دیکھنے گیا، قیمتیں بہت زیادہ تھیں، اس لئے خرید نہ سکا، رسالہ فکر ونظر کا اشاریہ حصہ دوم اور رسالہ اسلامک سٹڈیز کا اشاریہ خریدا، آدھے گھنٹے کے لئے لائبریری گیا، معلوم ہوا کہ ڈاکٹر پیر محمد حسن مخدومی مرحوم کی مرتبہ ''العباب'' ۳ کی پہلی تین جلدیں چھپ گئی ہیں، ہر جلد کی قیمت ایک ہزار روپے ہے، جسے میں گرانی کے باعث خرید نہ سکا۔

ٹیلی فون پر ڈاکٹر احمد خان صاحب سے چند منٹ بات کی اور پھر وہاں سے بذریعہ ٹیکسی مرکز تحقیقات فارسی پہنچ گیا، ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی کو بتایا کہ مجھے کباڑیوں کے یہاں سے ''تذکرہ مخزن الغرائب'' ۴ کی جلد چہارم و پنجم مل گئی ہے، اب میرے سیٹ میں صرف جلد سوم غائب ہے، اگر مہربانی فرما کر جلد سوم دے دیں تو میرا سیٹ پورا ہو جائے گا، انہوں نے ڈائریکٹر سے بات کی تو وہ دینے کے لئے رضامند ہوگئے، یہیں سے کل کی خرید کردہ کتابوں کا ایک پارسل بندھوایا جو بارہ کلو ہوگیا، اس پر ایک سو پندرہ روپے ڈاک خرچ لگا اور اسے لاہور بھیج دیا۔

مرکز تحقیقاتِ فارسی میں ایک قلمی رسالہ در حالات حضرت میرزا مظہر ہے، جس کے مولف اندرونی شہادت سے شیخ محمد سعید فہرست مشترک میں بتائے گئے ہیں، لیکن متن سے کوئی قوی شہادت نہیں مل سکی، ۵ ''مقاماتِ مظہری'' مولفہ حضرت شاہ غلام علی سے مقابلہ کر کے دیکھا تو بہت کچھ اس سے مختلف مواد تھا کسی

وقت اس کا عکس حاصل کر کے مندرجات کا تقابل کروں گا، آج فقط یہی ایک مخطوطہ دیکھ سکا۔

وقت کی کمی کے باعث مزید کام روک کر ریلوے سٹیشن کے لئے روانہ ہو گیا تا کہ چار بجے دوپہر والی ٹرین سے پشاور جا سکوں، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ گاڑی عوامی ایکسپریس، جو ایک بجے آنی تھی اب پونے چار بجے آئے گی، اس کا ٹکٹ لے کر اس میں سوار ہو گیا، مسافروں کا اندازہ ہے کہ یہ ٹرین ساڑھے سات بجے شام پشاور پہنچے گی، اللہ تعالیٰ اپنی حفظ وامان میں رکھے اور ہم سب بحفاظت تمام بروقت پشاور جا پہنچیں، آمین۔

گاڑی وقت مقررہ پر پشاور کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچی، سیدھا بکنگ آفس گیا، وہ بند تھا، اب کل ریزرویشن ہوگی، سٹیشن سے حضرت مولانا سید محمد امیر شاہ قادری مدظلہ ساکن، یکہ توت کے ہاں آیا، حضرت جی مل کر بہت ہی خوش ہوئے، کیوں کہ میں عرصہ دراز کے بعد پشاور آیا تھا، حضرت صاحب اب بہت کمزور اور لاغر ہو گئے ہیں، چل پھر نہیں سکتے، صرف سہارے سے بیت الخلا تک جاتے آتے ہیں، اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں، کبھی علمی و کبھی غیر علمی، حضرت کے بعض مخلصین بھی آ گئے، آج متحدہ مجلس عمل کی پریس کانفرنس پشاور میں تھی، مولانا شاہ احمد نورانی اس سلسلہ میں پشاور آئے ہوئے تھے، وہ حضرت صاحب سے ملنے کے لئے آئے، دن گیارہ بجے پہنچے اور شام تک بیٹھے رہے، دیگر پارٹیوں کے سربرآوردہ اصحاب بھی اس متحدہ سیاسی محاذ میں آئے تھے۔

رات دیر سے کھانا کھایا جو پُر تکلف تھا، بارہ بجے کے قریب لیٹ گیا تا کہ سو جاؤں لیکن شدید ضعف اور تھکان کے باعث نیند خاصی ہلکی ہو گئی ہے، معلوم نہیں رات کس وقت مختصر سی نیند آ گئی، صبح سویرے پانچ بجے ہی اٹھ بیٹھا اور معمولات سے فارغ ہو کر آج کے امورِ سفر پر غور شروع کیا۔

۲۴ر جولائی، فجر کے معمولات سے فراغت کے بعد مولوی محمد امیر شاہ قادری صاحب کے ایک عقیدت مند کو ساتھ لے کر واپسی کی ٹکٹ لینے کے لئے ریلوے اسٹیشن گیا تو ۲۶ر جولائی کی صبح کی ٹرین میں سیٹ نہ مل سکی ناچار خیبر میل سے ریزرویشن کروائی، جو رات سوا دس بجے پشاور سے روانہ ہو کر صبح آٹھ بجے لاہور پہنچے گی، گویا ساری رات کا سفر ہو گا، جو میرے لئے خاصا تکلیف دہ ہے، وہاں سے پشاور یونیورسٹی

کے لئے روانہ ہوا، دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی، شعبۂ علومِ مشرقیہ کے وہی بے ڈھنگے طریقے تھے، جو آج سے ۲۷ رسال قبل چلے آرہے ہیں، خود اسٹنٹ لائبریرین نے بتایا کہ اس شعبہ میں کوئی پیشرفت نہیں ہوئی، ڈاکٹر سید عارف نوشاہی صاحب کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ''احوال وسخنان حضرت خواجہ عبیداللہ احرار'' مطبوعہ تہران کی کاپی مرکزی لائبریری میں جمع کروائی اور وہاں سے کسی راہ گیر کے ساتھ سائیکل پر اسلامیہ کالج، پشاور کی لائبریری میں آ گیا، یہاں ڈاکٹر محمد حنیف کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ''حیات و آثار حضرت میاں محمد عمر چمکنی'' مطبوعہ شکل میں برائے فروخت موجود تھا، میں نے اس کی ایک کاپی خریدی، اس کے بعد لائبریرین عبدالحمید سے کہا کہ مجھے چند قلمی نسخے دیکھنے ہیں، جس پر انہوں نے حیرت انگیز جواب دیا کہ مخطوطات کا انچارج پانچ دن کی چھٹی پر ہے، کاش یہاں کے اصحابِ علم بیدار مغز ہوتے اور لائبریرین سے باز پرس کر سکتے، اگر یہی جواب عیسائیوں اور یہودیوں کے ملک میں کسی کو دیا جاتا تو ایسا شخص چند منٹ کے لئے بھی اس ملازمت پر نہیں رہ سکتا تھا، میں بادلِ نخواستہ لائبریری سے نکلا اور پشاور کے بازار کتابفروشی جھنگی محلّہ پہنچا، یہاں اب وہ صورت نہیں رہی کہ ''تاریخ بغداد'' کی چودہ جلدیں پانچ سو روپے میں مل جائیں اور ''وفیات الاعیان'' کی آٹھ جلدیں چار سو روپے میں میسر آ جائیں، اب تو ہر جلد کی قیمت پانچ سو روپے پاکستانی سے شروع ہوتی ہے۔

کتاب فروش سربلند خان کے ذریعہ ''نشاۃ القدس'' ہے (درحالات میاں سعدالدین انصاری کابلی) کے دو مطبوعہ فارسی نسخے خریدے، ایک عارف نوشاہی صاحب کے لئے بھی خرید لیا، یہ سعدالدین انصاری وہی ہے جس نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکاشفات کے خلاف ایک کتاب لکھی تھی، جب شیخ نظام الدین شکارپوری مجددی کشمیر سے کابل گئے تو انہوں نے شیخ انصاری کابلی سے اس کے بارے پوچھا تو وہ صاف انکار کر گیا کہ میں نے ایسا کوئی رسالہ نہیں لکھا، تاہم شیخ نظام الدین نے اس کے ایک مرید ساکن کشمیر سے وہ رسالہ حاصل کر کے اس کے جواب میں ایک مستقل رسالہ تالیف کیا۔

۲۵ رجولائی، صبح ناشتہ کے دوران حضرت سید امیر شاہ قادری کے ایک مرید سید انور شاہ مدیر معاون رسالہ ''الحسن'' بھی رات سے موجود تھے اور اُن سے دیر تک رسالہ ''الحسن'' کے بارے میں باتیں ہوتی

رہیں، اس کا معیار بہتر بنانے کے لئے بھی کئی تجاویز پیش کیں، تقریباً دس بجے گھر سے چلا، ایک صاحب مجھے گاڑی میں آرکاویز ڈیپارٹمنٹ تک چھوڑ گئے، وہاں حضرت امیر شاہ قادری کے مرید خالد بٹ (مائیکروفلمنگ آفیسر)، جن سے پہلے ہی بات ہو چکی تھی سے ملا، آرکاویز والوں نے بڑی سختی سے کام لیا، پہلی بات ہی یہ کہی کہ ہم کسی قلمی کتاب کی فوٹوسٹیٹ نہیں دیتے، اس کے بعد ایک فارم پُر کروایا اور ڈائریکٹر کے پاس لے گئے، اس نے اس پر لکھا کہ درخواست گذار اپنے دفتر کا اتھارٹی لیٹر لے کر آئیں، سخت غصہ آیا، وہاں سے اُٹھ کر ساتھ والی بلڈنگ، جو کہ پشاور میوزیم کی ہے گیا، خالد بٹ صاحب ہمراہ تھے، انہوں نے خندہ پیشانی سے ملاقات کی اور فہرست مخطوطات دکھائی، جب سے میوزیم بنا ہے کل ۶۵ مخطوطات اس میں ہیں، کوئی اضافہ نہیں ہوا، میں نے ''بحر الفراسۃ'' از عبداللہ خویشگی قصوری اور مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے خطی نسخے دیکھنے کی درخواست کی تو انہوں نے کہا کہ آج تو فرصت نہیں ہے کل نکال دیں گے، میں کل آنے کا وعدہ کر کے چلا آیا۔

مجھے اپنے علمی کام کے لئے ایک کتاب قاموس جغرافیای افغانستان ۸ حاصل کرنے کا اشتیاق ہے، جھنگی محلہ کے کتب فروشوں نے بتایا کہ ناصر باغ کے قریب بورڈ کے علاقے میں افغان مہاجروں کی دکانیں ہیں، وہاں سے مل سکتی ہے، بس میں ایک گھنٹے کی مسافرت کے بعد وہاں پہنچا تو ایک افغان کے پاس اس کی صرف تیسری جلد ملی جو میں نے خرید لی، اس کتابفروش کے ہاں اچھی کتابیں ہیں لیکن قیمت اتنی زیادہ ہے کہ خرید ہی نہیں سکتا، تاریخ احمد شاہی (مطبوعہ عکسی ماسکو) احمد شاہ درانی پر عزیز الدین وکیلی فوفلزئی کی ضخیم وجسیم کتاب بھی اہم تھی، تاہم اسی مصنف کی ایک اور اہم کتاب دار القضا در افغانستان ۱۸۰/روپے میں خریدی اور دوپہر کے قریب واپس آ گیا۔

آج معدہ انتہائی خراب ہو رہا ہے، دوپہر کچھ دیر قیلولہ کیا اور پھر ساڑھے پانچ بجے کتابوں کی تلاش میں نکل پڑا، کتابفروش سر بلند خان کے پاس ایک مخطوطہ ''فتوح الاوراد'' مولفہ شیخ فتح محمد بن عین الفقراء برہانپوری موجود ہے، جو مولف کے اپنے ہاتھ کا کتابت کیا ہوا ہے، ۹ اس کا سال کتابت ۱۰۵۷ھ ہے، لیکن قیمت اسی ہزار روپے، ناچار اس سے درخواست کی کہ اس کے اول و آخر چند اوراق کی فوٹوسٹیٹ بنوا

دیں، جسے اس نے منظور کرتے ہوئے خود فوٹو بنوا کر دیئے، یونیورسٹی بک ایجنسی، پشاور سے چند کتابیں خریدیں اور چلا آیا، بھانہ ماڑی بھی گیا کہ فاروق جان بن مولانا فضل صمدانی ١٠ سے مل کر ان کی خاندانی کتابیں دیکھ سکوں لیکن معلوم ہوا کہ وہ اسلام آباد گیا ہے، وہاں سے واپس امیر شاہ قادری صاحب کے ہاں آگیا، معدہ کی خرابی کے باعث اتنی کمزوری ہوگئی ہے کہ اب چلا پھرا نہیں جا رہا، رات کھچڑی پکوا کر کھائی اور سو گیا۔

۲۶ / جولائی، آج مجھے لاہور واپس جانا ہے، اللہ تعالیٰ خیر و عافیت سے پہنچائے، آمین، صبح کے معمولات سے فارغ ہو کر میں ایک صاحب کے ہمراہ حضرت فضل احمد معصومی پشاوری ١١ کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے نکلا، مزار پر پہنچ کر سخت صدمہ ہوا کہ نئے متولی نے سارا مزار مسمار کروا کر از سرِ نو تعمیر کروایا ہے اور اس کی اصلیت اور قدامت ختم ہوگئی ہے، میں نے ان کے صاحبزادے حضرت فضل حق معصومی کا سالِ وصال لوحِ مزار پر تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن اب وہاں کوئی قدیم لوح موجود نہیں تھی، البتہ حضرت فضل احمد کی اصل لوح جو ٹوٹ چکی تھی، ایک حجرہ میں رکھی ہوئی ملی، جس کو میں نے دیکھا اور یہ وہی اصل لوح ہے، جو میں نے دس سال قبل دیکھی تھی، وہاں سے سیدھا پشاور میوزیم پہنچا تو کارمندوں نے صرف ایک مخطوطہ مکتوبات معصومیہ (ج دوم) نکالا، جس کی کوئی خصوصیت نہیں تھی، وہاں سے جلد ہی بازار کتاب فروشی میں آگیا، جھنگی محلّہ میں ایک دکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص عطاء اللہ نے مجھ سے کہا کہ میرے بھائی مولوی عنایت اللہ کا انتقال ہوگیا ہے، اس کا کتب خانہ ہم فروخت کرنا چاہتے ہیں، ان میں سے تم جس قدر کتابیں لینا چاہو خرید لو، میں اس کے ساتھ اس کے گھر واقع رشید آباد، چارسدہ روڈ تھانے کے سامنے والی آبادی میں گیا تو وہاں پورا کمرہ بھرا ہوا تھا، میں صبح ساڑھے گیارہ بجے سے لے کر دوپہر چار بجے تک کتابیں دیکھتا رہا، افسوس کہ سفر میں رقم کی کمی کی وجہ سے میں جس قدر کتابیں خریدنا چاہتا تھا خرید نہ سکا، صرف دو ہزار روپے کی کتابیں لیں، یہ تمام بارہ کتب نہایت قیمتی تھیں، جن میں ''تاویل الحکم شرح فصوص الحکم''، داؤد قیصری کی شرح فصوص کا نیا ایڈیشن دو جلدوں میں آفندی کی شرح فصوص، علامہ مبارک علی حیدر آبادی کی شرح و ترجمہ فصوص، علامہ زبیدی کی فقہ حنفی کے دفاع میں کتاب ١٢ کردری کی

''مناقب امام ابی حنیفہ'' اور بعض دوسری قدیم کتابیں بھی خریدیں، حضرت شاہ فضل احمد معصومی مذکورہ وہ بزرگ شخصیت ہیں جو صاحب مقاماتِ معصومی یعنی میر صفر احمد [۱] کے پوتے ہیں، میں نے خاص طور سے ان کے مزار مبارک پر دعا کی کہ یا اللہ تعالیٰ مجھے کتاب ''مقاماتِ معصومی'' جو عرصہ دراز سے میرے زیرِ تحقیق ہے، تکمیل کی توفیق عطا فرما (آمین) اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، دوپہر آرام کرنے کی کوشش کی لیکن ضعف کے باعث نیند نہ آئی، سات بجے مولوی سید محمد امیر شاہ قادری صاحب کے متعلق مجھ سے اُن کے صاحبزادوں نے مووی کیمرہ رکھ کر انٹرویو ریکارڈ کیا، مولوی صاحب نے اپنے سب سے چھوٹے فرزند کو گاڑی میں میرے ساتھ ٹرین خیبر میل میں سوار کرنے کے لئے بھیجا تو وہ مجھے سوار کر کے رخصت ہو گئے، یہ گاڑی صبح آٹھ بجے لاہور پہنچے گی، ان شاء اللہ۔

۱۔ حضرت فضل احمد بن شاہ ابوداؤد نیاز احمد بن میر صفر احمد صاحب مقاماتِ معصومی

حواشی

۱۔ کتاب رسل الملوک من یصلح للرسالۃ والسفارۃ مرتبہ صلاح الدین المنجد، قاہرہ، لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر ۱۹۴۷ء

2- Quraishi, Salim Al-Din: Urdu Books (Descriptive Catalogue of Works in Oriental and India Office Collections of the British Library, London, Islamabad, National Language Authority, 2000

۳۔ العباب الزاخر واللباب الفاخر تالیف ابوالفضائل الحسن بن محمد صغانی لاہوری، مرتبہ پیر محمد حسن مخدومی، اسلام آباد، المجلس الوطنی للہجرۃ ۱۹۹۴ء (چار جلدیں)

۴۔ مخزن الغرائب (تذکرہ شعرائے فارسی) مرتبہ ڈاکٹر محمد باقر، اس کی پہلی دو جلدیں پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے طبع ہوئی تھیں، پھر باقی تین مجلدات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد نے شائع کیں، اس طرح یہ تذکرہ پانچ جلدوں میں جا کر مکمل صورت میں چھپ سکا۔

۵۔ بعد میں یہ امر قدرے متحقق ہوا کہ یہ تو رسالہ ''کمالاتِ مظہریہ'' تالیف شاہ غلام علی دہلوی (ف ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء) ہے، جس کا مولف نے خود کوئی نام نہیں رکھا تھا، مولانا ابوالحسن زید فاروقی سجادہ نشین درگاہ مظہری، دہلی کے پاس اس کا ایک خطی نسخہ ہے جس کے مطالعہ کے بعد انہوں نے اس کے پہلے ورق پر یہ نام لکھ دیا ہے، اس موخر الذکر خطی نسخہ کا عکس ہم نے ارمغان امام ربانی (جلد ہشتم) میں طبع کروادیا ہے۔

۶۔ حضرت امیر شاہ قادری پشاوری (ف ۲۷ اکتوبر ۲۰۰۴ء) اپنے عہد کے صوبہ سرحد (KPK) کے

باثر شخصیت کے مالک اور کئی کتابوں کے مولف تھے، جن میں سے تذکرہ علماء ومشائخ سرحد (دو جلدیں) زیادہ مشہور ہیں، میں جب بھی پشاور جاتا انہیں کے ہاں قیام کرتا تھا۔

۷۔ نشاۃ القدس (حالات سعد الدین احمد کابلی (ف ۱۱۳۵ھ) مطبوعہ پشاور ۱۳۷۳ھ شیخ سعد الدین احمد کابلی، حضرت مجدد الف ثانی اور آپ کے خلفاء کی روحانیت اور شہرت سے حسد رکھتا تھا، اس نے حضرت کے خلاف ایک رسالہ ''معیار الکشوف'' کے نام سے لکھا تھا، یہ رسالہ ابھی تک طبع نہیں ہوا، اس رسالہ کے رد میں شیخ نظام الدین مجددی شکارپوری (ف ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۲ء) نے رد شبہات پلید نابکار کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا۔ (ارمغان امام ربانی ۶/۲۵۶)

۸۔ قاموس جغرافیہ افغانستان، حکومت افغانستان نے اپنے فضلاء کے ذریعہ یہ بیش قیمت دائرۃ المعارف مرتب کروایا تھا، جو کسی سرکاری ادارہ سے پانچ جلدوں میں شائع ہوا، پھر اس کا پشتو ترجمہ بھی طبع کروایا گیا تھا۔

۹۔ فتوح الاوراد، مولف شیخ فتح محمد بن عین الفقراء برہانپوری کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ''برہانپور کے سندھی اولیاء''

۱۰۔ مولانا فضل صمدانی بنوری (ف ۱۸ر ستمبر ۱۹۶۹ء) حضرت شیخ آدم بنوڑی کی اولاد میں سے ایک ذی علم بزرگ پشاور میں تھے، ان کا مدرسہ رفیع الاسلام بھی علمی شہرت رکھتا تھا (تذکرہ علماء ومشائخ سرحد ۱/۲۷۴۔۲۷۵) ان کے ہاں حضرت شیخ کی تالیفات میں سے کئی کتابوں کے مخطوطات ہیں، مولانا نے اپنے حین حیات اپنا کتب خانہ پشاور یونیورسٹی کو دے دیا تھا لیکن اپنی خاندانی کتب وہاں نہ دیں جو بڑی غلطی تھی، بعد میں ان کے لالچی فرزند فاروق جان بنوری نے افغان مہاجرین جو مخطوطات کے سمگلر ہیں کے ہاتھ فروخت کر دیئے، ان میں ''نتائج الحرمین'' کا ایک اچھا مخطوطہ تھا، جس کے خط کی تعریف معروف خطاط سید انور حسین نفیس رقم بھی کیا کرتے تھے، یہ نسخہ مولانا یوسف جان بنوری نے کسی طرح فاروق جان سے مستعار لیا اور نفیس رقم صاحب کو دکھایا تھا، میں جب بھی پشاور جاتا تو یہ مخطوطہ دیکھنے کے لئے فاروق جان سے ملاقات کے لئے جایا کرتا تھا لیکن وہ سید ہو کر ایسے حیلے

تراشتا تھا کہ میں ناکام ہو کر واپس آجاتا تھا، اس میں کبھی کامیابی نہ ہوئی، اصل حقیقت یہی تھی کہ وہ یہ نسخے فروخت کر چکے تھے۔

۱۱۔ حضرت شاہ فضل احمد معصومی پشاوری (ف ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۶ء) دورِ آخر کے سلسلۂ مجددیہ کے سب سے بڑے شیخ طریقت تھے، ان کے اجداد ان کے توطن سرہند شریف پر سکھوں کے قبضہ کے باعث وہاں سے ہجرت کر کے پشاور مقیم ہو گئے تھے، ان کی ایک خانقاہ (مرکز دعوت وارشاد) بخارا میں تھی، بخارا اور وسطی ایشیاء کے سلاطین، امراء اور عوام اُن کی بہت معتقد تھی، انہوں نے سنٹرل ایشیاء میں اسلام کے اثر ونفوذ کے لئے بہت کوشش کی، جس کے گہرے اثرات نمایاں ہوئے، Yale Universty، امریکہ کے ایک نوجوان فاضل ڈاکٹر ولید بن زیاد نے ان کی انہی مساعی پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا ہے:

Traversing the Indus and the Oxus-Trans-Reginal Islamic Revival in the age of Political Fragmentation (1747-1880)

جو تا حال طبع نہیں ہوا ہے، میر فضل احمد پشاوری کے جداعلیٰ میر صفر احمد معصومی کی کتاب مقاماتِ معصومی اس احقر نے مرتب کر کے چار جلدوں میں شائع کی ہے۔

۱۲۔ علامہ محمد مرتضیٰ زبیدی: عقود الجواہر المنیفہ (ادلۃ مذہب الامام ابی حنیفہ......) مرتبہ عبداللہ ہاشم یمانی مدنی، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۸۲ھ

کراچی کا ایک اور سفر

۵راگست ۲۰۰۳ء کو علمی تحقیقات کے پروگرام کے تحت کراچی کے سفر پر روانہ ہوا، کمر درد کے لئے چار پانچ گولیاں ڈاکٹر کی تجویز پر لے لی تھیں، جن سے نیند بالکل ہی ختم ہوگئی، ساری رات سو نہ سکا، بے حالی سے اٹھ کر تیار ہوا اور چھ بجے بذریعہ رکشا روانہ ہو کر سات بجے نیو ایئرپورٹ پہنچا جو لاہور شہر سے بہت ہی دور واقع ہے، ہوائی جہاز ایروایشیاء، جو صبح ساڑھے آٹھ بجے چلنا تھا ڈیڑھ گھنٹے کی تاخیر سے دس بجے روانہ ہوا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ساڑھے گیارہ بجے کراچی ایئرپورٹ پر اترا۔

کراچی ایئرپورٹ پر برادر ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب (صدر شعبۂ اُردو کراچی یونیورسٹی) مجھے لینے آئے، ان کے ہمراہ اُن کے گھر C-89، سٹاف کالونی، کراچی یونیورسٹی آیا، بس یہیں قیام رہے گا، سامان رکھا جلد ہی شعبۂ اُردو میں چلا گیا تاکہ ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب سے مل سکوں، وہ کلاس لینے کے بعد آئے اور مجھے اپنے ساتھ گھر لے گئے، جہاں میں شام سات بجے تک اُن کا کتب خانہ [1] دیکھتا رہا، چونکہ رات بھر بے خوابی رہی تھی اس لئے زیادہ کام نہ کر سکا، وہاں سے وہ مجھے خود ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب کے ہاں چھوڑ گئے۔

مغرب کی نماز کے بعد دورِ وسطی اسلامی ہند کی تاریخ کے مشہور ماہر استاد پروفیسر ڈاکٹر ریاض الاسلام صاحب [2] جو اسی کالونی میں مکان نمبر ۱ میں رہتے ہیں سے ملنا تھا، موصوف ان دنوں ریٹائر ہونے کے باوجود پروفیسر ایمرٹس ہیں اور سنٹرل اینڈ ویسٹ ایشین سٹڈیز کراچی یونیورسٹی کے سیکرٹری ہیں، بڑی معلومات کے مالک ہیں، تقریباً دو گھنٹے اُن سے مختلف موضوعات پر علمی گفتگو رہی، کسی سوال کا تشفی بخش جواب نہ دے سکے اور اپنی قوتِ حافظہ کے ضعف کا عذر کیا، رات دس بجے کے قریب واپس لوٹے تو کھانا کھایا اور سونے کے لئے لیٹ گیا، کسی وقت نیند آ گئی لیکن بہت بوجھل سی طبیعت ہے، صبح جلد ہی اُٹھ گیا اب

قدرے افاقہ ہے۔

۶ راگست، ۲۰۰۳ء، صبح کے معمولات سے فراغت کے بعد ۹ بجے ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب کے ہمراہ ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب کے ہاں گیا، وہ جا چکے تھے، ان کی بیگم صاحبہ نے اندر بلا لیا اور میں دن بھر ان کے عظیم الشان کتابخانے میں کتابیں دیکھتا رہا، ایک کمرے میں تو الماریاں صرف مخطوطات کی فہارس سے بھری پڑی ہیں جو میری دلچسپی کا خاص موضوع ہیں، اس کے بعد گوشہ کتب تاریخ کی طرف گیا تو یہاں بھی بڑی اہم کتابیں ملیں، تاریخ الٰہ آباد مولفہ مقبول احمد صمدنی، تاریخ برہانپور، تاریخ شاہ جہانپور، مخدوم زادگان فتح پور، تاریخ محمود شاہی مولف شہاب حکیم، تذکرۃ الشعراء مولف قاقشال، فصول مسعودی (تذکرہ رجال اہل قلندریہ) نفحات النسیم، سیر العلماء ۳ (تذکرہ علمائے سیتاپور) وغیرہ فوٹوسٹیٹ بنوانے کے لئے منتخب کیں، بعض کتب سے ابواب وفصول کا عکس بنوانا تھا، یہ سارا کام ڈاکٹر عقیل صاحب نے اپنے ملازم کے ذریعہ کروانے کا فیصلہ کیا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد عقیل صاحب کے ہاں تھوڑی دیر آرام کیا، اٹھ کر پھر کتابوں میں ایسا کھویا کہ رات کے آٹھ بج گئے، اتنے میں ڈاکٹر عقیل بھی آگئے، رات کا کھانا بھی انہی کے ساتھ کھایا، وہ مجھے ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب کے ہاں چھوڑ گئے، دن بھر کے سخت کام کے بعد تھکن کا یہ عالم تھا کہ بالکل کسی سے بات کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا تھا، کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو کے ایک استاد، جو فراسو ۴ پر پی ایچ ڈی کر رہے ہیں مجھ سے تبادلہ خیال کے لئے آئے، میرا تو پہلے ہی برا حال تھا، ان کے ساتھ بات چیت کے بعد مزید بے حال ہوا، لیکن اللہ کے فضل سے رات کسی وقت نیند آ گئی۔

۷ راگست، فجر کے معمولات سے فراغت کے بعد ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب کے ہمراہ کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو میں گیا، وہاں ساڑھے دس بجے تک بیٹھا رہا، لیکن ڈاکٹر عقیل صاحب نہ آئے، آخر ڈاکٹر ظفر صاحب کے ساتھ نیشنل میوزیم چلا گیا، مخطوطات کے نگران وفہرست ساز مسٹر محمد شاہ بخاری موجود تھے، خندہ پیشانی سے ملے، وہ ظفر صاحب کے دوست ہیں، تعاون کیا اور مطلوبہ مخطوطات نکلوا کر دکھائے، البتہ کتاب رضوانی (درحالات خواجہ خاوند محمود لاہوری) ۵ نہ مل سکی، وجہ یہ ہوئی کہ ڈیوڈ ڈیمرل ۶ نے

اس کا جو نمبر دیا تھا وہ صحیح نہیں تھا تاہم انہوں نے کل تک تلاش کر کے دکھانے کا وعدہ کیا، میں ڈاکٹر ظفر صاحب کے ہمراہ مختلف کتب فروشوں کے ہاں گیا لیکن کوئی اہم کتاب نہ مل سکی، صرف دو پرانی کتابیں یعنی ''کشف الاستار مکسر مفتاح الاسرار'' مولف سید محمد (شیعی) ملی، یہ کتاب فارسی میں ہے، پادری فنڈر کے اسلام پر شکوک و شبہات مسمی بہ مفتاح الاسرار کے جواب میں لکھی ہے جو ۱۸۵۷ء سے پہلے طبع ہوئی تھی، دوسری کتاب ''تذکرہ نیسان فی اخبار ملوک سوڈان'' بھی ملی، جو پیرس سے ۱۹۶۶ء کو چھپی تھی، تیسری کتاب محبوب رضوی کی ''تاریخ دیوبند'' ہے جو میر محمد نے عکسی صورت میں طبع کروائی ہے، اس کی بھی دونوں جلدیں خرید لیں، اُردو بازار سے تو کچھ بھی نہیں ملا، وہاں نئی اور چمکتی ہوئی کتابیں دیکھیں جن میں ناول و افسانے زیادہ تھے، میں ڈاکٹر ظفر صاحب کے ساتھ اُن کے گھر آ گیا، کل سے اسہال ہو رہے ہیں جن کے باعث ضعفِ بدن بڑھ رہا ہے، رات ساڑھے نو بجے انہوں نے دوائی دی، رات ہلکی سی نیند آئی لیکن صبح پھر اسہال کا سلسلہ شروع ہو گیا، اللہ تعالیٰ جلد صحت بخشے، آمین۔

۸ر اگست، معمولات کے بعد ڈاکٹر ظفر صاحب کے ہمراہ ان کے ہسپتال اقبال میڈیکل سنٹر تک گیا، ان کی بیگم ہسپتال کی انچارج ہیں، وہاں سے انہوں نے مجھے ایک بس میں بٹھا دیا جو تقریباً ایک گھنٹہ میں نیشنل میوزیم پہنچی، وہاں دوپہر بارہ بجے تک کام کیا، وہاں سے اُٹھ کر بذریعہ رکشا ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب سے ملنے کے لئے سوسائٹی چلا گیا بڑی خوشی سے ملے لیکن سوالات کی جو فہرست بنا رکھی ہے اس میں سے کسی بھی سوال کا جواب ان سے نہ مل سکا، جمعہ کی نماز ان کے ساتھ ہی پڑھی پھر واپس ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب کے ہاں پہنچا، ساڑھے چار بج چکے تھے، بستر سیدھا کیا اور لیٹ گیا، تھوڑی سی نیند آ گئی، اس دوران پانی جیسے پتلے اسہال کا سلسلہ شروع ہوا جس سے جسم بہت نڈھال ہو گیا، میں عقیل صاحب کی گاڑی میں ظفر اقبال صاحب کے ہسپتال پہنچا تو انہوں نے دو ڈرپیں لگائیں جو رات گیارہ بجے تک لگی رہیں جس سے طبیعت میں قدرے قوت پیدا ہوئی تو ان کے ساتھ ان کے گھر آیا، کھانا کھانے کے بعد سو گیا، لیکن تعجب ہے کہ اسہال میں ابھی تک زیادہ افاقہ نہیں ہوا، صبح پھر یہی کیفیت تھی۔

۹ر اگست، معمولات سے فراغت کے بعد ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب کے ساتھ نکلا شعبۂ اُردو میں

ایک گھنٹہ بیٹھے رہے کراچی یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری میں تاریخ امروہہ دیکھنے گئے لیکن نہ مل سکی، وہاں سے سیدھے نیشنل میوزیم آئے، میں اور ظفر اقبال صاحب دو پہر تین بجے تک میوزیم میں محفوظ مخطوطات دیکھتے رہے، افسوس کہ تمام مخطوطات کو دیمک لگ چکی ہے اور ہر مخطوطہ میں زندہ کیڑے موجود ہیں، جن میں مصنفین کے ہاتھ کے لکھے ہوئے خطی نسخے بھی ہیں، ان میں ذخیرۂ خلیل الرحمٰن داؤدی کا ظواہر [۸] بھی ہے، جس پر اس کے مصنف میاں محمد عمر چمکنی کا اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا نوٹ بھی ہے، [۹] جسے میں لاہور میں ہی استفادہ کر چکا ہوں اور اس کی مکمل فوٹو کاپی بھی حاصل کر لی ہے، اسی طرح دوسرے قلمی نسخے بھی قابل توجہ ہیں لیکن افسوس کہ اتنی بیش قرار تنخواہیں لینے والے افسر تن آسان فارغ بیٹھے ہوئے ہیں اور اس علمی ذخیرہ کو تباہی و بربادی سے بچانے کا کوئی سامان نہیں کرتے، میوزیم سے اُٹھ کر انڈس بکس پر گئے، وہاں سے تین انگریزی کتب (۱) نصیر الدین حیدر (۲) مغل ڈاکومینٹس Mughal Documents اور (۳) ہیرز، ہنٹنگ اینڈ بکس (تینوں کتب مطبوعہ ہندوستان) نو سو روپے میں خریدیں اور واپس ظفر صاحب کے گھر آ گیا، یہاں آرام کرنے کا پروگرام ہے، کل ڈاکٹر ظفر اقبال کے یہاں سے ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب کے ہمراہ پرانی کتب دیکھنے کے لئے کباڑیوں کے پاس جانا ہے اور پھر وہاں سے جناب مشفق خواجہ، جناب مولانا محمود احمد برکاتی اور ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری سے ملنے کے لئے جانا ہے۔

آج اسہال کو خاصا آرام ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہوں۔

۱۰؍ اگست، ناشتہ کے بعد ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب اپنی گاڑی میں مجھے ڈاکٹر عقیل صاحب کے ہاں چھوڑ آئے، میں اُن کے ساتھ پہلے تو صدر بازار میں کتابوں کے کباڑیوں کے پاس گیا، کئی کتب دیکھیں اور خریدیں لیکن ان میں کوئی اہم کتاب نہیں تھی، وہاں سے دوسرے بازار گیا تو وہاں سے بڑی نادر مطبوعات مل گئیں، جن میں ''تاریخ مدرسہ عالیہ کلکتہ'' سب سے اہم اور نایاب کتاب [۱۰] ہے، اس کے علاوہ ظہیر الدین فاروقی کی انگریزی کتاب ''اورنگ زیب اور اس کا عہد'' کا اصل ایڈیشن، [۱۱] ''ہسٹری آف فریڈم موومنٹ'' (کراچی) کی جلد اول اور ''اندلس کا تاریخی جغرافیہ'' از عنایت اللہ قابل ذکر ہیں۔

یہاں سے ہم تقریباً دو بجے جناب مشفق خواجہ کے ہاں پہنچے وہاں تو ادیبوں اور شاعروں کا مجمع عام لگا

ہوا تھا البتہ انہوں نے وعدہ کیا کہ تم کل آؤ تو تمہیں میں کتابخانہ دکھاؤں گا، ان سے رخصت ہو کر ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری کے ہاں گئے، ہمارے ساتھ ایک صالح جوان ڈاکٹر عبدالرؤف بار یکھ میمن بھی تھے، جو اب اُردو ڈکشنری بورڈ میں سیکرٹری ہیں، وہاں دوپہر کھانے کی دعوت تھی، کھانے کے بعد ڈاکٹر ابوسلمان صاحب کا کتب خانہ دیکھا اور مولانا محمود احمد برکاتی کے ہاں آگئے، یہاں سے علمی سوالات کے جواب ملنے کی توقع تھی، جن کی فہرست مہمات سفر کراچی کے عنوان سے لکھ رکھی ہے، لیکن انہوں نے بڑھاپے اور پیرانہ سالی کا عذر کیا اور کسی بھی سوال کا جواب نہ دے سکے، وہاں سے ڈاکٹر محمد ایوب قادری مرحوم کے ہاں گئے، اُن کے فرزند سعید حسن قادری اُردو کالج (حالیہ اُردو یونیورسٹی)، کراچی میں لیکچرر ہیں، وہاں سے چند کتب کی فوٹوسٹیٹ بنوانا تھی لیکن کوئی بھی کتاب ہم دست نہ ہو سکی، وجہ بے ترتیبی اور دیمک کا حملہ ہے، ناچار وہاں سے چل پڑے اور ڈاکٹر عقیل صاحب مجھے ڈاکٹر ظفر صاحب کے ہاں چھوڑ گئے، میں بھی دن بھر کا تھکا ہوا تھا، آرام کرنے کو ہی ترجیح دی۔

۱۱راگست، ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب مجھے انجمن ترقی اُردو میں چھوڑ گئے، میرے ساتھ ان کی گاڑی اور ڈرائیور بھی رہا، وہاں سے گیارہ بجے اٹھا کیوں کہ آج میرا کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو میں ”اُردو ادب کے مطالعہ اور تحقیق کے لئے تاریخی مواد کی ضرورت واہمیت“ کے موضوع پر لیکچر رتھا، میرا یہ لیکچر تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہا، سامعین میں شعبہ کے اساتذہ اور طلبہ شامل تھے، طلبہ تو اپنی ذہنی سطح بہت ہی پست کر چکے ہیں، میں نے وہاں مجلہ اُردو مخطوطات جاری کرنے کی تجویز پیش کی، فارسی کی فہرست مشترک مرتبہ احمد منزوی کی طرح اُردو میں فہرست مشترک مخطوطات پاکستان مرتب کرنے کا بھی سامعین کو مشورہ دیا، بہت سے امور و نکات پر یہ تقریر ساڑھے بارہ بجے ختم ہوئی تو ہم فوراً ڈاکٹر عقیل صاحب کے کمرے میں پہنچے، انہوں نے انجمن ترقی اُردو کے دفتر میں فون کر کے نسیم صاحب سے کہا کہ وہ اقبال مجددی کی مطلوبہ کتب کی فوٹوسٹیٹ بنوالائیں، کافی حیل و حجت کے بعد انہوں نے ہاں کی، اُن میں ”گلدستۂ صلحائے سورت“ اور ”تاریخ یادگار“ مولف مکھن لال کے اول و آخر کے صفحات کی فوٹوسٹیٹ بنوانے تھے، اُردو ڈیپارٹمنٹ سے اُٹھ کر میں ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب کے ہمراہ پہلے انجمن کے دفتر گیا، پھر وہاں سے اُردو

ڈکشنری بورڈ چلا گیا، ڈاکٹر فرمان فتح پوری چیئر مین جا چکے تھے، تاہم ڈاکٹر عبدالرؤف باریکھ ملے اور ڈکشنری نصف قیمت پر تین ہزار دو سو روپے تقریباً پر خریدی اور انہیں سے لاہور بھیجنے کے لئے کہہ دیا، وہاں سے سیدھے مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب [۱۲] خطیب جامع مسجد گول مارکیٹ سے ملنے کے لئے گئے، موصوف بہت ہی احترام سے ملے، ذی علم بزرگ ہیں، ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ "اسلامی کتب خانے" بہت اعلیٰ درجہ کا تحقیقی کام ہے، جو لاہور سے طبع ہو چکا ہے، ان سے درخواست کی کہ اپنی فوٹو کاپی "مقالات طریقت" [۱۳] سے میرے لئے ایک کاپی بنوادیں، چنانچہ انہوں نے اس کا وعدہ کرلیا کہ کل مدرسہ جامع نیوٹاؤن (بنوری ٹاؤن) سے آکر لے جائیں، ان سے دیر تک علمی باتیں ہوتی رہیں، دوپہر کا کھانا انہی کے ہاں کھایا، رخصت لی اور محترمہ پاشاہ بیگم [۱۴] بنت مولانا احمد حسین خان امروہوی سے ملاقات کے لئے ناظم آباد کی ہادی مارکیٹ میں گئے، محترمہ مل کر بہت ہی خوش ہوئیں، کچھ تعریفی جملوں کا تبادلہ ہوا ان کو "مقاماتِ مظہری" کا دوسرا ایڈیشن پیش کیا اور اجازت لے کر چل دیا، مجھے وہاں سے مشفق خواجہ صاحب کا کتب خانہ دیکھنے کے لئے جانا تھا اور ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب نے اپنے اہل خانہ کے ہاں کسی تقریب میں شرکت کے لئے میں شام چھ بجے تک خواجہ صاحب کے ہاں کتابیں دیکھتا رہا لیکن کوئی مفید اور مطلوبہ کتاب ان کے ہاں دستیاب نہ ہوسکی، وہاں سے ڈاکٹر عقیل صاحب کے گھر پہنچا اور انہوں نے میرے لئے جو فوٹو کاپیاں بنوائی تھیں وہ چیک کیں اور پھر اجازت لے کر ساڑھے نو بجے رات ڈاکٹر ظفر صاحب کے ہاں آگیا، دن بھر وقفے وقفے سے پیپسی فلوراپیتا رہا جس سے نیند آگئی۔

۱۲/اگست، آج لاہور واپس جانا ہے، رات آٹھ بجے جہاز روانہ ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے محفوظ و مامون پہنچادے، آمین، دوسرا کام انجمن کے کتب خانہ سے استفادہ کرنا ہے، اور اگر وقت میسر آیا تو جناب مشفق خواجہ کے کتب خانہ میں پھر سے جانا ہے۔

صبح ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب کے ہمراہ انجمن ترقی اُردو کے کتب خانہ پہنچا، یہاں دوپہر دو بجے تک علمی تحقیقات کے کام میں مصروف رہا، یہاں فارسی اور اُردو کی نایاب مطبوعات محفوظ ہیں، عملہ زیادہ تعاون نہیں کرتا اس کے باوجود کتابیں دیکھتا رہا، جن نادر کتب کی فوٹوسٹیٹ بنوائیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) تاریخ امروہہ جلد دوم (تذکرہ رجال امروہہ)

(۲) گلدستہ صلحائے سورت

(۳) تکملہ سیر الاولیاء از گل محمد (فارسی)

(۴) تاریخ یادگار مکھن لال (در تاریخ حیدر آباد، دکن) اول و آخر کے صفحات

(۵) مراۃ الحقائق (حالات حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی) از برکت علی

(۶) آسودگان ڈھاکہ مولفہ حبیب الرحمٰن

یہاں سے فارغ ہو کر غالب لائبریری جانے کے لئے اُٹھا تو معلوم ہوا کہ یہ لائبریری تو ساڑھے چار بجے شام کھلتی ہے، اب کہیں جانے کا وقت نہیں تھا، ناچار واپس ڈاکٹر ظفر صاحب کے گھر آ گیا، انہوں نے بتایا کہ مولانا عبد الحلیم چشتی صاحب نے حسب وعدہ ''مقالاتِ طریقت'' کی فوٹو کاپی بنوا کر دے دی ہے، بہت خوشی ہوئی اسے دیکھ کر کہ یہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے حالات پر معاصر کتاب ہے۔

دوپہر کا کھانا کھا کر دو گھنٹے آرام کیا، پھر شام چھ بجے ڈاکٹر ظفر صاحب مجھے اپنی گاڑی میں ایئر پورٹ تک چھوڑنے آئے، اب جہاز ان شاء اللہ آٹھ بجے شب چلے گا، اللہ تعالیٰ خیر و عافیت سے لاہور پہنچائے، آمین۔

جہاز وقت مقررہ پر روانہ ہوا اور ڈیڑھ گھنٹے کی پرواز کے بعد بفضل الٰہی، لاہور ایئر پورٹ پر اترا، جس کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور شکر گذار ہوں۔

حواشی

ا۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل، سابق صدر شعبۂ اُردو، کراچی یونیورسٹی، کراچی، ایک بڑے کتب خانہ کے مالک ہیں، اپنے قیامِ جاپان کے دوران ساری دنیا کا علمی سفر کیا اور علومِ مشرقیہ کے ہر شعبہ میں گئے، وہاں سے صرف کتابیں ہی حاصل کیں، اس اعتبار سے ان کا ذخیرۂ کتب دنیا کے عجائبات میں سے ہے، میں کئی دن تک مسلسل یہ کتابخانہ دیکھتا رہا، اپنی بعض مطلوبہ کتب فوٹو کاپی بنوانے کے لئے نکالیں تو ڈاکٹر صاحب نے خود بازار لے جا کر ان کی کاپیاں بنوائیں، اب اُن کا یہ کتب خانہ کیوٹو یونیورسٹی، جاپان میں ہے، جس کا یونیورسٹی نے اُن کو بڑا معاوضہ دیا ہے اور اُن کا ذخیرہ اُن کے نام پر الگ ہال میں رکھا گیا ہے، حکومتِ جاپان نے انہیں اپنے ملک کا سب سے بڑا سول ایوارڈ بھی دیا ہے۔

۲۔ ڈاکٹر ریاض الاسلام (رک سابقہ سفرِ کراچی پر حواشی)

۳۔ یہ تمام فوٹوسٹیٹ کاپیاں اب میرے ذخیرہ میں محفوظ ہیں۔

۴۔ فراسو پر معارف، اعظم گڑھ میں ایک مقالہ شائع ہوا تھا۔

۵۔ کتاب رضوانی (درحالات خواجہ خاوند محمود لاہوری ملقب بہ حضرت ایشاں ف ۱۰۵۰ھ/ ۱۶۴۱ء) مولفہ خواجہ معین الدین کشمیری (ف ۱۰۸۵ھ/ ۱۶۷۴ء) یہ بہت ہی نادر کتاب ہے، میرے ذخیرہ میں اس کے ایک نامکمل نسخے کی فوٹو کاپی موجود ہے۔(R.199)

۶/۷۔ ڈیوڈ ڈیمرل (Demrel, David, William) نے ۱۹۹۱ء کو ڈیوک یونیورسٹی سے خواجہ خاوند محمود لاہوری مذکور پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی تھی، ان کے مقالہ کا عنوان ہے:

Forgotten Grace, Kh. Khawand Mahmud Naqshbandi in Central Asia and Mughal India

اس مقالہ کی طباعت کا ہمیں تا حال علم نہیں ہے، ہم نے ٹرکش انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، استنبول کی

لائبریری میں اس مقالہ کی نقل دیکھی ہے، اس کی کتابیات میں مقالہ نگار نے کتاب رضوانی کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا، البتہ جب میں اوسی آئی کے لئے علماء وصوفیہ پر مواد جمع کر رہا تھا میں نے خواجہ خاوند محمود پر کچھ مواد وہاں بھیجا، یہ وہاں اس منصوبہ کے لئے بلائے گئے تھے، انہوں نے میرے مرسلہ مواد پر نقد کرتے ہوئے لکھا تھا کہ کتاب رضوانی کا قلمی نسخہ نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی میں ہے، جو بعد میں ثابت ہوا کہ یہ محض غلط ہے، اصل میں وہ ''مقاماتِ محمودیہ'' سے تو واقف ہیں لیکن کتاب رضوانی کا ان کے مقالہ میں کہیں ذکر ہی نہیں آیا۔

۸/ ۹۔ ظواہر (درحالات شیخ سعدی لاہوری ف ۱۱۰۸ھ) مولفہ میاں محمد عمر چمکنی کا یہ نسخہ خاص اہمیت رکھتا ہے کہ مولف نے اس کی تصحیح کر کے اس کے خاتمہ پر ایک نوٹ بھی لکھا ہے، جس کا عکس میرے مقالات کے مجموعہ تذکرہ علماء ومشائخ پاکستان وہند کی دوسری جلد کے آخر میں شامل ہے۔

۱۰۔ تاریخ مدرسہ عالیہ، ڈھاکہ (۱۷۸۱۔۱۹۵۹ء) مطبوعہ ڈھاکہ ۱۹۵۹ء، ایک بہت ہی کمیاب کتاب ہے، جس کی مجھے مدت سے تلاش تھی۔

۱۱۔ اورنگ زیب اینڈ ہس ٹائمز، مولفہ ظہیر الدین فاروقی، دراصل جادوناتھ سرکاری کی اورنگ زیب پر کتاب کے جواب میں لکھی گئی ہے، جو اس کے مولف نے ایک پاکستانی مورخ تفضل داؤد کو اپنے دستخط کر کے دی تھی، یہ اصل میں انہی کے کتب خانہ کے آثار باقیہ معلوم ہوتے ہیں۔

۱۲۔ مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی، ایک ذی علم بزرگ ہیں، کراچی یونیورسٹی میں لائبریرین ہوتے تھے، ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ''اسلامی کتب خانے'' ایک خاصے کی کتاب ہے، عربی کے بہت سے نادر ماخذ سے انہوں نے یہ مواد مرتب کیا ہے، ان کی کتاب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا رسالہ ''عجالۂ نافعہ'' کی شرح بہت مشہور ہے، بہت ملنسار انسان ہیں، اپنی جوانی کے زمانہ میں لاہور آتے تو مولوی شمس الدین مرحوم کی دکان پر ضرور تشریف لاتے تھے، میں ان دنوں کم سن اور ہائی سکول کا ایک طالب علم تھا، ان کی باتیں پوری طرح سمجھ نہیں سکتا تھا پھر وہ ہر سال لاہور آ کر مشہور خطاط سید انور حسین نفیس رقم کے ہاں قیام کرتے تھے اور میں برابر ان سے ملاقات کے لئے ان کے ہاں جایا کرتا تھا، ایک عرصہ تک جامعہ

اسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی میں شیخ الحدیث رہے تھے اور اب تک جبکہ ان کی عمر اسی سال سے متجاوز ہے، تدریس سے وابستہ ہیں۔

۱۳۔ مقالاتِ طریقت (حالات شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) مولفہ عبدالرحیم ضیاء ایک مطبوعہ لیکن بہت ہی کمیات کتاب ہے، حیدرآباد، دکن سے ۱۲۹۱ھ کو ایک ہی بار طبع ہوئی تھی، (رسالہ) معارف، اعظم گڑھ ستمبر ۱۹۶۵ء میں اس پر ایک تعارفی مقالہ چھپا تھا، اس وقت سے اس کی تلاش میں تھا، آخر گذشتہ سال اس پر ایک مقدمہ اور مختصر تعلیقات لکھ کر پروگریسو بکس، لاہور سے طبع کروادی تھی۔

۱۴۔ پاشاہ بیگم، عالمہ و عارفہ خاتون تھیں، ان کے والد بزرگوار مولانا احمد حسین خان امروہوی ایک ذی علم بزرگ اور سلسلۂ نقشبندیہ کے شیخ طریقت تھے، حیدرآباد (دکن) میں بھی رہے، وہاں کے نواب ان کے مربی تھے، ان کے فتاویٰ کا مجموعہ فتاویٰ محبوبیہ کے نام سے چھپا ہوا موجود ہے اور بھی کئی کتابوں کے مولف تھے۔

پھر اسلام آباد و پشاور میں

آج ۳ راگست ۲۰۰۵ء بروز بدھ فجر کے معمولات سے فارغ ہو کر چھ بجے گھر سے نکلا اور بذریعہ نان سٹاپ ٹرین، اسلام آباد کے سفر پر روانہ ہوا، گاڑی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ساڑھے تین گھنٹے میں راولپنڈی کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئی، آتے ہی پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنی صاحب کو فون کیا، انہوں نے بڑی شفقت فرماتے ہوئے اپنے ایک مرید کو گاڑی دے کر بھیجا وہ مجھے اپنے ہاں لے آئے، بہت ہی محبت و خلوص سے ملے، میری اُن سے یہ پہلی ملاقات ہے، موصوف بڑے ذی علم بزرگ ہیں، گورنمنٹ کالج، کہوٹہ میں انگریزی زبان وادب کے استاد ہیں، اقبال پر پہلا پی ایچ ڈی کیا اور پھر حال ہی میں نقشبندی مشائخ کے Inheling سسٹم پر کولمبیا یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ایک اور سند لی ہے، نقشبندی طریقہ پر بیعت واجازت رکھتے ہیں، راولپنڈی، اسلام آباد کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ ان کا حلقہ بگوش ہے، ان دنوں ایک بڑے مرکز کی تعمیر کروا رہے ہیں، سخت مصروفیت کے باوجود تمام تر توجہ میری طرف مبذول کئے رکھی، مرکز ہی میں ان کی ایک اچھی لائبریری ہے۔

شام پانچ بجے ڈاکٹر احمد خان صاحب [۱] (سابق لائبریرین ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد) سے ملاقات کے لئے ڈاکٹر عبدالغنی صاحب کے ایک مرید اسد صاحب کے ساتھ شہزاد ٹاؤن گیا، وہ اپنی گاڑی میں مجھے وہاں تک لے گئے، چھ سے سات بجے تک ان کے ساتھ نشست رہی، میرے کسی علمی سوال کا مثبت جواب نہیں مل سکا، انہوں نے اپنی دو عربی مطبوعہ فہارس مجھے دیں، اول ''فہرس مطبوعات عربی [۲] فی شبہ قارہ'' اور دوسری ''فہرس مخطوطات عربی فی باکستان'' [۳] یہ دونوں کتب اپنے موضوع کے اعتبار سے خاصی اہم ہیں لیکن ان میں اتنا مواد نہیں جتنا کہ درکار ہے، بہر حال یہ تو ایسا موضوع ہے کہ اس پر پوری ٹیم مل کر کام کرے پھر بھی خلا رہ جائیں، دوپہر نیند نہ آسکی، رات بھی اسی طرح گذری تھی، اب شدید تھکن سے

بے حال ہو رہا تھا کہ وہی مہربان یعنی اسد صاحب مجھے اپنے گھر لے آئے، یہ دوست انگریزی میں ایم اے ہیں اور کینٹ ڈویژن میں اٹھارہویں گریڈ کے آفیسر ہیں، اپنے گھر بڑے آرام سے رکھا، رات نیند آئی، صبح ان کے ساتھ مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان کے کتب خانے سے استفادہ کے لئے جانا ہے۔

۴راگست، صبح کے معمولات سے فراغت کے بعد اسد صاحب اپنی گاڑی میں بٹھا کر مجھے ٹیکسی سٹینڈ پر لے گئے، جہاں سے میں بذریعہ ٹیکسی مرکز تحقیقاتِ فارسی پہنچا، ایک سوستر روپے کرایہ لیا، مرکز میں ساڑھے چار بجے تک کام کیا، مخطوطات کے رجسٹر دیکھے اور اُن میں سے مطلوبہ نمبر نوٹ کر لئے، ایک اہم مخطوطہ ''عوارف المعارف'' بخط حضرت خواجہ محمد صادق ؒ بن امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہما کے چند اوراق کا عکس پہلے سے موجود تھا ۵ چاہتا تھا کہ پوری کتاب کی فوٹو سٹیٹ مل جائے لیکن دن بھر کی سخت جستجو کے باوجود مذکورہ مخطوطہ نہ مل سکا۔ ۶

پانچ بجے ڈاکٹر اختر راہی (سفیر اختر صاحب) سے ملاقات کے لئے ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد گیا بڑے ہی تپاک سے ملے، دیر تک علمی باتیں ہوتی رہیں، انہوں نے ڈاکٹر ندیم شفیق ملک صاحب کو فون پر میرے آنے کی اطلاع دی اور کل ملاقات کا پروگرام طے ہوگیا، مرکزِ تحقیقات فارسی نے اپنی مطبوعات میں سے میری مطلوبہ کتب مجھے تحفۃً دیں اور فیصلہ یہ کیا کہ بروز ہفتہ یہیں سے بذریعہ ڈاک، لاہور روانہ کر دوں گا، رات بذریعہ بس، اسلام آباد سے عبدالغنی صاحب کے ہاں ڈیڑھ گھنٹے میں پہنچا۔

۵راگست، شدید تھکن کے باعث رات پوری طرح نیند نہ آئی، رات کے آخری پہر میں قدرے غلبہ ہوا تو سویا رہا، صبح کے معمولات سے جلد ہی فراغت حاصل کر لی، پھر بھی ناشتہ کرتے اور اِدھر اُدھر کی باتوں میں یہیں ۹ بج گئے، دس بجے کے قریب ادارہ تحقیقاتِ اسلامی پہنچا، سیل ڈپو سے کچھ کتابیں منتخب کیں تو معلوم ہوا کہ وہ ڈاکٹر سفیر اختر صاحب کے نام پر خریدنے پر تیس فیصد سے زیادہ رعایت نہیں کریں گے جبکہ یہی کتب لاہور میں چالیس فیصد تک مل جاتی ہیں، اس لئے صرف ''فکر و نظر'' کے رسالے خریدے اور اپنا لاہور کا پتہ دے دیا کہ وہاں بھیج دیں، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کی لائبریری میں گیا، پون گھنٹہ تک لائبریری کھلی رہی، آج جمعہ ہے تمام دفاتر دوپہر بارہ بجے بند ہو گئے، میں ڈاکٹر سفیر اختر صاحب کے ہمراہ

I.P.Rs کی لائبریری، گیا، یہاں سے پاکستانی کتب پر تبصروں کے لئے ایک رسالہ نقطۂ نظر نکلتا ہے، اس کا آخری شمارہ مجھے دیا گیا، وہاں سے ہم لوگ ایک ہوٹل کابل پہنچے یہاں ڈاکٹر سفیر اختر صاحب نے مجھے اور ڈاکٹر ندیم شفیق ملک صاحب کو کھانا کھلایا، کھانا بہت عمدہ تھا، تین بجے ڈاکٹر ندیم ملک صاحب کی کار میں مولوی محمد مشتاق 9-1/1 اسلام آباد کے پاس مسجد غوثیہ گئے، یہ صاحب مسجد میں کتابوں کا کاروبار کرتے ہیں، یہاں سے تقریباً تین ہزار روپے کی کتابیں خریدیں، جن میں Laine کی عربی انگریزی ڈکشنری (مطبوعہ سہیل اکادمی، لاہور) بھی خریدی، ان کا ڈرائیور مجھے ڈاکٹر عبدالغنی صاحب کے گھر چھوڑ گیا، شدید تھکن سے براحال ہو رہا تھا، ہومیو پیتھک کی کئی دوائیاں لیں پھر جا کر قدرے افاقہ ہوا، رات سونے سے پہلے اپنا سامان اور کتب پیک کرنا ہیں تا کہ صبح جلد روانہ ہو کر مرکز تحقیقات فارسی، نیشنل لائبریری، نیشنل آرکائیوز وغیرہ جاسکوں، خدا کرے جلد نیند آجائے، آمین۔

۶ راگست، صبح کے معمولات سے فراغت کے بعد آٹھ بجے ڈاکٹر عبدالغنی صاحب سے اجازت لی اور بذریعہ ٹیکسی اپنا سارا سامان اٹھا کر مرکزِ تحقیقاتِ فارسی کے لئے چل پڑا، مرکز پہنچ کر تمام کتابیں بندھوائیں اور ڈائیو کارگو کے ذریعہ تین پیکٹ (وزن ۳۴ کلو) لاہور کے لئے روانہ کیں، جن پر ۳۲۰ روپے خرچ ہوا، ساڑھے بارہ بجے تک مطالعہ کرتا رہا، پھر نیشنل لائبریری گیا، وہاں پہنچا تو پتہ چلا کہ مخطوطات کا انچارج ریاض آج چھٹی پر ہے، اس طرح اپنا بہت سا وقت برباد کر کے واپس مرکز تحقیقات فارسی آگیا، دو مخطوطات نکلوائے، آدھا گھنٹہ مطالعہ کیا اور پھر سامان سمیٹ کر بذریعہ ٹیکسی ریلوے اسٹیشن کے لئے نکلا، اب مجھے پشاور جانا ہے، اسٹیشن پر جا کر معلوم ہوا کہ ٹرین عوامی ایکسپریس ساڑھے بارہ بجے آئے گی، وہ وقت پر آئی اور میں بذریعہ مذکورہ ٹرین رات آٹھ بجے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پشاور پہنچ گیا، میرا قیام حسب سابق حضرت مولوی محمد امیر شاہ قادری مرحوم کے آستانہ پر ہوا، صاحبزادگان مل کر بہت ہی خوش ہوئے، مولوی صاحب کی وفات پر تعزیت کی، رات دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں، پھر سونے کی کوشش میں شب بارہ بجے کے بعد سویا، سفر کی تھکان نے نڈھال کر دیا تھا، بہر حال ہلکی سی نیند آگئی۔

۷ راگست، آج اتوار ہے لیکن کتابفروشی کے بازار کھلے ہوئے ہیں، میں مولانا امیر شاہ قادری مرحوم

کے ایک مرید (مدیر معاون رسالہ الحسن) کو ساتھ لے کر پہلے تو عطاء اللہ برادر مولوی عنایت اللہ مرحوم کے پاس گیا کہ اس سے باقی ماندہ کتابیں دیکھ سکوں لیکن اس نے بتایا کہ سب کتابیں فروخت ہو چکی ہیں، وہاں سے ہم سیدھے علاقہ بورڈ کی طرف روانہ ہوئے، یہاں افغان مہاجروں کی دکانیں ہیں، لیکن پناہ خدا کی، اتنی مہنگی کتب کہ خریدنا ناممکن، بصد مشکل ''تاریخ احمد شاہی'' دو جلد طبع ماسکو اور ''تاریخ سیستان'' مرتبہ ملک الشعراء بہار بارہ سو روپے میں اس نے دیں، اس کی دوسری دکان پر گیا تو وہاں تاریخ سیستان جلد دوم مولفہ اعظم سیستانی دیکھی، تین سو روپے طلب کئے ناچار چھوڑ دی، ایک اور اہم کتاب احمد شارہ درانی مولفہ عزیزالدین وکیلی فوفلزئی جلد اول کی قیمت پوچھی تو پندرہ سو روپے بتائی، وہ بھی چھوڑ دی، اس طرح مذکورہ کتب لے کر جھنگی محلہ چلا آیا، شدید تھکن کے باعث بہت برا حال ہو رہا تھا، واپس مولوی سید امیر شاہ قادری صاحب کے ہاں آیا، دوپہر کھانے کے بعد قدرے نیند آ گئی، چھ بجے پھر نکلا، جھنگی محلہ پہنچا تو دیکھا کہ کتابفروش سربلند خان دکان بند کر کے جا رہا ہے، مجھے دیکھ کر دکان کھول دی، یہاں سے تین ہزار روپے کی کتابیں خریدیں، جن میں ''قانون مسعودی'' از ابوریحان البیرونی اور ''التحبیر فی معجم الکبیر'' السمعانی کے قابل ذکر ہیں، دکانیں تمام بند ہو چکی تھیں اس لئے ناچار میں بھی واپس چلا آیا، آتے ہوئے بچوں کو لاہور فون کیا تو معلوم ہوا کہ وہ تو فیصل آباد اپنی خالہ کے ساتھ چلے گئے ہیں، پھر وہاں فون کیا تو خیریت معلوم ہوئی، میرا معدہ شدید خراب ہے کئی روز سے قبض کی شکایت ہے، رات بخار ہو گیا، بڑی بے چینی ہوئی، خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔

۸راگست، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بخار میں قدرے کمی تھی، صبح کا ناشتہ کیا اور شیر آغا صاحب نے فردوس سینما کے قریب بذریعہ رکشا جانے کے لئے کہا کہ وہاں سے پشاور یونیورسٹی جانے کے لئے ویگن مل جائے گی، وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ سخت ہجوم ہے، بصد مشکل ایک ویگن میں جگہ ملی اور میں آدھا گھنٹے کے بعد یونیورسٹی پہنچا شعبۂ اُردو کے صدر ڈاکٹر شہاب سے ملا بڑی مایوسی ہوئی، موصوف علمی طور پر بالکل کورے تھے، ساتھ ہی شعبۂ فارسی ہے، جہاں نہ تو صدرِ شعبہ تھے اور نہ ہی کوئی اور استاد، صرف دفتر کا عملہ تھا، میں یہاں سے بذریعہ رکشا پشتو اکیڈیمی آیا، تین کتابیں خریدیں، پشتو اُردو لغت بھی لے لی اور

ولف کیرو کی پٹھان کا اُردو ترجمہ بھی خرید لیا۔

وہاں سے واپس بارہ بجے کے قریب جھنگی محلہ پہنچا، ایک بجے ایک ایسی دکان (دار الکتب اسلامی) پر گیا، جہاں بیروت کی طبع شدہ بہت سی کتابیں تھیں، سب سے پہلے تاریخ کی الماریاں دیکھیں تو بہت سی کتب مل گئیں، باقی مضامین کی کتابیں دیکھنے کے لئے بعد دوپہر گیا تو صرف تصوف کا حصہ دیکھا کوئی قابل ذکر کتاب نہ مل سکی، ناچار کتب کا بل بنوایا، چار ہزار روپے کے قریب بل بنا، رَف بل بنوا کر کتابیں وہیں رکھیں کہ کل اکٹھی ہی اٹھالوں گا، یہ دکان مغرب کی نماز کے وقت بند ہوگئی اور کہا گیا کہ اب کل دکان کھلے گی، وہاں سے اِدھر اُدھر گھومتا ہوا واپس مولوی سید محمد امیر شاہ قادری مرحوم کے آستانہ پر آیا، رات کا کھانا کھایا، چھوٹے صاحبزادے سید سبطین صاحب سے دیر تک ان کے والد مرحوم کے بارے میں بات چیت ہوتی رہی، رات قدرے نیند آگئی۔

۹ راگست، آج صبح ناشتے کے بعد حضرت شیخ فضل احمد معصومی کے مزار کی زیارت کے لئے محلّہ فضل حق میں گیا، فاتحہ کے بعد متولی سے ملا تو وہ ایک جواں سال خوش مزاج آدمی تھے، بڑی تواضع سے پیش آئے، شیخ فضل احمد بن شیخ نیاز احمد بن میر صفر احمد معصومی ایک بزرگ شخصیت ہیں، میں نے ان کے دادا بزرگ میر صفر احمد مذکور کی تالیف ''مقاماتِ معصومی'' ایڈٹ کی ہے جو چار جلدوں میں لاہور سے طبع ہوئی ہے، اس مناسبت سے اس مزار مبارک کی زیارت لازم تھی۔

پھر بذریعہ ٹیکسی جھنگی محلی پہنچا کل کی منتخب کتب جو دار الکتاب الاسلامیہ میں رکھی ہوئی تھیں، کا بل بنوایا، جو چار ہزار روپے بنا، یہ رقم ادا کر کے کتابیں وہیں رکھیں اور دکان کے مالک سے سیر اعلام النبلاء کا ذیل ۸ مولفہ تقی الدین محمد فاسی فوٹوسٹیٹ کاپی کے لئے مستعار لیا اور صدر جا کر اس کی فوٹوسٹیٹ بنوائی، کتاب مالک کو واپس کر کے پھر جستجو شروع کی تو کئی مزید کتابیں مل گئیں، وہاں ''الدرر الکامنة فی اعیان مائة الثامنة'' کا ذیل ۹ بھی تھا جو جداگانہ طور پر نہیں مل سکتا تھا، ''سیر اعلام النبلاء'' کی طرح اس کی بھی اصل کتاب میرے پاس تھی، یہ بھی مالک سے مستعار لیا اور فوٹوسٹیٹ کروالی۔

کابلی مہاجرین کی دکانوں پر فارسی کتب دیکھنے کے لئے گیا لیکن کوئی قابل ذکر کتاب نہ مل سکی، البتہ

''اللباب'' از محمد عوفی کا ایک عمدہ ایرانی ایڈیشن پانچ سو روپے میں مل گیا، میں واپس دار الکتاب الاسلامیہ کے پاس آیا، وہاں پر ''تاریخ علماء دمشق'' کی تین قسم کی کتابیں ملیں، اول علمائے دمشق فی قرن گیارہویں صدی ہجری دوسری کتاب بارہویں صدی ہجری اور تیسری کتاب چودھویں صدی ہجری کے علمائے دمشق کے تراجم پر ہیں، ۴ ایک کتاب ''معجم البلدان'' کے تجزیاتی مطالعہ اور فہارس پر مشتمل ہے، یہ کتابیں تین ہزار تین سو روپے میں خریدیں اور پھر مکتبہ رشیدیہ پر گیا، جہاں سے فہرست مخطوطات دار الکتب قاہرہ کی پہلی جلد سوا سو روپے میں مل گئی اور یہیں سے ''مجموعہ رسائل مولانا عبدالحی فرنگی محلی'' چھ جلدوں میں خریدا جو صرف ایک ہزار روپے میں مل گیا، میں یہ سب کچھ لے کر چھ بجے کے قریب واپس حضرت سید محمد امیر شاہ قادری مرحوم کے گھر آ گیا اور پھر کسی دکان پر نہ جا سکا، اب کل صبح چھ بجے والی جعفر ایکسپریس سے واپسی کا پروگرام ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ صحت و تندرستی اور حفاظت کا سفر ہو، آمین۔

۱۰ راگست، حضرت مولوی سید محمد امیر شاہ قادری مرحوم کے سب سے چھوٹے بیٹے حسنین گیلانی کے ساتھ ان کی گاڑی میں ریلوے اسٹیشن پہنچا، اس وقت ساڑھے پانچ بجے تھے، معلوم ہوا کہ جعفر ایکسپریس ساڑھے چھ بجے چلے گی، کچھ دیر کے بعد بتایا گیا کہ وہ سات بجے روانہ ہوگی، بہر حال گاڑی چل پڑی، بڑا لمبا سفر ہے اس کا عام وقت لاہور پہنچنے کا دوپہر دو بجے کا ہے لیکن یہ چار بجے پہنچی، خدا بزرگ و برتر کا بڑا احسان ہے کہ گاڑی محفوظ و مامون لاہور تک آئی، اسٹیشن سے باہر رکشا لیا اور گھر پہنچ گیا، یہ سفر ہر لحاظ سے کامیاب تھا، اس مرتبہ توقع سے بڑھ کر کتابیں حاصل ہوئیں، چھ کارٹن کتب تھیں، تین اسلام آباد سے اور تین کارٹن پشاور سے، پشاور والے ہمراہ لانے پڑے، اس سفر نے شدید تھکان پیدا کر دی ہے، ہر عضو اتنا مضمحل ہے کہ شاید بہت دن کے بعد بحال ہو سکے، اللہ تعالیٰ سے صحت و تندرستی کی دعا ہے۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر احمد خان (رک حواشی سفر اسلام آباد)، ڈاکٹر نوشاہی نے رسالہ معارف میں ان کی فہرست سازی کی خدمات پر ایک مقالہ لکھا ہے۔

۲۔ معجم المطبوعات العربیہ فی شبہ القارۃ الہندیۃ الباکستانیہ...... حتی عام ۱۹۸۰ء مطبوعہ مکتبۃ الملک فہد الوطنیۃ ......۲۰۰۰ء ریاض، سعودی عرب

۳۔ فہرس المخطوطات العربیہ فی باکستان، ناشر ایضاً ۹ مجلدات

۴۔ عوارف المعارف تالیف حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی، اس کے خطی اور مطبوعہ نسخے تو عام ملتے ہیں لیکن اس کی اہمیت یہ تھی کہ یہ پورا قلمی نسخہ حضرت مجدد الف ثانی کے فرزند بزرگ خواجہ محمد صادق (ف ۱۰۲۵ھ) کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔

۵۔ ان چند اوراق کا عکس (فوٹو کاپی) میں نے اس وقت حاصل کی تھی جب یہ نسخہ مرکز تحقیقات فارسی، اسلام آباد میں بغرض فروخت آیا تھا۔

۶۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ چند قلمی نسخے ملتان کے ارسطو جاہی خاندان (مولوی رجب علی) کے گھر سے آئے تھے، جن میں یہ نسخہ اور ''آئین اکبری'' کا ایک بہت ہی عمدہ مصور نسخہ تھا، لیکن یہ خاندان ان کی بہت قیمت کا مطالبہ کر رہا تھا، جس کے باعث مرکز نے یہ واپس کر دیئے، یقیناً یہ بیش بہا مخطوطات اب یورپ کی کسی لائبریری کی زینت ہوں گے، میرے پاس ''عوارف'' کے مذکورہ نسخہ کی مائیکروفلم تو موجود ہے لیکن مرکز کے عکسیات کے شعبہ نے بڑی غیر ذمہ داری سے اس کی فلم بنائی جو پڑھی ہی نہیں جاتی، تاہم اس کے آخری ورق کا عکس ''مقاماتِ معصومی'' کی چوتھی جلد کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے۔

۷۔ یہ دونوں مطبوعہ عربی کتابیں بہت مشہور اور اب میرے ذخیرہ میں موجود ہیں۔

۸۔ تعریف ذوی الاعلا بمن لم یذکرہ الذہبی من النبلاء مطبوعہ دار صادر، بیروت ۱۹۹۸ء

۹۔ ذیل الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ التاسعۃ لابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیہ

۱۰۔ ان کتب کی تفصیل کے لئے دیکھئے: فہرست کتب ذخیرۂ مجددی، بامداد اشاریہ

اسلام آباد کا ایک اور سفر

آج ۱۵ر مئی ۲۰۱۲ء کو صبح چھ بجے گھر سے روانہ ہوا اور ساڑھے چھ بجے تک ڈائیوو بس کے سٹینڈ پر پہنچا، ایک ہزار بیس روپے کا ٹکٹ لیا، بہت مہنگائی ہے، مجھے یاد ہے کہ ریل کار سب سے اچھی سواری ہوتی تھی اور اس کا ٹکٹ ساڑھے آٹھ روپے تھا، پھر وہی ٹکٹ ساڑھے گیارہ روپے کا ہو گیا، اس دوران اللہ سبحانہ کی عنایت سے تنخواہ میں اتنا اضافہ ہوا کہ چند مرتبہ ہوائی جہاز سے لاہور اور اسلام آباد کے مابین سفر کیا، جو آج کے اس سفر کے مقابلہ میں نصف کے قریب تھا، اب جہاز کا سفر تو ناممکنات میں سے ہو چکا ہے۔

بس سٹاپ سے ڈائیوو والوں کی بس پر بیٹھ کر اسلام آباد G-7 تک آیا، وہاں سے ڈیڑھ سو روپے دے کر ایوب مارکیٹ کے قریب (گلی نمبر ۴۷، دکان نمبر ۴) میں واقع مرکز تحقیقات پہنچا، یہاں چار بجے بعد دوپہر تک علمی تحقیقات کا کام کرتا رہا، صرف ایک مخطوطہ حالات و ملفوظات صفر احمد نقشبندی دیکھا، یہ صفر احمد ''مقاماتِ معصومی'' کے مولف میر صفر احمد معصومی سے مختلف شخصیت ہیں، مرکز تحقیقات سے بارہ عدد نہایت قیمتی تحقیقی کتابیں لیں، مدیر مرکز ڈاکٹر سلیمان نے ان کتب کی کوئی قیمت نہ لی، نہایت خوش اخلاقی سے ملے، ایران سے میرے مقالہ ''حامد قاری لاہوری'' کا معاوضہ ۱۵۲ر ڈالر کی شکل میں آیا تھا وہ انہوں نے مجھے دے دیا، اتنے میں مفتی محمد سعید خان صاحب اپنی گاڑی لے کر پھر سے یہاں پہنچے، جناب ڈاکٹر سید عارف نوشاہی بھی مرکز میں آ گئے، انہوں نے ترکی کا ویزا فارم چیک کیا کیوں کہ کل ویزا لینے کے لئے ترکی ایمبسی جانا ہے، موصوف بھی ساتھ ہوں گے، امید ہے اللہ پاک کی مہربانی سے کل ویزا مل جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

رات دیر تک مفتی محمد سعید خان صاحب کے گھر اور مرکز الندوہ ایجوکیشن ٹرسٹ میں موجود بہت بڑی لائبریری بڑے ذوق و شوق سے دیکھتا رہا، یہاں افغان علماء بہت آتے رہتے ہیں، علماء لائبریری میں بیٹھ کر

باتیں کرتے رہے کوئی عالم بھی کتابوں کی طرف متوجہ نہ ہوا، آج مولانا محمد خان شیرانی (سینٹر قومی اسمبلی پاکستان) مہمان خصوصی تھے، رات ان کی آمد کے انتظار میں گیارہ بج گئے، میں دن بھر کا تھکا ماندہ تھا، مہمانوں کے ساتھ دیر سے کھانا کھایا اور نیند کی دوا Zolpid کھا کر سو گیا۔

صبح پانچ بجے اٹھا، فجر کی نماز پڑھی اور روزنامچہ کی یہ چند سطور لکھیں۔

۱۶ر مئی، ۲۰۱۲ء صبح سوا آٹھ بجے مفتی محمد سعید خان صاحب کے ساتھ ان کی گاڑی میں بیٹھ کر ترکی ایمبسی کے قریب اترا کیوں کہ آگے پرائیویٹ گاڑی نہیں جاسکتی، ڈاکٹر سید عارف نوشاہی پہلے ہی وہاں پر ایس ایس پی عاصم گلزار صاحب کی گاڑی میں پہنچ چکے تھے، اب ان کے ذریعہ ہم لوگ ترکی ایمبسی گئے وہاں ڈیڑھ بجے کے قریب باری آئی ویزے کے لئے انٹرویو ہوا، نوشاہی صاحب نے بھی انٹرویو دیا، وہ ڈاکٹر عصمت درانی کا پاسپورٹ بھی لائے تھے، لیکن ایمبسیڈر نے کہا کہ ویزا جمعہ کے روز ملے گا، چنانچہ نوشاہی صاحب کو رسید دے کر بذریعہ ڈائیوو بس، لاہور چلا آیا، بس تیار تھی جلدی جلدی بسکٹ کھا کر سوار ہو گیا، بس اڑھائی بجے دوپہر روانہ ہوئی، خدا کرے خیر وعافیت سے لاہور پہنچے، آمین۔ بس ٹھیک ساڑھے چار گھنٹے کا سفر طے کر کے سات بجے لاہور پہنچی، جس پر اللہ سبحانہ کا ہزار بار شکر ہے، انتہائی تھکن ہو چکی تھی، جلد ہی سونے کی کوشش کی، نیند آ گئی۔

استنبول (ترکی) کا پہلا سفر

آج صبح سویرے بذریعہ رکشا ڈائیوبس کے اڈے پر پہنچا مقصد یہ تھا کہ آج یکم جون ۲۰۱۲ء کو لاہور سے اسلام آباد چلا جاؤں، رب کریم کے عنایت سے وقت مقررہ یعنی ساڑھے بارہ بجے قبل دوپہر ہی بس راولپنڈی پہنچ گئی، ایک روز قبل ہی جناب مفتی سعید خان [1] سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنا ڈرائیور بھیج کر مجھے بس کے اڈے سے بلالیں، چنانچہ ان کا ڈرائیور وہاں منتظر تھا۔

ان کا مرکز شہر سے خاصا دور ہے، جس کا نام ''الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ'' ہے اور جو چھتر کے پُر فضا علاقہ میں ہے، دن وہاں گذارا، کچھ دیر کے لئے نیند بھی آگئی، رات ساڑھے بارہ بجے مفتی صاحب کے بہنوئی عبدالرشید صاحب اپنی گاڑی میں ہوئی اڈے پر پہنچانے آئے، گرم جوشی سے رخصت کیا۔

میں گھبرا رہا تھا کہ میرے پاس جو ٹکٹ ہے (ہوائی جہاز ترکش ایئر لائن نمبر 711) وہ انٹرنیٹ سے نکالا ہوا ہے، لیکن اللہ سبحانہ کی اعانت سے وہ ایئر پورٹ کے عملہ کے لئے قابل قبول ہوا اور کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی، مذکورہ ہوائی جہاز صبح پانچ سے پہلے ہی اپنی منزل پر موجود تھا، ہم مسافر جہاز میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگے، جہاز اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وقت مقررہ پر ساڑھے پانچ بجے ۲ رجون ۲۰۱۲ء کو اڑا اور بحفاظت تمام چھ گھنٹے پندرہ منٹوں میں استنبول کے اتاترک انٹرنیشنل ایئر پورٹ، استنبول پر اترا، اللہ پاک کا شکر بجالاتا ہوا سامان کی طرف بڑھا تو وہ موجود تھا، ضروری کاروائی سے فراغت کے بعد باہر نکلا تو بابا سوموحلوسی آفندی [2] (شیخ عثمان دارندوی نقشبندی آلوسی) کے عقیدت منداور منتظمین بڑی خوبصورت گاڑی لے کر لے جانے کے لئے آئے تھے، میں ان کے ساتھ گولڈن ہوٹل، ترکی پہنچا، مجھے کمرہ نمبر 110 میں ٹھہرایا گیا، ہوٹل خوبصورت ہے، کمرہ بھی عمدہ ہے، میں انتہائی تھک چکا تھا، ساری رات، اسلام آباد ایئر پورٹ پر جاگ کر گذاری تھی، ہوٹل آیا تو صرف دو گھنٹوں کے لئے بستر پر دراز ہوا لیکن نیند کہاں؟

اڑھائی بجے تیار ہو کر نیچے گیا تو میزبان پروفیسر ڈاکٹر نجدت طوسون (استاد شعبۂ الٰہیات مرمرا

یونیورسٹی، استنبول) اور دوسرے منتظمین موجود تھے، جو مجھے سوموبابا کی یاد میں منعقد ہونے والے سیمینار میں لے گئے، بابا کے جانشین ایک بزرگ آدمی ہیں، وہ پونے چار بجے دارندہ سے آئے، جو استنبول سے ایک گھنٹے کی پرواز پر واقع ہے، یہاں پیر صاحب اور دوسرے تمام معززین بڑے خوبصورت انگریزی لباسوں (پینٹ کوٹ مع ٹائی) میں ملبوس تھے، شیخ سے تعارف ہوا، میں نے اپنی مرتبہ دو کتابیں ''رسائل دردفاع حضرت مجددالف ثانی'' تالیف مولانا وکیل احمد سکندرپوری اور دوسرا مجموعہ یعنی دس مختصر رسائل دردفاع حضرت مجددالف ثانی (جس میں تین غیر مطبوعہ رسائل حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتی بھی شامل ہیں) پیش کیں، (ان میں دو رسائل تو قاضی صاحب کے اپنے دست مبارک کے کتابت کئے ہوئے ہیں)، مل کر بڑی خوشی کا اظہار کیا۔

روایتی کھانا کھایا گیا، جس میں خاصی دیر لگی، شیخ کے عقیدت مندوں کا خوب ہجوم تھا، کھانے سے فراغت کے بعد سب مہمان سیمینار ہال میں پہنچے، پروگرام وقت پر شروع ہو گیا، ہم پہلے اجلاس میں چھ مقررین تھے، جن میں ڈاکٹر نجدت طوسون کا مقالہ دلچسپ تھا یعنی سلسلہ یسویہ نقشبندیہ کی مختصر تاریخ اور تعلیمات، مقالہ خوب سراہا گیا، میرے مقالہ کے سوا باقی تمام مقالات ترکی زبان میں تھے، مجھے مقررین مہمانوں کے ساتھ بڑی عزت دے کر سٹیج پر بٹھایا گیا، ترکی کا ہر قسم کا میڈیا فعال نظر آیا، مووِیز بنائی گئی، مقالات کا بروقت انگریزی ترجمہ بھی ساتھ ساتھ کانوں میں لگے ہوئے آلہ میں سنائی دے رہا تھا، ترجمہ کرنے والی لڑکیاں بڑی تیز اور فعال ہیں، لیکن علمی طور پر ان کی کوئی قابلیت نہیں ہے، جو فقرہ سمجھ نہیں آتا وہ چھوڑ دیتی تھیں، میرے مقالہ کا عنوان ہے:

"Naqshbandi Sufis of Pakistan in Medival Trukey with Special Reference of Sh Usman Haloci Efendi"

وقت کی کمی کے باعث جیسا کہ کانفرنسوں میں ہوتا ہے میں نے اس کے بعض حصے پڑھ کر سنائے، جنہیں حاضرین نے دلچسپی سے سنا اور خوب داد دی، مقالات خوانی کا پہلا مرحلہ ختم ہوا تو عصر کی نماز پڑھنے کے لئے گئے، اس کے بعد دوسرا مرحلہ شروع ہوا جس کا آغاز بابا آفندی خلوصی کا ترکی کلام گا کر سنایا گیا،

گانے والے ایک ماہر ترک اور اُن کے شاگرد تھے، مزامیر کا بھی خوب استعمال کیا گیا، اس کے بعد نماز مغرب کے وقفہ کے بعد بقیہ مقالات خوانی کا سلسلہ شروع ہوا، چھ مقالہ نگار تھے سب نے ترکی میں مقالات پڑھے، حاضرین وسامعین نے خوب داد دی، یہ سلسلہ رات گیارہ بجے کے بعد ختم ہوا، ہم وہاں سے میوزیم آیاصوفیا کے قریب پہنچے، ہفتہ کی وجہ سے آج ٹریفک کا انتشار تھا کہ ہوٹل تک جانا ناممکن نظر آیا، آخر پیدل چل پڑے اور ایک ایسے ریسٹورنٹ میں پہنچے جو استنبول کے سمندر کے اوپر پل باندھ کر بنایا گیا تھا، یہاں کا منظر خوبصورت تھا، اس علاقہ میں غیر ملکی اور یورپین سیاحوں کی کثرت ہے، ہوٹل ان لوگوں سے ان دنوں بھرے ہوتے ہیں، مرد اور نیم برہنہ یورپین لڑکیاں یہاں عیش کرنے ہر وقت آتے رہتے ہیں، یہاں ان کی دلچسپی کے سارے انتظامات موجود ہیں مثلاً ناچ گھر، شراب خانے، قہوہ خانے اور دیگر تمام یورپین طور طریقہ سے عیش وعشرت کے سامان موجود ہیں۔

ٹریفک کے ہجوم کے باعث ہم لوگ اقامتی ہوٹل میں رات دو بجے کے قریب پہنچے، میں تھکن سے بے حال ہو چکا تھا، تاہم نیند کی دوائی لی اور سو گیا۔

۳؍جون ۲۰۱۲ء آج جلد ہی اٹھ گیا، ایک پرانے بن کو پانی میں بھگو کر کھایا تو بھوک میں قدرے کمی ہوئی، اٹھ کر نماز پڑھی، روزنامچہ کے اوراق لکھتا رہا، پھر سیمینار کے انچارج کا فون آیا کہ آج سموجو بابا، شیخ عثمانی خلوصی آفندی اور سیمینار کے متعلق تیرا مووی کیمرے پر انٹرویو لیا جائے گا، میں فوراً تیار ہو کر نیچے گیا، آدھے گھنٹے کے بعد مذکورہ انٹرویو ہوا، کارمند حضرات میرے انٹرویو پر مطمئن اور خوش تھے۔

اس کے بعد منتظم کے ساتھ گیارہ بجے کے قریب ہوٹل میں جا کر ناشتہ کیا، واپس ہوٹل آیا تو میرے مہربان میزبان پروفیسر ڈاکٹر نجدت توسون میرے منتظر تھے، ان کے ساتھ استنبول کی سیر وسیاحت کے لئے نکلا، راستہ میں کتابوں کی دکانوں پر باہر سے ہی نظر ڈالی، آج اتوار ہونے کی وجہ سے تعطیل عام ہے، اکثر دکانیں بند تھیں، اس لئے وہاں سے ہم تاریخی عمارات دیکھنے کے لئے چلے گئے، سب سے پہلے مسجد احمد ثالث میں گئے، بہت ہی وسیع وعریض مسجد ہے، اپنے نقش ونگار اور حسنِ تعمیر کے اعتبار سے ایک نمونہ ہے، اسے سلطان احمد ثالث نے اپنے دور میں تعمیر کروایا تھا، اندر اور باہر سے اس کی چند تصاویر لیں، ظہر کی

نماز یہیں ادا کی، ڈاکٹر توسون صاحب نے بتایا کہ یہاں کی اکثر مسلمان آبادی ۹۹ فیصد سنی حنفی مسلمان ہیں، ان میں کوئی مذہبی بے راہ روی نہیں ہے۔

مسجد سے نکل کر ہم لوگ آیا صوفیہ میں گئے، یہ پہلے ایک عیسائی چرچ تھا، جب عثمانی سلاطین نے استنبول فتح کیا تو اس چرچ کو مسجد میں تبدیل کر دیا، بہت ہی قدیم اور خوبصورت عمارت ہے، جگہ جگہ کتبات بھی آویزاں نظر آئے، کئی تصاویر اتاریں، اب یہاں عجائب گھر ہے، یہاں ہی نوادر محفوظ ہیں، ترکی کے عثمانی سلاطین صاحب علم وذوق تھے، انہوں نے جب کہ ان کی حرمین الشریفین تک حکومت تھی تو بہت سے تاریخی نوادر جمع کئے تھے جو اب اس میوزیم کی زینت ہیں، نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے تبرکات بھی قابل دید ہیں، ہم دیر تک یہاں گھومتے اور نادر اشیاء دیکھتے رہے۔

یہاں ہی ہوٹل میں کھانا کھایا اور پھر بذریعہ ٹیکسی ہم کتابوں کے بازار میں آگئے، عربی کی کتب تو سب وہی ہیں جو پاکستان میں بھی ملتی ہیں یعنی یعنی بیروت کی مطبوعات اسلامی علوم سے متعلق ہیں، ایک کتاب ''الحدائق الوردیہ فی اجلاء السادۃ النقشبندیہ'' مولفہ عبدالمجید بن محمد خانی نقشبندی مطبوعہ دارالکتاب العلمیہ، بیروت ۲۰۱۰ء خریدی، دوسرا ایک رسالہ الآداب للشیخ فتح اللہ الورقانسی، مطبوعہ استنبول بھی لی، یہ خالدیہ نقشبندیہ سلسلہ کے آداب پر ہے۔

ڈاکٹر توسون صاحب نے نہایت مہربانی فرماتے ہوئے یونین کیٹلاگ آف عربی، فارسی وترکی کی چار جلدیں (اول، ۲/ ۵، ۳/ ۵، ۷) دیں جنہیں حاصل کر کے میں بہت خوش ہوا، خدا کرے کہ باقی مجلدات بھی کہیں سے مل جائیں، انہوں نے ایک مجموعہ الرسائل علی اصول الخالدیہ مولفہ سلیمان زہدی دیا، یہ قدیم مطبوعہ کا عکس ہے، انہوں نے مزید عنایت کرتے ہوئے ''معجم التاریخ التراث الاسلامی فی مکتبات العالم'' (مخطوطات والمطبوعات) کی C.D عنایت کی یہ چھ جلدوں میں بہت ہی گراں کتابیں ہیں، اسی C.D میں بعض مخطوطات کی دیگر فہرستیں بھی ہیں، دوسری C.D تو مخطوطات کی فہرستوں سے بھری ہوئی ہے گویا یہ میرے لئے بہت ہی مفید ماخذ ہیں، اللہ پاک انہیں اس کا اجر دے، آمین۔

میوزیم سے ہم بذریعہ ٹیکسی مسجد نقشبندیہ اور محلہ نقشبندیہ بھی گئے، یہاں بڑے اکابر حنفی علماء کے

مزارات ہیں ان کی تصاویر اتاریں، عصر کی نماز اسی مسجد نقشبندیہ میں ادا کی، دیکھا کہ بازار میں اکثر عورتیں باپردہ، مرد شرعی داڑھی اور سر پر اسلامی ٹوپی اوڑھے ہوئے تھے، ڈاکٹر توسون صاحب نے بتایا کہ یہ یہاں کے نقشبندی پیر کا اثر ہے، اکثر حضرات ان کے مرید ہیں، اس محلہ کے باہر عربی کتابوں کی دکانیں کھلی ہوئی تھیں، جہاں سے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کا ترکی ترجمہ از شیخ سعدالدین مستقیم زادہ ؒ کا تجدید چاپ اور ''رشحات عین الحیات'' مولفہ شیخ علی بن فخرالدین حسین واعظ کاشفی کا ترکی ترجمہ از محمد المعروف بابن محمد شریف العباسی کے قدیم مطبوعہ ایڈیشن کا عکس بھی خریدا، اس کے حواشی پر نقشبندی سلسلہ کے کئی اہم رسائل ہیں، یہ دو کتابیں بیس ڈالر کی آئیں، پہلے بھی اور اب بھی تمام رقم ڈاکٹر توسون صاحب نے ادا کی، کیوں کہ میرے پاس ترکی کرنسی نہیں ہے، کل ڈالروں سے مقامی کرنسی کا تبادلہ کرواؤں گا، ان شاء اللہ۔

وہاں سے حضرت شیخ محمد مراد بخاری نقشبندی خلیفۂ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہ کے مزار کی زیارت کے لئے گئے، یہ مزار یہاں کے اوقاف کی تحویل میں ہے جس کی زیارت کے لئے وقت مقرر ہے یعنی شام چھ بجے بند ہو جاتا ہے، ہم یہاں آٹھ بجے پہنچے تھے، ناچار باہر ہی سے فاتحہ پڑھ کر رخصت ہوئے کہ پھر حاضر ہوں گے، یہاں سے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے گئے، یہ بزرگ صحابی یہیں آکر جہاد کی غرض سے مقیم تھے لیکن غیر مسلموں نے انہیں شہید کر دیا تھا، اب ان کا مزار مبارک یہیں ایوبیہ میں ہے، مزار پر بہت ہی ہجوم تھا، فاتحہ اور دعا کے بعد نماز مغرب یہیں ادا کی، رات کا کھانا کھایا اور بذریعہ ٹیکسی ہوٹل آئے، مجھے ہوٹل میں چھوڑ کر ڈاکٹر توسون خود اپنے گھر چلے گئے، وہ کل پھر مجھے لینے آئیں گے۔

میں عشاء کی نماز پڑھ کر سو گیا، تھکن اور بے خوابی کے اثرات پوری طرح حاوی ہیں۔

اسی محلہ نقشبندیہ کے سامنے کتابوں کی دکانیں ہیں، ایک مکتبہ حنفی ہے جہاں عربی کتب فروخت ہوتی ہیں، کتابیں وہی درسی اور عمومی دینی نوعیت کی ہیں، ایک الماری تصوف کی بھی ہے، جس میں تصوف کی کتابیں تھیں۔

۴ر جون ۲۰۱۲ء صبح سویرے اٹھا، فجر کی نماز ادا کی، روزنامچہ لکھنے بیٹھ گیا، آج دس بجے ہوٹل چھوڑنا

ہے، میں نہا کر تیار ہوا، کپڑے بدلے، یہاں سب لوگوں کا عمومی لباس پینٹ کوٹ ہے، ٹائی بھی لگاتے ہیں، مجھے بھی یہی کچھ کرنا پڑا۔

پونے دس بجے ہی ڈاکٹر تجدت توسون صاحب آگئے، میں اُن کے ساتھ ہوٹل کے آس پاس کتابوں کی دکانوں پر گیا، ایک بڑی دکان سے فقہ بابری خریدی، اس میں اصل خطی نسخے کا عکس اور ترکی ترجمہ جدید رسم الخط میں موجود ہے، ایک عربی کتابوں کی دکان پر گئے، اس کا نام (مکتبہ) ارشاد ہے، وہاں کتابیں امریکی ڈالروں میں بکتی ہیں لیکن بہت ہی عمدہ واعلیٰ نوعیت کی کتب تھیں، الوافی بالوفیات تیس جلدوں میں دیکھی، گیارہویں صدی ہجری کے اعیان پر ایک کتاب ''فوائدالارتحال ونتائج السفر'' مولفہ مصطفیٰ حموی ۲ چھ جلدوں میں نئی طبع ہوئی ہے قیمت رعایتی ۱۰۵ ڈالر بتائی گئی، صرف ایک کتاب الوفیات للبرزالی مرتبہ ابویحییٰ عبداللہ الکندری، مطبوعہ کویت بیس امریکی ڈالر میں خریدی۔

کتابفروشی سرہند کے ہاں بھی گئے یہ حسین حلمی مرحوم کی کتابیں فروخت کرتے ہیں، یہاں کی اکثر مطبوعہ کتب میرے پاس موجود ہیں، صرف ''انیس الطالبین'' کا نیا ایڈیشن لے لیا۔

یہاں سے کتابخانہ سلیمانیہ آئے، یہ استنبول کا سب سے بڑا کتب خانہ ہے، جہاں استنبول کی تمام لائبریریوں کے مخطوطات جمع کردیئے گئے ہیں، فہرست شائع نہیں ہوئی، صرف انٹرنیٹ پر موجود ہے، میں توسون صاحب کے ہمراہ وہاں گیا، نقشبندی سلسلہ کے کئی نادر مخطوطات یہاں موجود ہیں، جن میں بعض کی نیٹ پر جستجو کی، یہاں کا ریفرنس سیکشن بہت ہی اعلیٰ نوعیت کا ہے، حوالہ کی ہر کتاب تمام فہارس مخطوطات یہاں بھی موجود ہیں، پروفیسر اور طلبہ یہاں بیٹھے کام کررہے ہیں، میں اسے دیکھ کر بہت متاثر ہوا، ہر شخص کو معاون پایا۔

وہاں سے میں توسون صاحب کے ہمراہ ان کی مرمرا یونیورسٹی میں آیا، یہاں استنبول میں ایک بہت بڑا سمندر ہے، ایک بڑا بحری جہاز اس کے کنارے پر ہر وقت کھڑا رہتا ہے، اس میں ایک وقت میں تقریباً پچاس کاریں آجاتی ہیں، میں کار سے نیچے اترا تو سمندر کا نظارہ بہت ہی خوش کن تھا اور اس میں موجود کاریں اپنی جگہ کھڑی تھیں اور جہاز بجلی سے چل رہا تھا، اس نے آدھے گھنٹے میں سمندر پار کروادیا، اب ہم یونیورسٹی

پہنچے، ڈاکٹر توسون صاحب کا کمرہ تو پوری لائبریری معلوم ہوتا تھا، میں شام سات بجے تک وہاں کام کرتا رہا، دو مخطوطات نقشبندیہ کے عکس سے عکس بنوانے کے لئے دیئے، ایک قدیم مطبوعہ کتاب بھی دی۔

میں توسون صاحب کے ہمراہ ان کے گھر آ گیا، کیوں کہ ان کی فیملی ان دنوں اپنے گاؤں گئی ہوئی ہے، ہم نے راستے میں ایک بڑے ہوٹل میں کھانا کھایا توسون صاحب کے گھر میں حوالہ کی عمدہ کتابیں ہیں جنہیں میں رات بارہ بجے تک دیکھتا رہا، پھر نیند کی دوائی کھائی اور سو گیا۔

۵ر جون ۲۰۱۲ء، صبح اُٹھ کر فجر کی نماز ادا کی اور طوسون صاحب کے ہاں موجود کتابیں دیکھنے لگا، دس بجے کے قریب ان کے ساتھ گیا، راستہ میں ایک ہوٹل میں ناشتہ کیا، وہاں سے ہم طوسون صاحب کے شیخ عثمان نوری طوپپاشی صاحب (۱) کے نقشبندی سنٹر میں گئے، موصوف نہایت اخلاق سے ملے، ترکی زبان کے سوا وہ کوئی اور زبان بولنا پسند نہیں فرماتے، ترکی چونکہ میں سمجھتا نہیں ہوں اس لئے طوسون صاحب ترجمانی کرتے رہے، تقریباً آدھا گھنٹہ ہم وہاں رہے، پھر مرمرا یونیورسٹی آگئے، یہاں فوٹو کاپی والے کو مزید فوٹو کاپیاں دیں کہ ان سے میرے لئے کاپیاں بنائے۔

ڈاکٹر طوسون صاحب مجھے یونیورسٹی سے لے کر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (ترکی) میں گئے، وہ مجھے وہاں چھوڑ کر واپس یونیورسٹی چلے گئے کیوں کہ انہیں متعلمین کا امتحان لینا تھا۔

مجھے بتا گئے کہ یہ الماریاں تصوف پر ہیں، وہاں کتب حوالہ موجود ہیں اور فلاں جگہ رسائل پڑے ہیں، میں نے سب سے پہلے کتب تصوف دیکھیں، دنیا بھر سے مشرق و مغرب کی مطبوعات یہاں موجود ہیں، اس کے بعد فہارس مخطوطات کی الماریوں کے پاس پہنچا تو حیرت ہوئی کہ اس لائبریری میں بڑے اہتمام سے فہارس جمع کی گئی ہیں، دنیا کے علوم مشرقیہ کی شاید کوئی مطبوعہ فہرست ایسی نہیں جو یہاں نہ ہو، دنیا بھر سے علمی تحقیقات کے طالب یہاں آ کر مصروف تحقیق ہیں، مجھے بیٹھنے کے لئے جگہ ہی نہیں ملی، تو میں رسائل کی الماریوں کے پاس چلا گیا، مشرقی علوم کا کوئی اہم رسالہ ایسا نہیں جو یہاں موجود نہ ہو۔

۱۔ ان کا شجرہ اس طرح ہے: شیخ نوری خلیفہ موسیٰ طوپپاشی (ف ۱۹۹۹ء)، محمود شامی رمضان اوغلو (ف ۱۹۸۴ء)، محمد اسعد اربیلی، طٰہٰ الحریری، طٰہٰ الھکاری، مولانا خالد بغداری

Index Islamicus مرتبہ W.Behan مطبوعہ ایڈیا س بھی یہاں موجود ہے، اس میں Pearson کے مرتبہ انڈیکس سے پہلے (1665-1905) کے یورپین زبانوں کے مقالات جدید طریقہ سے موضوعاتی اعتبار سے فہرست کر دیئے گئے ہیں، مجھے معلوم ہوا تھا کہ اس کا ایک ذیل ۵ بھی چھپا ہے لیکن تلاش بسیار کے باوجود اس لائبریری میں وہ نہ مل سکا۔

دو گھنٹوں کے بعد ڈاکٹر طوسون صاحب آئے اور مجھے لے کر کتابوں کی دکانوں پر گئے، ایک دکان سے مولانا خالد بغدادی نقشبندی کے مکتوبات ورسائل کا عکسی مجموعہ مل گیا یہیں سے عثمانلی مولفلری ۶ ترکی زبان میں ایک کتاب تین جلدوں میں خریدی، پھر ایک بزرگ کے مزار کی زیارت کے لئے گئے، اسی احاطہ میں مذکورہ کتاب کے مولف کی بھی قبر ہے، لیکن وقت کی کمی کے باعث ہم دیکھ نہ سکے۔

مرمرا سمندر کے کنارے ایک خوبصورت ہوٹل میں بیٹھ کر زات کا کھانا کھایا، یہاں غیر ملکی سیاحوں کا بہت ہجوم ہے نوجوان عورتیں اپنے ملکی لباس میں نیم برہنہ پھرتی اور ہوٹلوں میں نظر آتی ہیں۔

یہاں سے فارغ ہو کر ڈاکٹر طوسون صاحب کے ہمراہ شعبہ الٰہیات میں گئے، وہیں مغرب کی نماز ادا کی، فوٹو سٹیٹ والے سے ملنے گئے لیکن وہ جا چکا تھا، اس سے فون پر بات ہوئی اس نے کہا کہ میں ابھی واپس آکر آپ کا کام مکمل کر کے گھر جاؤں گا۔

فکلیٹی سے میں ڈاکٹر طوسون کے ساتھ ان کے گھر آ گیا، کچھ دیر کے لئے انہوں نے اپنی پاکستان میں سرگرمیوں اور احباب سے ملاقاتوں کی یادگار تصاویر دکھائیں، جن میں میرے گھر اور میرے ساتھ بیٹھ کر مصروف تحقیق بھی دکھایا گیا۔

نماز عشاء گھر میں ہی ادا کی اور دوائی کھا کر سو گیا۔

۶ رجون، صبح سویرے مجھے ڈاکٹر طوسون صاحب نے اٹھایا کہ نماز کا وقت ہے، نماز ادا کی، پھر سامان اور ساری کتابیں پیک کیں، ڈاکٹر طوسون صاحب نے مجھے ایک فالتو بیگ دیا، جس میں زیادہ تر کتابیں سما گئیں اور کچھ کتب کپڑوں والے بیگ میں رکھ لیں۔

آج مجھے سیمینار کے مہتمم قادر صاحب کے ہمراہ دو اہم کام کرنے ہیں، ایک حضرت شیخ محمد مراد بخاری

نقشبندی خلیفہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے مزار مبارک پر جانا ہے وہاں سے تصاویر بنانے کے بعد گیارہویں صدی ہجری پر ایک قدیم کتاب ''فوائد الارتحال ونتائج السفر'' کتابفروشی ارشاد سے خریدنی ہے، جس کی قیمت ایک سو پانچ ڈالر امریکی ہے، اس کے بعد ایئر پورٹ چلا جاؤں گا، رات آٹھ بجے جہاز اسلام آباد کے لئے پرواز کرے گا، اللہ پاک سے دعا ہے کہ جس طرح اس کی رحمت سے خیر وعافیت سے استنبول پہنچا ہوں اسی طرح واپس لاہور تک پہنچ سکوں، آمین۔

۷/جون ۲۰۱۲ء، صبح اُٹھ کر فجر کی نماز ادا کی، آج دو بڑے لازم کام کرنے ہیں اول مجھے حضرت شیخ محمد مراد بخاری نقشبندی خلیفۂ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے مزار مبارک پر جانا ہے اور دوم یہ کہ مجھے بازار سے ایک عربی کتاب ''فوائد الارتحال ونتائج السفر فی اخبار القرن الحادی عشر'' مولفی علامہ مصطفیٰ بن فتح اللہ الحموی (ف ۱۱۲۳ھ) مرتبہ عبداللہ محمد الکندری، مطبوعہ دار النوادر، شام، ۲۰۱۱ء چھ جلدوں میں شائع ہوئی ہے، اس کی یہاں استنبول میں قیمت ایک سو پانچ امریکی ڈالر ہے، جو دس ہزار روپے پاکستانی سے زیادہ ہوتے ہیں، خریدنی ہے، ڈاکٹر طوسون صاحب کی آج شعبہ میں امتحانی مصروفیت ہے اس لئے وہ میرے ساتھ نہیں جا سکتے، انہوں نے کل ہی فون کر کے شیخ عثمان آفندی خلوتی سیمپوزیم کے مددگار مسٹر قادر سے کہہ دیا تھا کہ وہ مجھے ان دونوں کاموں کے لئے لے جائیں لیکن افسوس کہ وہ اپنی کسی مجبوری کے تحت میرے ساتھ نہ جا سکے اور میں حضرت شیخ محمد مراد بخاری کے مزار کی اندرونی زیارت اور تصویر کشی سے محروم ہو گیا، لیکن انہوں نے میرے لئے مذکورہ کتاب بازار سے خرید لی، انکے ایک قریبی دوست مجھے پانچ بجے کے قریب مرمرا یونیورسٹی سے لے کر ہوائی اڈے کے لئے روانہ ہو گئے، دوسری طرف مسٹر قادر نے اپنے دوست کو اطلاع دی کہ انہوں نے مطلوبہ کتاب بازار سے خرید لی ہے اور میرے حوالہ کرنے کے لئے ایئرپورٹ پر آ رہے ہیں، وہ جہاز کے چلنے سے ایک گھنٹہ پہلے آ گئے اور کتاب میرے حوالہ کر دی، میں نے اسے اپنے کپڑوں والے بیگ میں محفوظ کر لیا، اللہ سبحانہ کا شکر ہے کہ میری کتابوں کا وزن قانونی وزن سے تجاوز نہ کر سکا اور میں نے کتابوں کے دو بیگ سامان میں جمع کروا دیئے، ایک چھوٹا دستی بیگ ہاتھ میں پکڑ لیا، جس میں نہایت بیش قیمت مخطوطات ترکی کے فوٹو سٹیٹ ہیں، جہاز بیس منٹ تاخیر سے روانہ ہوا، اللہ

پاک نے چاہا تو میں اس کی حفظ وامان میں وقت پر اسلام آباد، پاکستان پہنچ جائے گا، بڑا طویل سفر ہے تقریباً ساڑھے چھ گھنٹے اور پھر جہاز خداوند کریم کے فضل وکرم سے وقت پر صبح چار بجے کے قریب پہنچا، مفتی محمد سعید خان صاحب کے بہنوئی اور اُن کے ہاں کے ایک عالم عبدالجبار صاحب ایئرپورٹ پر منتظر تھے، میں خوش ہوا اور اُن کے ساتھ چھتر کی طرف روانہ ہوگیا، مفتی صاحب آرام کررہے تھے میں نے ناشتہ کیا اور نیند کی دوا لے کر سو گیا، پونے گیارہ بجے اٹھا، مفتی صاحب بڑی مہربانی سے ملے اور ڈائیو بس پر سیٹ ریزرو کروائی پھر وہ مجھے خود بس کے اڈے پر چھوڑنے آئے اور اصرار کر کے بس کی ٹکٹ ایک ہزار پچاس روپے کی خریدی، اس طرح میں بذریعہ بس ساڑھے چار گھنٹے میں اللہ سبحانہ کی حفاظت میں لاہور پہنچ گیا، یہاں تیز بارش ہورہی تھی، تھوڑی سی کوشش کے بعد رکشامل گیا جس کے ذریعہ گھر پہنچا، اللہ پاک کا اس پر بے حد و حساب شکر ہے، رب کریم کے فضل وکرم سے مجھے اس سفر میں نہایت کامیابیاں حاصل ہوئیں، ڈاکٹر طوسون نے بہت مہربانی کی، اللہ کریم کے فضل سے اسی طرح حرمین الشریفین یعنی حج کے سفر میں کامیابی ہوگی اور میں صحت وتندرستی اور اللہ پاک کی حفظ وامان میں جاؤں گا اور واپس آؤں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حواشی

۱۔ مفتی محمد سعید خان، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے فارغ التحصیل ہیں اور مولانا ابوالحسن علی ندوی کی فکر سے خاصے متاثر ہیں، انہوں نے، اسلام آباد سے مری جانے والے راستہ چھتر پر ایک شاندار مدرسہ بنایا ہے جس کا نام "الندوہ ایجوکیشنل کمپلیکس" ہے، اس کا بڑا حصہ ابھی زیرِ تعمیر ہے، مفتی صاحب کو مولانا ندوی سے سلسلہ نقشبندیہ بنوریہ (شیخ آدم بنوری خلیفۂ حضرت مجدد الف ثانی) سے اجازت و خلافت ہے، لیکن ان کے ہاں تصوف وسلوک کا کوئی نشان نظر نہیں آیا نہ کبھی ختم خواجگان ہوتے ہوئے وہاں دیکھا ہے، یہاں ایک بہت بڑی لائبریری ہے، جس میں تقریباً ایک لاکھ مطبوعات ہیں، کچھ درسی نوعیت کے مخطوطات نوجوانوں سے مرتب بھی کروا رہے ہیں، باقی کتب عربی کی جدید طبع شدہ ہیں۔

۲۔ بابا سوموی حلوی آفندی کے بارے میں ایک بین الاقوامی سیمپوزیم تھا، جس کا عنوان اس طرح ہے:

Somuncu Baba and Hulusi Efendi, Symposium International

اس کے مطبوعہ دعوت نامہ کے شرکا میں میرا اور ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب کے نام درج تھے۔

۳۔ شیخ سعد الدین مستقیم زادہ آفندی خلیفۂ شیخ محمد امین توقاوی اور وہ خلیفہ شیخ احمد یک دست اور وہ خلیفہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی تھے، انہوں نے ۱۱۶۰۔۱۱۶۵ھ/ ۱۷۴۷۔۱۷۵۲ء کو مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم کا بھی ترکی زبان میں ترجمہ کیا تھا (مقاماتِ معصومی ۲۵۲/۱) یہ دونوں ترجمے ترکی عثمانی رسم الخط میں طبع ہوئے تھے۔

یہیں سے رشحات عین الحیات کا ترکی ترجمہ از محمد معروف بہ ابن محمد شرف العباسی کے قدیم ایڈیشن کی عکسی اشاعت بھی خریدی۔

۴۔ فوائد الارتحال، ایک بہت ہی بیش بہا علمی تذکرہ ہے، جو چھ جلدوں میں ہے، اس میں گیارہویں صدی ہجری کے علماء، محدثین اور صوفیہ کا تذکرہ ہے، جس میں کئی مقامات پر نقشبندی بزرگوں کے احوال بھی آتے ہیں، میرے لئے شیخ تاج الدین سنبھلی (خلیفۂ حضرت خواجہ باقی باللہ) اور ان کے عقیدت مندوں کے احوال توجہ کا مرکز تھے، بعد میں اس کی قیمت ایک سو پانچ امریکی ڈالر بھیج کر طوسون صاحب کے کسی شاگرد کے ہاتھ منگوالی جو مجھے ایئرپورٹ پر ملی۔

۵۔ انڈیکس اسلامکس مرتبہ ولف گانگ بہن کے انڈیکس کے اس ذیل کی طباعت کی مجھے ڈاکٹر اکرام چغتائی صاحب نے اطلاع دی تھی لیکن انہیں اس وقت تک اس ذیل کا نام یاد نہیں تھا، بعد میں انہوں نے مجھے بتایا کہ سابق چیف لائبریری چودھری محمد حنیف کے زمانہ میں میری درخواست پر یہ ذیل پنجاب یونیورسٹی لائبریری نے خرید لیا تھا، میں نے مصنف انڈیکس کی مدد سے یہ ذیل لائبریری (پنجاب یونیورسٹی) میں تلاش کرلیا، جس کا پورا نام اس طرح ہے:

Concise Biographical Companion to Index Islamicus, 3Vols, Brill, 2004

لیکن یہ مضامین کا انڈیکس نہیں ہے بلکہ ان جلدوں میں علوم مشرقیہ پر تحقیقی کام کرنے والوں کی سوانح عمریاں ہیں جو بہت ہی ذی قیمت معلومات کی حامل ہیں۔

۶۔ عثمانلی مولفلری مرتبہ بروسہ لی محمد طاہر، جو آستانہ سے ۱۳۳۳ھ کو طبع ہوئی تھی اب کسی نے عکسی طور پر اسے دوبارہ شائع کردیا تھا، اس کی تینوں جلدیں مل گئیں، اس میں ترکی کے عہدِ عثمانی میں جتنے مولفین ہوئے ہیں ان کے مختصر احوال اور ان کی کتابوں کی مختصر کیفیات درج کی گئی ہیں۔

سفر حرمین الشریفین برائے حج

احقر حج کی غرض سے ۱۲ر اکتوبر ۲۰۱۲ء کو لاہور سے روانہ ہوا، فرزند محمد عمر میرے ساتھ تھا، جناب محمد ناظم بشیر صاحب مرید صوفی غلام سرور مرحوم مجھے اپنی گاڑی میں صبح پانچ بجے لینے آئے اور میں اُن کے ساتھ ایئرپورٹ پہنچا، جہاز کی روانگی صبح ۱۱ر بجکر پچیس منٹ پر ہوگی، سوار ہونے والوں کی تعداد پانچ سو کے قریب تھی، طویل قطار میں لگ گیا، آخر میری باری آئی اور میں خدا کے فضل سے پی آئی اے کے جہاز میں سوار ہو کر رب کریم کی عطا سے چار گھنٹے ۴۵ منٹ کا طویل سفر کر کے جدہ ایئرپورٹ پر اترا، دوپہر تین بج گئے تھے، ہمیں بس میں بٹھا کر مکہ مکرمہ لایا گیا، بس میں دیر تک بیٹھے رہے جب سب بسیں بھر گئیں تو وہ چلیں راستہ میں معلموں کے دفاتر میں بھی خاصا وقت ضائع ہوا، عشاء کی نماز بھی ہو چکی تھی، رات دس بجے کے قریب علاقہ العزیزیہ کے ہوٹل نمبر 409 میں پہنچے، یہاں ہم چار پانچ اصحاب کو ایک کمرہ نمبر 206 دیا گیا، جس میں نرم بستر، اے سی، وقت کی سب سہولتیں موجود ہیں۔

اب یہاں سے رات کو ہی عمرہ کرنے کے لئے جانا تھا، تھکن انتہا سے زیادہ ہو چکی تھی، تاہم رب کریم کے کرم سے ہمت باندھی اور احرام کی حالت میں ہی، جو لاہور ایئرپورٹ پر باندھا تھا حرم شریف پہنچے، عشاء کی نماز کعبہ شریف کے قریب ادا کی اور عمرہ کرنے کا آغاز کیا، کعبہ حسناء کے سات طواف نصیب ہوئے، مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نیچے دو رکعت نماز نفل ادا کئے، پھر سعی کرنے کے لئے بین المروہ وصفا حاضر ہوئے، یہاں بھی سات چکر لگائے، حاجیوں کا ہجوم تھا، دنیا کے کونے کونے سے مسلمان یہاں حج کے لئے آئے ہوئے ہیں، تاہم اللہ پاک کی رحمت سے عمرہ کر کے رات تین بجے کے قریب واپس ہوٹل آئے اور آ کر سونے کی تیاری کرنے لگے۔

۱۳ر اکتوبر ۲۰۱۲ء صبح سویرے اٹھے، رات قدرے نیند آ گئی، دس بجے کے قریب محترم محمد عزیز شمس

صاحب [۱] جو پہلے جامعۃ ام القریٰ میں ریسرچ سکالر تھے، اب یہاں کسی اور تحقیقی ادارہ میں نائب کے طور پر کام کر رہے ہیں، کو فون کیا تو انہوں نے بتایا کہ میں تو یہیں العزیزیہ میں رہتا ہوں اور مکتبۃ الحرم المکی الشریف [۲] میں آیا ہوا ہوں جو بالکل تمہارے قریب ہے، وہ چند منٹوں میں ہوٹل پہنچ گئے اور مجھے لے کر مکتبہ مذکورہ میں پہنچ گئے، وہاں کے ایک افسر عبدالقیوم خان صاحب سے ملایا، انہوں نے بہت ہی مہربانی فرمائی اور کتاب "المورد الهنی فی اسانید الشاہ عبدالغنی" [۳] کا وہ نسخہ جو مولف مولانا عبدالستار بن عبدالوہاب دہلوی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے دکھایا، میں نے پہلے ہی عزیر شمس صاحب کو اس کی CD لینے کی درخواست کی تھی، انہوں نے وہ CD لے لی اور میں وہاں دیر تک بیٹھا کام کرتا رہا، ظہر کی نماز کے بعد لائبریری کھلی تو میں پھر واپس آ کر کتب خانہ ہذا کی فہرست جو چار جلدوں میں طبع ہوئی تھی، پڑھنے لگا، خوبی کی بات یہ ہے کہ یہاں مولانا عبدالستار صدیقی مذکور کا ذخیرہ کتب مخطوطات محفوظ ہے، یہاں اکثر کتب ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں، جو بہت ہی اہم ہیں، رجال وشخصیات کے تراجم پر عمدہ ذخیرہ ہے۔

لائبریری سے اُٹھ کر مغرب کی نماز کے بعد میں محترم عزیر شمس صاحب کے ہاں گیا، ان کے گھر میں جو وہاں سے قریب ہی ہے، جا کر بہت سی نادر کتابیں دیکھیں، کچھ کتابیں اُن سے مستعار لے کر ہوٹل آ گیا، یہاں سے میں اُن کے ہمراہ مکتبۃ الرشد میں گیا، بہت بڑا مکتبہ ہے، دیر تک ہم کتابیں دیکھتے رہے۔

تین جلدوں کی ایک کتاب "الدر الکمین بذیل العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین" مولفہ نجم الدین ابی القاسم عمر بن محمد فہد ہاشمی مکی (۸۱۲۔۸۸۵ھ) خریدی، محترم عزیر شمس صاحب کے گھر پھر گیا اور "فہرست مقالات عربی" (چار جلدیں)، "معجم الشیوخ المغرب" پر ایک بہت عمدہ کتاب ہے، جو وہ کہیں سے لائے تھے، وہ بھی ان سے لی اور مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مع اولادہ مطبوعہ رضا لائبریری، رام پور بھی اُن سے لے کر ہوٹل میں آ گیا، کچھ دیر وہ کتابیں دیکھیں اور پھر نیند کی دوائی کھا کر رات سو گیا۔

۱۴ راکتوبر، صبح تین بجے اُٹھا اور زاہد صاحب کے ہمراہ حرم شریف حاضر ہوا، انتا رش تھا کہ بصد دقت حرم شریف تک پہنچے، تہجد کی نماز تو نکل گئی، اب فجر کی نماز اس روح پرور فضا میں ادا کی، اس کے بعد

طواف کا عمل شروع ہوا جو صبح آٹھ بجے تک جا کر پورا ہوا، اللہ کریم کا شکر ہے کہ تندرستی کے ساتھ طواف ہو گیا، وہاں سے ایک غلط بس پر بیٹھ گیا، جس نے العزیزیہ کے علاقہ 904 ہوٹل پر پہنچا دیا، عملہ سے معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ یہاں سے 409 تو بہت دور ہے، دوبارہ بسوں کے اڈہ میں جاؤ، بہرحال بہت وقت ضائع کر کے واپس اپنے ہوٹل پہنچا، لائبریری جاتے جاتے ساڑھے بارہ بج گئے، آج فہرست کا بڑا حصہ دیکھ ڈالا، بہت سے مفید مخطوطات دستیاب ہوئے، جن میں چار مخطوطات کی عکس برداری کی درخواست دی، اس سلسلہ میں محترم عبدالقیوم خان صاحب نے مدد کی اور عرض داشت رئیس لائبریری کے سیکرٹری سے منظور کروا کر اسی وقت ان چار نادر کتابوں کی CD بنوادی۔

(۱) اجازہ لعبدالستار الدھلوی المجز امۃ اللہ بنت حضرت شاہ عبدالغنی مجددی

(۲) المسلسل اجابۃ الدعا فی الملتزم از شاہ عبدالغنی مجددی

(۳) رسالہ فی معتقد السادۃ النقشبندیۃ لشیخ تاج الدین نقشبندی سنبھلی ثم مکی

(۴) نظم المقامات الاحمدیۃ المعصومیۃ مولف نامعلوم

غالباً یہ وہی رسالہ ہے جس کا اُردو ترجمہ تقسیم ہند سے پہلے، لاہور سے شائع ہوا تھا [۳] اور میں یہ سمجھتا تھا کہ اس کا اصل متن ضائع ہو چکا ہے، یہ رسالہ مولانا محمد امین بدخشی خلیفۂ حضرت شیخ آدم بنوڑی کا لکھا ہوا ہے، بہرحال اللہ پاک کی مہربانی سے ان چاروں مخطوطات کی عکسی نقل C.D کی صورت میں مل گئی اور فہارسِ مخطوطات عربیہ مکتبہ الحرم مکی، جواب کمیاب ہو چکی ہے کی C.D جو تیار تھی مجھے دے دی، لطف یہ ہے کہ سارے کام کی کوئی قیمت نہیں لی گئی۔

میں عصر کی نماز تک واپس ہوٹل آکر آرام کرتا رہا، اس دوران قدرے نیند آ گئی، جس سے طبیعت میں گرانی کی کمی ہوئی، مغرب کی نماز تک پھر مکتبۃ الحرم مکی میں مطالعہ کیا اور نماز کے بعد محترم عزیر شمس کے ہاں گیا، وہ آرام کر کے اُٹھ گئے تھے، وہ نہایت مہربانی کرتے ہوئے بازار کتاب فروشی میں لے گئے، مکتبہ اسدی سے بہت عمدہ کتابیں خریدیں جن میں سے حسب ذیل قابل ذکر ہیں:

(۱) السناء الباھر بتکمیل النور السافر فی اخبار القرن العاشر مولفہ سید محمد

الشلي اليمني، تحقيق ابراهيم بن احمد المقحفي، مطبوعه مكتبة الارشاد، صنعاء، يمن

(۲) معجم الشيوخ لتاج الدين عبدالوهاب بن علي السبكي، تخريج حافظ شمس الدين ابي عبدالله خبلي حقيقه، بشار عواد معروف وغيره

(۳) اتحاف الاحباب بذمية القصر الناعتة لمحاسن بعض اهل العصر لعلامه احمد بن محمد...... المقحفي (۱۱۱۸ ـ ۱۱۹۹ھ)، تحقيق عبدالرحمن معلمي، مكتبة الارشاد مذكور، صنعا

(۴) تاريخ الشجر واخبار القرن العاشر تاليف محمدبن عمر الطيب فقيه تحقيق عبدالله محمد الحبشي، مطبوعه مكتبة الارشاد، صنعا

(۵) الاربطة بمكة المكرمه في العهدالعثماني (۹۲۳ ـ ۱۳۳۴ھ)، تاليف اسوكنور حسين عبدالعزيز شافعي مطبوعه موسسة الفرقان للتراث الاسلامي، مكه، بریطانیہ میں مکہ مکرمہ میں رباطوں کے متعلق عمدہ تحقیق کی گئی ہے، شیخ تاج الدین نقشبندی سنبھلی مذکور کی رباط کا بہت عمدہ بیان بھی موجود ہے۔

(۶) كتاب نيل المسنى بذيل بلوغ القرى لتكملة اتحاف الورى (تاريخ مكه ۹۲۲. ۹۴۶ھ) تاليف جارالله بن العز بن النجم بن فهد المكي ۲ جلد، مطبوعه موسسة الفرقان

رات دس بجے کے قریب واپس ہوٹل آیا، آج حرم شریف نہیں جا سکا، اللہ پاک مجھے معاف فرمائے، رات دوائی کھا کر سو گیا۔

۱۵/اکتوبر، بروز پیر، صبح اٹھ کر ہوٹل میں ہی فجر کی نماز ادا کی، غسل کر کے لباس تبدیل کیا، ناشتہ کر کے مکتبۃ الحرم المکی شریف گیا، جا کر فہارس مخطوطات دیکھیں، کل مندرجہ ذیل تین مخطوطات عکس برداری کے لئے منتخب کئے تھے:

(۱) درة العقد الثمین فی بعض مناقب تاج الدین نقشبندی، مولف نامعلوم بخط عمر بن ابی بکر حبی، ف ۱۳۰۰ھ. الرقم ۲۸۰۷

(۲) سلم السالکین لشرح تحفة السالکین فی ذکر تاج العارفین شارح نامعلوم، رقم ۴۲۷۵/ تراجم (ف۱۱۱۴/۳ ش ۴۰۱۴)

(۳) مناقب حضرت شاہ احمد سعید مجددی مولفہ سید حسن تاج کماخی ۴ رقم ۲۸۸۰

ان کی C.D کے لئے درخواست جاتے ہی دے دی، جو منظور کر لی گئی اور چند منٹوں میں تیار کر کے میرے حوالہ کر دی گئی، میں بہت خوش خوش نیچے والی منزل میں آ کر ہادی المستر شدین ۵ مولفہ عبدالہادی بن عبدالکریم مطبوعہ حیدر آباد، دکن ۱۳۵۵ھ نکلوائی اور فوٹو سٹیٹ کی درخواست کی جس پر یہ کہہ کر انکار کر دیا گیا کہ یہ قدیم مطبوعہ ہے کتاب خراب ہو جائے گی، لیکن میں رئیس مطبوعات کے پاس گیا، اپنا تعارف کروایا اس نے کہا کہ ہم پوری کتاب کی فوٹو سٹیٹ نہیں دیتے تاہم کوشش کریں گے کہ دو مرتبہ کر کے دے دیں، تم کل لے لینا، میں تاریخ و تراجم کی مطبوعات الماریوں میں دیکھتا رہا، وہاں سے کچھ نام نوٹ کئے اور شیخ الاسلام عارف حکمت کے احوال پر مدینہ منورہ کی چھپی ہوئی ایک کتاب ۶ کے ابتدائی نصف حصہ کی فوٹو کاپی کی درخواست کی، فوٹو والے نے تیار کرنا شروع کر دی، لیکن ڈاکٹر عزیز شمس صاحب حسب وعدہ لائبریری پہنچ گئے اور مجھے لے کر شیخ محمد الرفاعی کا ذاتی کتب خانہ ۷ دکھانے کے لئے لے گئے، ہم مغرب کی نماز راستہ میں پڑھ کر ان کے ہاں پہنچے، کتب خانہ دیکھ کر حیرت ہوئی، ایک لاکھ کے قریب نادر الوجود کتب ہیں، جن میں اکثر حوالے کی کتابیں ہیں، ایک الماری میں صرف مخطوطات ہیں جن میں ایک مخطوطہ مکتوبہ ۷۳۲ھ بہت نادر ہے، یہ کتابیں میں دیر تک دیکھتا رہا، ان کے ہاں شیخ البانی کے داماد بھی آ گئے، میں تو مسلسل عشاء کی نماز تک کتابیں دیکھتا رہا، نماز کتب خانہ میں ہی پڑھی، نماز کے بعد پھر کتابوں کی جستجو میں لگ گیا، تین بہت بڑی قطاریں کتب تاریخ و تراجم کی ہیں، میں بہت متاثر ہوا، دیر تک ان کی تعریف کرتا رہا کہ اللہ رحیم نے ان کا کیسا نصیب بنایا ہے، عزیز شمس صاحب کے ہمراہ ہی ہوٹل پہنچا اور نیند کی دوائی کھا کر سو گیا، ان علمی انعامات کے لئے رب جلیل کا بے حد شکر ہے۔

۱۶/اکتوبر بروز منگل، آج صبح سویرے اٹھ کر نماز فجر ادا کی اور دیگر معاملات ضروریہ سے فراغت کے بعد مکتبہ الحرم مکی الشریف پہنچا، وہاں مخطوطات کے سیکشن میں دو گھنٹے تک مطالعہ کیا، پھر ساڑھے دس بجے ہوٹل آکر حرم شریف جانے کی تیاری کی، حرم جاکر طواف کیا، پھر ظہر کی نماز ادا کر کے برآمدہ میں بیٹھ گیا اور نمازِ عصر کے انتظار میں ساڑھے تین بجے تک بیٹھا توبہ ودعا کرتا رہا، دیگر احباب کے لئے بھی دعائیں کیں، عصر کی نماز پڑھ کر حرم شریف سے واپس ہوٹل کے لئے روانہ ہوا تو غلطی سے دوسرے اڈے کی بس پر بیٹھ گیا، وہاں سے واپس حرم آکر بس بدلی اور متعلقہ اڈے پر جاکر دوسری بس پر سوا ہوا، پھر کہیں ہوٹل پہنچا، کچھ کھانا کھایا اور مغرب کی نماز پڑھ کر ڈاکٹر عزیر شمس صاحب کے ہاں گیا، وہ آرام کر کے اٹھ گئے تھے، وہ عارف حکمت کے احوال پر کتاب کی فوٹوسٹیٹ مکتبۃ الحرم مکی سے لے آئے تھے، ان سے فوٹوسٹیٹ لی اور لائبریری آگیا، وہاں رسائل فی تاریخ مدینہ مرتبہ حمد الجاسر نکلوا کر دیکھی تو اس میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کے وصال کی حکایت درج تھی، اس کتاب ''وصف المدینۃ المنورۃ'' مولفہ علی موسو (امام مسجد نبوی الشریف) تالیف بسال ۱۳۰۳ھ کے مطابق مدینہ منورہ میں کوئی وبا پھوٹ پڑی تو حضرت شاہ عبدالغنی نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نوشتہ قرآن مجید کا قلمی نسخہ نکالا اور اس پر دعا کی، جس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ دعا کرنے والا فوت ہوجاتا تھا، چنانچہ شاہ صاحب کے ساتھ بھی یہی ہوا، متعلقہ صفحات کی فوٹو کاپی کی درخواست کی، اتنے میں عشاء کی نماز کا وقت ہوگیا، نماز پڑھی، کھانا کھایا اور پھر لائبریری چلا گیا، وہاں سے مذکرہ فوٹو کاپیاں حاصل کیں اور معلوم ہوا کہ نادر کتاب ''ہادی المسترشدین'' مولفہ مولانا محمد ہادی بن عبدالکریم کی فوٹو کاپی بھی تیار ہے، یہ بہت ضخیم (ص ۷۰۶) ہے، لائبریری کے عملہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لے کر ہوٹل آگیا اور جلد ہی سونے کی کوشش کی۔

۱۷/اکتوبر بروز بدھ، نماز فجر کے بعد جانے کی تیاری شروع کردی کیوں کہ آج محترم عزیر شمس صاحب کے ساتھ جامعۃ القریٰ میں جانا ہے، ناشتہ کے بعد میں باہر مین روڈ پر اُن کا انتظار کرنے لگا، پھر بیت الخلا گیا اس دوران عزیر صاحب آکر نکل گئے، میں نے موبائل پر فون کیا تو وہ واپس آگئے، ان کے ساتھ ان کے دفتر گیا، جو بالکل غار ثور کے دامن میں ہے، نیچے ہی کھڑے ہوکر غارِ شریف کی زیارت کی اور

ان کے ساتھ جامعہ ام القریٰ چلا گیا، سب سے پہلے ان کے ادارہ نشریات میں گئے وہاں سے ۱۹۹۹ء سے اب تک شائع ہونے والی کتب دیکھیں جو میرے مطلب کی تھیں وہ تین سو ریال میں خرید لیں، وہاں سے عکسیات کے سیکشن میں گئے، تاریخ وتراجم کی فہارس تاحال طبع نہیں ہوئی تھیں، کتابوں کے چار بڑے بڑے تھیلے لے کر ہوٹل آئے اور کتابیں رکھ کر نمازِ ظہر کے لئے گئے، نماز کے بعد مکتبہ حرم مکی الشریف میں جاکر جامعہ ام القریٰ کی فہارس مخطوطات کا مطالعہ کیا، صرف ایک مخطوطہ میرے لئے مفید ہے یعنی عرف الندی لنصرۃ الشیخ احمد السرہندی ۸ مولف حسن بن مراد التونسی بخط مولف بسال ۱۲۵۷ھ، اس کے علاوہ وفیات الاکابر فی القرن العاشر مولفہ عبدالقادر بن شیخ عیدروس (ت ۱۰۳۸ھ) اور الفیوضات الخالدیۃ والمناقب الصالحیہ مولفہ اسعد بن محمود صاحبزادہ نقشبندی (ت ۱۳۴۷ھ، الاعلام ۳۰۱/۱) قابل توجہ ہیں، حج کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے عکس حاصل کریں گے۔

نماز ظہر کے بعد مکتبۃ الحرم مکی الشریف پھر گیا، دیر تک وہاں علمی کام کرتا رہا، وصف المدینہ مولفہ علی بن موسیٰ کے کل صفحات ۸۱ر ہیں جن کی فوٹوسٹیٹ کروالی، ہر نماز کے وقت لائبریری بند ہو جاتی ہے اور نماز کے بعد پھر کھل جاتی ہے، دو بجے دوپہر ہوٹل آکر آرام کیا، پھر عصر کی نماز پڑھ کر لائبریری گیا اور کئی اہم کتابیں دیکھیں، عشاء کی نماز کے بعد واپس آتے ہوئے رات کا کھانا ایک برگر کھایا اور کتاب ہادی المسترشدین کی فوٹو کاپی چیک کی تو صفحات ۳۷۰ کے بعد کچھ بے ترتیب معلوم ہوئے، صبح جاکر دیکھوں گا، رات جلد ہی سو گیا۔

۱۸ر اکتوبر بروز جمعرات، آج صبح غسل کے بعد ہی جانے کی تیاری کرنے لگا، محترم محمد عزیر شمس صاحب کے ساتھ آج حرم شریف کے آس پاس کتابوں کی دکانوں پر جانا ہے، ناشتہ کے بعد میں نے عزیر صاحب کو فون کیا تو انہوں نے بتایا کہ میں پندرہ منٹوں کے بعد آرہا ہوں، وہ حرم مکی کی لائبریری میں آگئے، اور یہاں سے مجھے لے کر بازار کتابفروشی کی طرف چل دیئے، ہم ایک مکتبہ میں گئے جو دارالکتب العلمیہ، بیروت کا ایجنٹ ہے اس کے ہاں ان کی تمام کتابیں ملتی ہیں، خیر یہ سب کتب پاکستان میں مل جاتی ہیں، ہم ایک اور مکتبہ میں گئے وہاں سے صرف ایک کتاب فہرست مخطوطات تاریخ وتراجم فی متحف العراق خریدی

وہاں سے سیدھے مکتبہ الفیصلیہ آ گئے، یہاں مصر کی بہت سی مطبوعات مل جاتی ہیں، ہم نے تاریخ وتراجم والا حصہ دیکھا صرف تین چھوٹی کتابیں منتخب کیں، افسوس کہ کتاب ''المنھل الصافی مستوفی بعد الوافی'' ۹ ناقص صورت میں موجود تھی یعنی دس جلدوں میں سے ساتویں جلد غیر موجود تھی، دکان کے مالک سے قیمت پوچھی تو اس نے ناقص سیٹ کی قیمت تین سو ریال بتائی، بہرحال اس کی منت سماجت کر کے دوسو ریال میں خرید لی، یہ ابھی بھی پوری نہیں ہے، دسویں جلد کے آخر میں لکھا ہے کہ اس کے بعد گیارہویں جلد آئے گی، اللہ کرے کہیں اور سے مل جائے

کتابیں لے کر میں اور عزیر صاحب گھر آئے، ان کے ہاں کھانا کھایا، آلو اور ساگ پکا ہوا تھا، وہ کھایا، ایک جگہ ظہر کی نماز ادا کی اور لسی پی کر ہوٹل پہنچ گیا، اس کے بعد کچھ دیر کے لئے سونے کی کوشش کی تاہم اونگھ سی آئی اور عصر کی نماز کے بعد مکتبہ الحرم الشریف میں مطالعہ کرتا رہا، پھر حرم شریف چلا گیا، آج طواف بھی نصیب ہوا، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کیں اور دعائیں کرتا ہوا واپس ہوٹل آ گیا، جلد ہی سونے کی کوشش کی کیوں کہ رات نیند نہیں آئی تھی۔

۱۹/ اکتوبر بروز جمعۃ المبارک، آج جمعۃ المبارک ہے مجھے حرم شریف جا کر جمعہ کی نماز ادا کرنی ہے، آج صبح فجر کی نماز کے بعد نیند آ گئی جس سے طبیعت کا ثقل جاتا رہا، میں اٹھ کر تیار ہوا اور آدھا گھنٹہ مکتبۃ الحرم المکی الشریف میں کچھ کتابیں دیکھیں لیکن جلد ہی حرم شریف کے لئے روانہ ہو گیا، وہاں حج کا سا سماں تھا، اتنا ہجوم خلقت کا کبھی نہیں دیکھا تھا، سبحان اللہ! دنیا کے کونے کونے سے مسلمان حج کے لئے مکہ مکرمہ آ رہے ہیں، بروز جمعرات یہاں حج کا آغاز ہوگا۔

جاتے وقت تو زیادہ مشکل پیش نہیں آئی، آتے ہوئے شدید دقت کا سامنا ہوا، نکلنا بہت ہی مشکل تھا، خدا خدا کر کے باہر نکلے تو آگے بسوں کی کمی اور حجاج کی تعداد بہت ہی زیادہ، تاہم ایک بس میں بصد مشکل گھس گیا، جس نے عزیزیہ جانے والے اڈے تک پہنچا دیا، وہاں سے پھر بڑی دقت سے بس پر سوار ہو کر العزیزیہ آیا، دوپہر کا کھانا کھا کر ذرا آرام کرنے کی کوشش میں لیٹ گیا، تاہم ذرا بھی نیند نہ آئی، اٹھ کر عصر کی نماز ادا کی اور مکتبۃ الحرم المکی الشریف چلا گیا جہاں عشاء کی نماز تک مطالعہ اور تحقیق کا کام جاری رہا،

مغرب کے بعد محترم عزیز شمس لائبریری آئے، اور یہ پروگرام بتا گئے کہ کل مغرب کے بعد مدرسہ صولتیہ کے مدیر کے چچا کی تعزیت کے لئے جائیں گے، مجھے بھی مدرسہ کے بانی مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی اس سند کی تلاش ہے جو انہوں نے حضرت شاہ عبدالغنی مجددی سے مدینہ منورہ میں حاصل کی تھی، رات کو جلد ہی سونے کی فکر ہوئی۔

۲۰ر اکتوبر بروز ہفتہ، صبح کے ناشتہ کے بعد مکتبۃ الحرم مکی الشریف چلا گیا، ظہر کی نماز تک وہاں کام کیا، کتاب ''ہادی المسترشدین'' کے وہ اوراق جو ایک نسخہ میں کم تھے دوسرے میں پورے تھے تو مدیر کتابخانہ نے وہ افتادہ اوراق کی فوٹو کاپی بنوادی، اس طرح یہ بیش قیمت کتاب کی فوٹو پوری ہوگئی، ظہر کی نماز کے بعد ہوٹل آکر سونے کی کوشش کی لیکن نیند کہاں؟

عصر کی نماز مسجد میں ادا کی اور لائبریری چلا گیا، طبیعت ذرا مضمحل تھی تاہم علمی کام جاری رہا، آج حرم شریف نہیں جاسکا، دن بھر کے علمی کام سے تھکان بڑھ گئی، عشاء کی نماز کے بعد جلد ہی سونے کی کوشش کی۔

۲۱ر اکتوبر بروز اتوار، نماز فجر کے بعد دوبارہ سونے کی کوشش کی قدرے نیند آگئی، ساڑھے سات بجے اُٹھ کر تیار ہوا، مکتبۃ الحرم المکی الشریف میں جاکر مطالعہ کرتا رہا، تاریخ وتراجم کی ساری الماریاں دیکھ ڈالی ہیں، اسنادِ علماء کے کئی اہم مجموعے دیکھے اور ان کے نام بھی لکھ لئے، اسی طرح سارا دن گذر گیا، مغرب کی نماز کے بعد پھر لائبریری میں ہی رہا، عشاء کے بعد عزیز شمس صاحب مجھے لےکر اپنے گھر گئے وہاں ان کے ساتھ رات کا کھانا کھایا، رات دیر تک ان سے علمی باتیں ہوتی رہیں، انہوں نے بتایا کہ جامعۃ ام القریٰ، مکہ مکرمہ کے ایک پروفیسر عبدالقیوم سندی نے ایک رسالہ **الحجة القوية في الرد علی من قدح في الحافظ ابن تيميه** تالیف مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی سندی مرتب کرکے شائع کیا تھا، جو انہوں نے مخدوم معین ٹھٹھوی کے رد میں لکھا تھا، انہوں نے اپنا ذاتی رسالہ مجھے مطالعہ کے لئے دیا تو میں نے فیصلہ کرلیا کہ اس کا ضروری حصہ صبح فوٹو کاپی کروالوں گا، رات دیر سے ہوٹل واپس آکر سوگیا۔

۲۲ر اکتوبر، بروز پیر، آج صبح دیر سے سوکر اُٹھا فجر کی نماز تاخیر سے ادا کی اور مذکورہ کتاب مخدوم محمد ہاشم کی فوٹو کاپی بنوانے کے لئے نکلا، پہلے مکتبۃ الرشد پر گیا، دیر تک وہاں کتابیں دیکھتا رہا، میرے مطلب

کی ایک کتاب "الخطط التوفیقه الجدید" کی صرف اٹھارہویں مطبوعہ جلد دیکھی باقی جلدیں موجود ہی نہیں تھیں اور وہاں سے کوئی کتاب نہ خریدی واپس آتے ہوئے مذکورہ رسالہ کی فوٹو کاپی سات ریال میں بنوائی، کتاب ظہر کی نماز سے پہلے تیار ہوگئی، اتنے میں محترم عزیز شمس صاحب کا فون آیا کہ آؤ ہمارے دوست علی بن محمد العمران ؟؟ دفتر میں موجود ہیں ان سے ملاقات کرتے ہیں، ان کے دفتر میں جو دو کمروں پر مشتمل ہے کتابوں سے بھرا ہوا تھا، میں ایک گھنٹہ صرف تاریخ وتراجم کی کتابیں دیکھتا رہا، پھر عزیز صاحب کے ساتھ واپس ہوٹل آ گیا، ان سے کتاب المختصر من کتاب نشر النور والزہر فی تراجم افاضل مکہ مستعار لی اور اُسی دکان پر اس کی فوٹوسٹیٹ کروانے کے لئے گیا لیکن دکان والے نے انکار کر دیا کہ ہم صبح کے وقت فوٹو کاپی بناتے ہیں، مجبوراً آ کر لائبریری میں کچھ دیر کام کیا اور عشاء کی نماز کے بعد روزنامچہ کے کچھ اوراق لکھے۔

کل سے مناسک حج کا آغاز ہو رہا ہے رب کریم قبول فرمائے، آمین اور صحت وتندرستی کے ساتھ ادا ہوں، آج رات بالکل سادہ کھانا کھایا یعنی مونگ کی دال روٹی کے ساتھ کھائی تعجب ہے کہ بھنی ہوئی مرغی (نصف) کی قیمت اور دال کی قیمت برابر تھی، آج رات جلد ہی سو گیا۔

۲۳ر اکتوبر بروز منگل، آج شام عصر کے بعد ہمیں منیٰ لے کر جانا تھا لیکن نہیں جا سکے، دن بھر توجہ اسی طرف رہی مکتبہ الحرم المکی الشریف میں بے توجہی سے کام کرتا رہا، بار بار آ کر دیکھتا رہا، اب انہوں نے کہا کہ کل فجر کی نماز کے بعد منیٰ جائیں گے، ایک کتاب سیر وتراجم بعض علمائنا فی القرن الرابع عشر للہجرۃ تالیف عمر عبدالجبار دیکھی اس میں شیخ احمد بن عثمان مکی (مولف ہدیۂ احمدیہ) اور دیگر علماء مثلاً مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا عبدالستار دہلوی وغیرہ کے حالات قریب العہد ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں، حج سے واپس آ کر مطلوبہ صفحات کی فوٹوسٹیٹ بنواؤں گا، ان شاءاللہ

۲۴/ ۲۵/ ۲۶ر اکتوبر۔ ۸/ ۹/ ۱۰ر ذی الحج بروز بدھ، جمعرات، جمعہ

صبح فجر کی نماز کے بعد احرام باندھا، ناشتہ کیا اور بسوں میں بیٹھ گئے، آٹھ بجے کے قریب منیٰ میں حاضر ہو گئے، یہاں حاجیوں کے لئے لاکھوں خیمے نصب کئے گئے ہیں، ہر خیمہ میں ایئر کولر، قالین، گدے،

کمبل وغیرہ موجود ہیں، خیموں سے باہر ہر قسم کا کھانا مل جاتا ہے، یہیں رہ کر ہم نے عبادت اور ورد و وظائف میں وقت گذارا، سنت یہ ہے کہ یہاں ظہر، عصر عشاء اور فجر کی نمازیں پڑھ کر جانا ہے لیکن حجاج کی تعداد زیادہ ہونے کے باعث ہمیں جلد ہی عرفات بھیج دیا گیا، ہم پیدل چل کر ریلوے اسٹیشن تک گئے جو ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، ٹرین جلد ہی مل گئی اور ہم چند منٹوں میں میدانِ عرفات پہنچ گئے، جہاں خیمے ویسے نہیں تھے جیسے منیٰ میں تھے، بہر حال یہاں بھی ہم نمازیں پڑھتے رہے، یہاں سے بھی ہمیں رات کو ہی چلنا تھا، منتظمین نے کہا کہ آپ پہلے ریلوے اسٹیشن پہنچ جائیں جو مسجد نمرہ کے قریب ہے، یہ مبارک مسجد عرفات سے بہت دور تھی ہم گروپ کی شکل میں نکلے لیکن ہجوم زیادہ ہونے کے باعث بچھڑ گئے، میں سخت پریشان ہوا کیوں کہ یہاں سے مزدلفہ سات آٹھ کلومیٹر تھا، میرے لئے اب اس عمر (۶۲ر سال) میں چلنا دشوار ہے، اس پر اتنا ہجوم کہ چلنا بہت ہی مشکل ہو گیا، میں اللہ کریم سے دعائیں کر رہا تھا کہ کوئی معاون مل جائے، تھوڑی ہی دیر میں ایک نوجوان نے، جو پاکستانی تھا اور یہاں ملازمت کرتا تھا سے ملاقات ہوئی وہ مجھے لے کر ایک پل پر گیا جہاں مزدلفہ کے لئے بسیں کھڑی تھیں وہ سو ریال فی مسافر لے رہی تھیں جو بہت ہی زیادہ تھا، تاہم مجبوری تھی میں بیٹھ گیا، رات دس بجے کے بعد وہاں پہنچے وہاں کوئی بھی شناسا نہیں تھا، رات ہمیں کھلے میدان میں گذارنا تھی یہی سنت ہے، میں نے بسکٹ کھا کر گذارا کیا، رقم والی بیلٹ اپنے سینے سے باندھی اور چادر بچھا کر لیٹ گیا، ہر طرف شور اور ہجوم کے باوجود قدرے نیند آ گئی، کیوں کہ نیند کی دوائی کھالی تھی، فجر کی نماز کے لئے اٹھے، ناشتہ کیا اور جمرات کے لئے روانہ ہوئے یہاں سے اس کا بہت ہی فاصلہ ہے، میں پریشان تھا کہ کیسے وہاں پیدل جا سکتا ہوں، دعائیں کرتا ہوا روانہ ہوا تو ایک منی بس نظر آئی جو کسی نے مختص کروا رکھی تھی میں نے درخواست کی کہ میں بوڑھا، بیمار اور ضعیف ہوں پیدل چل نہیں سکتا، اس نے صاف انکار کر دیا، تاہم ڈرائیور نے مجھے بٹھا لیا، لوگ اتنی کثرت سے تھے کہ پیدل اور سوار کی ایک ہی رفتار تھی گھنٹوں صَرف ہوئے، پھر جا کر آدھے راستہ پر سب سواریوں کو اتار دیا، میں اب اللہ کا نام لے کر چل پڑا، کسی راہنما کا منتظر تھا کہ ایک نوجوان پاکستانی مستری مل گئے جو مجھے باتیں کرتے ہوئے جمرات تک لے گئے، وہاں پہنچ کر دیکھا تو شیطانوں کے لئے بہت ہی بڑی عمارت بنائی گئی تھی جو تین منزلہ اور اے

سی لگے ہوئے تھے، شیطان الکبیر کو کنکریاں ماریں اب کل اور پرسوں آ کر پھر دو چھوٹے شیطانوں کو کنکریاں مارنا ہیں، اس لڑکے نے کہا کہ تم کنکریاں پڑھ کر مجھے دے دو میں مار دوں گا، میں نے اس کا شکریہ ادا کیا، اور وہاں سے حرم شریف کی طرف روانہ ہوا لیکن کوئی بس یا ٹیکسی نہیں مل سکی، اس نوجوان نے مجھے ویل چیئر پر بٹھایا اور پل پار کروا کر ویگن میں بٹھایا، جس نے پچاس ریال لئے اور حرم شریف کے قریب پہنچا دیا، میں نے طواف زیارۃ کیا اور تھکن سے بے حال ہو چکا تھا، میں پھر رب کریم کی اعانت کا منتظر تھا کہ ایک پاکستانی ڈاکٹر مظفر اقبال مل گئے، ان کو منیٰ ہی جانا تھا وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئے ہم چالیس ریال میں نصف راستہ طے کر سکے تھے کہ ڈرائیور نے کہا کہ اب آگے نہیں جا سکتے، میں بے حال تو پہلے ہی تھا یہ سن کر نڈھال سا ہو گیا، بڑی مشکل سے ایک ویل چیئر والے کو پچاس ریال میں منوایا، جو مجھے منزل مقصود تک لے جانے کے لئے تیار ہوا، ہمیں راستہ بالکل معلوم نہیں تھا، ایک بس ڈرائیور نے مدد کی اور ڈاکٹر صاحب پیدل چل کر کیمپ تک آئے میں نے اُن کا شکریہ ادا کیا وہ مجھے خیمہ کے دروازے پر چھوڑ کر آئے، اب ہمیں دو دن مزید یہاں رہنا ہے، ہم یہاں عبادت اور ریاضت میں مصروف رہے تھکن اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی، رات جلد ہی نیند کی دوائی کھا کر سو گیا۔

۲۷/اکتوبر، آج دن بھر منیٰ میں گذارا وقت پر نمازیں ادا کیں، بڑا روح پرور منظر تھا، ان کے علاوہ ذکر و وظائف میں بھی مصروف رہے، سب لوگ ارادہ کر رہے ہیں کہ فجر کے بعد منیٰ سے نکلیں گے۔

۲۸/اکتوبر، صبح فجر کی نماز کے بعد ناشتہ کیا اور شیطان اصغر کو کنکریاں مارنے کے لئے روانہ ہو گئے، یہاں سے جمرات جانا ہے، ڈیڑھ کلومیٹر پیدل چل کر ریلوے اسٹیشن گئے، وہاں ٹرین جلد ہی مل گئی، جمرات سے العزیزیہ نزدیک ہے لیکن جوانوں کے لئے، دور تک پیدل گئے میرے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا، ویگنیں حرم شریف تک جاتی تھیں لیکن العزیزیہ الجنوبیہ کوئی بھی جانے کے لئے تیار نہیں تھا، تاہم کچھ افریقی لڑکے موٹر سائیکلیں لئے کھڑے تھے، میں نے ایک سے بات کی تو اس نے اڑھائی سو ریال طلب کئے، پھر تھوڑی دور چل کر ایک اور لڑکا کھڑا تھا اسے پوچھا تو اس نے دو سو ریال معاوضہ مانگا، کئی ایک سے دریافت کیا، آخر ایک نے اسی ریال کہے تاہم ستر ریال میں بات بن گئی، جونہی میرے ہوٹل کا علاقہ قریب آیا پہچان

لیا اور اس کو اتارنے کا اشارہ کیا، وہاں سے تھوڑا پیدل چل کر ہوٹل پہنچا، اللہ کریم کا بہت احسان ہے کہ اس نے اس ضعیفی میں بھی حواس قائم رکھے اور میرا حج ہوگیا، ہوٹل آکر نہایا اور پھر دس بجے سے ظہر کی اذان تک لیٹا رہا، عصر کے بعد چائے پی کر مکتبۃ الحرم المکی الشریف گیا، وہاں سے کتاب سیر وتراجم میں سے مطلوبہ افراد کے حالات کی فوٹو کاپی حاصل کی اور مغرب کی نماز کے لئے باہر آ گیا، چونکہ تھکن اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی اس لئے لائبریری میں بیٹھنا ممکن نہ رہا، واپس آکر ڈسپنسری سے کھانسی کی دوائی لی اور کھا کر سو گیا۔

۲۹ر اکتوبر، رات نیند آنے سے تھکن میں قدرے کمی ہوئی لیکن ضعف دماغ بدستور ہے، فجر کی نماز کے بعد ناشتہ کیا، واپس آکر کپڑے بدلے اور مکتبۃ الحرم مکی الشریف جا کر مطالعہ کرنے لگا، علامہ ابن عابدین پر دو ضخیم جلدوں میں ایک کتاب ابن عابدین واثرہ فی الفقہ الاسلامی تالیف محمد عبداللطیف صالح الفوخور دیکھی اور اس میں سے علامہ ابن عابدین کو مولانا خالد کردی رومی نے جو سند دی تھی اس کی فوٹو کاپی کروائی، اسی طرح ان کے رسالہ ''سل الحسام الہندی لنصرۃ مولانا خالد النقشبندی'' کی اس میں جو تفصیلات ہیں ان کی بھی کاپی کروائی۔

علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی سندھی نے مکہ مکرمہ آکر مفتی عبدالقادر مکی سے اکتساب فیض علمی کیا تھا، علامہ سندھی نے اپنے استاد کی ''اسانید اتحاف الاکابر بمرویات الشیخ عبدالقادر'' الخ کے نام سے عربی میں تالیف کی تھی، یہاں اس کا خلاصہ ابوالفیض محمد یٰسین الفادانی مکی نے تیار کر کے طبع کروایا تھا، اس کے ابتدائی ۶۱ر صفحات کی فوٹو کاپی دو مرتبہ کر کے بنوائی، عصر کی نماز کے بعد پھر مذکورہ لائبریری میں گیا اور مغرب تک مطالعہ کرتا رہا، نماز کے بعد واپس ہوٹل آکر پانی پیا اور پھر محترم عزیر شمس سے ملنے اُن کے گھر گیا لیکن اُن کے ہاں سے کوئی جواب نہ ملا تو واپس آکر عشاء کی نماز پڑھی، کھانسی تو اب زیادہ نہیں رہی، اللہ کریم کے فضل سے آرام ہے، امید ہے کہ رات نیند آجائے گی۔

۳۰ر اکتوبر، نماز فجر کے بعد جلد ہی ناشتہ سے فارغ ہوگیا، دن بھر مختلف اوقات میں مکتبۃ الحرم مکی میں کام کرتا رہا، مطالعہ اور مطلوبہ صفحات کی فوٹو کاپی کرواتا رہا، کئی کتب اسناد کی فوٹو کاپیاں لیں، جو کم ضخامت میں تھیں وہ دو مرتبہ کر کے مکمل کاپی کروالیں اور جو بڑی ہیں وہ کئی اقساط میں جا کر مکمل ہوئیں،

مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کے اتحاف الاکابر کے کئی صفحات کا عکس بنوایا۔

ظہر کی نماز کے بعد کچھ دیر کے لئے لیٹ گیا پر نیند کہاں؟ عصر کی نماز کے بعد چائے پی کر پھر لائبریری چلا گیا، اسی طرح مغرب اور عشاء کی نمازوں تک کام کرتا رہا، عشاء کے بعد کھانا کھا کر جلد ہی سونے کی کوشش کی۔

۳۱ر اکتوبر، صبح نو بجے کے قریب کتب خانہ حرم مکی میں پہنچا، آج زیادہ مطالعہ نہ کرسکا، کیوں کہ رات نیند کی کمی رہی تاہم کئی کتابوں سے فوٹوسٹیٹ بنوائے، آج اتحاف الاکابر مذکور کی فوٹو کاپی مکمل ہوگئی، اسی طرح دوسری کتابیں بھی دیکھتا رہا، البرزنجی اور القشاشی کے کارڈ بھی دیکھے لیکن اول الذکر کی چند کتب طبع قدیم مصر موجود تھیں ان میں سے برزنجی (محمد بن عبدالرسول) کی کتاب قیامت کے موضوع پر دیکھی، لیکن مطالعہ نہ کرسکا، کل ان شاء اللہ اسے پڑھ کر کچھ یادداشت مرتب کروں گا، عشاء کے بعد سونے کے لئے لیٹ گیا۔

یکم نومبر، صبح نو بجے غسل کے بعد مذکورہ لائبریری میں گیا، دس بجے تک برزنجی کی مذکورہ کتاب دیکھی اس دوران محترم عزیر شمس کا فون آیا کہ چلئے پروفیسر ڈاکٹر سلیمانی سے ملوالاؤں، میں ان کے ساتھ روانہ ہو گیا، راستہ میں ایک دکان سے کتاب "قرة العينين في اطراف الصحيحين" [۱۳] مرتبہ محمد فواد عبدالباقی (۳رجلد) خریدی اور چل پڑے، سلیمانی صاحب کے ہاں چائے پی اور اُن کا ذاتی کتب خانہ دیکھنا شروع کیا، بہت نادر اور اہم کتب حوالہ اُن کے ہاں موجود ہیں، اُن کے ہاں "المنهل الصافي" کی ساتویں جلد [۱۴] بھی موجود تھی، میں نے اُن سے فوٹو کاپی کے لئے مانگی تو دے دی لیکن ساتھ ہی کہا کہ یہ تو قاہرہ میں عام ملتی ہے، میں مصر جارہا ہوں وہاں سے لے کر بھیج دوں گا، عزیر شمس صاحب نے بھی اس کی تائید کی، اُن کے ایک شاگرد ندیم صاحب نے آج کھانے پر بلایا تھا، ہم سلیمانی صاحب سے اجازت لے کر ندیم صاحب کے ہاں آئے، دوپہر کا کھانا کھایا دیر تک علمی باتیں ہوتی رہیں، ندیم صاحب نے پیشکش کی کہ وہ کتابیں کارگو سے پاکستان بھیجنے میں مدد کریں گے اور ہفتہ یا اتوار کو ہوٹل آکر کتابیں گاڑی میں رکھ کر لے جائیں گے، میں نے مدد کا پیشگی شکریہ ادا کیا۔

عصر کی نماز کے بعد مکتبۃ الحرم مکی کی لائبریری میں گیا اور مغرب کی نماز تک وہاں کام کرتا رہا، عبداللہ العیاشی [۱۵] کا سفرنامہ نکلوا کر کچھ صفحات کے فوٹو بنوائے اور لے کر واپس ہوٹل آیا، عزیر شمس صاحب کو ان کی دونوں کتابیں واپس کیں اور عشاء کی نماز کے بعد سو گیا۔

۲راکتوبر، آج نماز کے بعد (رسالہ) صفحات فی ترجمۃ الحافظ الذہبی لقاسم علی سعد اور کتاب فی تحقیق النص [۱۶] بشار عواد معروف کی فوٹو سٹیٹ کروانے کے لئے گیا لیکن جمعہ کی وجہ سے دکان بند تھی اس لئے واپس آ گیا، اول الذکر رسالہ دراصل بشار عواد معروف کی کتاب الذہبی ومنہجہ فی تاریخ الاسلام پر استدراک ہے اور دوسری کتاب بشار عواد نے تاریخ الاسلام لذہبی مرتبہ عمر عبدالسلام تدمری پر سخت نقد کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان کے مرتبہ متن میں ۱۱۴۴ شخصیات کے تراجم مفقود ہیں، خود بشار عواد معروف نے تاریخ الاسلام کے دو ایڈیشن مرتب کئے ہیں، آخری ایڈیشن دار الغرب الاسلامی بیروت کا ہے جس کی یہاں مکہ مکرمہ میں قیمت دو ہزار ایک سو ریال ہے، بشار عواد معروف عراق کے صدر صدام حسین کے دست راست تھے، وہ عراق پر امریکی حملہ سے پہلے ہی نکل جانے میں کامیاب ہوئے اور اُردن چلے گئے ہیں، وہاں کی یونیورسٹی نے انہیں پوری تنخواہ دے کر اپنے پاس رکھ لیا ہے اور کہا ہے کہ آپ علمی و تحقیقی کاموں میں یہاں مصروف رہیں، وہ سارا کتب خانہ بھی اُردن لے جانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

آج جمعۃ المبارک ہے اور مجھے حرم شریف جا کر طواف کے علاوہ جمعہ اور ظہر کی نمازیں بھی ادا کرنی ہیں، چنانچہ میں ساتھیوں سمیت ساڑھے نو بجے حرم شریف پہنچ گیا اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے طواف و نماز جمعہ کے بعد واپس العزیزیہ آ گیا، کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کیا، پھر عصر کی نماز پڑھ کر مکتبۃ الحرم مکی الشریف گیا لیکن معلوم ہوا کہ لائبریری جمعہ کو نصف دن کے بعد بند ہو جاتی ہے اب کل کھلے گی تو مخطوطات کی سی ڈی کے لئے درخواست دوں گا، آج زیادہ تر اپنے کمرہ میں آرام ہی کیا، عشاء کے بعد کھانا کھا کر سو گیا۔

۳رنومبر، فجر کی نماز ہم سب ساتھیوں نے العزیزیہ کی مسجد حضرت عمر ابن الخطاب میں جا کر پڑھی، نماز کے بعد کمرہ میں آ کر پھر سو گئے اور ساڑھے سات بجے کے قریب اُٹھ کر غسل کیا، ناشتہ کر کے مکتبۃ الحرم المکی الشریف گیا، آج اس کا مخطوطات والا حصہ (منزل چہارم) کھل گیا ہے، ڈاکٹر عبدالقیوم صاحب

یہاں ایک پاکستانی ہیں جو بہت معاون ثابت ہوئے ہیں، میں نے بقیہ مطلوبہ مخطوطات کی C.D کی درخوست دی تو چونکہ مخطوطات سات تھے اس لئے انہوں نے کہا کہ مدیر اعلیٰ ہی ان کی اجازت دے سکتا ہے، چنانچہ ساڑھے آٹھ بجے تک انتظار کریں، میں نے آکر کل والی کتب اٹھائیں اور سولہ ریال میں ان کے فوٹوسٹیٹ بنوالئے، ساڑھے دس بجے کے قریب لائبریری گیا تو مدیر اعلیٰ موجود تھے درخواست پیش کی تو انہوں نے مخطوطات کے انچارج سے رپورٹ طلب کی، میں رپورٹ لے کر دوبارہ اُن کے پاس گیا تو اُسی وقت اجازت دے دی، اُن اہم مخطوطات میں مولانا عبدالستار بن عبدالوہاب دہلوی کے بہت قیمتی رسائل بھی شامل ہیں، جن میں ''نثر المآثر''، ''ازھار البستان''، ''تحفۃ الاحباب''، تراجم بعض شخصیات، رد العقول اہم تذکرے [۱۷] ہیں، جوانہوں نے اپنے معاصرین کے بارے میں لکھے ہیں مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے اپنے سفر حج کے دوران علمائے فرنگی محلی کا ایک مختصر تذکرہ عربی میں ''خیر العمل بذکر تراجم علماء فرنگی محل'' [۱۸] (تاج المکلل من جواہر تراجم علماء فرنگی محل) ۱۳۱۲ھ کو تالیف کیا تھا، یہ بھی یہاں موجود ہے، لیکن افسوس کہ اس کی ان کے کمپیوٹر میں فلم موجود نہیں تھی اس لئے اس کی C.D نہ مل سکی، ایک مختصر سی تاریخ ''مختصر المرادفی تراجم الخلفاء والسلاطین'' [۱۹] ترکی سلاطین کی تاریخ پر شیخ محمد بن مراد کی تالیف ہے جو حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے خلیفہ تھے، میں اپنے قیامِ استنبول (جون ۲۰۱۲ء) میں ان کے مزار مبارک پر حاضر ہوا تھا کی C.D بھی حاصل کر لی، ایک مخطوطہ سرد النقول فی تراجم الفحول مولفہ عبدالستار مذکور کی جلد اول کی عکسی نقل مل سکی جلد دوم کا غیر مصورہ ہونے کی وجہ سے عکس نہ مل سکا، اللہ کریم کا بے حد وحساب شکر ہے کہ اس نے اپنی عنایت سے ان بیش بہا مخطوطات کے عکس عطا فرمائے۔

میں مغرب کی نماز تک لائبریری میں مطالعہ کرتا رہا، عشاء کی نماز پڑھ کر سونے کی تیاری کی۔

۴ر نومبر، آج فجر کی نماز کے بعد پھر سو گیا اور غسل کے بعد مکتبۃ الحرم المکی الشریف پہنچا، ظہر کی نماز تک مختلف کتابوں کا مطالعہ کرتا رہا، مخطوطات کے سیکشن میں بھی جا کر کچھ کام کیا، محمد ندیم صاحب جو جامعۃ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں ایم فل کے متعلم ہیں میری جمع شدہ کتابیں کارگو سے پاکستان روانہ کرنے کی ذمہ داری لی اور ظہر کے بعد آنے کو کہا لیکن مصروفیت کے باعث وہ عصر کے بعد آئے، بہت وزنی کتابوں کے دو

کارٹن سر پر اٹھا کر بذریعہ لفٹ نیچے لائے اور پھر کار میں رکھ کر مجھے اور کتابوں کو علاقہ شامیہ لے گئے جہاں وزن کرنے پر ۵۵ر کلو وزن ہوا، پچاس کلو کے حساب سے ۱۵۰ر ریال لئے، پچاس ریال انشورنس کے بھی کاٹے، بیس ریال پیک کرنے کے بھی لئے گویا ہم نے ۲۲۰ر ریال ادا کر دیئے اور مغرب کے قریب ندیم صاحب کے گھر جا کر چائے پی اور پھر ان کے دوست سراج صاحب اپنی کار میں مجھے العزیزیہ چھوڑ گئے، عشاء کی نماز کے بعد پھر لائبریری گیا اور اپنی فوٹو سٹیٹ حاصل کر کے واپس آ گیا۔

۵ر نومبر، صبح فجر کی نماز کے بعد آج سو نہ سکا، نہا دھو کر ناشتہ کر رہا تھا کہ محترم نبیل صاحب کا فون آیا کہ وہ عزیزیہ پہنچ گئے ہیں، مجھے اُن کے ہمراہ آج جامعۃ ام القریٰ جانا ہے، وہ مجھے جامعہ کی لائبریری (مکتبۃ الملک عبداللہ بن ملک عبدالعزیز) میں چھوڑ کر خود کلاس پڑھنے چلے گئے، گیارہ بجے واپس آئے اور بارہ بجے پھر کلاس میں چلے گئے، اب کے وہ سوا دو بجے واپس آئے، ہم نے ایک عرب ہوٹل میں عربی کھانا کھایا، چاول اور مرغ کا گوشت بہت لذیذ تھا، بعد میں سویاں کریم لگی ہوئی کھائیں۔

جامعہ کی لائبریری کے شعبۂ مخطوطات میں گیا، طبقات العلماء القرن العاشر لعبدالقادر العیدروسی نکلوا کر دیکھی اور اسی مولف کی مشہور مطبوعہ کتاب ''النور السافر'' سے مقابلہ کیا تو یہ مخطوطہ بالکل یہی تھا، مولانا خالد کردی نقشبندی کے مناقب میں لکھا گیا رسالہ کی میں پہلے یہی تحقیق کر چکا تھا کہ وہ طبع ہو چکا ہے، بس ایک مخطوطہ عرف الندی لنصرۃ الشیخ احمد السرہندی ۲۰ مولفہ حسن بن مراد تونسی بسال ۱۰۹۴ھ کی C.D بنوائی، ۸۷ر ورق کا یہ رسالہ نہایت نادر ہے، انہوں نے اس کی لاگت ۸۷ر ریال بتائی تو میں نے کہا کہ ہاں! بنا دیں، میں نے سو ریال کا نوٹ دیا تو منصرف نے کہا کہ نہیں! ہم آپ سے اس کا معاوضہ نہیں لیں گے، میں نے سو ریال واپس رکھ لئے اور لائبریری میں تاریخ اور تراجم کی مطبوعات دیکھنے لگا، آدھے گھنٹے میں ہی لائبریری کے اے سی جو بڑی تعداد میں چل رہے تھے، مجھے ٹھنڈا برف کر دیا اور میرے شانوں میں درد سا محسوس ہونے لگا، میں فوراً باہر آیا اور ایک گرم جگہ بیٹھ کر نبیل صاحب کا انتظار کرنے لگا، وہ نہ آئے تو میں نے لائبریری میں جا کر جماعت کے بعد ظہر کی نماز پڑھی، سوا دو بجے نبیل صاحب آئے تو اُن کے ساتھ العزیزیہ آ گیا، عصر کی نماز ہونے والی تھی، نماز کے بعد محترم عزیز شمس اپنے گھر لے گئے، وہاں دیر تک علمی

باتیں ہوتی رہیں، مغرب کی نماز کے قریب واپس آیا، نماز پڑھی اور ہوٹل آکر بیٹھ گیا، پھر عشاء کی نماز پڑھ کر سونے کی تیاری کرنے لگا، رب کریم کے فضل سے امید ہے کہ نیند آجائے گی۔

۶ر نومبر، آج صبح جلد ہی نہالیا، رات کو محترم عزیز شمس مجھے لے کر شیخ عبدالحفیظ مکی اور لطیف الرحمٰن بہڑا ایچی قاسمی صاحبان سے ملوانے کے لئے لے گئے، شیخ نے مدرسہ صولتیہ کے مہتمم محترم ہشیم کو ٹیلی فون پر میرے آنے کی اطلاع دی اور مدرسہ کے کتب خانہ سے استفادہ کے لئے کہا تو انہوں نے صبح آنے کو کہا، اس کے بعد ہم نے شیخ کے ساتھ کھانا کھایا اور قہوہ مولانا لطیف الرحمٰن صاحب کے ہاں جا کر پیا، مولانا کو شیخ نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے کہ علمی تحقیقات کا کام یہاں کرتے رہیں، مولانا نے مسند امام ابوحنیفہ بڑی محنت سے مرتب کی ہے، اس کے علاوہ حدیث پاک کی نادر کتب مرتب کر کے بیروت سے شائع کروائی ہیں، فقہ حنفی کے دفاع میں کام کر رہے ہیں اور اسی طرح غیر مطبوعہ متون اس فقہ کے ایڈٹ کئے ہیں، جو طباعت کے لئے جانے والے ہیں، یہ دونوں بزرگ مسلکاً دیوبندی ہیں اور خوب کام کر رہے ہیں، شیخ تو اس وقت دنیا بھر کے دیوبندی حضرات کے پیر ہیں، میں عزیز صاحب کا فون آنے سے پہلے نیند کی دوائی لے چکا تھا، واپس آیا تو اس کا اثر ختم ہو گیا تھا، دیر تک کروٹیں لیتا رہا نیند نہ آئی تو گولی کا دوسرا حصہ اٹھا کر کھایا، پھر صبح کے وقت کچھ نیند آئی۔

آٹھ بجے صبح مدرسہ صولتیہ کے لئے ٹیکسی لی اور چند منٹوں میں وہاں پہنچ گیا، مولانا ہشیم سردمہری کا مظاہرہ کرتے رہے، انہوں نے بغیر کسی دلیل کے کہا کہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا شاہ عبدالغنی مجددی کے شاگرد نہیں تھے، جب میں نے اُن سے مخطوطات اور قدیم مطبوعات دکھانے کی درخواست کی تو صاف کہا کہ بہت سی پرانی کتابیں دیمک کھا گئی ہے اور چوہوں نے ضائع کر دی ہیں، بڑا افسوس ہوا، انہوں نے تاریخ اور تراجم کی کتابوں کے چند کارٹن کھول کر دکھائے لیکن کوئی قابل ذکر کتاب نہ مل سکی، اس طرح میں وہاں سے سیدھا العزیزیہ شمای میں آگیا، جہاں کتابوں کی دکانوں پر گھومتا رہا، مکتبۃ الاسدیۃ گیا، انہوں نے عبداللہ غازی کی تاریخ سات جلدوں میں شائع کی ہے (افادۃ الانام فی تاریخ بلد الحرام) دو سوریال قیمت ہے، علماء کا زیادہ ذکر نہیں ہے، اس لئے یہ نہ خریدی، مکتبۃ الاسماعیل پر بھی گیا، وہاں صرف ایک

کتاب ''تکملہ لوفیات النقلہ'' ۴ جلد کام کی تھی، لیکن قیمت تین سو ریال، اس لئے یہ بھی چھوڑ دی، واپس آ کر تھوڑی دیر کے لئے آرام کیا لیکن نیند نہ آئی، مغرب کے بعد محترم نبیل شیخ کا فون آیا کہ میں مکتبہ الحرم الشریف کے قریب کھڑا ہوں، میں فوراً اُٹھ کر اُن کے پاس گیا، وہ مجھے مکتبۃ الشاملہ لے گئے جہاں سے چالیس ریال کی میں نے ایک C.D خریدی جس میں پندرہ ہزار عربی کی ضخیم کتب موجود ہیں، اس میں ریاض میں جس مرکز نے ساری دنیا کے عربی مخطوطات کی فہارس جمع کر کے ایک فہرست مخطوطات تیار کی ہے وہ بھی شامل ہیں، وہاں سے وہ مجھے لے کر مکتبۃ الاسلامیہ پر بھی گئے، وہاں سے مشیخت پر دو کتابیں اور مکہ مکرمہ کی رباطوں پر ایک کتاب کی پہلی جلد خریدی، دوسری جلد پہلے لے آیا تھا، اس کے بعد مکتبۃ الاسماعیل پر گئے، وہاں سے کوشش کر کے ''تکملہ لوفیات النقلہ'' اڑھائی سو ریال میں خریدی اور العزیزیہ جنوبیہ کی راہ لی، یہاں پہنچے تو محترم عزیز شمس مکتبہ الحرم کے باہر کھڑے انتظار کر رہے تھے، وہ میرے ساتھ ہوٹل آئے کچھ دیر اِدھر اُدھر کی علمی باتیں کیں پھر چلے گئے، میرا تھکن سے برا حال تھا اس لئے ان کو رخصت کرتے ہی سونے کے لئے بستر کی طرف بڑھا۔

۷ر نومبر، شدید کھانسی کے باعث رات نیند نہ آئی، فجر کی نماز کے بعد سونے کی پھر کوشش کی لیکن بے سود، آخر غسل کر کے ناشتہ کیا اور مکتبۃ الحرم میں جا بیٹھا، اس سے پہلے پاکستانی دواخانہ سے کھانسی اور نزلہ کی دوائی بھی لی، لیکن لائبریری میں بیٹھنا دشوار ہو گیا تو واپس ہوٹل آ کر لیٹ گیا، کسی وقت تھوڑی سی اونگھ آ گئی، جس سے لائبریری جانے کے قابل ہوا، وہاں جا کر مطلوبہ فوٹو سٹیٹ ان سے لئے اور پھر شیخ حسن بن مراد تونسی مولف عرف الندی لنصرۃ الشیخ احمد السرہندی کے حالات کی جستجو میں کئی کتابیں دیکھ ڈالیں لیکن کامیابی نہ ہوئی، ایک کتاب ''ذیل بشائر اہل الایمان بفتوحات آل عثمان'' مولفہ حسین خواجہ (ف ۱۱۴۵ھ/ ۱۷۳۲ء) دیکھی تو اس کے انڈیکس میں دو مقامات پر ان کا نام نظر آیا، دیکھا تو اس میں ان کے دو شاگردوں محمد برناز اور احمد بن مصطفیٰ برناز کا ضمناً ذکر ملا جس میں اول الذکر کے ذیل میں درج ہے ''حدثنی شیخنا العلامہ الشیخ حسن بن مراد التونسی بمکۃ المشرفہ و کان تلمیذاً للشیخ المذکور قال: کثیراً ما کان ینشد ص ۱۷۳، اس سے قیاس ہوا کہ مولانا تونسی مکہ مکرمہ میں رہتے تھے، کل مزید

تحقیق سے شاید کوئی سراغ مل سکے، بشار عواد معروف کی کتاب فی تحقیق النص درنقد متن تاریخ الاسلام لذہبی مرتبہ ڈاکٹر عمر عبدالسلام تدمری کے بڑے حصہ کی فوٹوسٹیٹ بن گئی ہے، امید ہے کہ دوروز میں مکمل ہو جائے گی، مغرب کی نماز پڑھ کر لیٹ گیا، کل حرم شریف جا کر آب زم زم کا کین بھر کر لاؤں گا، ان شاء اللہ۔

۸رنومبر، آج صبح تاخیر سے اُٹھا ہوٹل میں ہی نماز پڑھی اور مکتبۃ الحرم میں گیا، صبح کی شفٹ کے فوٹو کاپی کے نگران نے اس بات پر ناراضی کا اظہار کیا کہ تم کتاب ''فی تحقیق النص بشار عواد'' تھوڑی تھوڑی کر کے پوری کی فوٹو کاپی کیوں بنوا رہے ہو، میں ایک اور کتاب کے چند اوراق فوٹو کے لئے دے کر حرم شریف چلا گیا، طواف کیا، آب زم زم کا پانچ لٹر کا ڈبہ بھر کر لے آیا، ظہر کی نماز پڑھ کر واپس ہوٹل آ گیا، آرام کرنے کے لئے لیٹا تو تھوڑی سی نیند آ گئی، عصر کی نماز کے بعد مکتبۃ الحرم پھر گیا، ایک ملازم کی منت سماجت کر کے بشار عواد معروف کی مذکورہ کتاب کی مکمل فوٹو کاپی بنوالی، اللہ کریم کا بہت کرم ہوا کہ یہ کام ہو گیا، مغرب کے قریب لائبریری سے نکلا اور پھر وہاں نہ جا سکا۔

ہاں! حرم شریف میں اس کی لائبریری دیکھنے کے لئے گیا تو معلوم ہوا کہ جمعرات اور جمعہ کو یہ بند رہتی ہے، وہاں کے عملہ نے جو حج کے لئے سعودی لٹریچر فری تقسیم کر رہا تھا مجھے ہدایت کی کہ تم العزیزیہ میں جو لائبریری ہے، اس میں جاؤ، میں تو وہاں پہلے ہی ۱۳ر اکتوبر سے مسلسل جا کر کام کر رہا ہوں، رب کریم کا فضل ہے کہ یہاں سے بہت سے مخطوطات اور نادر مطبوعات کے عکس مل گئے، اب وطن جا کر ان پر کام کروں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۹رنومبر، آج جمعہ ہے اور جمعہ کی نماز حرم شریف جا کر پڑھنی ہے، فجر کی نماز کے بعد دوبارہ سو گیا تو طبیعت کا بوجھ قدرے ہلکا ہوا ہے، غسل کے بعد مکتبۃ الحرم گیا تو وہ بند تھا، گذشتہ جمعہ کو تو دن کے وقت کھلا تھا آج بالکل ہی دن بھر بند رہے گا، ساڑھے نو بجے حرم شریف کے لئے روانہ ہوا دس بجے وہاں پہنچ کر طواف شروع کیا اور گیارہ بجے کے قریب مکمل کر لیا، بارہ بج کر پانچ منٹ پر اذان ہوئی، پھر جمعہ کے لئے اذان دی گئی، ہم نے ظہر کی چار سنتیں پڑھیں اور پھر خطبہ شروع ہوا تو ساڑھے بارہ بجے ختم ہو گیا، نماز کے بعد باہر نکلا اور العزیزیہ کی راہ لی، دو بجے یہاں پہنچ کر دوپہر کا کھانا کھایا اور سونے کے لئے بستر پر دراز ہو گیا، ذرا سی

اونگھ آئی اور عصر کی نماز کے لئے اٹھ گئے، عصر کے بعد چائے پی کر ہوٹل آیا اور آرام کرنے کے لئے پھر لیٹ گیا، اسی طرح مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں، آج جلد ہی سو جانے کا پروگرام ہے۔

۱۰ر نومبر، رات شدید کھانسی کے باعث نیند نہ آئی، صبح ساڑھے آٹھ بجے مکتبۃ الحرم المکی پہنچا، لیکن لائبریری میں بیٹھا ہی نہیں جا سکا، واپس ہوٹل آ کر لیٹ گیا، ظہر کی نماز تک بس کروٹیں بدل بدل کر لیٹا رہا، عصر کے بعد لائبریری گیا اور ''تشنیف الاسماع'' ۱۲ نام کی کتاب میں سے امۃ اللہ ۲۲ شاہ عبدالغنی مجددی اور دیگر برصغیر کی شخصیات کے حالات کی فوٹو کاپی بنوائی اور ایک کتاب ''وسام الکرم فی تراجم آئمۃ و خطباء الحرم'' تالیف یوسف بن محمد بن داخل الصحی مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ، بیروت دیکھیں، اس میں تمام ان خطیبوں کے مختصر حالات درج ہیں، جو حرم المکی الشریف میں خطیب، موذن اور کسی بھی ملازمت میں مصروف رہے تھے، مغرب کی نماز کے بعد مکتبۃ الاسلامیہ جانے کے لئے تیار کھڑا تھا کہ محترم عزیز شمس کا فون آیا میں مسجد کے باہر انتظار کر رہا ہوں، میں اُن کے ہمراہ اُن کے گھر گیا، گرم دودھ پیا، کتابوں کے نام لکھے، وہ برصغیر کی علمی تاریخ پر عربی میں ایک کتاب لکھنا چاہتے ہیں، ان کو اُردو، انگریزی کے ماخذ بتائے اور عشاء کی نماز پڑھ کر ہوٹل واپس آ گیا۔

ہمیں کل مدینہ منورہ جانا ہے جہاں میرے ساتھ آنے والے پانچ سو حاجی ایک ہفتہ قیام کریں گے اور مسجد نبوی شریف میں چالیس نمازیں پوری کریں گے، اللہ کریم خیر و عافیت سے لے جائے اور صحت وتندرستی کے ساتھ اپنے وطن پاکستان جائیں، آمین۔

۱۱ر نومبر، ہمیں آج سارا دن ہوٹل میں رہنے کو کہا گیا، تاہم میں حرم پہنچا، دس سے گیارہ بجے کے مابین طواف بیت اللہ نصیب ہوا، طواف کے بعد واپس العزیزیہ پہنچا، ظہر کی نماز یہیں ادا کی، پھر محترم عزیز شمس آ گئے، انہوں نے مدینہ یونیورسٹی کے دو طلبہ مفتی صاحب اور احرار صاحب کے فون دیئے کہ ان کی مدد سے مختلف مکتبے اور کتب خانے دیکھ لینا، ہماری بس نمبر ۱۴ر مغرب کی نماز کے بعد مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئی، ساری رات سفر کیا اور صبح نمازِ تہجد کے قریب ہوٹل دار النعیم پہنچے، ہمیں ہوٹل کی پانچویں منزل پر کمرہ نمبر 517 رہائش کے لئے دیا گیا، ہوٹل کے سارے کمرے بڑے آرام دہ ہیں، اے سی اتنا تیز ہے کہ میں

بیمار پڑ گیا، ظہر کی نماز تک لیٹا رہا لیکن شدید سردی جو اے سی کے باعث ہے نیند نہ آئی، اب رات اور دن کی بے خوابی سے نڈھال تو تھا ہی۔

۱۲ر نومبر، ظہر کی نماز کے بعد دوپہر کا کھانا کھایا کمرہ میں زاہد محمود صاحب اور ان کی اہلیہ بھی ہیں، میں دن بھر مسجد نبوی شریف میں رہا، مکتبۃ المطبوعات النادرہ اور مخطوطات کے سیکشن میں گیا لیکن انچارج کہیں گیا ہوا تھا، عصر کے بعد پھر آنے کا ارادہ ہے۔

میں عصر سے پہلے گیٹ نمبر ۱۰ ر کے اوپر مکتبۃ المطبوعات حرم مسجد نبوی شریف پہنچا، کچھ دیر کام کیا، پھر روضۂ نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے لئے باب السلام کی طرف بڑھا، بے اندازہ ہجوم تھا تاہم اپنے گناہوں کے احساس سے نم آلود آنکھوں بلکہ روضۂ انور جوں جوں قریب آتا گیا گریہ وزاری میں اضافہ ہوگیا، سعودی شرطے جو پاکستانیوں کے ساتھ بہت ہی بدتمیزی کے ساتھ پیش آتے ہیں، جس کے باعث روضہ شریف کے پاس نہ ٹھہر سکا اور باہر نکل کر روضۂ منورہ کی طرف منہ کر کے کھڑا دعائیں کرتا رہا۔

چونکہ تھکن زیادہ ہوگئی ہے اس لئے مغرب اور عشاء کی نمازوں کے بعد جلد ہی سو گیا۔

۱۳ر نومبر، آج تہجد کی نماز مسجد نبوی شریف میں پڑھی اور پھر فجر کی نماز پڑھ کر واپس ہوٹل آیا تو گاڑیاں زیارات کے لئے ہمیں لے گئیں، سب سے پہلے مسجد جمعہ آئی، گاڑی وہاں نہ رکی کیوں کہ مسجد بند تھی اور صرف نماز کے اوقات میں کھلتی ہے، وہاں سے مسجد قباء گئے یہ مبارک مسجد خود نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بنی تھی اور یہاں دو نفل پڑھنے سے عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ (رواہ ترمذی) ہم نے یہاں نفل پڑھے اور پھر احد پہاڑ کی زیارت کے لئے گئے، وہاں شہید صحابہ کرام کے مزارات ہیں، خصوصاً حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مدفن بھی ہے، لیکن کسی مزار کا کوئی نشان باقی نہیں رہنے دیا گیا، یہاں ہم دعائیں کرتے رہے، کئی اصحاب احد پہاڑ پر بھی چڑھ گئے، وہاں سے اجوا کھجور کے باغات میں گئے، لوگوں نے کھجوریں خریدیں اور واپس گاڑی میں بیٹھ کر مسجد قبلتین کی زیارت کے لئے گئے، حضور انور ﷺ یہاں نماز پڑھا رہے تھے کہ عین نماز کے دوران بیت المقدس سے بیت اللہ مکہ مکرمہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی وحی نازل ہوئی تھی، اس لئے اس مسجد کو قبلتین کہتے ہیں، یہاں سے دیگر سات مساجد کی طرف گئے، پہلے یہ الگ الگ تھیں، اب

انہیں گرا کر ایک مسجد کر دیا گیا ہے، یہاں بس نہیں رکی بلکہ سیدھی ہوٹل کی طرف آگئی، ظہر کی نماز کے بعد کچھ دیر آرام کرنے کے لئے ہوٹل آیا لیکن زاہد محمود صاحب برابر اپنی بیگم سے باتیں کرتے اور کھانا کھاتے رہے، لائٹ بھی جلائے رکھی، نیند کہاں سے آتی، اتنے میں عصر کا وقت ہو گیا، حرم جا کر نماز پڑھی اور مکتبۃ الملک عبدالعزیز کی تلاش میں نکلا، وہ مسجد نبوی کے آخری دروازہ نمبر ۱۵۔۱۴ر کے باہر سامنے واقع ہے، یہاں آیا تو معلوم ہوا کہ مخطوطات کا سیکشن صبح ۹ بجے سے دو بجے تک کھلا رہتا ہے، کئی فہارس مخطوطات مطبوعہ صورت میں دیکھیں اور ارادہ کر لیا کہ صبح نو بجے یہاں پہنچوں گا۔

مغرب کی نماز کے لئے روضۂ اقدس کی طرف جانے والے دروازہ باب السلام کے قریب پہنچا تو محترم سفیان قاضی صاحب کا فون آیا، وہ یہاں قریب ہی ہیں اور دروازہ کے پاس آرہے ہیں، میں اُن سے مل کر بہت خوش ہوا، انہوں نے مجھے بتایا کہ عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے ڈائریکٹر ۲۳ ڈاکٹر عبدالمعید خان آئے ہوئے ہیں، ہم لوگ جنت البقیع کے سامنے کھڑے ان کا انتظار کرتے رہے، وہ آئے تو مسجد نبوی شریف کے مدیران میں سے ایک صاحب سے ملاقات ہوئی وہ اُن سے مل کر بہت خوش ہوئے، ہمیں امید ہے کہ کل ظہر کے بعد وہ ہمیں مسجد کا مخطوطات والا سیکشن دکھائیں گے، قاضی صاحب نے وعدہ کیا کل نو بجے مجھے جامعۃ الاسلامیہ، مدینہ منورہ لے جائیں گے اور ظہر تک واپس لے آئیں گے، عبدالمعید خان ایک ذی علم اور صاحب ذوق انسان ہیں، انسٹیٹیوٹ سے عربی و فارسی کی کئی اہم کتابیں شائع کی ہیں، جن میں باتصویر تاریخ ٹونک، تذکرہ علمائے ٹونک، مغل عہد کے کتبات، فہارس مخطوطات، فتوح الشام (یہ والی ٹونک وزیرالدولہ نے شاہ نامۂ فردوسی کی طرز پر فتوحات اسلام پر کام کروایا تھا جو کئی جلدوں میں ہے) فرامین مغلیہ سے متعلق بھی ایک جلد شائع کی ہے، افسوس کہ یہ نوادر ہمیں پاکستان میں حاصل نہیں ہو سکتے، عشاء کی نماز کے بعد میں واپس ہوٹل آیا، کھانا کھا کر سونے کے لئے لیٹ گیا۔

۱۴ر نومبر، آج تہجد اور فجر کی نمازیں مسجد نبوی شریف میں ادا کر کے واپس ہوٹل آگیا، غسل کیا اور آٹھ بجے ناشتہ کر کے مسجد نبوی شریف گیا، جہاں سے مجھے محترم سفیان قاضی (متعلم ایم فل جامعۃ الاسلامیہ، مدینہ منورہ) لے کر جامعۃ الاسلامیہ گئے، سیدھے مخطوطات کے سیکشن میں پہنچے، آج کل جانے

کی اجازت نہیں ہے کیوں کہ انہیں غیر ملکیوں سے خطرہ محسوس ہوتا ہے، تاہم ہم اندر جانے میں کامیاب ہو گئے، مدیر نشریات سے ملے، کہ ہمیں جامعہ کی مطبوعات دیں لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم انفرادی طور پر اپنی کتابیں نہیں دیتے، صرف اداروں کو دیتے ہیں، میں نے کتاب ''موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق'' ۲۴ کی بار بار درخواست کی تو انہوں نے ایک سیٹ دے دیا، یہ بہت قیمتی کتاب ہے، تاریخ دمشق (۸۰ر جلدیں) تو میرے پاس، لاہور میں موجود ہے لیکن اس کے مولف اور ان کی اس کتاب پر یہ اہم کام میرے علم میں نہیں تھا، انہوں نے اپنے ہاں موجود مصورات (تاریخ وتراجم مخطوطات) کی فہرست بھی دی، اس کے بعد ہم کتابوں کی دکانوں پر گئے، بہت اہم کتب دستیاب ہوئیں، مکتبۃ السّلفیہ سے حافظ سخاوی کی ''ضوء اللامع'' پر ایک اہم ذیل ۲۵ ملا، مکتبہ علوم والحکم سے کئی اہم کتابیں خریدیں، چار لفافے کتابوں کے لے کر ہوٹل آئے، ظہر کی نماز ہو چکی تھی، مسجد نبوی شریف میں جا کر روضۂ رسول اکرم ﷺ پر حاضری دی، سلام عرض کیا اور ظہر کی نماز روضۂ اقدس کے پاس ہی ادا کی، عصر کے قریب احرار صاحب (متعلم بی اے جامعہ اسلامیہ) کا فون آیا کہ وہ عشاء کی نماز کے بعد مسجد نبوی میں ملیں گے اور مجھے وہاں سے لے کر کتابوں کی دکانوں پر جائیں گے، ہم رات ساڑھے دس بجے تک مکتبۃ المغاسی اور مکتبۃ الرشد پر کتابیں دیکھتے اور منتخب کرتے رہے، اول الذکر مکتبہ سے اچھی کتابیں مل گئیں، جن میں علامہ زبیدی کی ''معجم الشیوخ'' ۲۶ جیسی کتاب بھی شامل ہے، کئی ایک معجم الشیوخ'' اور قدیم متون کے ایڈٹ شدہ ایڈیشن خریدے اور واپس ہوٹل آنے کے لئے پاکستانی ہوٹل کے قریب اتر گیا اور وہاں سے اپنے ہوٹل کا راستہ بھول کر بہت دور کا چکر کاٹ کر رات دیر سے ہوٹل پہنچا تو ساتھی زاہد محمود صاحب پریشان تھے، دوائی کھائی اور سو گیا، آج کھانسی بہت زیادہ آ رہی ہے۔

۱۵ر نومبر، رات راستہ بھول جانے کے باعث پیدل چلنے سے بہت تھک گیا تھا، تاہم دوائی کھالی تھی اس لئے جلد نیند آ گئی، صبح حسب معمول اُٹھا، مسجد نبوی شریف جا کر تہجد اور فجر کی نمازیں ادا کر کے واپس ہوٹل آیا اور پھر سو گیا، نو بجے اٹھا، تیار ہو کر مسجد نبوی شریف کی لائبریری میں گیا، ظہر کی نماز کے بعد ٹیکسی لے کر مکتبۃ الایمان دیکھنے گیا لیکن سوق دولی سلطانہ پر کوئی اس نام کا مکتبہ نہیں تھا، باہر ٹیکسی کے انتظار میں کھڑا

تھا کہ ایک کار والا پاکستانی لڑکا مجھے کار میں بٹھا کر مکتبۃ الایمان لے گیا جو سوق سے باہر تھا، مکتبہ کے مالک نے اپنی گاڑی دے کر لڑکے سے کہا کہ انہیں حرم کے قریب چھوڑ دو، اس طرح میں واپس حرم آیا، راستہ میں پاکستانی ہوٹل سے کھانا کھایا، عصر کی نماز حرم کی لائبریری کے باہر ادا کی، فارغ ہو کر لائبریری میں کام کر رہا تھا کہ محترم عبدالحمید قادری صاحب ۲۷ کا فون آیا کہ میں حرم میں ہوں تم باب مجیدی پر آجاؤ، میں وہاں پہنچا تو موصوف کو منتظر پایا، پھر عشاء کی نماز تک میں ان کے ساتھ باب جبریل علیہ السلام پر علمی باتیں کرتا رہا، خوب معلومات کے مالک ہیں، مخطوطات سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں، کئی اہم مخطوطات کی عکسی نقول ان کے پاس ہیں، مدینہ منورہ کی تاریخ خصوصاً عہد نبوی کے میدانِ جنگ ان کا موضوع تحقیق ہے، ہر میدان کو خود جا کر دیکھا ہے اور تصاویر اتاری ہیں، وہ انگریزی اور عربی میں اس موضوع پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں، انہوں نے مجھے تسلی دی کہ وہ مجھے حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کے بارے میں کچھ بتائیں گے، میں عشاء کی نماز کے بعد ہوٹل آگیا، راستہ میں رات کا کھانا کھایا اور ہوٹل جا کر سونے کی تیاری کرنے لگا۔

۱۶ر نومبر، آج صبح جلد ہی اٹھ گیا، تہجد اور فجر کی نمازیں مسجد نبوی شریف میں ادا کیں اور واپس ہوٹل آکر مکتبۃ الملک عبدالعزیز جانے کے لئے تیار ہونے لگا، ساڑھے آٹھ بجے ہوٹل سے نکلا، راستہ میں سادہ ناشتہ کیا اور مکتبۃ الملک عبدالعزیز کے لئے روانہ ہو گیا، اب تو اس کی صورت حال مختلف ہے کہ مسجد نبوی شریف کی توسیع اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ اس کی مبارک حدود مکتبہ کے ساتھ مل گئی ہیں، درمیان میں ایک سڑک ہے اور مسجد کے گیٹ نمبر ۱۳ر سے باہر نکلیں تو یہ مکتبہ سامنے ہے۔

میں مکتبہ پہنچا، مدیر مکتبہ سے ملا اس کے بعد مکتبہ عارف حکمت کے انچارج سے بھی ملاقات ہوئی، دونوں حضرات عرب ہونے کے باوجود بڑے اخلاق سے ملے، میں نے مکتبہ عارف حکمت کی چار مخطوطات کی C.D کی درخواست دی، جن کی مجموعی لاگت ۳۲۷ ریال مقرر کی گئی، جو بہت بڑی رقم ہے، سو ریال انہوں نے اُس وقت لے لئے کہ ایک مخطوطہ "مقاماتِ مرزا مقصود" ۲۸ کی C.D تیار ہے لے لو، جب انہوں نے اس کی قیمت بتائی تو بڑا تعجب ہوا یعنی ۲۰۵ر ریال، خیر انہوں نے مہربانی کرتے ہوئے سو ریال مجھ سے لے لئے اور میں C.D لے کر واپس ہوٹل آگیا، اسی طرح باقی تین اور مخطوطات

غیر مصورات پڑے ہوئے تھے، ان کی C.D کل تک تیار کر کے دینے کا وعدہ کیا، میں شکریہ کہتے ہوئے مسجد نبوی الشریف میں چلا آیا، عصر کی نماز حرم میں ادا کر کے نبی اکرم ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے حاضر ہوا، کچھ دیر روضۂ پاک پر مراقب بیٹھا رہا اور مسلسل دعائیں کرتا رہا، خدا کے رسول کی توجہ اور عنایت سے مجھے بھی ریاض الجنت میں نفل ادا کرنے کی سعادت مل گئی، مغرب کے بعد مسجد نبوی شریف کی مرکزی لائبریری میں جا کر کچھ کام کیا، وہاں سے عشاء کی نماز پڑھ کر روضۂ اقدس پر صلوۃ والسلام ادا کر کے اور بزرگوں یعنی مولانا محمد یوسف سدیدی اور جناب جلال پاشاہ کے ساتھ ملاقات کی، خوب روحانی شخصیت ہیں، ان سے رخصت ہو کر واپس ہوٹل آیا اور سونے کی تیاری کرنے لگا۔

۱۷ر نومبر، صبح نو بجے کے قریب مکتبۃ الملک عبدالعزیز پہنچا، مدیر اعلیٰ سے مل کر اُسے یاد دلایا کہ مجھے کل صبح تک بقیہ مخطوطات کی C.D مل جائے، اس نے وعدہ کیا کہ وہ کل تک تیار کروا دے گا، میں نیچے بیٹھ کر کمپیوٹر پر ایک مخطوطہ ''تراجم علماء واعیان ماوراء النہر'' پڑھنے لگا، نماز ظہر سے پہلے ہی مدیر نیچے آیا اور کہا کہ لیجئے C.D تیار ہے، اس نے مزید ایک سو ستائیس ریال کا مطالبہ کیا، میں سمجھا تھا کہ صرف سو ریال جو کل دیئے تھے کام ہو جائے گا لیکن بعد میں اس نے یہ مطالبہ کر کے حیران کر دیا، خیر اس نے سو ریال لے کر C.D میرے حوالہ کر دی، خدا کا شکر ہے کہ کام وقت سے پہلے ہی ہو گیا، میں یہ لے کر ظہر کی نماز کے لئے حرم شریف چلا گیا، ظہر کے بعد کھانا کھایا اور ہوٹل جا کر اور کچھ آرام کر کے واپس مرکزی لائبریری میں آیا تو عبدالوہاب دہلوی کے مقالات متعلقہ علماء کا مجموعہ مل گیا، میں اسے پڑھتا رہا، عصر اور مغرب کی نمازیں ادا کر کے واپس ہوٹل آیا اور ایک گتے کے کارٹن میں کتابیں ڈال دیں، پھر واپس حرم شریف جا کر عشاء کی نماز ادا کی اور کھانا کھا کر سونے کی تیاری کرنے لگا لیکن میں سید جلال پاشاہ صاحب اور مولانا سعید صاحب کے ہمراہ مکتبہ شیخ محمد مظہر مجددی (رباط مظہر) دیکھنے کے لئے گیا، وہاں کوئی موجود نہیں تھا، پاشاہ صاحب نے کتب خانہ کے انچارج حسن کو فون کیا اس نے کہا کہ مجھے کل مدینہ منورہ سے باہر جانا ہے واپس آکر وقت دوں گا۔

۱۸ر نومبر، آج صبح نو بجے پھر مکتبۃ الملک عبدالعزیز گیا، وہاں ظہر کی نماز تک مطالعہ کرتا رہا، واپس آکر

حرم شریف میں نماز ادا کی اور ہوٹل آ کر کچھ دیر آرام کر کے مرکزی لائبریری مسجد نبوی شریف میں چلا گیا، عشاء تک تمام نمازیں مسجد شریف میں ادا کیں اور عشاء کے بعد عزیزم احرار کے ساتھ کتابوں کی دکانوں پر گیا، صرف مکتبہ دارالزمان سے دارالغرب الاسلامی، بیروت کی دو فہارس شیخوخ ملیں جو لے کر واپس ہوٹل آیا۔

۱۹ر نومبر، تہجد اور فجر کی نمازیں حسب معمول مسجد نبوی شریف میں ادا کیں، واپس آ کر پھر سو گیا، ۹ بجے صبح ایک مہربان ہمارے سامان کا وزن کرنے کے لئے کمرہ میں آئے، میری کتابوں کا وزن چالیس کلو ہوا تو بڑی فکر ہوئی کہ یہ کیسے پاکستان لے کر جاؤں گا، اس پر تو بڑا خرچ آئے گا، تاہم کپڑوں والے بیگ کا وزن کروایا تو صرف چودہ کلو تھا، سات کلو وزن تو صرف فوٹو سٹیٹ کا پیوں کا تھا، اب جو بھی ہو اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کے وسیلہ سے بہتر کرے اور کوئی سبب ایسا بنے کہ یہ کتابیں بغیر کسی جرمانہ کے پاکستان لے جا سکوں، ناشتہ دیر سے کیا، ظہر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر کے لئے مرکزی لائبریری گیا، واپس ہوٹل آ کر آرام کرنا چاہا لیکن ساتھی زاہد محمود صاحب نے سامان کی فکر میں سونے ہی نہ دیا، واپس حرم شریف آیا اور مولانا سعیدی کو فون کیا تو انہوں نے سید جلال پاشاہ صاحب سے فون پر بات کرنے کے لئے کہا، میں نے سید پاشاہ صاحب سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ مکتبہ شاہ محمد مظہر کے متولی حسن نے آج عشاء کے بعد کا وقت دے دیا ہے، میں بہت خوش ہوا اور نمازیں ادا کر کے روضۂ نبی کریم ﷺ کے قریب اُن کا انتظار کرنے لگا، پاشاہ صاحب آئے اور اپنی گاڑی میں مجھے مذکورہ مکتبہ میں لے گئے، ۱۹۹۹ء سے یہ دلی آرزو تھی کہ یہ مکتبہ دیکھوں، آج حضور ﷺ کی توجہ کی برکت سے اور ان دونوں بزرگوں کی کوشش سے رسائی ہوگئی، تمام مخطوطات دیکھے لیکن ''مقاماتِ معصومی'' کا قلمی نسخہ نہ مل سکا، صرف ''نسمات القدس'' ۲۹ کا خطی نسخہ مکتوبہ ۱۲۹۰ھ ایک نادر چیز ہے اس کے دو خطی نسخوں کے عکس میرے پاس موجود ہیں۔

جب میں نے اس نسخے کی فوٹو کاپی کی درخواست کی تو حسن نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ وقفی کتب خانہ ہے ہم فوٹو کاپی نہیں دیتے، تاہم وعدہ کیا کہ وہ اس کی عکسی نقل ای میل کے ذریعے لاہور بھیج دیں گے، ہم گیارہ بجے کے قریب واپس حرم آئے، میں جلد ہی سونے کی تیاری کرنے لگا۔

ہمیں کل صبح نو بجے جدہ ایئر پورٹ پر لے جانے کے لئے تیاری کا کہہ دیا گیا ہے، اب کل ہم تہجد اور فجر

کی نماز پڑھ کر رب کریم کے فضل وکرم سے بسوں کے ذریعہ جدہ جائیں گے اور وہاں سے اگلے روز ۲۱ر نومبر کو بذریعہ ہوائی جہاز، لاہور کے لئے روانہ ہوں گے، اللہ پاک خیر وعافیت سے پاکستان پہنچائے، آمین۔

۲۰ر نومبر، آج صبح تہجد اور فجر کی نمازیں حرم نبوی میں پڑھ کر آئے تو ہوٹل اور حج انتظامیہ نے جدہ جانے کے لئے سامان نیچے لانے کے لئے کہا اور بتایا کہ ہم صبح ساڑھے نو بجے تک روانہ ہو جائیں گے، لیکن اتنے حاجی بھلا اتنی جلدی کہاں تیار ہو سکتے تھے، وقت گذرتے گذرتے ایک بجے دوپہر کو روانہ ہوئے، بسیں راستہ میں دو ہوٹلوں پر رکیں، رات آٹھ بجے کے بعد جدہ ایئرپورٹ پر پہنچے، یہاں سامان کی بکنگ پر بہت وقت صرف ہوا، میرے پاس چالیس کلو وزن کی تو صرف کتابیں ہی تھیں، پی آئی اے والوں نے اضافی وزن پر ادائیگی کے لئے ۲۴۰ر ریال جمع کروانے کے لئے کہا، لیکن میری درخواست پر معاف کرنے کی بجائے سو ریال جمع کروانے کا کہا، میں نے جمع کروادیئے تو سامان ارسال کر دیا گیا، یہاں سے سامان لے کر کئی مرحلوں سے گذرتے ہوئے ہوائی جہاز کے ہال میں بھیجا گیا، جہاز کے لگنے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا، تاہم ساڑھے بارہ بجے کے قریب ہمیں جہاز پر سوار کرنے کے لئے بلایا گیا، فوٹوسٹیٹ کا پیاں میں نے اٹھا رکھی تھیں، جہاز وقت مقررہ یعنی ایک بج کر پینتالیس منٹ پر چلا اور وقت سے پون گھنٹہ پہلے ہی اللہ کریم کے فضل وکرم سے لاہور ایئرپورٹ پر اتر گیا، میرا بھانجہ محمد طاہر لینے کے لئے آیا، اسی طرح عزیز دوست محمد ناظم بشیر بھی ایئرپورٹ پر آئے اور مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا کر گھر چھوڑ گئے، مکہ مکرمہ سے گلے اور کھانسی میں مبتلا ہو کر آیا ہوں سارا راستہ شدید کھانسی کھانستا رہا، گھر پہنچا تو بچے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے، آتے ہی لیٹ گیا، نیند آنی شروع ہوگئی، لیکن اٹھ کر ظہر کی نماز پڑھی، بیٹی گڑیا نے روٹی پکائی اور میں کھا کر سو گیا، رات بیٹے محمد عمر کے ساتھ جا کر دوائی لایا اور جلد ہی سونے کی کوشش کی لیکن اس وقت ملنے کے لئے میرا دوسرا بھانجہ ریاض اپنی بیوی کے ساتھ حج کی مبارک باد دینے آئے، کچھ دیر بیٹھے اور رخصت ہو گئے، میں رات سویا اور صبح دیر سے اٹھا، فجر کی نماز دیر سے قضا کر کے پڑھی۔

حرمین الشریفین سے جدائی اور وہاں کی برکات سے دوری بڑی شاق گذرنے لگی ہے، تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم سے صحت وتندرستی اور عافیت کے ساتھ پاکستان لاہور پہنچنے پر اللہ تعالیٰ کا بہت ہی شکر گذار ہوں۔

حواشی

۱۔ جناب عزیر شمس، ایک ہندوستانی نژاد عالم ہیں، جوانی میں ہی بہار سے سعودی عرب چلے گئے تھے، جہاں مختلف اداروں میں کام کرتے رہے، پہلے جامعۃ ام القریٰ، مکہ مکرمہ کے ریسرچ سیل میں معاون تھے، اب تو انہوں نے وہاں کے ماحول کے مطابق خود کو علامہ ابن تیمیہ اور ان کے حوزۂ علمیہ کے آثار کی دریافت اور ان کے متون کی تصحیح کے لئے وقف کر دیا ہے، میں نے مکہ شریف پہنچنے کے دوسرے ہی روز انہیں فون کیا تو میرے پاس ہوٹل میں آ گئے اور یہ خوشخبری سنائی کہ یہاں سے صرف پانچ منٹ کے فاصلہ پر مکتبۃ الحرم مکی الشریف ہے، آو! وہاں چلیں، میں اُن کے ہمراہ لائبریری پہنچا تو بہت ہی خوشی ہوئی، یہ سات منزلہ عمارت ہے جو اس لائبریری کے لئے بنائی گئی ہے، جو پہلے خانہ کعبہ شریف کے متصل نبی کریم ﷺ کی جائے ولادت شریف کے مقام پر تھی، وہاں جگہ کی کمی کے باعث کتابخانہ یہاں منتقل کر دیا گیا ہے، اس کی ایک منزل تو صرف مخطوطات کے لئے مخصوص ہے۔

۲۔ المورد الھنی فی اسانید الشیخ عبد الغنی، مرتبہ مولانا عبد الستار دہلوی ثم مکی، ایک بہت ہی ذی قیمت رسالہ ہے، محترم عزیر شمس نے اس کی C.D میرے لئے بنوادی، جو اس کے مولف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخہ پر مبنی ہے، بعد میں جب مولانا ابوالحسن زید فاروقی، مکہ مکرمہ گئے تو مولف سے لے کر اس کی نقل اپنے ہاتھ سے تیار کی اور اس کا ایک مختصر ذیل بھی اُن سے لکھوالیا، جو ان کے کتب خانہ خانقاہِ مظہری، دہلی میں محفوظ ہے، راقم نے اپنی زیرِ تالیف کتاب ''حیات شاہ عبد الغنی مجددی'' میں اس کے اول الذکر نسخہ کا عکس بطور ضمیمہ شامل کر دیا ہے۔

۳۔ یہ میری غلط فہمی تھی، لاہور سے جس کتاب (مقاماتِ احمدیہ و مناقب حضراتِ معصومیہ) کا اُردو ترجمہ چھپا تھا وہ تو شیخ محمد امین بدخشی (خلیفہ حضرت شیخ آدم بنوڑی) کی تالیف ہے، لیکن یہ تو مولانا خالد

کردی بغدادی کے مریدین میں سے کسی کا رسالہ ہے۔

۴۔ یہ بہت ہی نادرالوجود مخطوطات ہیں، جن کے عکس حاصل کر لیے، ان میں سے شیخ تاج الدین سنبھلی (خلیفۂ حضرت خواجہ باقی باللہ) کے بارے میں اُن میں خوب عمدہ مواد ہے، مناقب حضرت شاہ احمد سعید مجددی مولفہ سید حسن تاج کماخی تو پہلی مرتبہ دیکھی ہے، اس کی عکسی اشاعت میرے مرتبہ متن ''ذکرالسعیدین'' کے ساتھ بطور ضمیمہ شامل ہے۔

۵۔ ہادی المستر شدین، ایک بہت اہم قدیم اور نادر مطبوعہ کتاب، اس کے مولف کی سند شاہ عبدالغنی مجددی سے واصل ہوتی ہے، رب کریم کا شکر ہے کہ دوسرے روز مجھے اس ضخیم کتاب کی مکمل فوٹوسٹیٹ کاپی مل گئی۔

۶۔ شیخ الاسلام عارف حکمت (۱۲۰۰۔۱۲۷۵ھ/۱۷۸۶۔۱۸۵۸ء) پر یہ کتاب ان کے حینِ حیات ان کے دوست اور مشہور مفسر مولانا شہاب الدین آلوسی نے تالیف کی ہے، اس کی دو مرتبہ کر کے مکمل فوٹوسٹیٹ بنوالی، (رک ارمغان امام ربانی جلد نہم......)

۷۔ شیخ محمد الرفاعی کے اس ذاتی کتب خانہ میں پہنچ کر میں بہت مسرور ہوا، حوالہ کی تمام اہم کتب یہاں موجود ہیں، شیخ خود معمر ہیں لیکن ان کا ذوق جمع آوری کتب ابھی تک جواں ہے، ایک الماری تو نادر مخطوطات سے بھری ہوئی دیکھی، رات کا کھانا انہی کے ساتھ کھایا، عشاء کی نماز وہیں ادا کی۔

۸۔ عرف الندی لنصرۃ الشیخ احمد السرہندی مولفہ شیخ حسن تونسی کا یہ عکس میں نے لاہور آ کر ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس صاحب کو دے دیا انہوں نے اسے ارمغان امام ربانی کی جلد ششم میں شائع کروا دیا۔

۹۔ المنہل الصافی......(رک حاشیہ سفر حرمین ۱۹۹۹ء

۱۰۔ علی بن محمد العمران، پیرس (فرانس) میں تقابلِ ادیان کے پروفیسر ہیں، بہت قابل استاد ہیں، ان کا ایک گھر مکہ مکرمہ میں ہے، دوسرا قاہرہ میں اور تیسرا پیرس میں، سارے گھر صرف کتابوں سے ہی بھرے ہوئے ہیں، ان کے پاس کتاب ''المنہل الصافی'' کی دس جلدیں پوری تھیں، میں نے جو

سیٹ چند دن پہلے خریدا تھا اس میں ساتویں جلد نہیں تھی، ڈاکٹر علی عمران سے اس کی فوٹوسٹیٹ بنوانے کے لئے کتاب مستعار لینے کی درخواست کی تو انہوں نے کہا کہ میں قاہرہ جانے والا ہوں، یہ جلد تمہارے لئے وہاں سے لے کر بھیج دوں گا، میں خوش ہوکر واپس آ گیا، لیکن ایک سال گذرنے پر بھی وہ جلد نہ آئی تو چند مرتبہ بذریعہ فون عزیز شمس صاحب کو یاد کروایا، آخر انہوں نے ہماری طلب کو صادق پا کر اپنی ذاتی جلد ہی مجھے بھیج دی، اس طرح میری ابتدائی دس جلدیں پوری ہوگئیں، جو اب میرے ذخیرہ کی زینت ہیں۔

۱۱۔ اتحاف الاکابر، مفتی عبدالقادر مکی کی اسناد کا مجموعہ ہے، اس میں سے انہوں نے مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کو جو اسناد دی تھیں ان کا عکس کتاب "مناقب مخدوم محمد ہاشم" تالیف مخدوم عبداللطیف، مطبوعہ امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۸ء کے ساتھ بطور ضمیمہ شامل کر دی گئی ہیں۔

۱۲۔ البرزنجی اور القشاشی، یہ دونوں علماء حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے مخالفین میں شمار ہوتے ہیں، اس لئے ان کے احوال سے باخبر رہنے کے لئے اس مواد کی کاپیاں بنوائیں۔ (ارمغانِ امام ربانی، جلد ہشتم......)

۱۳۔ **قرة العينين في اطراف الصحيحين** (صحیح مسلم اور بخاری کا انڈیکس)، بہت ہی قیمتی کتاب ہے، جسے مشہور فاضل فواد عبدالباقی نے تین جلدوں میں مرتب کروا کر شائع کیا۔

۱۴۔ المنہل الصافی انہوں نے قاہرہ سے لے کر بھیجنے کا وعدہ کر لیا۔

۱۵۔ عبداللہ العیاشی ایک بڑے سیاح گذرے ہیں، جو اپنے اسفار کے دوران علماء وصوفیہ سے ملتے رہے تھے، ان کے اس سفرنامہ میں شیخ تاج الدین سنبھلی (خلیفہ حضرت خواجہ باقی باللہ) کا ذکر کئی مقامات پر آیا ہے، میں نے صرف ان صفحات کی فوٹو کاپی بنوائی، یہ کتاب افریقہ سے عربی کے مغربی خط میں طبع ہوئی ہے۔

۱۶۔ اس اہم کتاب کی تھوڑی تھوڑی کر کے پوری کی فوٹو کاپی کروالی، پھر ۲۰۱۳ء کے سفر استنبول کے دوران مجھے یہ کتاب مطبوعہ صورت میں بھی مل گئی۔

۱۷۔ یہ تمام عکسیات آج میرے ذخیرہ کی زینت ہیں اور میں ان سے نقل واقتباس کرتا رہتا ہوں۔

۱۸۔ خیر العمل بذکر تراجم علماء فرنگی محل مولفہ علامہ عبدالحی فرنگی محلی کے عکس کی ضرورت تھی، جو کوشش کے باوجود نہیں مل سکا۔

۱۹۔ تاریخ مختصر المرادفی تراجم الخلفاء والسلاطین مولفہ شیخ محمد مراد معصومی ایک اہم رسالہ ہے، جو کسی مجموعۂ مخطوطات کے ساتھ شائع کرنے کا پروگرام ہے۔

۲۰۔ عرف الندی...... (رک حاشیہ نمبر ۸

۲۱۔ تشنیف الاسماع بشیوخ الاجازۃ والسماع (مشائخ محمد یلیسین خاوانی)، قاہرہ ۱۴۰۳ھ

۲۲۔ اَمَۃ اللہ (۱۲۵۱۔۱۳۵۷ھ) بنت حضرت شاہ عبدالغنی مجددی، یہ خاتون ایک بزرگ اور عالمہ تھیں، اپنے والد گرامی سے تحصیل کی تھی اور انہی سے حدیث میں مجاز بھی تھیں، بعض اکابر علماء عرب نے ان سے حدیث کی اجازت بھی لی تھی، علامہ محمد یوسف جان بنوری (جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی) نے بھی حدیث کی ان سے سماعت کی اور تحریری اجازت لی تھی، جس کا عکس ان کی سوانح میں شائع ہو چکا ہے، اس سند کا سنہ اور محترمہ امۃ اللہ کی وفات کا سال ایک ہی ہے یعنی ۱۳۵۷ھ...... بعض امور کی تفصیل کے لئے ہماری زیرِ تالیف کتاب ''حیات شاہ عبدالغنی مجددی'' ملاحظہ کریں۔

۲۳۔ عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک (ہندوستان) ایک بڑا علمی ادارہ ہے، جہاں بہت سے مخطوطات عربی وفارسی جمع کئے گئے ہیں، اس کے مدیران ہمیشہ ذی علم اصحاب ہوئے ہیں، ٹونک ویسے بھی اکابر علماء کا دورِ آخر میں مرکز رہا ہے، (تذکرہ علمائے ٹونک مرتبہ محمد عمران خان، مطبوعہ ادارۂ مذکور)، یہاں سے اس ادارہ کے مخطوطات عربی وفارسی کی بہت سی فہارس شائع ہوئی ہیں، جن میں سے بعض میرے ذخیرہ میں بھی ہیں، اس ادارہ کی تاریخ کے لئے ملاحظہ ہو: شوکت علی خان: قصر علم، مطبوعہ ادارۂ مذکورہ۔

۲۴۔ کتاب موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق مولفہ طلال بن سعود رجانی، مطبوعہ جامعۃ الاسلامیۃ، مدینہ منورہ ۱۴۲۴ھ (تین جلدیں) ذخیرۂ مجددی شمارہ 3757

۲۵۔ القبس الحاوی لغرر ضوء السخاوی (ذیل علی الضوء اللامع) مولفہ زین الدین عمر حلبی مرتبہ ابراہیم بن احمد، مطبوعہ دار صادر، بیروت ۱۸۸۹ء (دو جلد)

۲۶۔ المعجم المختص للحافظ محمد مرتضیٰ زبیدی مرتبہ نظام محمد صالح یعقوبی و محمد بن ناصر العجمی، مطبوعہ دار البشائر السلامیہ، بیروت ۲۰۰۶ء

۲۷۔ جناب عبد الحمید قادری، عرصہ دراز سے ریاض میں ملازمت کرتے ہیں، پاکستانی ہیں لیکن سعودی ماحول کے باوجود ان کے وہابیانہ عقائد سے محفوظ ہیں، انہوں نے حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی کے سترہ مکتوبات کے ایک قدیم قلمی نسخہ کا عکس شائع کیا ہے اور مدینہ منورہ کی تاریخ پر ایک مصور کتاب ''جستجوئے مدینہ'' بھی طبع کروائی ہے۔

۲۸۔ مقاماتِ مرزا مقصود سے مراد ہے ''مرات السالکین'' جو نقشبندی سلسلہ کے صوفیہ کا ایک تذکرہ ہے، جس میں آغاز سے لے کر شیخ موسیٰ خان دھبیدی (ف ۱۱۹۰ھ/ ۱۷۷۶ء) تک احوال کا احاطہ کیا گیا ہے، (فہرست مخطوطات و مصورات ذخیرۂ مجددی R.133)

۲۹۔ نسمات القدس (تذکرۂ صوفیۂ نقشبندیہ) مولفہ مرزا مقصود دھبیدی مذکور، حاشیہ نمبر ۲۸

دراصل یہ مکتبہ رباط مظہر ہے جسے شاہ محمد مظہر مجددی مدنی بن شاہ احمد سعید مجددی نے ۱۲۹۰ھ کو مسجد نبوی شریف کے قریب تعمیر کروائی تھی اور تین منزلہ تھی، اس میں وہ مخطوطات ہیں، جو حضرت شاہ احمد سعید مجددی ۱۸۵۷ء کو، دہلی سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جاتے ہوئے اپنے خلیفۂ نامدار حضرت حاجی دوست محمد قندھاری کے سپرد کر گئے تھے کہ یہ ہمیں مدینہ شریف بھیج دیں، انہوں نے وہ سب کتب و مخطوطات مدینہ منورہ بھیج دیئے، جن کے موصول ہونے کی اطلاع آپ نے اپنے ایک مکتوب میں حاجی صاحب کو دے دی تھی، میں عرصہ دراز سے اس رباط اور کتب خانہ کی تلاش میں سرگردان تھا، ۱۹۹۹ء کو عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی تو سخت کوشش کے بعد معلوم ہوا کہ مسجد نبوی شریف کی توسیع کے دوران یہ رباط مسمار کر دی گئی تھی چونکہ یہ جگہ شاہ محمد عمر مجددی مدنی کی ذاتی ملکیت تھی اور آپ کی اولاد اب تک مدینہ شریف میں آباد ہے، انہوں نے حکومت سعودیہ پر قانونی دعویٰ دائر کر کے اس کے

عوض حکومت سے جگہ کا مطالبہ کیا تو انہیں قربان لائن میں زمین دے دی گئی اور تعمیر کے لئے بہت سی رقم بھی فراہم کر دی، لیکن مذکورہ سنہ تک وہ اسے تعمیر نہ کر سکے، میں تلاش کرتا ہوا مدینہ سے باہر ایک عطر کی دکان پر گیا، جس کے مالک عدنان شاہ محمد مظہر کی اولاد میں سے تھے، وہ اپنے بزرگوں کے عقائد سے بالکل بے خبر تھے اور غالباً جاہل بھی تھے، ہم نے رباط کا کتب خانہ دیکھنے کی درخواست کی تو فرمایا کہ وہ تو ابھی تک کارٹون میں بند پڑا ہوا ہے، گمان گذرا کہ اب تک تمام مخطوطات تباہ ہو چکے ہوں گے، اب جو اس کا برباد شدہ حصہ یعنی باقی ماندہ آثار بہت بری حالت میں دیکھے تو دل خون کے آنسو روتا رہا، کتنے ہی تباہ شدہ مخطوطات پر میرے آنسو گرے اور میں سب کچھ ضبط کر کے چلا آیا، میں نے کتاب ''ذکر السعیدین'' کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ کاش! سعودی حکومت ان تمام مخطوطات کو جبراً اٹھالے اور مکتبہ الملک عبد العزیز میں محفوظ کر دے۔

پھر اسلام آباد میں

آج ۱۰/۱۱ اکتوبر ۲۰۱۳ء کو صبح چھ بجے والی بلال ڈائیو بس کے ذریعے اسلام آباد جانے کی غرض سے سوار ہوا، یہ بس چار گھنٹے میں رب کریم کے فضل و کرم سے محفوظ طور پر راولپنڈی پہنچ گئی، میں سیدھا کتابخانہ گنج بخش، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان گیا، وہاں عربی کے معروف محقق ڈاکٹر احمد خان سے ملا، ملاقات پہلے ہی سے طے تھی، موصوف آج کل مرکز میں محفوظ عربی مخطوطات کی فہرست بنا رہے ہیں، انہوں نے اپنی مرتبہ فہرس المخطوطات خزانہ مفتی در اسلام آباد کی بھی ایک جلد دی اور ''المنتخب من سنن العرب'' تالیف ابی منصور عبدالملک الثعالبی (ف ۴۲۹ھ) بھی عنایت کی، میں دوپہر چار بجے تک کتابخانہ گنج بخش میں بیٹھ کر مخطوطات اور ترکی کے کتب خانوں کے بعض مخطوطات کی فہارس دیکھ کر ان کے نمبر نوٹ کرتا رہا، فہرست نسخہ ہای خطی فارسی دانشگاہ استنبول میں دیگر نادر نسخوں میں ایک نسخہ مقامات شیخ محمد معصوم پر بھی نظر پڑی اس کا نمبر بھی نوٹ کرلیا۔

میں دراصل ترکی کا ویزا حاصل کرنے کے لئے آج اسلام آباد آیا ہوں، استنبول (ترکی) میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی پر ایک بین الاقوامی سیمپوزیم ۱۵۔۱۷ نومبر ۲۰۱۳ء کو منعقد ہوگا، مجھے بھی اس میں شرکت کر کے مقالہ پڑھنے کی دعوت دی گئی ہے، میرے مقالہ کا عنوان ہے:

Immam-i-Rabbani's Concept of Wahdatul Shuhud and its Impect on Sufism.

میں نے مرکز تحقیقات فارسی سے مفتی محمد سعید خان صاحب کو فون کیا کہ میں آج رات آپ کے ہاں قیام کرنا چاہتا ہوں اور صبح نو بجے ڈاکٹر عارف نوشاہی اور ڈاکٹر معین نظامی صاحبان کے ساتھ ٹرکش ایمبسی جا کر ویزا لوں گا، مفتی صاحب کے ہاں بہت سی مطبوعات کا اضافہ ہوا ہے جو میں دیر تک دیکھتا رہا، رات عشاء کی نماز کے بعد میں جلد ہی سو گیا، صبح ناشتہ کے بعد مفتی صاحب خود ہی اپنی گاڑی پر مجھے ایمبسی کے

قریب چھوڑ گئے، ڈاکٹر عارف نوشاہی اور ڈاکٹر معین نظامی صاحبان بھی وہاں پہنچ گئے، ہم تینوں دوست ایک خاص گاڑی کے ذریعہ جسے سیکورٹی والوں نے اجازت دی تھی، ہمیں بٹھا کر ایمبسی میں لے گئی، صبح ساڑھے نو بجے ہمیں ٹوکن ملے اور دوپہر ایک بجے ہماری باری آئی، ویزا دینے پر ایک نوعمر لڑکی مقرر تھی، اس نے چند منٹوں میں ہی ہماری دستاویزات کی پڑتال کر کے ہم سے کہا کہ شام پانچ بجے اپنے ویزے لے جائیے۔

وہاں سے ہم چار دوست اسلام آباد کے بلیو ایریا میں گئے جہاں ڈاکٹر نوشاہی صاحب کی طرف سے عثمانیہ ہوٹل میں دوپہر کا کھانا کھلایا گیا، کھانے کے بعد نوشاہی صاحب نے کہا کہ میں تمہارا ویزا لے کر رکھ لوں گا اور روانگی کے وقت مجھ سے ہوائی اڈہ پر لے لینا میں نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور بذریعہ ٹیکسی بلال ڈائیو کے اڈہ پر آ گیا، عیدالاضحیٰ کی وجہ سے مسافروں کا ہجوم تھا، رات دس بجے سے پہلے کسی بس میں کوئی سیٹ نہیں تھی، بڑی منت سماجت سے ایک سیٹ چارج کر چالیس منٹ کی ملی، نو بجے شب اللہ پاک کی حفظ وامان میں لاہور پہنچا اور پھر دس بجے کے قریب گھر آ گیا، جس پر رب کریم کا بہت ہی شکر ہے۔

استنبول کا دوسرا سفر

آج ۱۳؍نومبر ۲۰۱۳ء کو استنبول، ترکی جانے کے لئے مولانا مفتی محمد سعید خان صاحب کے ہمراہ گھر سے نکلا، ان کی بہت قیمتی گاڑی میں سوار ہوا، ہم تقریباً آٹھ بجے دن گھر سے نکلے، راقم نے اپنی تازہ مطبوعہ کتاب تذکرہ علماء ومشائخ پاکستان وہند (دو جلد) پیش کی، رب کریم کے فضل سے صحت وسلامتی کے ساتھ چار پانچ گھنٹوں کے مسلسل سفر کے بعد اسلام آباد پہنچے، میں نے اُن کے ہاں کھانا کھایا اور نیند کی دوائی کھا کر سو گیا، اس درمیان عصر اور مغرب کی نمازیں بھی ادا کیں، مہمان خانہ سے نیچے لائبریری میں گیا تو مفتی صاحب مصروف کار تھے، ادھر اُدھر کی علمی باتیں ہوتی رہیں، میں کتابیں دیکھنے میں لگ گیا، دل چاہا کہ عشاء کی نماز کے بعد پھر سو جاؤں لیکن مفتی صاحب کے ہمراہ انس طاہر صاحب تاجر کتب عربیہ کی دکان پر گیا، میرے ساتھ مفتی صاحب کے علاوہ اُن کے شاگرد بھی تھے، وہاں ہم ڈیڑھ گھنٹہ تک کتابیں دیکھتے رہے، مجھے تو میرے موضوع کی کوئی اہم کتاب نہ ملی، دس بجے واپس اُن کے الندوہ ایجوکیشنل کمپلیکس میں آیا، ساڑھے بارہ بجے رات مفتی صاحب کے عزیز راشد صاحب کے ہمراہ ایئر پورٹ کے لئے روانہ ہوئے، یہ فاصلہ ایک گھنٹے میں طے ہوا، ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب پہلے ہی منتظر تھے، ان کے ساتھ مل کر غیر ملکی پرواز کے حصہ میں گیا، دونوں نے باہر اپنے پاسپورٹ اور ٹکٹ کاؤنٹر پر پیش کئے، اور ایک ساتھ سیٹیں مل گئیں جہاز کو صبح ۴؍نومبر ۲۰۱۳ء کو استنبول کے لئے پرواز کرنا تھی، ہم انتظار گاہ میں بیٹھ گئے، ڈاکٹر نوشاہی صاحب نے میری تازہ مطبوعہ تالیف تذکرہ علماء ومشائخ پاکستان وہند دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، وہ تو تمام وقت اس کی دونوں ضخیم جلدوں کے مطالعہ میں لگے رہے، ایئر پورٹ پر تین گھنٹے گذارنے پڑے، ساڑھے پانچ بجے صبح ہوائی جہاز نمبر 711 ٹرکش ایئر لائن پر لے جایا گیا، سیٹ پر بیٹھ کر سخت تھکن کے احساس کا آغاز ہوا، ہوائی جہاز اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ساڑھے چھ گھنٹے میں استنبول خیر و عافیت سے پہنچ کر اتر گیا۔

اپنا سامان لیا، نوشاہی صاحب کے ساتھ ایک ہی ٹرالی میں سامان رکھا اور پھر ڈاکٹر عطاء خورشید صاحب انچارج مخطوطات مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، بھارت کی آمد کا انتظار کرنے لگے، جہاز پہنچ چکا تھا، وہ دیر سے آئے، انہوں نے سامان جمع کیا اور ایئرپورٹ کی لابی سے باہر آئے تو میزبان منتظر تھے، دراصل ان دنوں استنبول میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ (ف ۱۰۳۴ھ) پر ایک بین الاقوامی سمپوزیم ہونے والا ہے، کل بروز جمعہ اس کا افتتاح ہوگا، ہمیں تین بجے کے قریب شہر کے دوسرے حصہ میں بائی ہوٹل (By Otell) میں پہنچا دیا گیا۔

یہاں آکر دوپہر کا کھانا کھایا، مجھے دسویں منزل پر کمرہ نمبر 1011 دیا گیا، بہت خوبصورت اور آرام دہ ہوٹل ہے، کھانا کھا کر کمرے میں آئے، اسی منزل میں کمرہ نمبر 1005 ڈاکٹر عطا خورشید اور کمرہ نمبر 1109 میں ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب قیام پذیر ہیں، میں نے کمرہ میں آکر سونے کی کوشش کی لیکن نیند نہ آسکی تاہم لیٹا رہا، سات بجے شام ڈاکٹر نجدت طوسون استاد الٰہیات مرمرا یونیورسٹی، استنبول ہوٹل میں ملنے آئے تو میں نیچے ان کے پاس گیا، بڑے تپاک سے ملے، رات کے کھانے پر ایک بزرگ استاد ڈاکٹر ڈیمٹر یو جورڈانی (Demetrio Giordani) ملے، انہوں نے مقاماتِ مظہری مولفہ شاہ غلام علی دہلوی کا اٹلی زبان میں ملخص ترجمہ کیا ہے، جس کا مطبوعہ نسخہ انہوں نے مجھے دیا اور اس کے ساتھ ایک رسالہ Oriente Moderno بھی عنایت کیا، اس رسالہ میں بہت عمدہ مقالات صوفیہ سے متعلق شامل ہیں، کھانے کے بعد ڈاکٹر طوسون میرے کمرہ میں آئے تو انہیں میں نے اپنی اس سال طبع ہونے والی کتابیں (۱) زاد المعاد (احوال حضرت خواجہ حسام الدین احمد دہلوی چار جلد) (۲) تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند (دو جلد) اور ان کی بعض مطلوبہ کتب بھی ان کے حوالہ کیں، ڈاکٹر نوشاہی صاحب کے کمرہ میں گیا تو ڈاکٹر عطا خورشید صاحب بھی وہاں ہی بیٹھے تھے، ان کو تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند کا ایک سیٹ دیا، بہت خوش ہوئے، پھر اپنے کمرہ میں آکر عشاء کی نماز ادا کی اور دوائی کھا کر لیٹ گیا، کچھ دیر کے بعد نیند آگئی، صبح اُٹھ کر فجر کی نماز ادا کی۔

۱۵ نومبر، آج امام ربانی سمپوزیم کا افتتاح ہے، ہم سب مہمان آج جمعہ کی نماز حضرت ابوایوب

انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار سے ملحقہ مسجد میں ادا کریں گے اور پھر وہاں سے ہمیں سیمینار ہال میں لے جایا جائے گا۔

ہاں! ان شریک مہمانوں میں روضۂ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے سجادہ نشین حضرت یحیٰ مرحوم کے فرزند محمد زبیر صاحب بھی شامل ہیں، وہ یہاں تیسرے فلور پر کمرہ نمبر 302 میں مقیم ہیں، ان سے بھی ملاقات ہوئی، آج ان کو کچھ کتابیں پیش کروں گا۔

صبح آٹھ بجے نہا دھو کر ناشتہ کیا، قسموں قسموں کے کھانے اور میوہ جات موجود تھے، لیکن میں نے صرف چند اشیاء ہی کھائیں، واپس اوپر آیا، کپڑے بدل رہا تھا کہ ڈاکٹر نجدت طوسون کا فون آ گیا کہ ہم ہوٹل کی لوبی میں منتظر ہیں اور سب مندوبین بس کے ذریعہ سیمپوزیم کے مقام پر جانے کے لئے تیار ہیں، میں بھی جلدی جلدی تیار ہو کر نیچے پہنچا، سب لوگ ایک بس میں بیٹھے میں نے ڈاکٹر طوسون سے کہا کہ مجھے جمعہ کی نماز سے پہلے حضرت شیخ محمد مراد بخاری (ف ۱۱۳۲ھ) کے مزار پر جانا ہے، یہ بزرگ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے خلیفہ تھے، مزار پر سب مندوبین کو لے جایا گیا، مزار اصل حالت میں ہے، بہت سا حصہ گر چکا ہے اور اب از سرِ نو اس کی تعمیر ہو رہی ہے، مزار پر عقیدت کے ساتھ فاتحہ پڑھی اور یہاں سے فارغ ہو کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری دی جو محلّہ نشانچی پاشا مزار مبارک حضرت شیخ محمد مراد بخاری سے چند قدم کے فاصلے پر ہے، بس یہیں روک کر میں تمام مندوبین کے ساتھ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی مسجد میں نمازِ جمعہ کے لئے گیا، عوام کی کثیر تعداد مسجد میں موجود تھی، خواتین کے لئے الگ کمرے تھے جو ضرورت سے کم تھے اس لئے ان کی جماعت بھی دو مقام پر الگ الگ کی گئی۔

یہاں سے فارغ ہو کر مرمرا سمندر کے کنارے کانفرنس مرکز میں لے جایا گیا، بڑے طویل لکچر ہوئے، حضرت شیخ عثمان نوری توپ باش نے طویل لکچر دیا اس کے بعد پروگرام کے مطابق کئی اصحاب و یونیورسٹی کے پروفیسروں نے تقریریں کیں۔

پانچ بجے شام نماز مغرب کے وقفہ سے پہلے اس دن کا پروگرام اختتام کو پہنچا، ہمیں ایک کشتی نما جہاز میں بٹھا کر سمندر میں سیر کرائی گئی، ہلکی ہلکی بارش ہونے لگی، جس سے سردی میں اضافہ ہو گیا، کچھ دیر کے بعد

یہ بحری جہاز ایک مقام پر رکا ہمیں ایک ہوٹل کی دوسری منزل پر لے جا کر رات کا کھانا کھلایا گیا، وہاں سے پھر اُسی بس میں واپس By Otell لایا گیا، یہاں سب مہمانوں نے اپنے اپنے کمروں کی راہ لی، میں تو تقریباً ساڑھے نو بجے ہی نیند کی دوائی کھا کر لیٹ گیا، کسی وقت نیند آ گئی اور صبح چار بجے اُٹھ گیا۔

۱۶ر نومبر، فجر کی نماز کے بعد غسل کیا، یہ چند اوراق تحریر کئے اور نیچے ناشتہ کے لئے جانا ہے۔

ناشتہ کے بعد صبح نو بجے ہوٹل سے نکلے اور استنبول کے انتظامی ہال میں تقریب منعقد ہوئی، آج تین سیشن ہوئے، دوسرے سیشن میں ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب نے مکتوبات امام ربانی کے جدید ایڈیشن کی تیاری پر مقالہ پڑھا، ان کا مضمون عمدہ اور تجاویز اچھی تھیں، تیسرے سیشن میں ڈاکٹر ارتھر بوہلر نے اپنا مقالہ:

Meta Principles of Sufism: What Can we Learn From Sh.

Ahmed Sirhindi Martulat?

پڑھا، انہوں نے صرف یادداشتیں لکھی ہوئی تھیں، باقی سب کچھ زبانی کہا تھا، اس کے بعد ڈاکٹر دلاور سیلوی نے ترکی میں مقالہ پڑھا، اس کے بعد راقم عاجز نے اپنا مقالہ:

Imam Rabbani's Concept of Wahdatul Shuhood and its

impect on Sufisim

پڑھ کر سنایا، میں نے وقت سے پہلے ہی اپنا مقالہ مکمل کرلیا، آج کی نشست کے صدر نے جو ترکی زبان کے سوا کوئی زبان نہیں جانتے تھے، میرے مقالہ پر کوئی تبصرہ نہ کیا، اسی طرح وہ ڈاکٹر بوہلر کے مقالہ کے بارے میں بھی کچھ نہ کہہ سکے، مغرب کی نماز کے قریب پروگرام ختم ہو گیا، مغرب کی نماز وہاں کی مسجد میں پڑھ کر ہدای وقف کے مرکز میں مندوبین کو سادہ کھانا لنگر کھلایا گیا، وہاں سے واپس ہوٹل آ گئے، عشاء کی نماز کے بعد یہ سطور لکھیں اور سونے کی تیاری کرنے لگا۔

۱۷ر نومبر، آج اس سیمپوزیم کا آخری دن ہے، ہمیں صبح نو بجے ہی بی ہوٹل سے لے گئے، کانفرنس روم میں پہنچا، ابھی پروگرام شروع نہیں ہوا تھا، پہلا مقالہ پروفیسر ڈاکٹر رمضان موسولو کا تھا، دوسرا مقالہ احمد حامد یلدری کا تھا، انہوں نے مکتوبات امام ربانی کی فقہی اہمیت پر ترکی میں مقالہ پڑھا، اس کے بعد ترکی

زبان میں ہی سکالروں نے چار مزید مقالات پڑھے، آخری مقالہ ڈاکٹر یعقوب ڈکرے نے عربی میں پڑھا، ان کا عنوان تھا **الامام الربانی السرهندی حیاته و تصوفه و جهوده العلمیه والدینیه،** یہ مولانا ابوالحسن علی ندوی سے بہت متاثر تھے، ان کے پاس تاریخ دعوت وعزیمت (حصہ احوال حضرت مجدد) تھا، ان کا مقالہ بھی اُسی سے مقتبس تھا۔

دوسرے سیشن میں ڈاکٹر Yakub Cicrk نے تبیان الوسائل کے حوالہ سے امام ربانی کے بارے میں کچھ کہا جو ترکی میں ہونے کی وجہ سے سمجھ میں نہ آیا، ان کے بعد ڈاکٹر خلیل ابراہیم، اسی طرح ڈاکٹر نجدت یلدم نے بھی ترکی میں ہی مقالہ پڑھا بارہ بجے کے بعد والے سیشن میں ایک قابل ذکر مقالہ ڈاکٹر سیف الدین رفیع الدین کا تھا، انہوں نے شیخ موسیٰ خان دھبیدی [۱] کے حوالہ سے پڑھا، انہوں نے ان کے شیخ محمد عابد سنامی کو حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد میں بتایا جو غلط ہے، اسی طرح انہوں نے یہ بھی نہ بتایا کہ ان کی شیخ سے کہاں ملاقات ہوئی تھی، حالانکہ وہ دہلی آئے اور حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں سے بھی ملے تھے۔ [۲]

سب سے اچھا مقالہ ڈاکٹر عطاء خورشید صاحب کا تھا، جو مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے آئے تھے اور ہندوستان میں آغاز سے اب تک حضرت مجدد الف ثانی پر جو کام (کتابیں) طبع ہوا ہے اس کی تفصیلات پر مشتمل تھا، انہوں نے حضرت وحدت سرہندی کی کتاب ''الجنات الثمانیہ'' [۳] کا تعارف کرواتے ہوئے مجھے مخاطب کیا کہ یہ کتاب محمد اقبال مجددی کو مرتب کر کے شائع کرنی چاہیے، لیکن انہیں معلوم نہیں تھا کہ اس کا عربی متن مرتب ہو کر مع اُردو ترجمہ چھپ چکا ہے [۴] اور قلمی نسخہ کا عکس بھی شائع ہو گیا ہے، ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس صاحب نے اس کا انگریزی ترجمہ بھی کیا تھا، جو ان کا انگلینڈ میں پوسٹ پی ایچ ڈی کا مقالہ تھا۔

آخری سیشن تاثرات کے لئے مخصوص تھا، جس میں ڈاکٹر سلیمان ڈرین، ڈاکٹر محمود ایرول کیلک اور ڈاکٹر نجدت طوسون کے ساتھ مجھ مسکین کو بھی شامل کیا گیا تھا، ان حضرات نے کئی اہم تجاویز دیں، شام پانچ بجے سے پہلے یہ سارا پروگرام ختم ہو گیا، ترکوں نے ہمارے ساتھ بڑی شیفتگی کا اظہار کیا، مندوبین کے ساتھ تصاویر اتروائیں، مغرب کی نماز کے بعد ہم لوگ ہدیٰ فاؤنڈیشن میں گئے جہاں رات کا کھانا کھلایا گیا، ہال

میں ایک صاحب ڈاکٹر خیر الدین یلنسی ملے، انہوں نے ایروان سے ۱۹۸۰ء میں حضرت مجدد الف ثانی کے رسالہ ''اثبات النبوۃ'' پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ کر یہ اعزاز حاصل کیا تھا، ہم رات نو بجے کے قریب واپس ہوٹل آ گئے۔

نماز عشاء سے فراغت کے بعد میں جناب ڈاکٹر عطاء خورشید کے کمرہ میں گیا جہاں ڈاکٹر نوشاہی صاحب نے آکران کے لیپ ٹاپ پر ترکی کی تصاویر دکھائیں، میرے مطلب کی وہ تصاویر ٹھیک آ گئی تھیں جو حضرت شیخ محمد مراد بخاری (خلیفۂ حضرت خواجہ محمد معصوم) کی درگاہ میں حاضری سے متعلق ہیں، رات ساڑھے نو بجے لیٹ گیا تو کسی وقت نیند آ گئی۔

۱۸ر نومبر، آج ہمیں ہوٹل خالی کر کے ہدیٰ فاؤنڈیشن کے مہمان خانے میں منتقل کر دیا جائے گا، میں یہاں ۲۲ر نومبر تک رہ کر علمی کام کروں گا، ناشتہ سے فراغت کے بعد مندوبین کو ہدیٰ فاؤنڈیشن کے مہمان خانہ میں لے جایا گیا، بارہ بجے کے بعد ڈاکٹر نجدت طوسون صاحب نے اپنے پی ایچ ڈی کے ایک متعلم مسٹر عبداللہ کو میری مدد و رہنمائی کے لئے مہمان خانہ میں بھیجا، وہ مجھے کشتی کے ذریعہ سمندر پار لے گئے، سب سے پہلے مکتبۃ الارشاد گئے، وہاں بہت عمدہ قسم کی عربی مطبوعات ہیں، جن میں سے میں نے حسب ذیل کتب خریدیں:

(۱) مولفات ابن عربی، تاریخھا و تصنیفھا تالیف عثمان یحییٰ ترجمہ احمد محمد الطیب ۲۰۰۱ء

(۲) فی تحقیق النص تالیف بشار عواد معروف

(۳) المنشورات المغربیه منذ ظهور الطباعة الی سنه ۱۹۵۶ء

(۴) موسوعة المطبوعات العربیه (۱۲۰۱۔۱۴۲۵ھ) تالیف حسان عبدالمنان

(۵) حوادث الزمان (در وفیات الشیوخ الاقران) لابن الحمصی

(۶) کتاب العمر فی المصنفات المولفین التونسین تالیف حسن حسنی عبدالوهاب

یہ کتاب چار جلدوں میں ہے اور دار الغرب الاسلامی نے شائع کی ہے۔

(۷) المنجم فی المعجم (بعضهم شیوخ السیوطی) تالف علامه سیوطی، دار ابن حرم

(۸) العثمانیون تاریخ عثمان نوری طوپاش، استنبول

موخر الذکر کتاب ڈاکٹر نجدت طوسون نے تحفۃً دی اور باقی کتب ۱۲۵ر ڈالرز میں خرید کرلایا، چونکہ شام کے پانچ بج رہے تھے اس لئے لائبریری نہیں جا سکا، اب کل کتابخانہ ٹرکش انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جاؤں گا، رات اپنے شعبۂ الٰہیات سے ڈاکٹر طوسون اپنے گھر لے گئے، کھانے کے بعد دیر تک ان کے ہاں کتابیں دیکھتا رہا اور بہت سے مفید مقالات کی فوٹو کاپی کی درخواست کی، انہوں نے کل یونیورسٹی سے بنوا کر دینے کا وعدہ کیا۔

۱۹ر نومبر، انہوں نے بہت علم دوستی اور مہربانی کی اور اپنے جمع کئے ہوئے تمام مقالات (جو مختلف یورپین رسائل سے لئے گئے ہیں) کی فائلیں میرے سامنے رکھ دیں، جن سے میں نے اپنے لئے بعض اہم مقالات کے عکس کی درخواست کی، اب میں ڈاکٹر ارتھر بوہلر صاحب کے ساتھ شعبۂ الٰہیات مرمرا یونیورسٹی جاؤں گا، جہاں وہ میرے لئے فوٹو کاپیاں بنوائیں گے، ڈاکٹر طوسون صاحب اپنے شعبہ میں نہیں ملے، وہ ایک میٹنگ میں گئے ہوئے تھے، ایک اور پروفیسر نے اپنے طالب کے ساتھ مجھے اسام (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ٹرکش) کے کتابخانہ میں بھیج دیا، جہاں بیٹھ کر میں نے رات کے سات بجے تک مطالعہ کیا اور بہت سے رسائل و کتب میں سے متعلقہ صفحات کی فوٹو کاپیاں بنوائیں، ڈاکٹر طوسون صاحب آج صبح سے ہی بہت مصروف ہیں، وہ لائبریری نہیں آسکے اور اپنے ایک شاگرد عبداللہ سے کہا کہ وہ مجھے ہدیٰ وقف کے مہمان خانہ میں چھوڑ آئیں، وہ اپنی کار میں آئے اور مجھے مہمان خانہ میں اتار کر چلے گئے۔

۲۰ر نومبر، آج ڈاکٹر طوسون خود مہمان خانہ میں آ کر ملے، سلیمانیہ لائبریری میں لے جائیں گے، لیکن ڈاکٹر طوسون اپنی کسی مصروفیت کے باعث خود نہ آسکے اور انہوں نے اپنے دو شاگردوں کو بھیج کر مجھے اپنے شعبہ میں بلا لیا، خاصا وقت گذر چکا تھا، دوپہر کے کھانے کے بعد انہی طالبوں کے ساتھ میں ارسکا Institute of Islamic History and Culture کے ادارہ میں گیا تا کہ ان کی اہم مطبوعات خرید سکوں، ان کی مطبوعات بہت مہنگی ہیں، قیمت ڈالروں میں لیتے ہیں، ان کا بل پہلے تو ۴۲۰ر امریکی ڈالر بنا، جب میں نے اپنا تعارف کروایا کہ میں، لاہور، پاکستان میں پروفیسر ہوں اور یہاں امام

ربانی سیمپوزیم میں شرکت کے لئے مدعو کیا گیا ہوں تو انہوں نے حیرت انگیز حد تک ستر (۷۰) فیصد خاص رعایت کردی، پہلا بل میں نے صرف ۱۲۰ ارڈالر ادا کیا، اس میں ایک نہایت بیش بہا کتاب **سلم الوصول الی طبقات الفحول** مولفہ حاجی خلیفہ بھی ہے جو علماء کے احوال پر چھ ضخیم جلدوں میں عربی میں ہے، اسی طرح فہرست مخطوطات کو پرلی، فہرست مخطوطات نادرہ فی ترکیہ مرتبہ رمضان شیشن بھی اہم فہرست ہے، جب اتنی رعایت دیکھی تو دو اور کتابیں یعنی فہرست المخطوطات الطب الاسلامی اور فہرست قرآن مجید تراجم جہان بھی لے لی، یہ بھی اُسی رعایت پر مل گئی، وہاں سے نکلے تو دونوں نوجواں طالب علموں کو اپنی مصروفیات کی وجہ سے جانا پڑ گیا، ایک جوان مہمان خانہ ہدیٰ تک ٹیکسی کے ذریعہ چھوڑ گیا، آج بھی ہم نے کشتی کے ذریعہ سمندر پار کیا، نماز عصر آ کر مہمان خانہ میں ادا کی، مغرب کی نماز پڑھ رہا تھا کہ ڈاکٹر نجدت طوسون آگئے، ان کے ہاتھ میں فوٹوسٹیٹ کاپیوں کے دو بڑے بیگ تھے، یہ وہ کاپیاں ہیں جو میں نے نادر مطبوعات اور مقالات کی بنوائی ہیں، یہ تمام تر نقشبندی سلسلہ کے بزرگوں کے متعلق ہیں، ان کی اس مہربانی پر طبیعت بہت مسرور ہوئی، میں ان کی ادائیگی صبح ہی ان کے فوٹو گرافر کو کر آیا تھا، جو ایک سو بیس ترکی لیرا تھی، اللہ پاک ڈاکٹر طوسون کو اس مدد پر جزائے خیر دے، آمین۔

۲۱ رنومبر، آج ڈاکٹر طوسون گیارہ بجے صبح مہمان خانہ آکر مجھے لے جائیں گے اور کتابخانہ سلیمانیہ کے علاوہ ہم مختلف تاریخی مقامات کی زیارت بھی کریں گے، صبح گیارہ بجے ڈاکٹر طوسون کے ہمراہ مہمانخانہ سے نکلا اور ان کے شعبہ میں پہنچ گیا، وہیں دوپہر کا کھانا کھایا، ظہر کی نماز ادا کی اور ایک طالب علم کی رہنمائی میں ٹرکش انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے کتب خانہ میں اپنی مرتبہ نئی کتاب ''زادالمعاد'' تحفۃً پیش کی، پھر اُسی وقت واپس سلیمانیہ لائبریری جانے کے لئے ٹیکسی سے روانہ ہوگیا، کافی فاصلہ طے کر کے وہاں پہنچا تو کمپیوٹر پر شیخ محمد مراد بخاری کی تصانیف اور ان کے ملفوظات دیکھے، ان میں سے ''مفردات القرآن'' کے اول وآخر کے پانچ پانچ اوراق، رسالہ فی تعریف الروح، مجالس شیخ محمد مراد بخاری اور چند دیگر رسائل کی سی ڈی بنوائی، جن کے کل اوراق ۱۶۰ تھے، طالب علم نے اپنے نام پر درخواست دی تو ۸۰ رٹرکش لیرا لئے گئے، جو بہت مہنگا سلسلہ عکسیات ہے، وہاں سے میں استنبول یونیورسٹی لائبریری کے مخطوطات دیکھنے کے لئے گیا،

لیکن افسوس کہ راستہ کی ٹریفک کے باعث وہاں تک پہنچنے سے پہلے لائبریری کا وقت ختم ہو گیا، عصر کی نماز وہاں کی مسجد میں ادا کر کے واپس مہمان خانہ میں آ گیا، رات کے کھانے کے بعد ڈاکٹر طوسون بھی مہمان خانہ میں آ گئے، کچھ دیر اِدھر اُدھر کی علمی باتیں ہوتی رہیں، پھر ڈاکٹر آرتھر بیولر نے دو گھنٹے آرام کرنے کا کہا اور اپنے کمرے میں جا کر سو گئے، میں بھی سونے کے لئے کمرہ میں چلا گیا۔

۲۲ر نومبر، آج اپنے وطن واپس جانا ہے، رات آٹھ بجے کی پرواز سے روانگی ہے، اللہ کریم سے بحفاظت تمام وطن پہنچنے کی دعا کے ساتھ سو گیا، صبح ڈاکٹر طوسون آئے، ان کے ساتھ اسی مہمان خانہ کی لائبریری میں گیا، دیکھ کر بہت حیرت ہوئی کہ چار منزلیں لائبریری کے لئے مختص کی گئی ہیں، ہر منزل پر عربی، فارسی و ترکی کی بہت عمدہ کتابیں موجود ہیں، پہلی ہی منزل پر کتب حوالہ بڑے سلیقہ سے رکھی گئی ہیں، جن میں زیادہ تر مخطوطات کی فہارس اور ببلیوگرافیاں ہیں، باقی منزلوں پر بھی بہترین کتابیں دیکھیں اتنے میں جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا، یہاں کی مساجد آباد ہیں، نماز کے بعد ہم نے کھانا کھایا اور ایئر پورٹ جانے کے لئے رخصت ہو گئے، اب ہم تین مسافر رہ گئے ہیں ان میں ڈاکٹر عطا خورشید (علی گڑھ) ڈاکٹر عارف نوشاہی (اسلام آباد) اور راقم عاجز محمد اقبال مجددی شامل ہیں، ہم نے راستہ میں بچوں کے لئے مٹھائی اور دوسری چیزیں خریدیں اور پھر اخلاص فاؤنڈیشن کے مہمان خانہ میں جا کر دونوں مہمانوں نے اپنا سامان سمیٹا اور مغرب کی نماز ادا کر کے ایئر پورٹ کے لئے روانہ ہو گئے، میرے پاس وزن زیادہ ہے جو لے کر جاتے میں دشواری پیش آ رہی ہے، ۳۱ر کلو تو کتابوں کا وزن ہے، ایک اور بیگ ساڑھے دس کلو کا ہے جسے ایئر پورٹ والوں نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس وزن کا معاوضہ ۱۵۰ر یورو ادا کریں، اتنی بڑی رقم میرے پاس نہیں تھی اس لئے اسے بھی ہاتھ میں اٹھا لیا، فوٹو سٹیٹ کاپیوں کا وزن تو پہلے ہی ۲۰ر کلو سے بھی زیادہ تھا جسے جہاز والوں کے حوالہ نہیں کر سکتا تھا، وہ بھی اٹھا رکھا تھا، تاہم ڈاکٹر نوشاہی سے مل کر بصد مشکل اٹھاتا رہا، آخر رب کریم کے فضل سے جہاز تک پہنچ گئے، جہاز رات آٹھ بجے چلا اور صبح پونے پانچ بجے اسلام آباد ایئر پورٹ پر اترا، اللہ تعالیٰ سے اس کے خیر و عافیت سے پہنچنے پر بہت شکر ہے۔

حواشی

۱۔ شیخ موسیٰ خان دھبیدی، شیخ احمد بن سید جلال الدین مقلب بہ مخدوم اعظم خواجگی کاسانی ثم دہبیدی (ف ۹۴۹ھ) کی اولاد میں سے تھے، اس لئے مخدوم اعظمی کہلاتے تھے، مخدوم اعظم، مولانا محمد قاضی خلیفۂ خواجہ عبیداللہ احرار کے خلیفہ تھے۔ مقاماتِ مظہری ۲۴۳)

۲۔ مرزا مقصود دھبیدی نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ شیخ موسیٰ دہلی گئے تھے اور حضرت میرزا مظہر کے ساتھ جا کر شیخ محمد عابد سنامی سے ملے تھے۔

۳۔ الجنات لثمانیہ (سوانح حضرت مجدد الف ثانی) تالیف شیخ عبدالاحد وحدت سرہندی، یہ حضرت مجدد الف ثانی کے احوال پر پہلی کتاب ہے جو عربی زبان میں لکھی گئی تھی، الجنات الثمانیہ کا عربی متن شیخ محمد بدرالاسلام صدیقی نے مرتب کیا، جو خانقاہ سلطانیہ، جہلم سے شائع ہوا تھا۔

۴۔ الجنات الثمانیہ کا اُردو ترجمہ مفتی محمد علیم الدین نے کیا جو مذکورہ ادارہ سے ہی طبع ہوا تھا۔

حیدر آباد، سندھ کا آخری سفر

آج مورخہ ۵/اپریل ۲۰۱۵ء استادِ گرامی ڈاکٹر این اے بلوچ مرحوم کی چوتھی برسی کے موقع پر منعقد ہونے والے سیمینار میں شرکت کے لئے جانے کا پروگرام مرتب کر رہا تھا کہ اطلاع ملی شاہین ایئر لائن کا طیارہ طیارہ نمبر 149 کسی وجہ سے تاخیر کا شکار ہے وہ سہ پہر سوا چار بجے کی بجائے رات ۹ بجے پرواز کرے گا، ناچار دوپہر کے معمولات کے بعد آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا، لیکن ایسے مواقع پر بھلا نیند کہاں؟ کروٹیں لیتا رہا، یہاں تک کہ ساڑھے پانچ بجے اٹھ بیٹھا، ساڑھے سات بجے بیٹے محمد عمر کے ساتھ ایئر پورٹ جانے کے لئے روانہ ہوا، آٹھ بجے رات کو ہوائی اڈے پر پہنچا، جہاز تیار تھا، رات گیارے بجے کراچی ایئر پورٹ پر رب کریم کے فضل وکرم سے بحفاظت تمام اترا، میرے ساتھ لاہور کے محقق و مصنف ڈاکٹر انجم رحمانی صاحب سابق چیئر مین لاہور میوزیم بھی شریک سفر تھے۔

کراچی ایئر پورٹ سے دو گھنٹے کا طویل سفر طے کر کے ہم رات دو بجے حیدر آباد آئے، تھکن سے برا حال تھا، دوائی لی اور سو گیا۔

۶/اپریل، صبح سویرے اٹھ کر نماز فجر کے بعد باہر ٹہلنے گیا تو مشہور محقق و مولف جناب محمد راشد شیخ ۱ کراچی سے آئے ہوئے تھے، ان کے ساتھ ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں، بہت ملنسار اور صاحب ذوق انسان ہیں، میں جلد ہی واپس کمرے میں آیا نہا دھو کر تیار ہوا اور ناشتہ کے بعد ہمیں ڈاکٹر این اے بلوچ مرحوم کی قبر پے لے جایا گیا، جو شہر سے باہر جام شورو میں علامہ آئی آئی قاضی ۲ (سابق وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی) کے ساتھ ہی ہے، جو ان کے مزار کے پہلو میں بنائی گئی تھی، پر فاتحہ خوانی کی اور ان کی وفات پر منعقد ہونے والے سیمینار میں شرکت کے لئے حیدر آباد میوزیم ۳ میں ہمیں لایا گیا، یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ابھی مہمانان گرامی نہیں پہنچے، کچھ دیر وہاں کے مرزا ہال میں بیٹھے رہے، پھر پروگرام شروع ہوا، بہت

سے سامعین موجود تھے، ایک ہال بھر گیا تھا، ہمیں بڑی عزت سے بٹھایا گیا۔

پہلی نشست پروگرام کی افتتاحی تقریب تھی بڑے افتخار کی بات یہ تھی کہ تمام تقریریں سندھی زبان میں ہوئیں، صرف ڈاکٹر انجم رحمانی کا کلیدی خطبہ اُردو میں تھا، سامعین نے پوری توجہ سے سارا پروگرام سنا، بعض بہت اہم اور علمی تقریریں ہوئیں، ساڑھے بارہ بجے دوسرا اسیشن شروع ہوا، اس میں مَیں چیف گیسٹ تھا، ہمیں بڑی عزت سے سٹیج پر بٹھایا گیا، بڑی علمی تقریریں شروع ہوئیں، ڈاکٹر لاشاری نے بھنبھور کی کھدائی کے دوران ملنے والے آثار پر بہت علمی لکچر دیا، ۴ آخر میں میری تقریر تھی، جس کا عنوان ہے: ''ڈاکٹر این اے بلوچ، لاہور میں'' ۵ میری تقریر سامعین نے بہت دلچسپی سے سنی اور بہت پسند کی گئی، میں نے اُس میں اُن مجالس ومحافل کا تذکرہ کیا تھا جن میں ڈاکٹر بلوچ شریک گفتگو ہوتے رہتے تھے۔

سہ پہر تین بجے کے قریب کھانا کھایا اور چھ بجے تک واپس مہمان خانہ میں آکر بیٹھ گئے، ملاقات کرنے والے مہمان برابر آتے رہے، ان میں ڈاکٹر سید جاوید اقبال (استاد شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی) تشریف لائے اور اپنے ہمراہ اپنا بڑا قیمتی رسالہ تحقیق ۶ بھی لائے، شمارہ ۱۴ر سے ۲۴ر تک کے سارے شمارے تھے، بہت تشکر وامتنان کے ساتھ قبول کیا، دوسرے مہمان گرامی بھی ملاقات کے لئے آتے رہے، اِدھر اُدھر سے اہلِ علم نے اپنی کتابیں عنایت فرمائیں، عزیز محترم شاہ انجم ۷ مدیر رسالہ مصداق (شاہ عبدالحق محدث اکیڈیمی، حیدرآباد) ملنے کے لئے آئے، بڑے صالح جوان ہیں، رات دیر تک ان سے علمی باتیں ہوتی رہیں، ساڑھے گیارہ بجے سوئے۔

۷ر اپریل ۲۰۱۵ء، آج معمولات فجر سے فراغت کے بعد ڈاکٹر یعقوب مغل صاحب (مدیر اعلیٰ این اے بلوچ ہیریٹیج، حیدرآباد، سندھ) کی گاڑی میں سندھ یونیورسٹی جام شورو گئے، ڈاکٹر انجم رحمانی صاحب بھی ہمراہ تھے، کچھ ہی دیر میں ڈرائیور ہمیں لے کر فیکلٹی آف آرٹس آگیا، وہاں ڈین ڈاکٹر سید جاوید اقبال کے کمرہ میں گئے تو وہ منتظر تھے، انہوں نے فون کر کے پروفیسر ڈاکٹر منیر احمد خان ۸ بن ڈاکٹر سراج احمد خان بن ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کو بلا لیا، کراچی سے صرف میری ملاقات کے لئے پیر حامد اللہ جان سرہندی ۹ تشریف لائے، انہوں نے اپنی تازہ کتاب ''سوانح مخدوم ابوالقاسم نقشبندی'' کا نسخہ عنایت فرمایا، ڈاکٹر

رحمانی صاحب کو بھی دیا، پھر ڈاکٹر انوار صاحب ڈین بھی آگئے، جنہوں نے مولانا احمد رضا خان بریلوی پر پی ایچ ڈی کیا ہے اور یہاں یونیورسٹی میں شعبۂ علوم اسلامیہ میں استاد ہیں۔

گیارہ بجے کے قریب ہمارے لئے شہر سے تلی ہوئی مچھلی لائی گئی، جسے کھا کر رحمانی صاحب اور میں سندھی ادبی بورڈ گئے، وہاں سیکرٹری اللہ دتو صاحب کے کمرہ میں کچھ دیر بیٹھے، انہوں نے ۲۳۸ رکتابیں اپنے دورِ نظامت میں شائع کی ہیں، جن میں بورڈ میں عربی، فارسی اور سندھی کے مخطوطات کی دو جلدیں خاصے ۱۰ کی چیز ہے، اس میں مخطوطات کے اول و آخر اوراق کے عکس بھی شامل ہیں، ۲۸ رسو روپے قیمت ہے۔

وہاں سے اُٹھ کر ڈرائیور ہمیں شعبۂ سندھالوجی میں لے گیا، میں نے ڈاکٹر احمد خان صاحب کی مرتبہ فہرست مخطوطات عربیہ ۱۱ (مطبوعہ ریاض، سعودی عرب) میں سے ''فرائض السلوک'' تصنیف شیخ تاج الدین سنبھلی ۱۲ کا نمبر 455 لکھ کر دیا تو ان کے رجسٹر میں کچھ اور ہی درج تھا، سارا رجسٹر مخطوطات دیکھا لیکن مطلوبہ مخطوطہ دستیاب نہ ہوا، تین دیگر مخطوطات کے نام لکھ کر دیئے صرف ''ہدایۃ المریدین'' تصنیف مخدوم محمد ابراہیم ۱۳ ٹھٹھوی ٹدی مرقد کی فوٹو کاپی مجلد حالت میں مل سکی جو بعد میں معلوم ہوا کہ طبع ہو چکی ہے اور سندھی زبان میں ہے۔

بہر حال وہاں سے اُٹھے تو سندھی ادبی بورڈ کے سیل ڈپو پر گئے جو اندرون حیدر آباد نزد صدر میں واقع ہے، وہاں سے ان کی تازہ مطبوعات 3250 روپے میں خریدیں ۱۴ اور واپس مہمان خانہ میں آگئے۔

یہاں آکر کچھ دیر لیٹ گئے، تو حضرت پیر پروفیسر نثار احمد ۱۵ سرہندی سے ملاقات کے لئے میر پور خاص ان کے دولت خانہ سرہندی ہاؤس گئے، آپ نے پروفیسر عبدالرحمٰن صاحب کو ہمیں حیدر آباد سے لانے کے لئے بھیجا تھا، ان کے ہمراہ پہلے تو مقبرہ شریف خاندان حضرات مجدد الف ثانی ٹکھڑ ۱۶ گئے، وہاں زیارات و فاتحہ کے بعد میر پور خاص کے لئے روانہ ہوئے، رات نو بجے وہاں پہنچے، پیر صاحب کے ساتھ کھانا کھایا اور باتیں کرتے ہوئے بارہ بج گئے، شدید تھکن کے باعث رات بھر نیند نہ آئی۔

۸ر اپریل، ۲۰۱۵ء، صبح ناشتہ کے بعد حضرت پروفیسر پیر نثار احمد جان سرہندی کے گھر سے روانہ

ہوا، انہوں نے اپنی خاص گاڑی عنایت کی اور ڈرائیور ہمیں نیازی سٹیڈیم کے مہمان خانہ میں حیدرآباد چھوڑ کر چلا گیا، بلوچ ریسرچ ہیرٹیج کے ڈائریکٹر ڈاکٹر یعقوب مغل صاحب نے اپنی گاڑی بھیجی اور ڈاکٹر انجم رحمانی کو بھی وہیں دفتر میں بلالیا، کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں ہوئیں، اتنے میں دوپہر کے بارہ بج گئے، وہی ڈرائیور ہمیں لے کر دوبارہ مہمان خانہ میں آیا، میں نے ڈاکٹر رحمانی کی کتابیں ڈبوں میں پیک کیں اور باندھ کر ان کے حوالہ کر دیں تو وہ موصوف ایک کرایہ کی گاڑی کے ذریعہ کراچی روانہ ہو گئے، وہاں سے وہ جمعہ کے روز لاہور چلے جائیں گے، میں انکے جانے کے بعد تیار ہو کر سندھ یونیورسٹی کے لئے روانہ ہوا، ڈاکٹر مغل صاحب کی گاڑی اور ڈرائیور میرے لئے موجود تھا، سب سے پہلے شعبۂ سندھالوجی میں گئے وہاں ایک مخطوطہ مجموعہ رسائل ''دفاع حضرت مجدد الف ثانی'' نکلوا کر دیکھا، پہلا رسالہ عطیۃ الوہاب شیخ محمد بیگ برہانپوری ۱۷ کا ہے، دوسرا رسالہ غالباً قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا ہے، جس کا عکس بخط مصنف میں اپنے مجموعہ ۱۸ میں شائع کر چکا ہوں، تیسرا رسالہ ''کشف الغطاء عن اذہان الاغبیاء'' مولفہ شیخ محمد فرخ مجددی سرہندی ۱۹ کا ہے، آخری نسخہ میں تحریر تھا کہ یہ رسالہ مخدوم ابوالقاسم نقشبندی ٹھٹھوی کے خط میں مرقوم تھا جس کی نقل لی گئی ہے۔

یہاں سے جلد ہی فارغ ہو گئے، اس کے بعد سندھی ادبی بورڈ کے سیکرٹری اللہ دتو وگھیو سے ملنے اُن کے دفتر گیا تو انہوں نے دو کتابیں شرح ابیات از شیخ رحیم اللہ نقشبندی اور ایک دوسری کتاب بھی مجھے تحفۃً دیں اور ایک ایک کاپی ڈاکٹر رحمانی کے لئے بھی دی۔

سندھی ادبی بورڈ سے ہوتا ہوا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان مرحوم کے مزار اور ان کی تعمیر کردہ مسجد غفاریہ میں بھی گیا، یہیں ڈاکٹر خان مرحوم کا ذخیرۂ کتب بھی ہے، ۲۱ لیکن یہاں مخطوطات یا اُن کے عکسیات سرے سے موجود ہی نہیں ہیں، یہاں سے فارغ ہو کر ڈاکٹر بلوچ ہیرٹیج کے دفتر میں گیا، انہوں نے بڑی شفقت سے چند مطبوعات ادارۂ خود عنایت کیں، انہوں نے دوپہر کا کھانا بھی کھلایا، رات کا کھانا بھی پوچھا تو میں نے کہا کہ صرف چند کیلے اور خربوزے منگوا دیں تو وہی کافی ہوں گے۔

میں کتابیں اور پھل لے کر مہمان خانہ میں آ گیا، نمازِ ظہر و عصر ایک ساتھ پڑھ کر ساڑھے پانچ بجے

لیٹ گیا، قدرے غنودی سی آنے لگی کہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کی لائبریری کی لائبریرین لیلیٰ ۲۳ آ گئیں، جو اپنے لہجہ سے ایرانی معلوم ہوتی ہیں، میں نے اُن سے پوچھا تو بتایا کہ میں ایرانی ہوں اور سندھ یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو سے پی ایچ ڈی کا مقالہ اُردو میں ''غیر مہذب الفاظ اور اُن کی تشریح'' لکھ کر ڈگری حاصل کرنے والی ہوں، سب امتحان ہو چکا ہے، صرف سند ملنا باقی ہے، اس بیٹی نے مجھ سے مہمان خانہ میں آ کر ''اسرانامہ'' از شیخ فریدالدین عطار کا مطبوعہ ایڈیشن تہران مرتبہ ڈاکٹر شفیع کدکنی عنایت کیا جسے میں نے شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا، انہوں نے کئی سوالات کئے اور سندھ اور لاہور کے قابلِ زیارت مزارات کے نام اور محلِ وقوع دریافت کیا اور پھر پونے سات بجے رخصت ہو گئیں، بہت اعلیٰ اخلاق کی مالکہ ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی حفظ وامان میں رکھے، آمین۔

۹ راپریل ۲۰۱۵ء، آج براستہ کراچی، لاہور واپس جانا ہے، رات جلد ہی سو گیا تھا، شدید تھکن کے باعث بے حال ہو رہا ہوں، اب سفر کی صعوبت برداشت نہیں ہوتی، صبح سویرے ہی اُٹھ گیا، غسل کے بعد ناشتہ کیا، نو بجے ڈاکٹر بلوچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر ڈاکٹر یعقوب مغل خدا حافظ کہنے کے لئے مہمان خانہ میں آئے تو ارشد بلوچ صاحب ۲۳ سے فون پر معلوم ہوا کہ ان کی بچی کو سکول جانا ہے، اس لئے وہ نو بجے کی بجائے دس بجے آئیں گے، میں ڈاکٹر مغل کے ساتھ مصروف گفتگو رہا کہ سوا دس بجے ارشد صاحب آ گئے اور کراچی لے جانے والی ان کے دفتر کی گاڑی بھی آ گئی، انہوں نے مہمان خانہ کا تیرہ ہزار روپے کا بل ادا کیا جس میں مجھے اور ڈاکٹر رحمانی کو ٹھہرایا گیا تھا۔

ساڑھے دس بجے روانہ ہوئے اور اللہ کریم کے فضل سے بخیر وعافیت ساڑھے بارہ بجے کراچی پہنچ گئے، محترم محمد راشد شیخ صاحب بھی منتظر تھے، وہ مقام مالیر ہالٹ کینٹ کے قریب رہتے ہیں، جہاں وہ پل کے نیچے انتظار کر رہے تھے، وہ ہمیں اپنے ہمراہ لے کر گھر آ گئے، بہت خوش گو اور مشفق بزرگ ہیں، دیر تک اِدھر اُدھر کی علمی باتیں ہوتی رہیں، ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب بھی ملاقات کے لئے یہیں آ گئے تو شیخ صاحب نے دوپہر کا کھانا کھلایا، ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب تو ایک گھنٹہ کے بعد رخصت ہو گئے، انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد کے انساب پر ایک فارسی کتاب ''ہدیۂ احمدیہ'' مولف شیخ احمد ابوالخیر مکی کا اُردو ترجمہ

کیا ہے، انہوں نے مجھ سے ان کے حالات دریافت کئے تھے، میں دو عربی کتب ''معجم المعاجم والمشیخات'' مولفہ یوسف مرعشلی اور ''نثر الجواہر والدرر'' مولفہ یوسف مرعشلی کے متعلقہ صفحات کی فوٹوسٹیٹ بنوا کر لے گیا تھا، جو ان کے حوالہ کردی اور وہ چلے گئے، ان کے جانے کے بعد میں کچھ دیر کے لئے لیٹ گیا لیکن افسوس کہ مجھے یہ امر یاد نہ رہا کہ شیخ راشد صاحب سے ان کا کتب خانہ [۲۴] دیکھنے کی تمنا کا اظہار کرنا تھا، ایئرپورٹ پہنچ کر یاد آیا تو عجیب سا محسوس ہوا، بہرحال اب وقت گذر چکا تھا۔

شاہین ایئرلائنز کا جہاز تیار تھا، ضروری کاروائی ہوئی تو معلوم ہوا کہ میری کتابوں کا وزن اس وزن کی حد سے زیادہ ہے اس لئے یہاں اضافی رقم ایک ہزار روپے ادا کرنا پڑی، جہاز شام سات بجے پرواز کرگیا اور ٹھیک آٹھ بج کر ۳۵ منٹ پر لاہور ایئرپورٹ پر بحفاظت تمام اترا، جس پر رب کریم کا بہت شکر ہے، میں سامان لے کر ایئرپورٹ سے باہر آیا تو بیٹا محمد عمر بھی لینے کے لئے آگیا، میں اس کے ساتھ آدھے گھنٹے میں گھر پہنچ گیا، شدید تھکن کے باعث چلانہیں جارہا، امید ہے کہ صبح تک قدرے بہتر ہوجائے۔

حواشی

۱۔ جناب محمد راشد شیخ، ایک سول انجینئر ہیں، کراچی میں قیام ہے، کئی اہم کتابیں اپنے معاصرین پر لکھی ہیں، جن میں سے علامہ عبدالعزیز میمن (سوانح و علمی خدمات)، ارمغان نفیس (سید انور حسین نفیس رقم کی سوانح وفن خطاطی)، سوانح ڈاکٹر نبی بخش بلوچ (دوایڈیشن)

آپ نے کئی معاصر اہل قلم کے مکاتیب بھی جمع کر کے شائع کروائے ہیں جن میں ڈاکٹر مختار الدین احمد (علی گڑھ) کے خطوط، ڈاکٹر این اے بلوچ کے مکاتیب کے علاوہ (رسالہ) تحقیق، شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، (رسالہ) صحیفہ، لاہور کے مکاتیب نمبر شامل ہیں۔

۲۔ علامہ آئی آئی قاضی (سابق وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی) کی قبر سندھ یونیورسٹی کے قبرستان کے ایک پرفضا مقام پر ہے، جہاں اتنا بڑا آدمی، جس نے سندھ جیسے پسماندہ خطے کو جدید تعلیم سے آراستہ کیا، وہ آرام فرما ہے، کے پہلو میں ڈاکٹر بلوچ کی آخری آرام گاہ بنی، علامہ قاضی کی ولادت ۱۸۸۶ء اور وفات ۱۴ر اپریل ۱۹۶۸ء کو ہوئی۔ (وفیات ناموران پاکستان)

(رسالہ) ادبیات، اسلام آباد کے ڈاکٹر بلوچ نمبر میں ایک مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ جب ڈاکٹر بلوچ کا انتقال ہوا تو سندھ یونیورسٹی نے انہیں اپنے قبرستان میں دفن کرنے سے انکار کر دیا، پھر مقالہ نگار نے یونیورسٹی کے وائس چانسلر جو اس وقت کسی کام سے کراچی میں تھے، کو صبح سویرے فون کیا تو انہوں نے برا منایا کہ اس وقت مجھے بے آرام کیوں کیا؟ انہوں نے ڈاکٹر بلوچ کی یونیورسٹی کے قبرستان میں تدفین سے یونیورسٹی کے انکار کا ذکر کیا اور کہا کہ آپ فوری طور پر اپنے عملہ کو حکم دیں کہ وہ ان کی قبر یہاں آئی آئی قاضی کے پاس بنانے کی اجازت دیں، ورنہ اس انکار پر سندھ یونیورسٹی کے اس سب سے نامور استاد کی قبر ان کے گاؤں میں کھودوی گئی تھی۔

میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہو چکا ہے، جس کی داستان الگ لکھی گئی ہے، وہاں ملاحظہ کریں۔

۳۔ حیدرآباد میوزیم، جہاں میں اپنی جوانی کے زمانہ میں مخطوطات کا ذخیرہ دیکھنے کے لئے جایا کرتا تھا، ۲۰۱۵ء کو اس کی عمارت کو جو از خود مسمار ہونے کے قریب تھی، دیکھ کر بہت افسوس ہوا، دیکھئے اس کی تعمیر نو اور مرمت پر کتنی دولت لوٹی اور لوٹائی جائے گی۔

۴۔ ڈاکٹر کلیم اللہ لاشاری، سندھ کی تاریخ کے ماہر اور وہاں کے بزرگ محققین میں سے ہیں، حال ہی میں انگریزی میں ان کی ٹھٹھہ پر بڑی اہم کتاب شائع ہوئی ہے، ڈاکٹر لاشاری کی تقریر کا موضوع تھا:

Presentation on Recent excavation at Bhanbhore

ان کا یہ طویل مقالہ دلچسپی سے خالی نہیں تھا، لیکن وہاں بر دکھاوے کے طور پر کانفرنس ہال کو بھرنے کے لئے ڈاکٹر بلوچ کے گاؤں سے سندھی دیہاتیوں کی بڑی تعداد بلالی گئی تھی، جو ان کے مقالہ خوانی کے دوران آپس میں باتیں کرتے رہے تھے، جس کے باعث ان کا لکچر سامعین کے لئے بے کار ثابت ہوا۔

۵۔ میری یہ تقریر اب (رسالہ) ادبیات، اسلام آباد (شمارہ ۱۵۔۱۱۴۔ اکتوبر ۲۰۱۷ تا مارچ ۲۰۱۸ء) میں (ص ۱۱۰ تا ۱۲۲) شامل ہے۔

۶۔ رسالہ تحقیق، ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم سابق صدر شعبۂ اُردو سندھ یونیورسٹی، جام شورو، سندھ نے شعبہ اُردو سے ۱۹۸۷ء کو نکالنا شروع کیا، جو ان کے ذوق کا ترجمان تھا، اس میں بعض مقالات خاصے اہم شائع ہوئے، جن کے باعث اس رسالہ کی شہرت سارے پاکستان و ہندوستان میں ہوگئی، تو انہیں متقاعدت کے بعد پھر اس کے مدیر کی حیثیت سے شعبہ میں رکھ لیا گیا، لیکن ان کے انتقال (۱۳ر فروری ۲۰۰۱ء) کے بعد یہ رسالہ اپنی تحقیقی حیثیت برقرار نہ رکھ سکا، اب تو اس کے موجودہ مدیر ڈاکٹر سید جاوید اقبال صاحب نے آخری شماروں میں لکھا ہے کہ اب ہم یونیورسٹیوں کے ایم فل کے مقالات کی تلخیص شائع کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں، کیوں کہ اب مقالہ نگار حضرات ویسے نہیں رہے جیسے پہلے تھے۔

۷۔ پروفیسر شاہ انجم اردو کے پروفیسر ہیں اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تعلیمات کے فروغ کے جذبہ سے ایک اکیڈیمی بنائی تھی، اور وہاں سے ایک رسالہ مصداق کے نام سے جاری کیا تھا، اس کے چند شمارے نکلے تھے کہ مقالہ نگاروں کے عدم تعاون اور سرمایہ کی کمی کے باعث یہ رسالہ بند ہوگیا۔

۸۔ پروفیسر ڈاکٹر منیر احمد خان، اُس وقت سندھ یونیورسٹی، جام شورو میں شعبۂ عربی کے صدر تھے، آپ مشہور محقق ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان مرحوم کے پوتے ہیں، وہ خود ملاقات کے لئے شعبۂ اُردو میں تشریف لائے، اُن کی زبان مبارک سے کوئی علمی بات نہ سنی، معلوم ہوتا ہے کہ جیسا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے اپنے فرزند ڈاکٹر سراج احمد خان کو، جو وہاں کسی پریس میں ملازم تھے، شعبۂ علوم اسلامیہ سے خود ایک معمولی سا مقالہ ''مکتوبات امام ربانی کی دینی و معاشرتی اہمیت'' لکھ کر ان کو پی ایچ ڈی کی ڈگری دلوادی تھی، اسی طرح ان کے پوتے بھی بالکل علمی طور پر پیدل تھے، میرے ہم سفر ڈاکٹر انجم رحمانی، جوان دنوں ''حضرات القدس'' مولفہ شیخ بدرالدین سرہندی کے فارسی متن کی جلد اول ایڈٹ کررہے تھے، اسی مناسبت سے ان سے اس کے سندھ میں کسی قلمی نسخہ کے وجود کے بارے میں پوچھا تو کچھ نہ بتاسکے۔

چھ ماہ کے بعد ان کا حیدرآباد سے فون آیا کہ ''حضرات القدس'' تو ہمارے پاس چھپا ہوا موجود ہے، میں نے کہا کہ حضرت آپ کی خدمت میں اس کی جلد اول کے بارے میں استفسار کیا گیا تھا، یقین فرمایئے انہیں اپنے سلسلہ کی اس بنیادی کتاب کے بارے میں یہ بھی علم نہیں تھا کہ یہ دو جلدوں میں ہے، اس کے فارسی متن کی جلد دوم ۱۹۷۱ء کو لاہور سے طبع ہوئی تھی وہ اسی کو کامل کتاب تصور فرماتے تھے، فتدبر۔

۹۔ پیر حامد اللہ جان سرہندی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی اولاد میں سے ہیں، اپنے خانوادے کے بارے میں تو ان کے پاس کوئی معلومات نہیں ہیں، البتہ انہوں نے شیخ ابوالقاسم نقشبندی ٹھٹھوی کے احوال پر سندھی میں ایک ضخیم کتاب تالیف کی ہے، وہ کراچی کے کسی سکول میں سندھی ادب کے استاد کی حیثیت سے سبکدوش ہوئے ہیں، بہت ملنسار اور بھلے آدمی ہیں۔

۱۰۔ یہ فہرست ''مخزن المخطوطات'' کے نام سے دو جلدوں میں ہے اور اسے مخدوم سلیم اللہ صدیقی نے مرتب کیا ہے، مخطوطات کی تفصیلات سندھی اور انگریزی دونوں زبانوں میں دی ہے، مخطوطات کے اول و آخر کے اوراق کی رنگین تصاویر بھی دی گئی ہیں، یہ فہرست سندھی ادبی بورڈ سے ۲۰۱۳ء کو طبع ہوئی ہے۔

۱۱۔ ڈاکٹر احمد خان: فہرس المخطوطات العربیہ الاسلامیۃ فی باکستان، ریاض، مکتبۃ الملک محمد الوطنیۃ ۱۹۹۷ء۔۲۰۰۵ء، آٹھ جلدیں، اب اس کی نویں جلد بھی طبع ہوگئی ہے جو مخطوطاتِ طب سے متعلق ہے۔

۱۲۔ شیخ تاج الدین سنبھلی (ف ۱۰۵۱ھ) حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی (ف ۱۰۱۲ھ/ ۱۶۰۳ء) کے اولین خلیفہ تھے، میں آپ کے رسائل کا ایک خطی مجموعہ شائع کرنا چاہتا ہوں اس لئے جہاں کہیں ان کے کسی رسالہ کا علم ہوتا ہے دیکھنے کے لئے بے تاب ہو جاتا ہوں، اسی مناسبت سے آپ کا رسالہ ''فرائض السلوک'' نکلوا کر دیکھنا چاہتا تھا لیکن بے سود۔

۱۳۔ مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹھوی (ف ۱۲۱۲ھ/ ء) بن مخدوم عبداللطیف بن مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی، اکابر علماء و مشائخ میں سے تھے، ان کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے:

محمد امین چھوڑائی: مناقب مخدومین، با مقدمۂ مفصل از محمد اقبال مجددی، لاہور، امام ربانی پبلی کیشنز ۲۰۱۸ء

۱۴۔ یہ تمام بیش قیمت کتابیں اب میرے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) میں ہیں۔

۱۵۔ پروفیسر پیر نثار احمد جان سرہندی، حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد میں سے ہیں اور شاہ عبدالرحمٰن قندھاری ان کے جدِ اعلیٰ قندھار سے سندھ آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے، یہیں دفن ہیں۔

۱۶۔ ٹکھڑ، دریائے سندھ کے کنارے ایک پُر فضا مقام ہے، جہاں حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد کے مزارات ہیں، میں کئی مرتبہ سندھ گیا، ہر دفعہ یہ آرزو رہی کہ ٹکھڑ جا کر ان حضرات کے مزارات کی زیارت کروں، لیکن راستہ کی دشواری کے باعث ہمت ہار جاتا تھا، اب پروفیسر نثار احمد صاحب کے

مرید خاص پروفیسر عبدالرحمٰن صاحب نے خود وہاں جانے کی پیشکش کی تو ایسے لگا جیسے دلی مراد پوری ہوگئی ہو، میں اور ڈاکٹر رحمانی ان کی معیت میں وہاں حاضر ہوئے، ہر مبارک قبر پر کتبہ نصب ہے اور اُن پر قطعاتِ تاریخ وفات بھی درج ہیں، وقت کی کمی کے باعث میں ان کتبات کی نقل نہ کرسکا، پھر مجھے قدرے اطمینان تھا کہ ایک سندھی نے شعرائے ٹھٹھ کے نام سے اس موضوع پر پوری کتاب لکھی تھی جو سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد (سندھ) سے طبع ہوچکی ہے، اس میں سارے کتبات آگئے ہیں لیکن اس کتاب کی اشاعت کے بعد کے مدفونین کے کتبات کی تفصیل معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ مجھے معلوم نہیں ہے۔

۱۷۔ عطیۃ الوہاب بین الخطاء والثواب تالیف شیخ محمد بیگ برہانپوری

حضرت مجدد الف ثانی کے دفاع میں سب سے زیادہ علمی رسالہ ہے، اس کے مولف اصلاً ترک تھے، وہاں سے برہان پور (دکن) گئے، پھر ترکی میں مدتوں قیام کیا، جب حرمین میں مخالفین حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد قشاشی وغیرہ محرف عبارات مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کی بنیاد پر آپ کے خلاف برسر پیکار تھے تو یہ وہاں پہنچے اور آپ کے اصل مکاتیب کا صحیح عربی ترجمہ (صرف متعلقہ) علماء کے سامنے پیش کیا اور اس وقت کے اکابر علماءِ حرمین سے اس پر تقریظیں بھی لکھوائیں، یہ رسالہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے عربی ترجمہ کے حاشیہ پر طبع ہوچکا ہے۔

۱۸۔ مجموعہ سے مراد میری کتاب دفاع حضرت مجدد الف ثانی، مطبوعہ تنظیم الاسلام پبلی کیشنز، گوجرانوالہ ہے، جس میں حضرت مجدد الف ثانی کے دفاع میں دس رسائل شامل کئے گئے ہیں۔

۱۹۔ کشف الغطاء علامہ محمد فرخ مجددی کا بیش قیمت رسالہ ہے، اس کے کئی خطی نسخے اور ان کے روٹوگراف میرے ذخیرہ میں ہیں۔

۲۰۔ مخدوم ابوالقاسم ٹھٹھوی نقشبندی (ف ۱۱۳۸ھ/ ۱۷۲۶ء) حضرت خواجہ سیف الدین بن حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے فیض یافتہ تھے (خورشید مکلی مولفہ حامد اللہ سرہندی، کراچی)

۲۱۔ ذخیرۂ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، ان کے مزار سے ملحقہ مسجد اور مدرسہ میں رکھا گیا ہے جس کی کوئی ترتیب

نہیں تھی، مخطوطات و مصورات کا نشان تک نہیں تھا، میں نے اس ذخیرہ کی کتابدار ڈاکٹر لیلیٰ سے دریافت کیا کہ آپ کے ذخیرہ میں سلسلۂ نقشبندیہ کے نوادر کہاں گئے تو وہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکیں، کہا کہ بس یہی کچھ ہے، امید تھی کہ وہاں سے کوئی نادر چیزیں ہم دست ہوں گی لیکن وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔

۲۲۔ ڈاکٹر لیلیٰ ایرانی خاتون ہیں، انہوں نے سندھ یونیورسٹی سے اُردو میں پی ایچ ڈی کی ہے، اب یہ سند لے کر واپس ایران جا چکی ہیں، مجھے معلوم نہیں ہے کہ وہ اب کس شعبہ میں کام کرتی ہیں۔

۲۳۔ ارشد بلوچ، ڈاکٹر این اے بلوچ کے پوتے ہیں، آخری مرض میں انہوں نے ہی ڈاکٹر بلوچ کی خدمت کی تھی، اب بلوچ انسٹی ٹیوٹ میں کسی عہدہ پر کام کرتے ہیں، ڈاکٹر صاحب کی کتابیں طبع کروانے میں ان کا اہم کردار ہے۔

۲۴۔ جناب راشد شیخ، گجرات (احمد آباد، ہند) کے رہنے والے ہیں، ان کا ایک شاندار اور منتخب قسم کا عمدہ ذخیرہ ہے، جس میں گجرات کی تاریخ اور شخصیات پر عمدہ کتابیں ہیں میں یہ دیکھنا چاہتا تھا، لیکن احباب کی آمد و رفت اور پھر ہوائی اڈے پر جانے کے باعث یہ آرزو ناتمام ہی رہ گئی۔

اسلام آباد کا آخری سفر

آج ۲۷ رنومبر ۲۰۱۶ء ترکی کا ویزا حاصل کرنے کے لیے یہ سفر کیا، یکم نومبر ۲۰۱۶ء کو ترکی دفتر، لاہور جیری میں اپنا کیس جمع کروا کر مطمئن ہو گیا تھا، لیکن ایک ہفتہ کے بعد ہی وہاں سے فون پر اطلاع آئی کہ آ کر ویزا لے جائیں، جب لینے گئے تو ویزا نہیں تھا بلکہ پاسپورٹ پر ایک مہر لگا کر واپس کر دیا گیا تھا کہ آپ کی درخواست ترکی میں منسٹری آف داخلہ امور کے زیر غور ہے۔

میں اس اطلاع پر بہت پریشان ہوا، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری اور سلسلۂ نقشبندیہ وسطی ایشیاء، ترکی اور سب کانٹی نیٹ کے موضوع پر ۲ ردسمبر کو منعقد ہونے والے سیمپوزیم میں شرکت اور مقالہ خوانی ترکی کے سفر کا اولین مقصد ہے۔

کافی تگ ودو کے بعد جا کر ترکی ایمبسی (اسلام آباد) سے فون آیا کہ آپ اسلام آباد آئیں اور ایمبسی سے ویزا لے لیں، اتوار کو صبح ساڑھے چھ بجے چلنے والی بس فیصل موورز کے ذریعہ ساڑھے چار گھنٹے میں رب کریم کے فضل و کرم سے اسلام آباد پہنچا، حضرت سید رفاقت علی شاہ کاظمی مرید و خلیفہ حضرت شیر محمد قادری منگانی شریف، ضلع جھنگ سے فون پر پہلے ہی بات ہو گئی تھی کہ وہ اپنے کسی دوست کی گاڑی ایمبسی روڈ کے گیٹ پر درج کروا دیں گے تا کہ کل وہاں تک جانے میں دقت نہ ہو۔

حضرت سید صاحب کے صاحبزادہ نصر من اللہ صاحب بس کے اڈہ پر مجھے لینے آئے اور تھوڑی دیر میں ہم ایک ٹیکسی کے ذریعہ اُن کے گھر پہنچ گئے، گھر ہی پورا آستانہ ہے، یہاں ہر قسم کی سہولیات موجود ہیں، چائے سے تواضع کی گئی، پھر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد حضرت سید صاحب نے اپنے اجداد سادات کے متعلق بہت کچھ بتایا، بہت ہی صاحب ذوق بزرگ ہیں، اپنے اجداد کے کارناموں کے علاوہ اپنے پیروں (منگانی شریف ضلع جھنگ) کے بارے میں بہت اچھے مشاہدات رکھتے ہیں، دن بھر ان سے اس قسم کی قیمتی

باتیں سن سن کر محظوظ ہوتا رہا، رات شدید تھکن کا احساس ہو رہا تھا کیوں کہ ضعفِ دماغ کے عارضہ نے بے حال کر رکھا ہے اور پھر دن بھر کی باتوں نے بالکل ہی نڈھال کر دیا، رات نیند نہیں آئی تھی، پہلے تو نیند کی آدھی گولی ہی لی، لیکن گھنٹہ بھر کے انتظار کے باوجود نیند دماغ کے قریب بھی نہ آئی تو اُٹھ کر گولی کا باقی حصہ بھی لے لیا، تب جا کر ذرا اونگھ آئی اور میں صبح ساڑھے پانچ بجے اُٹھ کر نماز ادا کی اور نہا دھو کر فارغ ہو گیا۔

۲۸ر نومبر ۲۰۱۶ء آج ترکش ایمبسی (اسلام آباد) سے ویزا لینے کے لئے جانا ہے، رب کریم سے دعا ہے کہ یہ کام بھی جلد ہو جائے اور میں خیر و عافیت سے یہ طویل سفر طے کر کے لاہور پہنچوں اور پھر بروز بدھ نصف شب لاہور ایئر پورٹ سے استنبول کا سفر مقصود ہے، رب کریم خیر و عافیت رکھے، آمین۔

استنبول (ترکی) کا تیسرا سفر

یکم دسمبر ۲۰۱۶ء کو صبح سویرے ڈیڑھ بجے اپنے فرزند عزیز محمد عمر اقبال کے ساتھ اس کی کار میں گھر سے علامہ اقبال انٹرنیشنل ایئر پورٹ (لاہور) جانے کے لئے روانہ ہوا، ایئر پورٹ کے قریب پہنچے تو شدید دھند کا احساس ہوا، جو بڑھتی ہی چلی گئی، آگے جا کر معلوم ہوا کہ ٹرکش ایئر لائنز والے ابھی آئے ہی نہیں ہیں، پونے چار بجے دوبارہ دروازہ پر گیا تو متعلقہ ایئر لائنز کا عملہ آ کر مصروف کار تھا، میں نے بڑھ کر اپنا ٹکٹ اور پاسپورٹ پیش کیا تو معلوم ہوا کہ تیس کلو وزن تک لے جا سکتے ہیں، جن کی فاضل ادائیگی نہیں کی جائے گی، کتابیں جو بیگ سے نکال کر دستی بیگ میں ڈال لی تھیں وہ واپس بیگ میں بھر دیں، اب اس کا وزن ۲۷ رکلو کے قریب تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ ٹرکش ایئر لائنز کا جہاز ترکی سے پاکستان آیا تو تھا لیکن شدید دھند کے باعث اُسے لاہور ایئر پورٹ کی بجائے ملتان ایئر پورٹ پر اتار لیا گیا ہے، اسے لاہور سے صبح چھ بج کر پانچ منٹ پر استنبول کے لئے روانہ ہونا تھا، اب میری حالت بہت خراب ہونے لگی، انتظار تو ویسے ہی بہت تکلیف دہ ہوتا ہے لیکن میں ترکش ویزا کے حصول کے لئے سخت جدوجہد کرنے کے بعد اسلام آباد آیا تھا کیوں کہ مجھے ٹرکش ایمبسی، اسلام آباد نے بلایا تھا کہ ترکی کی وزارت خارجہ نے تمہیں ویزا دینے کی ہدایت کر دی ہے، یہ طویل سفر جو جانے اور آنے کے دس گھنٹوں پر مشتمل تھا مجھ جیسے کمزور، ناتواں اور بیمار آدمی کو بہت بے حال کر رہا تھا، اب صرف ایک دن کے وقفہ سے لاہور سے استنبول کا سفر کرنا تھا، جس کا دورانیہ ساڑھے چھ گھنٹے ہے۔

خدا خدا کر کے جہاز ساڑھے نو بجے پہنچا اور دس بجے دن کو استنبول کے لئے روانہ ہوا گویا چار گھنٹے تاخیر کا شکار ہوا، تھکن اور انتہائی ضعف نے تو بالکل ہی نڈھال کر دیا تھا، ایک گھنٹہ کے بعد ہومیو پیتھک کی

دوائی لی تو قدرے بہتر معلوم ہونے لگا، پھر تین گھنٹوں کے بعد دوسری خوراک سے طبیعت بحال ہونا شروع ہوگئی۔

رب کریم کی رحمت سے ہوائی جہاز اپنی ساری منزلیں آسانی سے طے کرتا ہوا استنبول کے ہوائی اڈہ پر اترا تو چین آیا، ایئرپورٹ پر ڈاکٹر نجدت طوسون کے ایک طالب علم عبدالقادر استقبال کے لئے موجود تھے، وہ مجھے ایک گھنٹہ کی مسافرت طے کر کے استنبول کے بہت خوبصورت ہوٹل (By Otel) میں لے آئے، جہاں آ کر بیڈ پر ایسا لیٹا کہ ہوش نہ رہا، جس سے طبیعت ذرا سی اور بہتر ہوگئی، بخار کا بھی احساس ہوا لیکن تھکن دور ہونے کے ساتھ یہ بھی ٹھیک ہوگیا۔

میرے برابر والے کمرے میں ایک ہندوستانی مندوب ڈاکٹر فضیل احمد قادری صاحب (جن کا تعلق پھلواری شریف، بہار) سے ہے (کمرہ نمبر 204) میں مقیم ہیں، ان سے ملاقات کا پروگرام پہلے سے ہی طے تھا، بڑی محبت سے ملے، کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوئیں، پھر میں نے ان کو کلیاتِ اقبال (فارسی)، فہرستِ ذخیرہ محمد اقبال مجددی (مخطوطات ومصورات) اور مقاماتِ مظہری کا اپنا مرتبہ نسخہ پیش کیا، بہت خوش ہوئے، فہرست پر کسی اچھے رسالہ میں تبصرہ کا وعدہ کیا۔

اتنے میں میرے ترک دوست ڈاکٹر نجدت طوسون بھی ملاقات کے لئے آگئے، ان سے مل کر بہت خوشی ہوئی، رات کا کھانا اسی ہوٹل میں کھایا، کھانے کی میز پر ڈاکٹر ارتھر بیولر بھی موجود تھے، قادری صاحب کے ساتھ خوشگوار علمی باتیں ہوتی رہیں، چونکہ میں شدید تھکان کے باعث بے حال اور بیمار ہوگیا تھا اس لئے ان حضرات سے جلد ہی اجازت لے کر اپنے کمرہ میں آیا، عشاء سے ظہر تک کی نمازیں قضا کر کے پڑھیں اور پھر نیند کی دوا کھا کر سو گیا، رب کریم کا شکر ہے کہ قدرے نیند آگئی۔

۴ر دسمبر، آج حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری (ف ۷۹۱ھ/ ۱۳۸۸ء) اور سلسلۂ نقشبندیہ پر استنبول میں ایک تین روزہ سیمینار کا آغاز ہوگا، بہت سے بین الاقوامی شہرت کے محققین اس میں مقالات پیش کریں گے۔

یہ سیمپوزیم جسے صبح نماز جمعہ کے بعد جلد ہی شروع ہونا تھا تاخیر کا شکار ہوگیا اور تقریباً تین بجے دوپہر کو

آغاز ہوا، مقالہ خوانی کا سلسلہ اب بڑی تیزی سے ہونے لگا، جو استنبول کے سمندر کے کنارے سے ایک بڑے کنگرہ ہال میں منعقد ہوا، آج اس کے افتتاحی اجلاس میں پروفیسر ڈاکٹر مصطفیٰ کارا نے بڑا طویل لکچر دیا جس میں انہوں نے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری اور سلسلہ نقشبندیہ کے بارے میں اہم معلومات پیش کیں، سیمپوزیم کے مہتمم پروفیسر ڈاکٹر سلیمان ڈرین اور پھر آخری تقریر مرمرا یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر نجدت طوسون کی تھی، مغرب کی نماز کے وقت یہ سیشن اختتام پذیر ہوا، ہم نے ایک قدیم وضع کے ہوٹل میں جاکر وہاں کا روایتی کھانا کھایا، یہاں مشہور نقشبندی شیخ طریقت حضرت عثمان نوری نقشبندی بھی تشریف لائے، تمام حاضرین بہت ہی اہتمام سے اُن سے ملے، کھانے کے بعد عشاء کی نماز ہوٹل میں ہی اُن کی معیت میں ادا کی، تھوڑی دیر کے لئے ان کے ساتھ علمی صحبت رہی، پھر ہمیں ہمارے ہوٹل پہنچا دیا گیا، رات دس بجے تھے، دن بھر کی تھکن کے باعث میں بہت ہی بے حال ہو رہا تھا، معمولات سے فارغ ہو کر نیند کی دوائی لی اور سو گیا۔

۳/دسمبر ۲۰۱۶ء، صبح چار بجے ہی نیند ختم ہوگئی، میں اُٹھا اور معمولات سے فارغ ہو کر مطالعہ کرنے کے لئے بیٹھ گیا۔

آج خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری کی یاد میں منعقد ہونے والے سیمپوزیم کا دوسرا دن ہے، ہمیں ہوٹل سے ۹ بجے کے قریب سیمپوزیم ہال میں بذریعہ بس لے جایا گیا، پروگرام جلد ہی شروع کر دیا گیا، سٹیج پر سیمپوزیم کے مہتمم ڈاکٹر سلیمان ڈرین اور ڈاکٹر نجدت طوسون بیٹھے ہوئے تھے، پہلا سیشن حضرت خواجہ بہاء الدین کی زندگی اور دینی خدمات کے موضوع پر مقالہ خوانی کے لئے وقف تھا، ڈاکٹر نجدت طوسون نے آپ کی زندگی پر اچھی تقریر کی کیوں کہ انہوں نے اس موضوع پر استنبول سے ہی پی ایچ ڈی کی ہے، ! دوسرا مقالہ ڈاکٹر ارتھر بیولر (وکٹوریا یونیورسٹی) کا ہے پروگرام کے آغاز پر مجھ سے میرے ذخیرہ کی فہارس مطبوعات و مخطوطات کی تینوں جلدیں ٭ لے لی گئیں اور انہیں سٹیج پر کھڑا کر دیا گیا تاکہ سامعین وحاضرین دیکھ لیں، ڈاکٹر بیولر نے اس کا مختصر تعارف کروایا، مجھ مسکین اور میری مرتبہ فہارس کے متعلق بہت اچھے خیالات کا اظہار کیا، ان کے اس تعارف کے بعد انہوں نے اپنا مقالہ خواجہ بہاء الدین نے نقشبندی طریقہ کو ترقی دینے

کے لئے جو کوششیں کیں ان کا جائزہ لیا، ان کے مقالہ کے اختتام پر ڈاکٹر ڈرین نے بھی چند جملے میرے ذخیرہ کی فہارس کے متعلق کہے جسے ڈاکٹر طوسون نے جاری رکھا اور بہت ہی عمدہ الفاظ میں میرا اور فہرست کا تعارف کروایا، ڈاکٹر بیولر اور ڈاکٹر طوسون نے اعتراف کیا یہ وہ ذخیرہ ہے جس پر ہم نے انحصار کر کے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالات مرتب کئے اور آج اس درجہ معزز ہوئے ہیں۔

ان کے بعد دو مقررین علی نالمی (مرمرا یونیورسٹی، استنبول) اور ڈاکٹر رلول کیسنلی نے سلسلۂ نقشبندیہ کی صراط مستقیم پر تعلیمات کا ذکر کیا اور طویل مقالہ پڑھا۔

پندرہ منٹوں کا چائے نوشی کے لئے وقفہ ہوا، پھر دوسرا سیشن شروع ہوگیا، جس کی صدارت ڈاکٹر طوسون نے کی جس میں پروفیسر ڈاکٹر احمد ساحت خاکسیور (Dr. Ahmad Cahit Haksuver) اور پھر نادرہان حسن (Nadirhan Hasan) اور آخر میں علی آک (Ali Ak) نے خطاب کیا، ان کے مقالات طویل تھے چونکہ یہ مقالات ترکی زبان میں ہیں اس لئے میں کماحقہٗ سمجھ نہیں سکا۔

بغیر وقفہ کے تیسرے سیشن کا آغاز کردیا گیا، اس میں بلقان میں سلسلۂ نقشبندیہ کی تاریخ اور خدمات پر مقالات پڑھے گئے، جس میں ڈاکٹر میٹن عزتی، سمیرو بلڈک، ڈاکٹر آریان اریمائن کے علاوہ آشیر بک کے مقالات بھی دلچسپی سے سنے گئے، ڈاکٹر شیروز (ڈین اکادمی سائنس اوزبکستان) کا مقالہ اہم تھا۔

کھانے کے وقفہ کے بعد چوتھے سیشن کا آغاز ہوا جس کا موضوع تھا سلسلۂ نقشبندیہ ہندوستان میں اور امام ربانی کے حوالہ سے اس میں خصوصی مقالات شامل ہیں، جس کی صدارت میں نے کی، پہلا مقالہ ڈاکٹر فضیل احمد قادری (ساؤتھ ایسٹ ہل یونیورسٹی، آسام) نے خواجگان نقشبندی کی تعلیمات کے ہندوستان کے صوفیہ پر اثرات اور ان میں تبدیلیاں اور ان کے آثار پر پڑھا، مقالہ عمدہ تھا لیکن وہ سارا مقالہ پیش نہ کر سکے، صرف اس کی تلخیص پیش کی گئی۔

دوسرا مقالہ ڈاکٹر محمد ساقی کا کر کا تھا، تیسرا مقالہ راقم حروف کا تھا جو مولانا خالد کردی رومی کی روم سے دہلی آمد اور حضرت شاہ غلام علی دہلوی کی خدمت میں دہلی میں رہ کر سلوک کی مشق کرنے اور تکمیل کے بعد اجازت و خلافت یاب ہو کر ان کی عربستان اور ترکی میں دینی اور روحانی خدمات کے موضوع پر تھا، پندرہ

منٹوں میں مقالہ پڑھ کر فارغ ہوگیا۔

ایک موضوع حضرت امام ربانی کے بدعات کے خلاف اقدامات پر تھا جسے ڈاکٹر سلیمان ڈرین نے پڑھا، چائے اور نماز کے وقفہ کے بعد پانچویں سیشن کا آغاز ہوا، جس کا موضوع سلسلۂ نقشبندیہ کی معنویت تھا، جس کی صدارت ڈاکٹر واحد کوتاش نے کی جو انقرہ یونیورسٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔

پہلا مقالہ شیخ عزیز محمود ہدائی کی سلسلۂ نقشبندیہ کی خدمات پر تھا، جس میں ان کے وقفی ادارہ کی جدوجہد کا بھی تفصیل سے تذکرہ تھا، دوسرا مقالہ ڈاکٹر دلاور سلوی کا تھا، جن کا تعلق مرمرا یونیورسٹی (استنبول) سے ہے، جن کا موضوع مولانا خالد رومی کی نقشبندی سلسلہ کی اشاعت کی خدمات پر ہے، اس کے بعد پروفیسر ڈاکٹر ارغون بیڈرین (مرمرا یونیورسٹی) کے سلسلۂ نقشبندیہ کے سلوک پر تھا، اس سیشن کا آخری مقالہ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرزاق ٹیک (الوگ یونیورسٹی) کا تھا، جو شیخ پیر محمد امین کرکوکی کی مثنویات نقشبندیہ کے تعارف پر ہے۔

نماز اور چائے کے وقفہ کے بعد چھٹے سیشن کا آغاز ہوا، جس کا موضوع مولانا خالد رومی اور سلسلۂ خالدیہ کی دینی وعلمی خدمات سے متعلق ہے، اس سیشن کے صدر پروفیسر ڈاکٹر عرفان گندوز (مرمرا یونیورسٹی، استنبول) تھے۔

اس میں چار مقالات پڑھے گئے، جو سلسلہ خالدیہ پر خاص اہمیت رکھتے ہیں اور اس موضوع پر ماہرین نے لکھے تھے، لیکن یہ سیشن جلد ہی ختم ہوگیا، مغرب کی نماز کے بعد میں آج جلد ہی ہوٹل پہنچا دیا گیا۔

میں نے تو اللہ کریم کا شکر ادا کیا کیوں کہ ضعفِ اعصاب کے باعث میرے دماغ کا ضعف بہت بڑھ گیا تھا، میری طرح ڈاکٹر فضیل احمد قادری صاحب کا بھی یہی حال تھا۔

رات کا کھانا ہم نے اسی ہوٹل میں کھایا جہاں ہمارا قیام ہے، کھانے کے بعد میں نے ڈاکٹر پروفیسر علاء الدین بکری، جو نیشنل انسٹی ٹیوٹ لسانیات اور تمدنیات (پیرس، فرانس) کے پروفیسر ہیں، اپنا مخطوطات ومصورات کا کیٹلاگ دیا کیوں کہ انہوں نے خود وعدہ کیا تھا کہ وہ ببلیوتھیکا نیشنل، پیرس کی لائبریری میں دے دیں گے، آدمی بہت صالح ہیں، امید ہے کہ وہ یہ کیٹلاگ وہاں جمع کروادیں گے۔

انہوں نے شیخ محمد مراد معصومی کا عربی رسالہ سلوک بھی ایڈٹ کر کے دمشق سے شائع کروایا ہے۔

رات شدید تھکن کے باعث دماغ بہت ہی بوجھل سا رہا، دس بجے کے قریب دوائی لی اور سو گیا۔

۴ دسمبر، آج حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند سیمپوزیم کا آخری دن ہے، فجر کی نماز کے بعد معمولات سے فارغ ہو کر سیمپوزیم ہال (Baglar Lasi Kultur) گئے، تقریباً دس بجے وہاں پہنچے، آٹھواں سیشن جلد ہی شروع کر دیا گیا، اس پہلے پروگرام کا موضوع (Anadoloda Naksbandi Lik) ہے، جس کی صدارت Dr. Semih Coyhan نے کی جو مرمرا یونیورسٹی میں الٰہیات کے پروفیسر ہیں، پہلے مقرر ڈاکٹر احمد کاراٹس اسی شعبہ کے ایک پروفیسر ہیں، جنہوں نے کمال الدین آفندی کے طریق تصوف پر ایک لیکچر دیا، ان کے بعد ڈاکٹر علی قربان نے نقشبندی سلسلہ کی تونیہ میں زندگی اور ان کی سرگرمیوں پر تقریر کی۔

ایک معروف سکالر ڈاکٹر خلیل ابراہیم سمسک Hitit University نے شیخ مولانا خالد کی نقشبندی مجددی سلسلہ میں خدمات کا تعارف کروایا، میں موصوف سے ۲۰۱۳ء کو امام ربانی سیمپوزیم (استنبول) کے موقع پر ملا تھا، انہوں نے Nakasibandi Muceddidi lik کے موضوع پر ایک بہت عمدہ کتاب لکھی ہے، جو اٹھارہویں صدی عیسوی کی نقشبندی شخصیات کی روحانی و علمی خدمات پر مشتمل ہے، اس سیشن کے بعد ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اپنے بیگ میں سے وہ کتاب نکال کر مجھے عنایت کی، اس پر میں نے اُن سے یادگاری دستخط کروا لئے، یہ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے، اس سے پہلے کا ایڈیشن ڈاکٹر طوسون نے ان سے لے کر مجھے ۲۰۱۳ء کو بذریعہ ڈاک، لاہور بھیج دیا تھا، اس سیشن کے آخری مقرر مفتی یوکسل تھے، جنہوں نے نقشبندی مشائخ میں سے آیت بازی کے مکتوبات پر مقالہ پڑھا۔

اس کے بعد اس سیمپوزیم کا نواں سیشن شروع ہوا، جس کی صدارت ڈاکٹر نجدت یلمز (استنبول یونیورسٹی) نے کی، پہلے مقرر ڈاکٹر حلیم گل، کرلوک یونیورسٹی سے آئے تھے، انہوں نے نقشبندی سلوک اور حسن حلمی داغستانی کے موضوع پر مقالہ پڑھا۔

دوسرا مقالہ عربی میں ڈاکٹر علاء الدین بکری (انسٹی ٹیوٹ نیشنل لیگولجز، پیرس) نے عربی میں اعلام

الطریقۃ النقشبندیۃ فی بلاد شام پر تھا، جس میں انہوں نے علامہ عبدالغنی نابلسی، کی خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالی۔

تیسرے مقرر ڈاکٹر فرزند ایڈز خالدی طریقہ کے شیخ محمد امین عربی پر ایک مقالہ پڑھا۔

اس دوران چائے کا وقفہ ہوا، پھر دسواں سیشن شروع ہو گیا، جس کا موضوع استنبول میں سلسلہ نقشبندیہ کی خدمات تھا، جس کی صدارت استنبول یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ریس اون گورن نے کی، اس میں چار مقالات پڑھے گئے، جن میں استنبول میں سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ طریقت کے حالات بیان کئے گئے، ان میں زیادہ تر مجددی حضرات کا تذکرہ تھا۔

ظہر اور عصر کے درمیان اس سیمپوزیم کا آخری حصہ پیش کیا گیا، جس میں پروفیسر ڈاکٹر عرفان گوزنڈز، ڈاکٹر ایچ کامل یلمز، ڈاکٹر محمود اول قلیچ اور ڈاکٹر نجدت طوسون نے شرکت کی اور اس سیمپوزیم میں پیش کئے گئے مقالات اور ان کی اہمیت پر روشنی ڈالی، موضوع کے بارے میں بھی بتایا گیا۔

نماز عصر کے بعد ہمیں واپس بائی ہوٹل میں پہنچا دیا گیا، اس سے پہلے کسی مقام پر شیخ عثمان نوری ٹوپ باسی کے ساتھ ایک صحبت روحانی کا بھی اہتمام کیا گیا ہے لیکن ہمیں اس میں غالباً اس لئے شریک نہیں کیا گیا کہ ہم لوگ سخت تھکن کے باعث بے حال ہو چکے تھے۔

۵/دسمبر ۲۰۱۶ء صبح سویرے ہی اٹھ بیٹھا کیوں کہ نیند ختم ہو گئی تھی، معمولات سے فارغ ہو کر اس سفرنامہ کی کچھ یادداشتیں لکھنا شروع کیں اور بڑی حد تک سیمپوزیم کی روداد لکھ لی، نماز فجر کے بعد اپنی فائلیں اور کاغذات درست کئے، کتابیں باندھ کر رکھیں۔

گیارہ بجے کے قریب عبدالقادر صاحب، جنہیں ہمارا رہنما بنایا گیا ہے، آئے اور مرمرا یونیورسٹی لے گئے، وہاں جانے سے پہلے ڈاکٹر فضیل احمد قادری صاحب نے اپنے بچوں کے لئے ایک قریبی سنٹر میں جا کر تحائف خریدے اور پھر ہم مرمرا یونیورسٹی کے شعبۂ الٰہیات میں پہنچ گئے، ڈاکٹر طوسون صاحب کی ذاتی کتب دیکھنا شروع کیں، بہت عمدہ ذخیرۂ کتب ہے، انہوں نے بڑی مہربانی کرتے ہوئے شیخ الاسلام عارف حکمت کی تالیف ''مجموعۃ التراجم'' کے خطی نسخے کی فوٹوسٹیٹ کاپی عنایت کی، اس کا اصل قلمی نسخہ

کتابخانہ ملت میں ہے جو استنبول کے اہم ذخائر میں شمار ہوتا ہے، اس کتاب میں عارف حکمت نے اپنے معاصرین کے حالات لکھے ہیں، ایک ایک لفظ بہت ذی قیمت ہے، اس نعمت کے ملنے پر رب کریم کا شکر ہے۔

دوپہر کا کھانا ایک ہوٹل میں کھایا اور ظہر کی نماز مرمرا یونیورسٹی کی خوبصورت ونوتعمیر مسجد میں ادا کر کے ہم چار اصحاب ٹرکش انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے ڈائریکٹر سے ملنے کے لئے گئے، خوش نصیبی سے وہ وہاں موجود تھے، بڑی گرم جوشی سے ملے، صرف کتابیں جمع کرنے کے لئے اس سال ۲۰۱۶ء کے بین الاقوامی کتاب میلہ میں شرکت کے لئے گئے تھے اور بہت سی کتابیں وہاں سے خرید کر لائے۔

ڈاکٹر نجدت طوسون صاحب نے ان سے میرے لئے درخواست کی کہ اس کو ٹرکش انسائیکلوپیڈا آف اسلام کا ایک مکمل سیٹ بطور تحفہ دیں تو انہوں نے نہ صرف یہ منظور کر لیا بلکہ مزید مہربانی کرتے ہوئے اسے بذریعہ کارگو لاہور بھیجنے کا وعدہ بھی کر لیا، ۳ جس پر بہت مسرت ہوئی، رب کریم انہیں جزائے خیر دے، آمین، بہت ہی مخلص اور مہربان قسم کے آفیسر ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر طوسون تو اپنے شعبہ میں چلے گئے کہ وہاں کچھ طالب علم ان کا انتظار کر رہے ہیں، پھر میں اور ڈاکٹر فضیل احمد قادری اور ڈاکٹر آرتھر بیولر واپس ہوٹل کے لئے روانہ ہو گئے، راستہ میں قادری صاحب نے اپنے بچوں کے لئے دو سکاف خریدے جو ساٹھ ٹرکش لیرا کے تھے، ساڑھے پانچ بجے واپس ہوٹل آگئے، آج شدید سردی ہے کیوں کہ استنبول کے مضافات میں رات کو برف باری ہوئی ہے اور اس کے باعث سردی میرے لئے ناقابل برداشت ہوگئی ہے، رب کریم اپنے کرم سے محفوظ رکھے، آمین۔

رات کا کھانا آٹھ بجے تک کھا کر فارغ ہوئے، میں کئی علمی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہتا تھا لیکن شدید تھکن کے باعث ایسا نہ ہو سکا، دس بجے شب نیند کی دوائی لی اور سو گیا۔

۶ دسمبر ۲۰۱۶ء، آج صبح جلد ہی نیند سے بیدار ہو گیا، معمولات سے فراغت کے بعد فائلیں درست کیں، دس بجے دن کو ہمارے میزبان عبدالقادر نظری صاحب لینے کے لئے آگئے، آج ان کے ہمراہ کتابوں کی دکانوں پر جانا ہے، اس لئے ڈاکٹر فضیل احمد قادری صاحب سے الوداعی رخصت لی کیوں کہ ان

کی آج رات کو دہلی کے لئے فلائٹ ہے، طویل سفر طے کیا زیادہ فاصلہ ٹرین (میٹرو) کے ذریعہ طے کیا جو جلد ہی طے ہو گیا، سب سے پہلے مکتبہ الارشاد گئے، جہاں عربی کی بہت سی جدید مطبوعات موجود ہیں لیکن اب ان کے ہاں اعلیٰ درجہ کی کتب حوالہ نہیں مل سکیں، صرف دو جلدوں کی ایک کتاب "الجواهر الحسان فی تراجم الفضلاء والاعیان من اساتذة وخلان" مولفہ زکریا بن عبداللہ بیلا مطبوعہ موسسۃ الفرقان (لندن) خریدی، ۳۰/ڈالر قیمت لی، اس کے بعد مکتبۃ الہاشمیہ کی تلاش میں نکلے کیوں کہ انہوں نے مولانا خالد رومی کردی بغدادی کے مکتوبات کا ایک ضخیم مجموعہ شائع کیا ہے، اس کی ایک شاخ پر موجود نہیں تھا، پھر بہت دور دراز دوسری شاخ پر گئے تو وہاں سے یہ مجموعہ مل گیا، ایک پی ایچ ڈی کا مطبوعہ مقالہ "الطریقة النقشبندیة (نشاتها و اصولها و تطورها)" مولفہ عبدالرحیم محمد معصوم الکرنوی، مطبوعہ مکتبہ سیدا، دیار بکر خریدا، مولانا خالد رومی بغدادی سے متعلق دو تین دوسرے رسالے بھی خریدے، اس مکتبہ کے ساتھ ہی ایک مکتبہ سے مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی کا تین جلدوں میں ترکی ترجمہ ؒ بھی خرید لیا، میں اس سے پہلے دو مرتبہ استنبول آچکا ہوں اور اب کے حوصلہ کر کے یہ سیٹ بھی خریدا، ہر مرتبہ وزن زیادہ ہونے کے باعث یہ رہ جاتا تھا، ایک مہربان، جو عبدالقادر نظری کے دوست اور ہم مکتب ہیں ٹیکسی چلاتے ہیں، وہ دن بھر میرے ساتھ رہے اور شام تھکا ماندہ واپس ہوٹل آ کر بیٹھ گیا، رات کا کھانا کھایا اور سو گیا۔

۷/دسمبر، ۲۰۱۶ء، صبح پانچ بجے اُٹھا، ابھی معمولات سے فارغ ہو کر سفرنامۂ حاضر کی چند سطور ہی لکھی تھیں کہ شیخ علی کا نمائندہ لینے کے لئے آ گیا کہ شیخ کہتے ہیں کہ آج ناشتہ ہمارے ساتھ کریں، میں نے رات کو ٹالنے کی بہت کوشش کی تھی کہ میں بیمار اور معمر ہوں اور اتنی جلدی نہیں جا سکتا لیکن اس کے باوجود لینے والے آ گئے۔

ہوٹل سے قریب ۲۵/منٹ کی مسافت پر ان کا مدرسہ ہے، جہاں آرتھر بیولر بھی مقیم تھے، بہت ہی اخلاق اور اخلاص سے ملے، دس بجے تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں، مدرسہ دکھایا، یہاں درس نظامی کے مطابق نصاب پڑھایا جاتا ہے، مہتمم مدرسہ مذکور ترکی کی نیشنل اسمبلی کے ممبر بھی رہ چکے ہیں، خود فرمایا کہ

میں تمہارے ساتھ بایزید لائبریری جا کر تمہاری علمی مشکلات حل کرنے کی کوشش کروں گا، میں نے انہیں تائید غیبی جان کر رب کریم کا شکریہ ادا کیا، ہم ان کے مدرسہ سے نو بجے گاڑی میں روانہ ہوئے تقریباً دو گھنٹوں کی مسافت طے کرنے کے بعد بارہ بجے کے قریب لائبریری پہنچے، مخطوطات کے انچارج فارسی بول سکتے تھے، میری زبان سے فارسی سن کو خوش ہوئے، میں نے شیخ بدرالدین سرہندی کے دو مخطوطات ''مقامات فی طریق النقشبندی'' (شمارہ 1789-1788) نکلوائے تو معلوم ہوا کہ فہرست ساز توفیق سبحانی کو غلط فہمی ہوئی ہے، میں لاہور سے شیخ بدرالدین سرہندی کی ''حضرات القدس'' کی دونوں جلدوں کے آغاز کی عبارت نقل کر کے لے گیا تھا، اتفاق سے ان کو اس عبارت سے ملا کر دیکھا تو یہ وہی نکلے یعنی ''حضرات القدس'' کی جلد دوم کے دو نسخے تھے، گمان گذرا کہ ان میں سے شاید ایک جلد اول ہو گی لیکن یہ دونوں جلد دوم کے ہی نسخے تھے، اس کے بعد شیخ محمد مراد بخاری معصومی ؒ کا ایک رسالہ سلوک و شجرہ کمپیوٹر پر نکال کر دکھایا جو ترکی زبان میں ہے یہ چھ صفحات کا رسالہ ہے، جسے انہوں نے اُسی وقت فوٹو کاپی بذریعہ کمپیوٹر نکال دی۔

دوسری اہم کتاب مسموعات شیخ محمد مراد بخاری معصومی بھی اہم ہے، اس کے دو نسخے تھے ان میں سے ایک نسخہ کی میری درخواست پر C.D بنا کر دی اور حضرت علی نے دو سو پانچ ترکی لیرہ ادا کئے، اس پر انہوں نے اپنے مدرسہ میں آ کر اپنے لئے بھی سی ڈی تیار کروالی۔

واپس آتے ہوئے بہت وقت صرف ہوا کیوں کہ سڑکوں پر بہت ہی رش تھا، وہاں سے اُٹھ کر ان کے ایک اور مدرسہ میں گئے، جہاں دوپہر تین بجے کھانا کھایا اور پھر شیخ علی کو ان کے مدرسہ میں چھوڑتے ہوئے By Ottel واپس آ گئے، یہ مسافت تین گھنٹوں میں طے ہوئی، گویا مقامی فاصلہ اور سڑکوں پر گاڑیوں کی لمبی قطاروں کے باعث بہت دیر لگی۔

آج تھکن اپنے پورے عروج پر ہے، رات آٹھ بجے کے قریب ہوٹل میں کھانا کھایا اور ساڑھے دس بجے دوائی لے کر سو گیا۔

۸/دسمبر ۲۰۱۶ء، آج میرا استنبول میں آخری دن ہے، کل بروز جمعہ واپس لاہور کے لئے روانگی ہو گی۔

صبح کے معمولات سے فراغت کے بعد ساڑھے دس بجے اپنے میزبان عبدالقادر صاحب کے ہمراہ نکلا، ہم ایک ٹیکسی کے ذریعہ ٹرکش انسائیکلوپیڈیا کی لائبریری میں پہنچے تو گیارہ بج چکے تھے، یہاں سے بارہ بجے پیدل ہی ڈاکٹر نجدت طوسون (استاد الٰہیات فکیلٹی مرمرا یونیورسٹی) سے ملنے کے لئے گیا، وہاں انسائیکلوپیڈیا کی لائبریری میں صرف ایک رسالہ جرنل آف ہسٹری آف صوفی ازم کے پانچ شمارے دیکھے، کیا خوب رسالہ ہے، ۲۰۰۰ء میں پیرس سے نکلا ہے، اس کے مدیروں میں میرے ایک دوست آرتھر بیولر بھی ہیں، جو ان دنوں استنبول میں خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری سیمپوزیم میں شرکت کے لئے استنبول آئے ہوئے ہیں اور میرے ساتھ ہی پی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں، اس کا پہلا شمارہ قادریہ آذریہ اہم مقالات پر مشتمل ہے، آخری شمارہ سلسلۂ خالدیہ نقشبندیہ پر ہے، اس میں سے ایک مقالہ کی فوٹو کاپی بھی بنوائی۔

بارہ بجے کے قریب یہاں سے روانہ ہو کر ڈاکٹر طوسون صاحب سے ملنے کے لئے روانہ ہو گیا، موصوف حسب معمول بہت ہی عمدہ اخلاق سے ملے، کئی علمی کتابیں عنایت کیں، مجھ سے کہا تھا کہ تم لاہور سے یو ایس بی لیتے آنا، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا تو انہوں نے اس میں بہت سی نادر کتب کے عکس شامل کر دیئے جن میں:

(۱) حدیقۃ الاولیاء مولفہ خواجہ زادہ احمد حلمی بزبان ترکی، مطبوعہ

(۲) قاموس الاعلام مولفہ سامی (ترکی) مطبوعہ

(۳) مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی ترکی ترجمہ از سعد الدین سلمان (مطبوعہ)

خاص طور پر قابل ذکر ہیں، مجھ سے پہلے آرتھر بیولر بھی وہاں پہنچ چکے تھے اور سیمپوزیم کے مہتمم ڈاکٹر سلیمان ڈرین، استاد الٰہیات مرمرا یونیورسٹی بھی آ گئے، ''خوب گزری جو مل بیٹھے دیوانے چار'' قریب ہی یونیورسٹی کے ہوٹل میں چاروں نے کھانا کھایا، ڈاکٹر طوسون کے کمرہ میں دوبارہ آئے، ظہر کی نماز ادا کی اور میزبان عبدالقادر کے ہمراہ بذریعہ ٹیکسی واپس ہوٹل آ گیا، آج طویل سفر نہیں کیا اور ارسکا جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا۔

رات کا کھانا ڈاکٹر بیولر کے ساتھ ہوٹل کی لابی میں کھایا اور سوا دس بجے نیند کی دوائی لے کر سو گیا۔

۹ر دسمبر ۲۰۱۶ء صبح کے معمولات سے فراغت کے بعد سفر کی یہ روداد لکھنے بیٹھا، آج واپس لاہور جانا ہے، رب کریم خیر و عافیت سے پہنچائے، آمین۔

ارادہ ہے کہ ہوائی اڈے پر جانے سے پہلے حضرت خواجہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر حاضری دوں اور ان کی مبارک مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کروں گا، آپ کے مزار کے سامنے محلہ نشان چی پاشا میں حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے خلیفہ حضرت شیخ محمد مراد بخاری معصومی کا بھی روضہ ہے، وہاں بھی زیارت کے لئے حاضر ہونے کی تمنا ہے، ہم گیارہ بجے مع سامان نکلیں گے اور ایک بجے کے قریب مزار شریف پر حاضر ہوں گے اور قریب چار پانچ بجے ایئرپورٹ پہنچ جائیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

لیکن سڑکوں پر شدید ہجوم اور گاڑی کے وقت پر ہوٹل نہ پہنچنے کے باعث ہم جمعہ کی نماز کے لئے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی مسجد شریف میں نہ پہنچ سکے اور **مجمع البحوث الاسلامیہ** (ماتحت ہدیٰ وقفی مہتمم حضرت عثمان نور توپ پاشی) میں جا کر جمعہ کی نماز ادا کی، نماز سے پہلے دوپہر کا کھانا دیا گیا، بہت سے نمازی کھانا کھا رہے تھے، ہم بھی شریک طعام ہوئے، وہاں سے نکلے تو حضرت ابوایوب انصاری کے مزار کی زیارت کے لئے روانہ ہو گئے، تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کی مسافت طے کی اور وہاں پہنچ گئے، مزار شریف پر فاتحہ کے بعد دعائیں کیں، رب کریم قبول فرمائے، وہاں سے قریب حضرت شیخ مراد بخاری معصومی کا مزار ہے، اُسی گاڑی میں وہاں حاضر ہوئے، میرے میزبان فرقان صاحب بہت ہی اخلاق سے پیش آتے رہے، حضرت معصومی کا روضہ زیر تعمیر ہے اس لئے اندر جانے کی اجازت نہیں ملی، ہمیں بتایا گیا کہ مزار کے عقب میں کھڑکیاں ہیں جہاں سے مزار نظر آتا ہے، ہم نے وہاں کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھی اور دعائیں کر کے رخصت ہوئے۔

مجھے پانچ بجے استنبول کے ایئرپورٹ پر پہنچا دیا گیا، چھ بجے کاؤنٹر کھلا تو میں نے سامان بک کروا کر بورڈنگ کارڈ حاصل کر لیا، لیکن میری سیٹ کنفرم نہیں ہو سکی تاہم مجھے چانس پر سیٹ ملنے کی صورت میں سوار ہونے کے لئے کہا گیا، اتنے میں یہ اطلاع آئی کہ لاہور میں اس وقت شدید دھند ہے اور جہاز اتر نہیں سکتا

اس لئے اسے آٹھ گھنٹے تاخیر سے چلنا ہوگا، پھر ڈیڑھ گھنٹہ کی مزید تاخیر کا بھی اعلان ہوا، آخر میں مجھے سیٹ کا چانس نہ مل سکا اور میری پرواز آج ہی رات ۹ بجے کر دی گئی، اب سارا دن گذارنا تھا میں نے کوشش کی اور مجھے استنبول ایئرپورٹ کے ہوٹل میں نصف دن گذارنے کے لئے لے جایا گیا اور کہا گیا کہ چار بجے ایئرپورٹ کی گاڑی لینے آئے گی، فکرمندی سے دوپہر کو نیند نہ آئی اور بے حال ہی رہا، تاہم گاڑی آئی اور ایئرپورٹ پہنچا دیا گیا، رب کریم کا شکر ہے کہ جہاز وقت پر روانہ ہوگیا اور لاہور ایئرپورٹ پہنچا دیا گیا اور لاہور ایئرپورٹ پر دھند آج موجود نہیں تھی پانچ گھنٹوں کی پرواز کے بعد جہاز لاہور ایئرپورٹ پر صبح چار بج کر ۳۵ منٹوں پر اترا، استنبول ایئرپورٹ والوں نے جرمانہ کے طور پر مجھے چھ سو یورو کی رقم لینے کے کاغذات دیئے جو لینے کے لئے دفتر گیا تو وہاں رقم دستیاب نہیں تھی، مجھ سے کہا گیا کہ لاہور ایئرپورٹ پر ٹرکش ایئر لائنز کے دفتر سے رقم مل جائے گی، میرا بیٹا محمد عمر سلمہ صبح سویرے ایئرپورٹ پر موجود تھا، اُسے لے کر متعلقہ دفتر میں گیا تو انہوں نے میرے کاغذات جمع کر لئے کہ ہم جمعہ کے روز آپ کو اطلاع دیں گے، آپ ایئرپورٹ آ کر دستخط کر کے اپنی رقم لے لیجئے، میں اپنے فرزند کے ہمراہ گاڑی میں گھر کے لئے روانہ ہوگیا، اللہ تعالیٰ کے فضل سے خیر و عافیت سے گھر پہنچ گئے، جس پر رب ذوالجلال کا بے حد شکر ہے، اب میں غیر ملکی اسفار کے قابل نہیں رہا ہوں، رب کریم صحت کاملہ عطا فرمائے، آمین۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر نجدت طوسون (Necdet Tosun) نے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری پر اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ بعنوان:

Bahaeddin Nakhband (Hayati Gorusleri, Tarikati)

استنبول کے ادارہ Insan Yayinlari نے ۲۰۰۲ء کو جدید ترکی رسم الخط میں شائع کیا، پھر انہوں نے خود ہی اس کا ملخص انگریزی ترجمہ بھی کیا جو استنبول ہی سے طبع ہوا تھا، ڈاکٹر طوسون جب اپنا یہ مقالہ لکھ رہے تھے تو مواد جمع کرنے کے لئے ۲۰۰۰ء کو میرے ذخیرہ علمیہ سے استفادہ کے لئے استنبول سے لاہور آئے تھے۔

موصوف ان دنوں مرمرا یونیورسٹی استنبول کے شعبہ صوفی ازم میں تصوف کے پروفیسر ہیں۔

۲۔ میرے ذخیرہ علمیہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) کی طباعت ۲۰۱۶ء کو ہوئی، اس کے بعد اسی سال کے آخر میں نومبر کو اس کی تیسری جلد یعنی فہرست مخطوطات و مصورات بھی شائع ہوگئی، جس کے لئے بہت جدوجہد کرنی پڑی، رجسٹرار سے لے کر چیف لائبریرین تک سب اس کے مخالف تھے کہ جب یہ فہرست انٹرنیٹ پر آن لائن ہے تو اسے پرنٹ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ تاہم میں نے کوشش جاری رکھی اور رب کریم کی عنایت سے شائع ہوگئی۔

آج ۳؍دسمبر کو مذکورہ سیمپوزیم کے آغاز میں اسے سٹیج پر کھڑا کر دیا گیا تاکہ دنیا بھر کے محققین و مقالہ نگاران اسے دیکھ لیں، اس پر پہلا تعارفی خطاب ڈاکٹر آرتھر بیولر (Arthur F. Buehler) کا تھا، جس میں انہوں نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ (Sufi Heirs of the Prophet) کے دوران لاہور میں ایک سال تک میرے مذکورہ ذخیرہ سے استفادہ کرنے کا اعتراف کیا۔

پھر اسی فہرست کے متعلق دوسرا مختلف خطاب ڈاکٹر نجدت طوسون کا تھا، جس میں انہوں نے اپنے پی

ایچ ڈی کے مذکورہ مقالہ کی تدوین کے لئے اپنی لاہور میں آمد اور اس ذخیرہ سے فوٹوسٹیٹ کاپیاں بنوانے کا ذکر کیا۔

گویا یہ فہرست بصد وقت شائع تو پنجاب یونیورسٹی نے کی لیکن اس کی تعارفی تقریب استنبول کے اس بین الاقوامی سٹیج پر ہوئی، نصیب اپنا اپنا۔

۳۔ ٹرکش انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی اس وقت تک ۴۴ مجلدات اور دو ذیل طبع ہو چکے تھے یعنی کل ۴۶ جلدیں ہوتی تھیں، میں نے بدقسمتی سے اس کے ڈائریکٹر کو اپنا ذاتی پتہ دینے کی بجائے پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور کا پتہ لکھوا دیا، جب میں نے سابق چیف لائبریرین حسیب احمد پراچہ سے بات کی تو انہوں نے انسائیکلوپیڈیا کے ناشر ادارہ سے ای میل پر دریافت کیا کہ یہ کس زبان میں ہے؟ ظاہر ہے کہ وہاں سے اس کا یہی جواب آیا کہ یہ ترکی زبان میں ہے، جس پر پراچہ صاحب نے یہ تحفہ مفت لینے سے انکار کر دیا، ذرا سوچیے کہ صرف اس سوال کرنے پر ہمارے ملک کی علمی دنیا میں کیا عزت رہ گئی کہ دنیا کا علوم مشرقیہ کا سب سے بڑا ذخیرہ کے متعلق یہ دریافت کیا جائے کہ یہ تو بتایئے کہ یہ کس زبان میں ہے؟ پراچہ صاحب نے یہ کہہ کر ''اس سے پوری ایک الماری ضائع ہو جائے گی، ترکی زبان کی کتابیں کون پڑھے گا؟'' لینے سے انکار کر دیا، میں نے فوراً ای میل کے ذریعہ اس کے ڈائریکٹر کو معذرت نامہ لکھ دیا کہ ہمارے ملک کی سب سے قدیم اور اور بڑی یونیورسٹی کا کتب خانہ آپ کی یہ بہت ہی مفید کتاب سنبھالنے کے قابل نہیں ہے، میں معذرت چاہتا ہوں۔

۴۔ مکتوبات امام ربانی کا یہ ترکی ترجمہ ہے جو تین جلدوں میں شائع ہوا ہے، ہر جلد کے مترجم الگ ہیں، وہ ہوٹل جہاں حضرت نوری کے ساتھ کچھ وقت گزر رہا تھا وہاں ان میں سے ایک صاحب سے ملاقات ہوگئی تو میں نے اُن سے فارسی میں اس ترجمہ کے متعلق بات کرنے کے لئے فارسی بولنا شروع کی تو میرے قریب ہی ڈاکٹر نجدت طوسون بیٹھے ہوئے تھے، وہ بولے کہ یہ فارسی تو جانتے ہی نہیں ہیں، مجھے حیرت ہوئی کہ اگر یہ صاحب فارسی جانتے نہیں تو مکتوبات جیسی دقیق کتاب کا ترکی میں ترجمہ کیسے کرلیا، جس پر ڈاکٹر طوسون نے جواب دیا کہ انہوں نے یہ ترجمہ اس کے عربی ترجمہ سے کیا ہے۔

۵۔ شیخ محمد مراد معصومی (ف ۱۱۳۲ھ) حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے خلیفہ تھے، شام میں رہتے تھے، ان تمام علاقوں پر سلاطین ترکی کی حکومت تھی، جو شیخ مراد کے عقیدت مند تھے، گذشتہ اسفار کے دوران اور حالیہ سفر میں بھی شیخ محمد مراد کے آثارِ علمیہ کی جستجو برابر جاری رہی، اس کتب خانہ میں ان کے رسائل وملفوظات کا ایک مجموعہ بھی دیکھا تو اس کی سی ڈی حاصل کرلی۔

رب کریم نے چاہا تو شیخ محمد مراد کے احوال وآثار پر ایک کتاب مرتب کروں گا اور ان کی تمام غیر مطبوعہ تحریرات اس میں شامل کر دوں گا، اگلی سطور میں مسموعات شیخ مراد بخاری سے مراد یہی ملفوظات ہیں۔

۶۔ صوفی ازم پر یہ ایک عمدہ رسالہ ہے، جو پیرس (فرانس) سے نکلا تھا، سنا ہے کہ یہ مالی وسائل کی کمی کے باعث اب بند ہو گیا ہے، رسالہ کا پورا نام اس طرح ہے:

Journal of the History of Sufism ed. Zarcone and Buehler,

Sorbonne, Paris

اس کے چند مضامین کی فوٹو کاپی بنوائی، ایک شمارہ تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم پر ہے۔

۷۔ مولانا محمد مراد معصومی کا مدفن (مزار) ان کے مدرسہ نیشانچی پاشا، استنبول میں ہے، جو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار شریف کے سامنے محلوں میں سے ایک ہے، جہاں آپ کا مدرسہ تھا، آپ کا وصال حضرت انصاری کی مسجد شریف میں ہوا تھا، وہاں سے ان کے جسد مبارک کو اٹھا کر وہاں دفن کر دیا گیا، یہ آج کل مدرسہ نہیں ہے صرف ایک مزار ہے، ان دنوں وہاں مرمت اور تعمیر نو کا کام ہو رہا ہے، اس کے باوجود ہم وہاں تک پہنچ گئے، دروازہ بند تھا، یہ ترکی کے محکمہ اوقاف کی نگرانی میں ہے۔ (مقامات معصومی ۴/۳۶۶۔۳۷۱)

عکسیات

۱۔ اھدٰی ذخیرۂ کتب کا کتبہ

۲۔ اخبار جرأت کے تراشہ کا عکس (پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے شعبۂ علوم شرقیہ کی حالت زار)

۳۔ انکوائری کا نوٹس

۴۔ درخواست برائے قبر در قبرستان پنجاب یونیورسٹی

۵۔ اجازت نامہ برائے قبر

۶۔ محمد اقبال مجددی کی مسمار شدہ قبر کے کتبہ کا عکس (قبرستان پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

۷۔ مرقد میاں شمس الدین (تاجر کتب نادرہ)، مولف کے استاد و مربی، نزد روضۂ حضرت شیخ محمد طاہر بندگی، قبرستان میانی، لاہور

۸۔ پاسپورٹ، ویزہ جات

روزنامہ جرأت (6) 31 مئی 2016ء

پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شعبہ علوم شرقیہ کی حالت زار

پاکستان کی سب سے بڑی، قدیم اور عظیم یونیورسٹی یعنی پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ہے، جس میں ایک بہت بڑا شعبہ علوم شرقیہ ہے جس میں بین الاقوامی شہرت کے علمی ذخائر محفوظ ہیں جن میں سے ذخیرہ پروفیسر حافظ محمود شیرانی، سراج الدین آذر اور محمد حسین آزاد خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ یہاں آخری معلوم مجموعہ [illegible] کا ہے جس میں [illegible] مطبوعات، 250 رسائل، 226 مخطوطات، 425 [illegible]، 80 [illegible] اور 48 [illegible] ہیں۔ میں نے خود ایک مراسلہ لکھ کر وائس چانسلر سے کہا کہ وہ یہ قیمتی ذخیرہ لے جائیں۔ لائبریری کی طرف سے چیف لائبریرین کا خط مورخہ 8 فروری 2014ء میرے نام آیا اور لائبریری کا عملہ اپنا کمپیوٹر لے کر میرے گھر آ گیا اور میں نے بذات خود پہلے دس ہزار نادر مطبوعات کی فہرست مع اشاریہ املا کروائی جس پر تقریباً ایک سال صرف ہوا۔ کتابیں میں خود حفاظت سے کارٹنوں میں پیک کر کے لائبریری کے عملے کے حوالے کرتا رہا۔ اس کے بعد مخطوطات اور مصورات کی فہرست سازی کا وقت آیا تو پاکستان کے سب سے بڑے ذخیرہ مخطوطات کے انچارج حامد علی انصاری صاحب (ڈپٹی چیف لائبریرین) فہرست سازی کے لئے تشریف لاتے۔ میں [illegible] ہو گیا کہ میرے [illegible] مخطوطات کی فہرست اعلیٰ معیار پر مرتب کی جائے گی۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے لائبریری کے مخطوطات کے انچارج کو پہلا مخطوطہ دیتے ہوئے کہا کہ [illegible] تو انہوں نے کہا کہ یہ کام بھی آپ خود ہی کروا دیں۔ یعنی موصوف مخطوطات اور ان کی فہرست سازی کی ابجد سے بھی ناواقف تھے۔ [illegible] ایک بوڑھے ضعیف امراض کے مجموعہ نے یہ مفصل فہرست انگریزی میں املا کروانا شروع کی، جس میں ہر مخطوطہ کا آغاز، موضوع، ابواب، فصول، مؤلف کا سال وفات، ان کے حالات اور مترجم/کاتب کی نشاندہی بھی کر دی اور اگر ان میں سے کسی مخطوطہ کی دوسری کاپی دنیا کی کسی اور لائبریری میں موجود ہے تو مخطوطات کی فہارس کے حوالے سے ان کی بھی نشاندہی کر دی تاکہ تحقیق کرنے والوں کو رہنمائی میسر آ سکے۔ اس دوران لائبریری کے مخطوطات کے انچارج صاحب صرف مخطوطہ کی پیمائش، تعداد سطور [illegible] لکھتے رہے۔ ان کا یہ کام بمشکل دو ہفتے جاری رہا پھر وہ دفتری مصروفیات کے باعث تشریف نہ لا سکے۔ سب اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ یہ کام تو لائبریری کا ایک جونیئر کلرک بھی کر سکتا ہے، اس کے لئے انچارج صاحب نے کیوں کر تکلیف فرمائی؟ وہ بعد میں معلوم ہوا کہ موصوف یہ اوراق اس مفصل فہرست کے مصنف بننے کے لئے کر رہے تھے۔

محترم حامد علی انصاری نے یہی حرکت اس وقت بھی کی جب مطبوعات کی میری مرتبہ فہرست کی دو ضخیم مجلدات طباعت کے لئے یونیورسٹی کے پریس جانے لگے تو اس کا پانچ سو صفحات کا انڈیکس [illegible] میرا مرتب کیا ہوا ہے۔

انہوں نے اس فہرست پر بحیثیت شریک مؤلف اپنا نام لکھوانے کے لئے مجرمانہ کوشش کی۔ آخر سابق چیف لائبریرین (سید جمیل احمد رضوی) کی مداخلت پر ان کا نام بطور معاون فہرست کے سرورق پر لکھ دیا، جس پر لائبریری کے موجودہ چیف لائبریرین (حبیب احمد پراچہ) نے کہا کہ آپ نے مہربانی فرمائی ہے۔ یہ فہرست (ڈی) میں خود پریس جا کر جمع کروا کر آیا۔ اس کا دوسرا حصہ ابھی باقی تھا کیونکہ اس کی پریس میں فوری ضرورت نہیں تھی۔ ایک ہفتے کے بعد میں نے انچارج حامد علی انصاری سے دریافت کرنا شروع کیا تو وہ کئی روز تک ٹال مٹول کرتے رہے۔ مجھے ان کی نیت پر شک گزرا تو میں پریس پہنچا تو دیکھ کر حیرت نہ ہوئی کیونکہ صاحب انچارج ارادہ پورا فرما چکے تھے یعنی سرورق ٹائٹل سے اپنے نام کے ساتھ فقط معاون اڑا کر اس کی سافٹ کاپی پریس بھیج کر میرے ساتھ شریک مؤلف بن چکے تھے۔ میں نے وہاں [illegible] کو درست کروایا [illegible] چلا گیا لیکن مسلسل پریشان رہا۔

آخر 3 مئی 2016ء کو حامد علی انصاری کی اس مجرمانہ [illegible] لائبریری کے لئے ایک درخواست [illegible]

پروفیسر محمد اقبال مجددی

چیف لائبریرین [illegible] اس درخواست [illegible] میری [illegible] درخواست کی طرح [illegible] فرمایا کہ [illegible] ابھی تک میرا ایک [illegible] میری وائس چانسلر سے درخواست ہے کہ وہ [illegible] کرنے کی کوشش فرمائیں کہ ان کے [illegible] تاکہ لائبریری کی بہت بڑی بدنامی سے بچ سکے۔

موصوف کی ایک اور غیر علمی حرکت بھی قابل توجہ ہے کہ انہوں نے میری مرتبہ اس موضوعی فہرست کا موضوعی اشاریہ کیوں مرتب فرمایا؟ اور اب پر ایک سال کیوں کر صرف کر کے میری اس فہرست کی طباعت کو ایک سال کی تاخیر کا کیوں شکار کیا؟ یعنی وہی زبانی کارروائی تھی۔ صرف توجیہات کا نہایت شرمناک اظہار [illegible] کیا۔ جناب وائس چانسلر اگر ایسی حرکت یہاں یونیورسٹیوں کے کسی ملک کے افسر نے کی ہوتی تو ان کی کم از کم سزا معطلی اور ملازمت سے برطرفی ہوتی لیکن کیا کریں ہماری بدنصیبی یہ ملک ہے جس کے چپے چپے پر [illegible] ہوتی ہیں اور ان کا تدارک کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

جناب وائس چانسلر میرا اصل ذخیرہ جس کمرے میں رکھا گیا ہے، وہاں کی کھڑکیاں ٹوٹی ہوئی ہیں جن سے روزانہ بے شمار گرد و غبار اندر جاتا ہے جس پر میں نے آپ کو ایک عریضہ لکھا تھا کہ ان کھڑکیوں پر اعلیٰ معیار کی دوہری کھڑکیاں لگوا دیں۔ آپ نے فوراً اس کی منظوری دے دی۔ اس میں تقریباً آٹھ ماہ ہو گئے ہیں لیکن ابھی تک یہ کام نہیں ہو سکا۔ اسباب معلوم نہیں ہیں۔ جب میں گرد و غبار کی شکایت کرتا ہوں تو [illegible] سیکشن کے مذکورہ انچارج بڑی دیدہ دلیری سے فرماتے ہیں کہ جب یہ کتب [illegible] گھر میں تھیں تو کیا کتابوں پر گرد و غبار نہیں جاتا تھا؟

جناب عالی! مجھے ذخیرہ لائبریری کو دینے کے بعد مذکورہ انچارج صاحب کی طرف سے پہلا پروٹوکول یہ ملا کہ انہوں نے ذخیرے کے کمرے کے دروازہ پر کھڑے ہو کر یہ تاریخی جملہ فرمایا کہ بس لگ گئیں یہی کتابیں، اب یہ بھی گئیں۔ پھر کسی نے کھول کر دیکھی ہیں، بس گئیں۔ یعنی جس طرح باقی ذخائر یتیم و لاوارث ہو چکے ہیں یہ ذخیرہ بھی گیا۔ مجھے دوسرا پروٹوکول لائبریری کی طرف سے یہ دیا گیا کہ ذخیرہ منتقل کرنے کے سولہ ماہ بعد بھی مجھے اس کی رسید (وصول نامہ) نہ دی گئی تو میں نے پریشان ہو کر خود ہی ایک رسید مرتب کی، خود ہی کمپوز کروائی اور چیف لائبریرین کے پاس لے گیا جس پر انہوں نے دستخط کر کے مجھے دے دی۔ (مراسلہ نمبر 461، مورخہ 8 جون 2015ء)

میں نے یہ رسید سیکشن کے مذکورہ انچارج کو دکھائی تو انہوں نے میرے اس [illegible] فرمایا [illegible] تھے۔

وہاں خود ہی کتابوں کی فہرست بنائی، خود ہی پیک کیں اور خود ہی لا کر یہاں رکھوا دیں، ہمیں کیا معلوم ہے کہ کیا دیا؟

جناب انچارج نے یہ بالکل درست فرمایا۔ انہوں نے [illegible] کسی کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا تھا لیکن جب ان نادر [illegible] کتب کی فہرست طباعت کے لئے پریس جانے لگیں تو ان کے [illegible] ضرور [illegible] تھا کہ چونکہ شعبہ کا انچارج ہوں اس لئے اس پر میرا نام بھی بحیثیت مؤلف آ جانا چاہیے۔

یہ تو میرے ذخیرہ کی حالت زار تھی، دیگر ذخائر کا بھی یہی حال ہے۔ آزاد اور [illegible] کی نہایت نادر مطبوعات تباہ ہو چکی ہیں، لائبریری کے تہ خانوں میں جو الماریاں کتابوں کی ہیں وہ جالوں اور [illegible] سے [illegible] چکی ہیں۔

اورینٹل سیکشن (بالائی منزل) کے پیچھے ایک تاریک کمرہ ہے جس کے ریکوں میں قدیم مطبوعات رکھی ہیں جو زیادہ بری حالت میں پہنچ گئی ہیں جن کے اوراق اتنی بری حالت میں ہیں کہ ان میں سے اکثر کتابوں کو یقین ہے کہ دیمک لگ چکی ہوگی۔ بظاہر یہاں کسی کو جانے کی اجازت اس لئے نہیں ہے کہ وہاں بہت قدیم کتب پڑی ہوئی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ لائبریری عملہ اپنی بدحالی کے خوف سے وہاں کسی کو جانے نہیں دیتا۔ میں ایک روز حامد علی سے اجازت لے کر بمشکل ان کی زیارت کر چکا ہوں۔ اس لئے وہاں کے متعلق میں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ میرا مشاہدہ ہے۔

جناب وائس چانسلر میں آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا تھا کہ اپنے زخم دکھا کر چارہ دوں لیکن افسوس کہ آپ کے دفتر کے عملے نے مجھے آپ سے ملنے ہی نہیں دیا۔ اس لئے مجبوراً مجھے میڈیا کا سہارا لینا پڑا۔ امید ہے کہ دیگر اخبارات بھی میری اس دکھ بھری داستان کو نقل کر کے عوام تک حقیقت حال پہنچائیں گے اور دوسرے میڈیا خصوصاً [illegible] والوں سے توقع ہے کہ ان کی ٹیم وہاں کا اچانک دورہ کر کے لائبریری کے عملے کی کوتاہیوں اور بدانتظامیوں کا پردہ چاک کرے گی۔

پنجاب یونیورسٹی، لاہور کی مرکزی لائبریری کی حالت زار پر مراسلہ



کلیہ علوم شرقیہ، جامعہ پنجاب، لاہور، پاکستان

FACULTY OF ORIENTAL LEARNING

UNIVERSITY OF THE PUNJAB

Allama Iqbal (Old) Campus, Lahore, Pakistan

Prof. Dr. Muhammad Fakhar-ul-Haq Noori
Dean
Ph: 042-99210837

D/ 159 /Dean. O.L
Dated: 20 - 6 - 2016

NOTICE

A meeting of the Fact Finding Committee constituted by the Vice-Chancellor regarding complaint filed by Prof. Muhammad Iqbal Mujaddadi and Press cutting of Daily "Jura'at" dated 31st May, 2016, will be held on 22-06-2016 (Wednesday) at 10:00 a.m. in the office of the Chairperson, Department of Information Management, University of the Punjab, Quaid-e-Azam Campus, Lahore.

The members are requested to make it convenient to attend the meeting.

1. **Prof. Dr. Muhammad Fakhar-ul-Haq Noori** (Chairman)
   Dean, Faculty of Oriental Learning
2. **Prof. Dr. Muhammad Saleem Mazhar** (Member)
   Chairman Department of Persian
3. **Prof. Dr. Kanwal Ameen** (Member)
   Chairperson, Department of Information Management

Special invitation:

✓ **Prof. Muhammad Iqbal Mujaddadi**
196-B Sabza Zar Scheme, Multan Road,
Lahore.

Prof. Dr. Muhammad Fakhar-ul-Haq Noori
Dean, Faculty of Oriental Learning/
Chairman, Fact Finding Committee

انکوائری کمیٹی کا نوٹس، جس کی آج تک کوئی رپورٹ منظر عام پر نہیں آئی

باسمہٖ سبحانہ

۱۳؍نومبر ۲۰۱۵

بجناب وائس چانسلر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

السلام علیکم

۲۰۱۴ء کو میں نے اپنا ذاتی ذخیرہ (بارہ ہزار مطبوعات، مخطوطات و مصورات) پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو عطیہ کر دیا تھا، جس کا آپ باقاعدہ افتتاح ۲۶؍مارچ ۲۰۱۵ء کو کیا تھا، اب میری خواہش مند ہوں کہ فوت ہونے کے بعد بھی یونیورسٹی کی فضا میں رہوں، کتابوں کے بغیر آخرت کی زندگی بھی میرے لئے دشوار ہے۔

اس لئے کرم فرماتے ہوئے مجھے پنجاب یونیورسٹی کے قبرستان میں ایک قبر کی جگہ دے دیں، میں یونیورسٹی کا ملازم نہیں رہا ہوں اس لئے میری تدفین آپ کی خصوصی اجازت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

امید ہے جلد توجہ فرمائیں گے۔

مخلص

(پروفیسر) محمد اقبال مجددی

196 - بی بلاک سبزہ زار سکیم (ملتان روڈ)، لاہور

پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے وائس چانسلر کے نام یونیورسٹی کا قبرستان میں ایک قبر کی جگہ دینے کی درخواست



UNIVERSITY OF THE PUNJAB

Quaid-i-Azam Campus, Lahore - Pakistan

Tele :Off. 92-42-99231102
Fax :Off. 92-42-99231103
E-mail : registrar@pu.edu.pk

Prof. Dr. Liaqat Ali
Registrar

بنام

پروفیسر محمد اقبال مجددی،

196۔بی بلاک، سبزہ زار سکیم،

ملتان روڈ، لاہور۔

D/7551R
08-08-2016

عنوان: **یونیورسٹی کے قبرستان میں تدفین**

قلمی ہے کہ آپ کی طرف سے بیش بہا، قیمتی خزانہ جو کہ مطبوعات، مخطوطات اور مصورات پر مشتمل تھا، جو آپ نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو عطیہ کیا تھا، آپ کے اسی گراں قدر جذبہ کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ کی درخواست مورخہ ۱۳ نومبر، ۲۰۱۵ء بسلسلہ عنوان بالا، مجاز اتھارٹی نے منظور کر لی ہے۔

چٹھی ہذا ایک مصدقہ اطلاع نامہ ہے۔

8/8/16

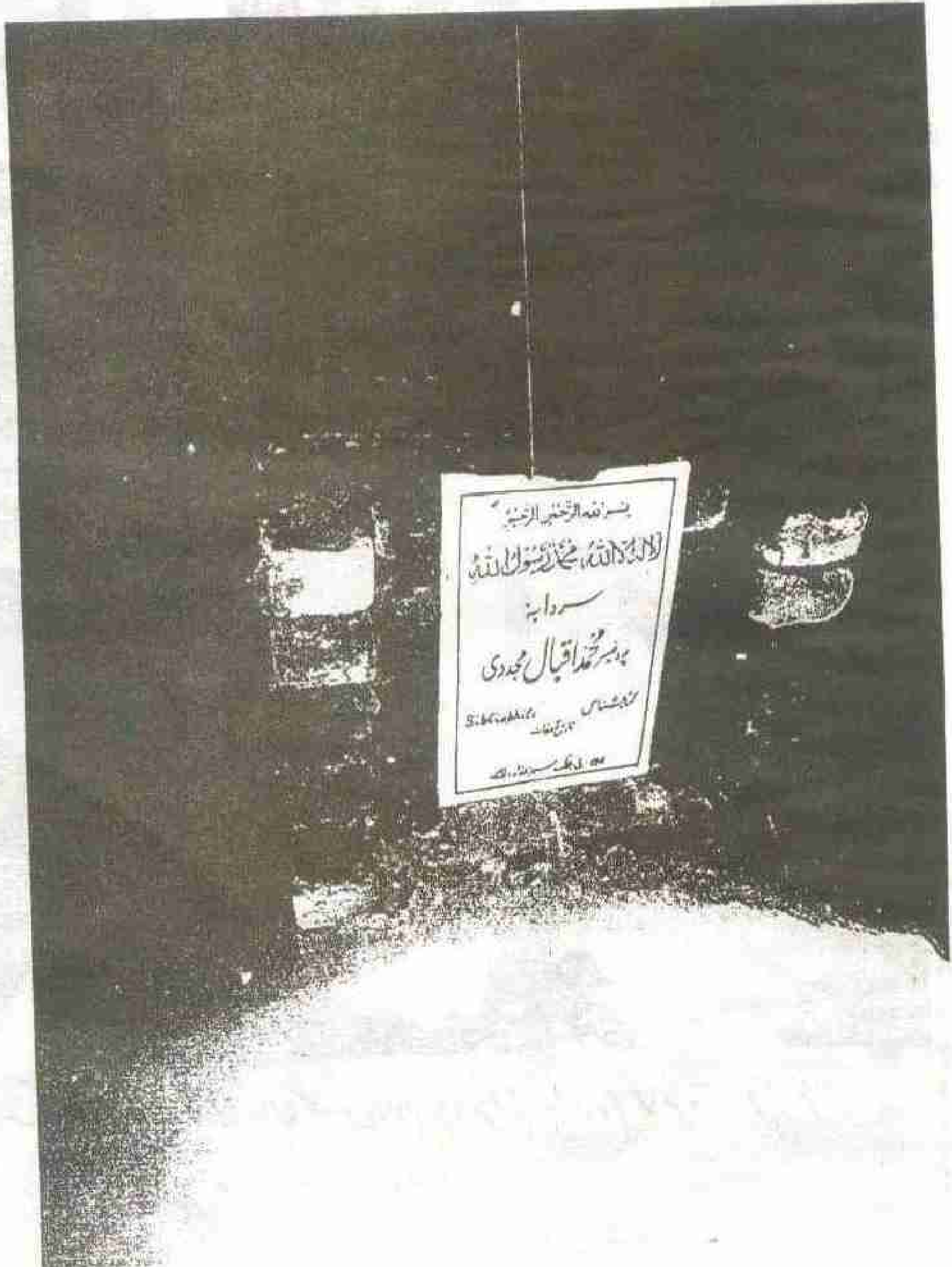
(پروفیسر ڈاکٹر لیاقت علی)
رجسٹرار

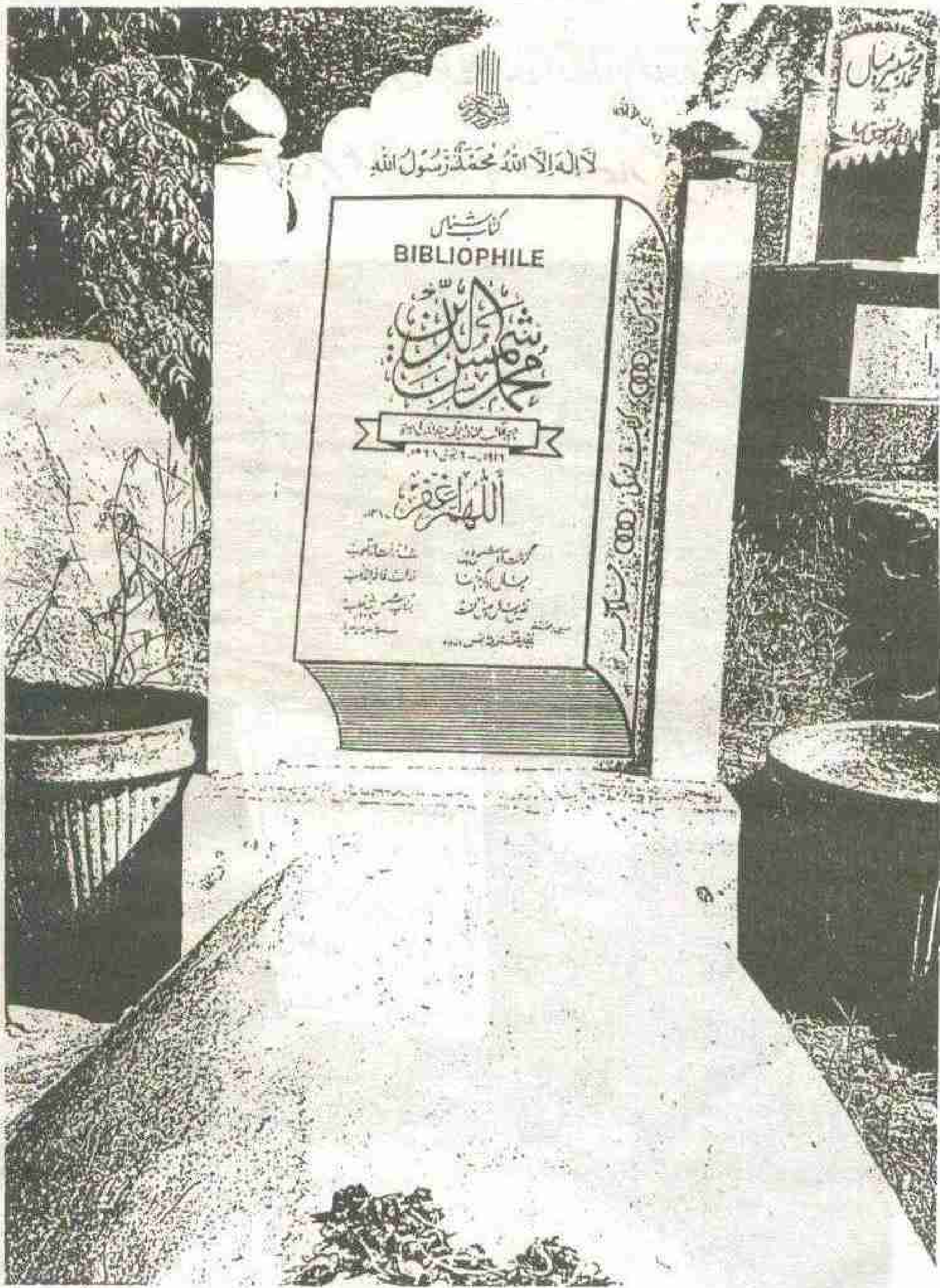
کاپی برائے اطلاع:

1۔ ایڈیشنل رجسٹرار۔I
2۔ ایڈیشنل رجسٹرار۔II
3۔ سیکرٹری ٹو وائس چانسلر
4۔ سٹاف آفیسر ٹو وائس چانسلر
5۔ ڈپٹی رجسٹرار (اکیڈمک)

رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے یونیورسٹی کے قبرستان میں ایک قبر دینے کا اجازت نامہ

پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے قبرستان میں محمد اقبال مجددی کی قبر، جسے یونیورسٹی نے اپنے سنہری اصولوں پر عمل کرتے ہوئے مسمار کر دیا۔





مؤلف کے استاد و مربی میاں شمس الدین (تاجر کتب نادرہ) کا مرقد، جوارِ مزار حضرت
شیخ محمد طاہر بندگی، قبرستان میانی

TOURIST VISA روادید جهانگردی

سرکنسولگری جمهوری اسلامی ایران لاهور

Consulate General of the Islamic Republic of Iran in Lahore

Mr. آقای

Mrs. خانم

Accompanied by همراهان

Visa valid until اعتبار

Period of stay in Iran مدت اقامت در ایران

Price بهاء

Date 6-8-92 تاریخ

No. 9175 ۹۱۷۵ شماره

حسین جهانگیر قبله

کنسولیار سرکنسولگری جمهوری اسلامی ایران لاهور

KINGDOM OF SAUDI ARABIA

VISA

Date : 10/08/12 33/09/22

Name : MUHAMMAD IQBAL MUJADDIDI NOOR MUHAMM

Hajj Visa

Not Permitted to Work

(Free)

E707324536

V<SAUNOORMUHAMMAD<<MUHAMMAD IQBAL<<<<<<<<<<<

BM0571631 7PAK5009157M0312177210368796 0<<<<<<

ENDORSEMENT

S. No. 798510

Regional Passport Office

Passport No. B138798

Endt. No. 81310

Date 3.7.88

Also valid for INDIA

FOR A SINGLE JOURNEY DURING THE PERIOD FROM 3.7.88 TO 2.7.89

No. of Countries Endorsed (in words) One

Signature of issuing authority with stamp

REPUBLIC OF TURKEY

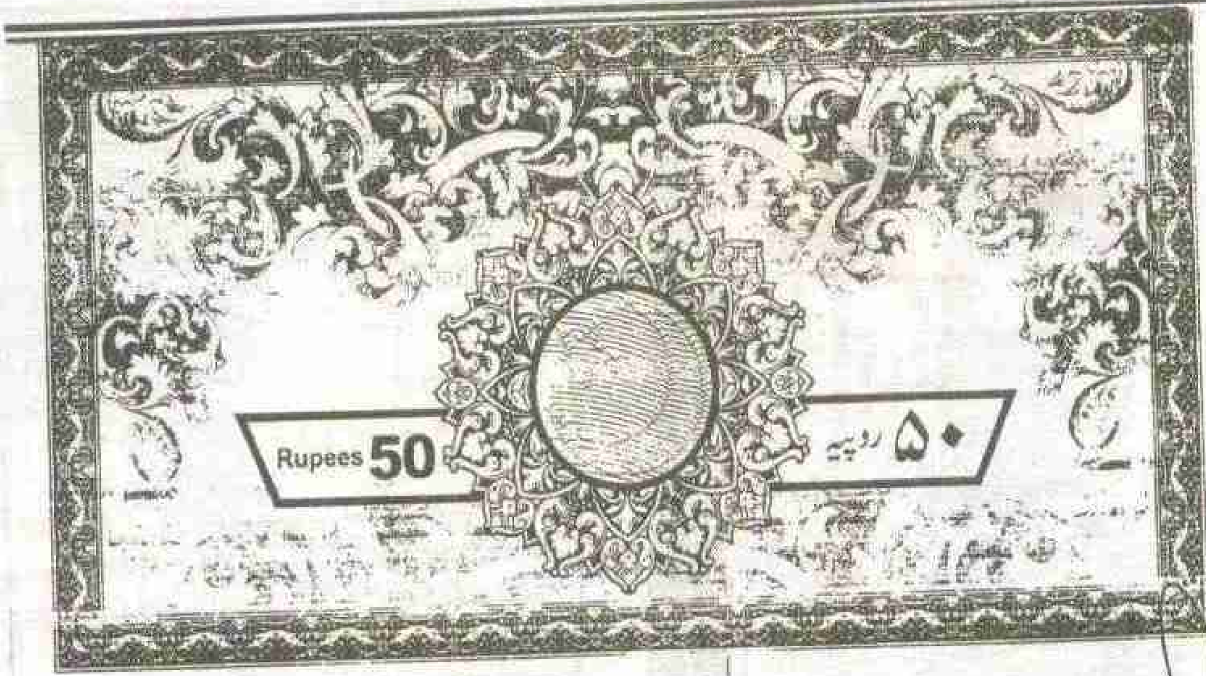
TÜRKİYE

51 928169

V<TURMUJADDIDI<<MUHAMMAD<IQBAL<<<<<<

BM0571632 3PAK1611287M2110190<<<<<<<<8

علمی اسفار کے لئے مختلف ممالک کے ویزوں کے عکس



وصیت نامہ

بجناب چیف لائبریرین، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور

جناب عالی!

میں نے اپنا عمر بھر کا علمی سرمایہ یعنی دس ہزار نادر مطبوعات، 250 رسائل، 226 مخطوطات، 425 روٹوگرافز، 80 مائیکروفلمز اور 80 سی ڈیز پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور کو 2014ء میں عطیہ کر دیا تھا۔ جس کی مطبوعات اور مخطوطات و مصورات کی فہرست پنجاب یونیورسٹی، لاہور کی طرف سے تین ضخیم جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔

اس ذخیرہ کی حفاظت کے نقطۂ نظر سے چند شرائط چیف لائبریرین اور میرے مابین طے ہوئی تھیں۔ جن پر یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے توثیقی و تصدیقی دستخط بھی ثبت ہیں (مکتوب نمبر D/147/Z مورخ 8 فروری 2014) کی عکسی نقل وصیت نامہ حاضر کے ساتھ منسلک ہے اور آپ کی طرف سے کتب، مخطوطات و مصورات کے وصول نامہ (شمارہ 481 مورخ 8 جون 2015) کی عکسی نقل بھی اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔

اب میں بقائم ہوش و حواس یہ وصیت کرتا ہوں کہ میری وفات کے بعد میرا فرزند محمد عمر اقبال (شناختی کارڈ نمبر 35202-3591669-9) ساکن 196۔بی سبزہ زار لاہور اور میرے عزیز محمد ناظم بشیر (شناختی کارڈ نمبر 3520014014697) ساکن 51-K-1 واپڈا ٹاؤن، لاہور میرے اس ذخیرۂ علمیہ کے نگران ہوں گے یعنی ذخیرہ کی نگہداشت کے علاوہ طے شدہ شرائط پر عمل درآمد کروانے کا ان کو میری طرف سے اختیار ہوگا۔

وصیت کنندہ	چیف لائبریرین
(محمد اقبال مجددی)	حسیب احمد پراچہ
شناختی کارڈ نمبر: 35202-30464163-5	
ساکن 196۔بی سبزہ زار، لاہور	
M. I. Mujaddidi 17-1-2017	6/1/17

اس کتاب کے مولف پرفیسر محمد اقبال مجددی کو ان اسفار کے دوران جو سفری اور مالی مشکلات پیش آئیں اور کتب و مخطوطات کے عکس کے حصول کی جو انہوں نے ان تھک سعی کی جس کی داستان بہت ہی سادہ لیکن بے ساختہ الفاظ میں بیان کر دی ہیں، اس کے مقدمہ میں انہوں نے اپنی مطبوعہ و غیر طبوعہ ۶۳ تالیفات و مرتبات کا بھی تعارف کروایا ہے۔

Wuh Kitābeen Apne ābā'kī

(The Travel accounts for the research of Oriental Studies in Pakistan and abroad)

Compiled by
Muhammad Iqbal Mujaddidi

Published By:

PROGRESSIVE BOOKS

6-YOUSIF MARKET GHAZANI STREET, URDU BAZAR LAHORE
PH: 042-37352795, FAX: 042-37124354

2019



